

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 وَالْقُرْآنُ كَرِيمٌ
 تِلْكَ آيَاتُ الْقُرْآنِ الْمُبِينِ
 تَنْزِيلُ الْكِتَابِ بِإِذْنِ رَبِّكَ الْمُبِينِ
 قَدْ جَاءَكَ الْقُرْآنُ عَلَى أَمَانٍ كَرِيمٍ

مَعَالِمُ الْعُرْفَانِ

دُرُوسُ الْقُرْآنِ

إِفَادَات
 حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی

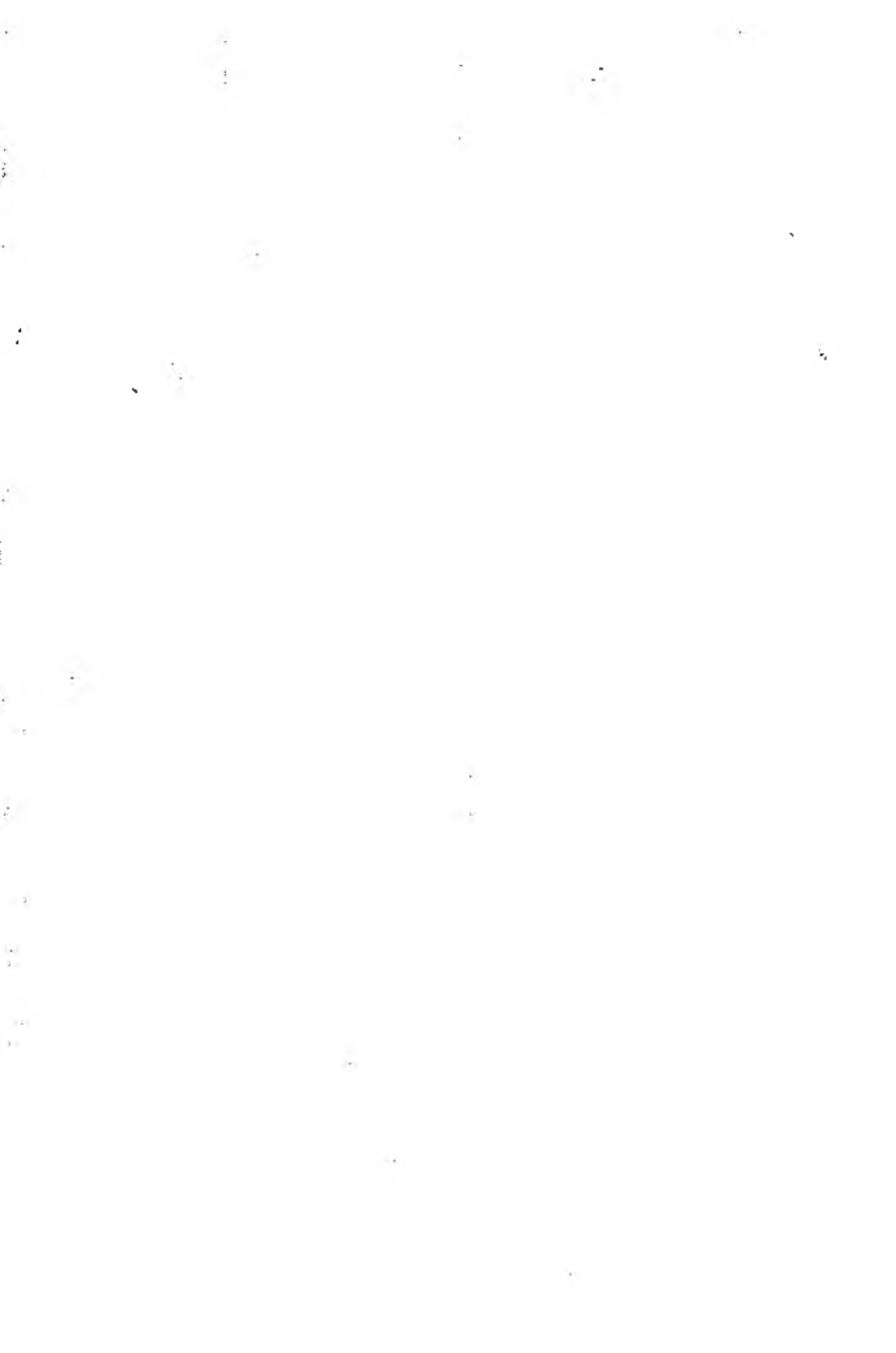
خطیب جامع مسجد نور
 بابی مدرسۃ العلوم گوجرانوالہ

مترجم

الحاج اعلیٰ دین ایم علی (علوم اسلامیہ)

مکتبہ دُرُوسُ الْقُرْآنِ
 ناشر

فاروق پبلیشنگز گوجرانوالہ



روزانہ درس قرآن پاک



تفسیر

سُورَةُ الْعَمَّانِ (مکمل)

جلد: ۴

افادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحکیم سواتی مدظلہ

خطیب جامع مسجد نور، گوجرانوالہ

تیسواں ایڈیشن

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

نام کتاب	معالم عرفان فی دروس القرآن (سورۃ آل عمران مکمل) جلد ۳
افادات	حضرت مولانا صفی عبدالحمید خان سواتی مدظلہ
مرتب	الحاج اعلیٰ دین مدظلہ ایم اے (علوم اسلامیہ) شمالا مارٹن لاہور
تعداد طبع	پانچ سو (۵۰۰)
سرورق	سید الخطا طبع حضرت شاد نقیس الحسینی مدظلہ
کتابت	محمد امان اللہ قادری، گوجرانوالہ
ناشر	مکتبہ دروس القرآن فاروق کالج گوجرانوالہ
قیمت	۲۴۵/- (دو سو پینتالیس روپے)

تاریخ طبع تیسواں ایڈیشن ... رجب ۱۴۳۲ھ بمطابق مئی ۲۰۱۳ء

منے کے پتے

- (۱) کتب خانہ صفدریہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
- (۲) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق کالج گوجرانوالہ
- (۳) کتب خانہ رشیدیہ برادریہ بازار اولپنڈری
- (۴) مکتبہ حمایتی آراء سٹریٹ اردو بازار لاہور
- (۵) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
- (۶) مکتبہ قاسمیہ الفضل مارکیٹ لاہور
- (۷) مکتبہ علمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی
- (۸) مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور
- (۹) اسلامیہ کتب خانہ اذکار، ایبٹ آباد
- (۱۰) مکتبہ شہید، سرکی روڈ کوئٹہ
- (۱۱) مکتبہ اعلم، اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

معالم العرفان فی دوس القرآن، سورۃ ال عمران، جلد ۲

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۲	عمر سیکھنے سے آتا ہے	۲۳	سورۃ ال عمران سے
"	نہایت فی علم	۲۴	درس اول (آیت ۱ تا ۱۰) آیات و تفسیر
۴۳	رعائہ کلمات	۲۵	نام اور کون کون
۴۴	درس سوم (آیت ۱۱ تا ۱۴)	"	زمانہ نزول
"	آیت و تفسیر	۲۶	سرگزشت مضمون
۴۵	ربط آیات	"	خبر ان کا وفد
"	شان نزول	۲۸	موضوع بحث
۴۷	مال و مالدار بے سود ہوں گے	۲۹	ایمانیات کا بیان
۴۸	ال فرعون کی مثال	۳۰	مشکلات کا انجام
۵۰	جنت و سرگ یاد	۳۱	اللہ تعالیٰ کی قدرت نامہ
۵۱	تفسیر تفسیری	۳۲	درس دوم (آیت ۱۵ تا ۱۹) آیات و تفسیر
۵۲	شرط قلبہ	۳۳	ربط آیات
۵۳	درس چہارم (آیت ۲۰ تا ۲۴)	"	نزول کتاب
"	آیت و تفسیر	۳۴	حکم اور مشابہ
۵۵	اسباب نزول آیات	۳۸	خدا و یس
۵۷	مرغوب اشیاء ما عورت	۴۰	صیحہ تائیل
۵۸	کثرت اولاد	"	تفسیر کے اسلوب و سبب
	خدا کی بنیاد		

۸۸	اسلام کیسے	۵۹	عورت کی فائزگی
۸۰	اطاعت خداوندی	۶۰	۲۱ اولاد
۸۱	ایمان کی دعوت	۶۱	۲۲ مال و دولت
۸۳	درس ہفتم (آیت ۲۱ تا ۲۵)	۶۲	۲۳ گھوڑے اور مویشی
۸۰	آیات و ترجمہ	۶۳	۲۴ کھیت
۸۲	ربط آیات	۶۴	متقین کے لیے انعام
۸۰	آیات سے انکار	۶۵	درس ثامن (آیت ۱ تا ۱۸)
۸۰	قلناحق	۶۵	آیات و ترجمہ
۸۴	عذاب الیم	۶۶	ربط آیات
۸۸	دعوت الی الکتاب	۶۶	ایمان اور بخشش
۸۹	قسم القرآن	۶۷	اہل تقویٰ ۱ صابریں
۹۰	شفاعت کا غلط عقیدہ	۶۹	۲ صادقین
۹۱	افتراف فی العین	۷۰	۳ اطاعت گزار
۹۳	درس ہشتم (آیت ۱ تا ۱۴)	۷۰	۴ صریح کفر والے
۷۰	آیات و ترجمہ	۷۱	۵ طالبان بخشش
۷۰	ربط آیات	۷۲	ترجمہ باری تعالیٰ
۹۳	حاکم الملک	۷۳	علامے حق
۹۴	غیر اسلام کے لیے دعا	۷۴	علامے سوء
۹۹	عزت و دولت	۷۵	درس نهم (آیت ۱ تا ۲۰)
۷۰	غیر اور شمر	۷۶	آیات و ترجمہ
۱۰۰	دن اور رات	۷۷	ربط آیات
۱۰۱	رزق ربانی	۷۸	سچا دین صرف اسلام ہے
۱۰۲	درس نهم (آیت ۱ تا ۲۸)	۷۹	وجہ اختلاف

۱۳۳	آیات و ترجمہ	۱۰۲	آل عمران	۱۳۳
"	ربط آیات	۱۰۳	النمل الثاني	"
۱۳۴	درستی کا معیار	"	بشریت انبیاء	۱۳۴
۱۳۶	درستی کی تین اقسام	۱۰۴	درس دوازدهم ۱۲ (آیت ۳۵ تا ۴۱)	۱۳۶
"	کفار سے درستی	۱۰۵	آیت و ترجمہ	"
۱۳۷	اللہ علیہ السلام کی ہے	۱۰۷	زوجہ عمران کی نذر	۱۳۷
۱۳۸	غیر و شکر کا بدلہ	۱۰۸	جائز اور ناجائز نذر	۱۳۸
۱۳۹	درس دہم ۱۰ (آیت ۳۱ تا ۳۶)	۱۱۰	حضرت مریم کی ولادت	۱۳۹
"	آیات و ترجمہ	"	حضرت مریم کی کفالت	۱۴۰
"	ربط آیات	"	حضرت مریم کی کنیت	۱۴۱
۱۴۰	وہابی محبت	"	درس سیزدہم ۱۳ (آیت ۲۸ تا ۳۱)	۱۴۰
"	معیار محبت	۱۱۱	آیت و ترجمہ	"
۱۴۱	حب رسول	۱۱۲	ربط آیات	۱۴۱
"	اتباع رسول	۱۱۳	ٹیکہ اولاد کے لیے دعا	"
۱۴۲	اللہ کی محبوبیت	۱۱۴	دعا کی قبولیت	۱۴۲
"	عصمت انبیاء	۱۱۵	حضرت اسماعیلؑ کے مناقب	۱۴۳
۱۴۳	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۲۲ تا ۲۴)	۱۱۸	حضرت زکریاؑ علیہ السلام کا انتخاب	۱۴۴
"	آیات و ترجمہ	"	استقرار حمل کی نشانی	"
۱۴۴	ربط آیات	"	درس چہارم ۱۴ (آیت ۵۴ تا ۵۷)	۱۴۴
"	ظلم و ستم کا دور	"	آیت و ترجمہ	"
"	شرف انبیاء اور آدم علیہ السلام	۱۲۱	ربط آیات	"
۱۴۵	نوح علیہ السلام	"	فرشتوں کا غیر خدائی سے کلام	۱۴۵
۱۴۶	آل ابراہیم	۱۲۲	حضرت اسماعیلؑ کے مناقب	۱۴۶

۱۷۰	رسالت عامہ	۱۷۷	حضرت مریم کو فیصحت
۱۷۱	معجزات انبیاء	۱۷۹	غیب کا خبری
"	امت قوی پرزورہ	۱۸۰	قرعہ کی شرعی حیثیت
۱۷۲	مشفقے بیماروں	۱۸۱	پہنچنا اور علم غیب
۱۷۳	احیائے موتی	۱۸۲	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۲۵ تا ۲۸)
۱۷۴	خود راگ کی خبر	"	آیات و ترجمہ
۱۷۵	معجزات کا انکشاف	"	رابطہ آیات
"	تصدیق کتب سابقہ	۱۸۳	حضرت مریم کو بشارت
۱۷۷	درس ہفتم ۱۷ (آیت ۲۷ تا ۲۸)	۱۸۴	کلمۃ التذکرہ کو تفسیر
"	آیات و ترجمہ	۱۸۵	مسیح ابن مریم
"	بنیادی عقیدہ	۱۸۶	عیدائینوں کا باطل عقیدہ
"	بقیہ تفسیر و علم	"	عیسیٰ ابن مریم
۱۷۸	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری	۱۸۷	یہودیوں کی تین دشمنی
۱۷۹	حواریوں کی دعا	۱۸۸	حضرت مسیح کے مناقب
۱۸۰	یہودیوں کی سازش	۱۸۹	مقرین النبی
۱۸۱	درس ہشودہم ۱۸ (آیت ۲۵ تا ۲۷)	۱۹۰	چکناہ کلام میں غلام
"	آیت و ترجمہ	۱۹۱	صالح عیسیٰ علیہ السلام
۱۸۲	رابطہ آیات	"	حضرت مریم کی پریشانی
"	توقی کا معنی	۱۹۲	مسیح علیہ السلام کی حیثیت معظم
۱۸۳	قادیانوں کی غلط آواز	۱۹۳	درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۲۹ تا ۳۰)
"	مسئلہ ختم نبوت	"	آیات و ترجمہ
۱۸۴	حق و باطل	۱۹۴	رابطہ آیات
"	واقعہ ارتعاج	"	رسول بنی اسرائیل

۲۱۲	آیات و ترجمہ	۱۹۰	متبعین کا علیہ
"	رابطہ آیات	۱۹۲	عذاب اور ثواب
۲۱۳	حقیقہ ترجمہ	۱۹۳	درس نوزدہم ۱۹ (آیت ۶۰ تا ۵۸)
۲۱۵	قبر پرستی	"	آیات و ترجمہ
۲۱۶	شرک کی لعنت	"	رفع علی علیہ السلام پر دلائل
۲۱۷	رب صرف اللہ ہے	۱۹۵	نشانات صداقت
۲۱۸	تحلیل و تحریم	۱۹۶	صانع اور مینوع
۲۲۰	شاہ روم کے نام خط	۱۹۷	رفع کی مزید تفصیل
۲۲۲	درس آیت ۲۲ (آیت ۶۸ تا ۶۵)	۱۹۸	نزول مسیح
"	آیات و ترجمہ	۱۹۹	علامہ قیامت
۲۲۳	رابطہ آیات	۲۰۰	تخلیق عیسیٰ پر مثال
"	شان نزول	۲۰۳	درس سترہم ۲۰ (آیت ۶۱ تا ۶۲)
۲۲۴	یہودیت اور نصرانیت کی ابتداء	"	آیات و ترجمہ
۲۲۵	ہندو اور رسوم	"	رابطہ آیات
"	ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جھگڑا	۲۰۴	مباہلہ کا جلیج
۲۲۶	ابراہیم علیہ السلام خلیفہ تھے	۲۰۵	مباہلہ سے طرار
۲۲۷	بزرگوں کی طرف نسبت	"	صلح نامہ
۲۲۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متبعین	۲۰۶	مباہلہ کا دیال
۲۳۰	درس آیت ۲۳ (آیت ۶۹ تا ۷۱)	۲۰۷	مباہلہ اور اہل بیت
"	آیات و ترجمہ	۲۰۸	مباہلہ کی مشروطیت
"	رابطہ آیات	۲۰۹	حق بات
۲۳۱	اہل کتاب کا مضویہ	۲۱۱	مفسرین کو تبلیہ
۲۳۲	منتشرین کی سازش	۲۱۲	درس آیت ۲۴ (آیت ۷۲)

۲۵۲	شان نزول	۲۳۲	فن کور فاشی
۲۵۳	اہل کتاب کی برتری	۲۳۵	مفسرین اور اہل کتاب
۲۵۴	میسوق لوگ	"	تکفیر آیات
۲۵۵	محبوب لوگ	۲۳۶	کتاب حق
۲۵۶	تحریر لغوی	۲۳۸	درس سبب چہارم (آیت ۴۲ تا ۴۴)
۲۵۷	تحریر معنوی	"	آیت و ترجمہ
۲۵۹	درس سبب ہفتم (آیت ۴۹ تا ۵۰)	"	رابط آیات
"	آیات و ترجمہ	۲۳۹	یہودیوں کی تمیز
"	رابط آیات	۲۴۰	تصدیق حق سے انکار
۲۶۰	شان نزول	۲۴۲	بنی اسرائیل کی عارضی فضیلت
"	بشریت نبیہ علیہم السلام	۲۴۳	تمام فضائل کا مجموعہ
۲۶۲	منصب نبوت	۲۴۵	درس سبب ششم (آیت ۵۵ تا ۵۶)
۲۶۳	الشہداء	"	آیات و ترجمہ
۲۶۵	عبدیت کی غلط نسبت	"	رابط آیات
۲۶۷	رب رب العالمین	۲۴۶	مالی حیثیت
۲۶۷	غزلہ کلام	"	شان نزول
۲۶۸	درس سبب ہشتم (آیت ۸۱ تا ۸۲)	۲۴۷	دینار و درہم
"	آیات و ترجمہ	۲۴۸	باطل فلسفہ
"	رابط آیات	۲۴۹	امانت کی واپسی پر اصرار
۲۶۹	میشاق الست	۲۵۰	عہد کی پابندی
"	تمام ابیار سے میثاق	۲۵۱	درس سبب نهم (آیت ۸۱ تا ۸۲)
۲۷۰	میشاق خاص	"	آیات و ترجمہ
۲۷۱	یہودیوں کی خلاف ورزی	"	اہل کتاب کی تیسری حیثیت

۲۵۵	آیات و ترجمہ	۲۴۳	پاکیزہ پیش
"	ربط آیات	۲۴۵	عزیز شکنی پر وعید
"	قبولیت کا درایان پہ ہے	۲۴۷	درس سب سے ۲۹ (آیت ۸۵ تا ۸۲)
۲۹۶	پہ، پیکر اور اشم	"	آیات و ترجمہ
۲۹۷	فنی کی مثالیں	۲۴۸	ربط آیات
۲۹۹	محبوب چیز کی قربانی	"	ستار دین
۳۰۰	معاشی نظام	۲۸۰	ایمان با شکر
"	تجروں کے لیے لمحہ فکریہ	"	ایمان با کتاب
۳۰۱	اسرار و تہذیب	۲۸۲	ایمان بالکمال
۳۰۳	درس سب سے ۳۲ (آیت ۹۵ تا ۹۲)	"	غیر اقوام کی سازشیں
"	آیات و ترجمہ	۲۸۵	مسلمانوں کی بد قسمتی
"	شان نزول	"	اسلامی قوانین
۳۰۴	یہودیوں کے چار سوال	۲۸۷	درس سب سے ۳ (آیت ۹۱ تا ۸۶)
۳۰۶	حالت و حرمت	"	آیت و ترجمہ
۳۰۷	مختلف شرائع کے احکام میں فرق	۲۸۸	ربط آیات
۳۰۹	یہودیوں کی کذب بیانی	"	آخرت کا در اسلام پر ہے
۳۱۰	مستجاب بھی کا اتباع	۲۸۹	شان نزول
۳۱۲	درس سب سے ۳۳ (آیت ۹۷ تا ۹۴)	۲۹۰	بعثت رسول کی پیشین گوئیاں
"	آیات و ترجمہ	۲۹۱	ظالم طاقت سے محروم ہیں
"	گذشتہ سے پرستند	۲۹۲	قبولیت تو ہے
۳۱۳	قبضہ اول	۲۹۳	عدم قبولیت تو ہے
۳۱۵	بچہ اور صبح	"	فدیر کام نہ آئے گا
۳۱۶	فضل بیت اللہ شریف	۲۹۵	درس سب سے ۴ (آیت ۹۲)

۳۴۱	آیات و ترجمہ	۳۴۱	تدریج تعمیر کعبہ
۳۴۲	ربط آیات	۳۴۲	مقام ابراہیم
۳۴۳	دعوت الیٰ خیر	۳۴۳	جائے امن
۳۴۴	اصلاح کے تین اصول	۳۴۴	قرضیت ج
۳۴۵	ایمان کے تین درجات	۳۴۵	معرضین ج کے لیے دعید
۳۴۶	فرض کفایہ	۳۴۶	درس سی پیرہ ۲۴ (آیت ۹۸ تا ۱۰۱)
۳۴۷	اس کے مکلفین	۳۴۷	آیات و ترجمہ
۳۴۸	درس سی و شہت ۲۴ (آیت ۱۰۵ تا ۱۰۹)	۳۴۸	ربط آیات
۳۴۹	آیات و ترجمہ	۳۴۹	تکفیر آیات
۳۵۰	ربط آیات	۳۵۰	صلوٰۃ مستقیمہ میں رکاوٹ
۳۵۱	تفسیر فی الدین	۳۵۱	اہل اسلام کو تنبیہ
۳۵۲	صحابہ و کشتن متا سے میں	۳۵۲	عقیدہ حاضر و ناظر
۳۵۳	اختلاف رحمت	۳۵۳	اعتصام باللہ
۳۵۴	مسکات ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲	۳۵۴	درس سی پیرہ ۲۵ (آیت ۱۰۲ تا ۱۰۴)
۳۵۵	اختلاف رحمت	۳۵۵	آیات و ترجمہ
۳۵۶	دعوات کی کثرت	۳۵۶	ربط آیات
۳۵۷	روشن اور بیاہ چہرے	۳۵۷	غومہ خدا
۳۵۸	رجوع الی اللہ	۳۵۸	حق لقائہ
۳۵۹	درس سی و شہت ۳۸ (آیت ۱۱۰ تا ۱۱۲)	۳۵۹	خانہ بالایان
۳۶۰	آیات و ترجمہ	۳۶۰	جل اللہ
۳۶۱	ربط آیات	۳۶۱	تفریق بین المسلمین
۳۶۲	بہترین امت	۳۶۲	تذکیر احسانات اللہ
۳۶۳	امر بالمعروف	۳۶۳	درس سی و شہت ۳۶ (آیت ۱۰۳ تا ۱۰۴)

۳۹۱	راہِ راست	۳۶۰	نہی عن المنکر
۳۹۲	مخلص دوست	۳۶۱	نہی بریکال
۳۹۳	شانِ بزدل	۳۶۲	ایمان باللہ
۳۹۴	سامانچری	۳۶۳	بل بیان کرتی
۳۹۵	اخلاقی روانداری	۳۶۴	درس سی و نہم (آیت ۱۱۲ تا ۱۱۵)
۳۹۶	کلیدی اشیعوں پر تصریح	۳۶۵	آیات و ترجمہ
۳۹۷	مسلمانوں کے ساتھ بدتمیزی	۳۶۶	ربط آیات
۳۹۸	درس چیل و سرور (آیت ۱۱۹ تا ۱۲۰)	۳۶۷	یہودیوں کی ذمت
"	آیت و ترجمہ	۳۶۸	جہل اللہ اور جہل الناس
۳۹۹	ربط آیات	۳۶۹	محرم اقتدار
۳۹۰	افسانے ساز	۳۷۰	مسلمانوں کی ذریعوں مالی
۳۹۱	خلافتِ اسلامیہ	۳۷۱	غضبِ الہی
۳۹۲	یکطرفہ محبت	۳۷۲	سعید روہیں
"	یگانہ باکت	۳۷۳	درس چیل (آیت ۱۱۶ تا ۱۱۹)
۳۹۳	منفقین کا اطہارِ نفسی	۳۷۴	آیات و ترجمہ
۳۹۴	ذوق کا طریقہ	۳۷۵	ربط آیات
۳۹۵	درس چیل و سرور (آیت ۱۲۱ تا ۱۲۲)	۳۷۶	مال و اولاد کا فتنہ
"	آیت و ترجمہ	۳۷۷	جہادِ دینی
"	ربط آیات	۳۷۸	کفار کا ملک خاق
۳۹۶	عبر اور تقویٰ	۳۷۹	دنیا میں شہرت
"	جبکہ اندک کلمہ منظر	۳۸۰	بنائی کا اثر بھی پر
۳۹۷	صاحبِ شہرہ	۳۸۱	درس چیل و مکمل (آیت ۱۱۸)
۳۹۸	حضورِ عیدِ اسلام کے خواب	۳۸۲	آیات و ترجمہ
۳۹۹	جبکہ کلمہ سیتہ تباری	۳۸۳	
۴۰۰	قول علیؓ اللہ	۳۸۴	
۴۰۱	درس چیل و چارہ (آیت ۱۲۳ تا ۱۲۵)	۳۸۵	
"	آیت و ترجمہ	۳۸۶	
"	ربط آیات	۳۸۷	
۴۰۲	غزوہ بدر	۳۸۸	
۴۰۳	اداکار کا فن	۳۸۹	
۴۰۴	تقریبی اور شرعی	۳۹۰	
۴۰۵	نہیں سکے درجہ بدر	۳۹۱	

۴۳۰	فلاح انسانیّت	۴۰۹	درس چیل و پنج ۴۵ (آیت ۱۲۶ تا ۱۲۸)
۴۳۲	درس چیل و شت ۴۸ (آیت ۱۳۹ تا ۱۴۲)	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	۴۱۰	ربط آیات
۴۳۳	ربط آیات	"	مقصد نزول ملائکہ
"	مسکینوں کی حوصلہ افزائی	۴۱۱	نصرت الہی
۴۳۴	جنگ قاکوسیہ	۴۱۳	کفار کی ناکامی
"	حالات میں تغیر و تبدل	"	غزوہ احد میں آزمائش
۴۳۶	آزمائش اور الٹی حکمت	۴۱۵	جہاد اور سزا اللہ تعالیٰ کے پاس سپرد
۴۳۶	سرخوں کا ترکیہ لغض	۴۱۷	درس چیل و شش ۴۶ (آیت ۱۴۱ تا ۱۴۳)
۴۳۸	جہاد اور صبر	"	آیات و ترجمہ
۴۳۹	سورۃ کی تمنا	"	ربط آیات
۴۴۰	درس چیل و نہ ۴۹ (آیت ۱۵۲ تا ۱۵۵)	۴۱۸	حرمت سود
"	آیات و ترجمہ	۴۱۹	غیر انتقام
"	ربط آیات	۴۲۰	دریائے دانی الیہ
"	ساختہ احد	۴۲۱	کامیابی کا مآثر
۴۴۲	آزادی راہی صورت ذات خداوندی ہے	۴۲۲	نیکی میں بہت
۴۴۵	دین پر شائبہ قدی	"	اتفاق فی سبیل اللہ
۴۴۶	ابن قتیہ کا شعر	۴۲۳	مشقین کے صفات
۴۴۷	سورۃ کا دفع مقرر ہے	"	درس چیل و حققت ۴۷ (آیت ۱۵۵ تا ۱۵۸)
"	طلب دنیا یا طلب آخرت	"	آیات و ترجمہ
۴۴۹	درس پنجابہ ۵۰ (آیت ۱۵۸ تا ۱۶۱)	"	ربط آیات
"	آیات و ترجمہ	۴۲۸	در کتاب گناہ اور معافی
"	ربط آیات	۴۲۹	استغفار کی برکات
"	ربط آیات	۴۳۰	نشانات عبرت

۴۵۰	۵۲ درس پنجاہ و سہ (آیت ۵۴ تا ۵۵)	۴۵۰	بہا و منہج انبیاء سب سے
۴۵۱	آیات و ترجمہ	۴۵۱	مؤمن ثابت قدم رہتا ہے
۴۵۲	رابطہ آیات	۴۵۲	صبر بہترین حربہ ہے
"	دوران جنگ فائدہ	"	مجاہدین کی دعا
۴۵۵	منفقوں کے شبہات	۴۵۵	دنیا و آخرت کا ثواب
۴۵۶	موت کا وقت مقرر ہے	"	محبوبانِ خدا
۴۵۷	تیمین کی آزمائش	۴۵۷	درس پنجاہ و یک (آیت ۴۹ تا ۵۱)
۴۵۹	شیطان کا پھسلاوا	"	آیت و ترجمہ
"	اللہ کی طرف سے معافی	"	رابطہ آیات
۴۵۸	درس پنجاہ و چار (آیت ۵۴ تا ۵۵)	۴۵۸	عظیم نقصان
"	آیات و ترجمہ	۴۵۹	مسلمانوں کے تفریق کی وجہ
"	رابطہ آیات	۴۶۰	اللہ ہی مددگار ہے
۴۶۳	منافقین کی تدبیر	۴۶۱	اسلام کا رعب
۴۶۴	حسرت و یاس	۴۶۲	یلا دہلِ مشرک
۴۶۵	موت و حیات کا سرشتہ	۴۶۳	درس پنجاہ و دو (آیت ۵۴ تا ۵۵)
۴۶۶	شہداء کے لیے انعام	"	آیت و ترجمہ
۴۶۷	اللہ کے حضور کی پیشی	۴۶۵	رابطہ آیات
۴۶۸	درس پنجاہ و تین (آیت ۵۵ تا ۵۶)	"	غزوہٴ احد - سرسری جائزہ
"	آیات و ترجمہ	۴۶۷	مسلمانوں کو تنبیہ
"	رابطہ آیات	۴۶۸	طلبِ دنیا اور طلبِ آخرت
۴۶۹	بنی علیہ السلام کی نرم مزاجی	۴۶۹	غافلِ محنت ہو گئی
۴۷۰	بخش و معافی اور مشورہ	"	مسلمانوں کی زلوں حالی
۴۷۱	مشاورت کی مثالیں	۴۷۱	کفر و اسلام میں نکالہ

۵۱۲	قرآنِ حکیم	۴۹۲	مشورہ کی فتنہ جیت
۵۱۳	تعلیمِ حکمت	۴۹۳	ڈکیر و شب بمقابلہ مشاورت
۵۱۵	درس پنچاہ و شب ۵۸ (آیت ۱۶۵ تا ۱۶۸)	۴۹۵	نصرتِ الہی
"	آیات و ترجمہ	۴۹۷	درس پنچاہ و شب ۵۹ (آیت ۱۶۹ تا ۱۷۳)
۵۱۶	ربط آیات	"	آیات و ترجمہ
۵۱۷	اسکالوں کے لیے کئی	"	ربط و آیات
۵۱۸	۴۹۸ شکست کی حکمت	"	شانِ نزول
۵۱۹	۴۹۹ جراحانہ یاہ اضعاف جنگ	"	نہرل کا منصوبہ ہے
۵۲۰	من فخر کی عید سازی	"	خیانت کبیرہ کتا ہے
۵۲۱	۵۰۰ موت سے فرار ممکن نہیں	"	تجبر و غل و در قرع
۵۲۲	درس پنچاہ و شب ۵۹ (آیت ۱۶۹ تا ۱۷۳)	۵۰۲	خائن کی سزا
"	آیات و ترجمہ	۵۰۳	جہانے محل
"	ربط آیات	"	نیک و بد پر نہیں
۵۲۴	جہاں و جہاں لہر	"	نیکی اور بدی کے درجات
۵۲۵	۵۰۵ شہر کی زندگی	۵۰۵	درس پنچاہ و شب ۵۹ (آیت ۱۶۹ تا ۱۷۳)
"	شہر کے مناقب	"	آیات و ترجمہ
۵۲۷	۵۰۷ زندگی کی زندگی	"	ربط آیات
۵۲۸	۵۰۸ پچھلوں کے متعلق بشارت	"	احبابِ خداوندی
۵۲۹	۵۰۹ شہر کے محل اور جہاں	۵۰۹	در عظیم نعمتیں
"	شہر اور میر محرم	۵۱۰	پیشہ اور جہاں الہی
۵۳۱	۵۱۱ درس شخصیت (آیت ۱۷۳ تا ۱۷۵)	۵۱۱	عقیدہ نور محمد نور اللہ
"	آیات و ترجمہ	۵۱۲	مذہبِ قرآن
۵۳۲	۵۱۲ ربط آیات	۵۱۲	محبہ کامل

۵۵۳	آیات و ترجمہ	۵۳۱	شان نزول
"	آیات	۵۳۲	پر بیگناہ البور و مؤثر و تیار
۵۵۴	جہاد المال	۵۳۵	میرہ میانی
۵۵۵	سجل کی جہاد	"	ایمان میں اضافہ
۵۵۶	سجل فی العلم	۵۳۷	صحابہ کرام کی فضیلت
۵۵۷	افضل سبع زمینوں میں	۵۳۸	شیطان فی
۵۵۸	اخلاق کا بگاڑ	۵۳۹	در شصت و یک (آیت ۱۷ تا ۱۸)
۵۵۹	سجل کی مزا	"	آیات و ترجمہ
۵۶۰	ایکسیر شے خداست	"	مربط آیات
۵۶۱	در شصت و چہار (آیت ۱۸ تا ۲۰)	۵۴۰	منافقین کی مذمت
"	آیات و ترجمہ	۵۴۱	ایمان اور کفر
"	شان نزول	۵۴۲	آخری صفت کی شری
۵۶۲	قرعین جن	"	کفار کے لیے لعنت
۵۶۳	ملائک و صہرہ کی حکمت	۵۴۳	در شصت و دو (آیت ۱۷ تا ۱۸)
"	سورہ کی گت خیاں	"	آیات و ترجمہ
۵۶۴	قل بنی علیہ السلام	"	مربط آیات
۵۶۵	تثانی کی مزا	۵۴۷	شکست کی توحید حکمت
۵۶۶	در شصت و پنج (آیت ۱۸ تا ۲۰)	۵۴۸	غیب کی خبریں
"	آیات و ترجمہ	۵۴۹	غیب کا مفہوم
۵۶۷	مربط آیات	"	غیب کا مفہوم خداوندی ہے
"	سرایہ داری کی لعنت	۵۵۱	معصوم معروف بنی برآست
۵۶۸	قرولی کی فرائش	۵۵۲	اجر عظیم
۵۶۹	اس کا جواب	۵۵۳	در شصت و تین (آیت ۱۸۰)
۵۷۰	اہل ایمان کی تسلی		

۵۹۷	درس شخصیت نمبر ۲۹ (آیت ۱۹۰ تا ۱۹۱)	۵۷۲	موت اور جزائے عمل
"	آیات و ترجمہ	۵۷۳	دنیا و مومن کا محض ہے
"	سورۃ کی ابتداء اور اتمام	۵۷۴	درس شخصیت و خوش ۶۶ (آیت ۱۸۶)
۵۹۸	شان نزول	"	آیات و ترجمہ
۵۹۹	نشانات قدرت	"	رابطہ آیات
۶۰۰	کرمی الالباب	۵۷۵	احوال ابتلاء
۶۰۱	زمزم الہی	۵۷۶	تکلیف دہ بات
۶۰۲	قلبی فکر	۵۷۹	صبر کی تین
۶۰۳	مصنوعات خداوندی میں غور و فکر	۵۸۰	تقدیری کی مثال
"	مصنوعات قدرت بحث نہیں	"	مقصود ہی امور
۶۰۵	دور خست نجات	۵۸۲	درس شخصیت و صفت ۶۷ (آیت ۱۸۷)
۶۰۶	درس مہقاوہ (آیت ۱۹۲ تا ۱۹۳)	"	آیات و ترجمہ
"	آیت و ترجمہ	"	رابطہ آیات
"	رابطہ آیات	۵۸۳	سیناق بل کتاب
۶۰۷	غور فکر کی حد	۵۸۴	سیدہ شکی
"	نظام شمسی	۵۸۵	غرض فی سہ
۶۰۸	علم انفعیات	۵۸۶	آخری امت کی بیداری
"	آخرت کی برائی	۵۸۸	تغیر دنیا کی کتب
۶۱۰	ایمان کی دعوت	۵۹۰	درس شخصیت و صفت ۶۸ (آیت ۱۹۴ تا ۱۹۵)
"	دعائے مغفرت	"	آیات و ترجمہ
۶۱۲	نیکو کاروں کی رفاقت	۵۹۱	گذشتہ سے پیوستہ
"	منزلت مقصود	۵۹۲	اہل کتاب کی خام خیالی
۶۱۳	درس جنات و دیگر (آیت ۱۹۵)	۵۹۳	اہل ایمان کی خدا خوانی
۶۱۵		۵۹۵	اقتدار اعلیٰ

۶۲۰	۶۱۵	آیات و ترجمہ
"	"	ربط آیات
"	۶۱۶	اعمال صالحہ کی قبولیت
"	۶۱۷	مرد و زن کا دائرہ کار
۶۲۱	۶۱۸	غفر حق صفت
۶۲۲	"	امی تہ بیت
۶۲۳	۶۱۹	ہجرت کا فضیلت
۶۲۴	۶۲۰	ازیت فی سبیل اللہ
۶۲۶	"	معافی کی بشارت
۶۲۷	۶۲۱	جنت میں دخل
۶۲۸	۶۲۲	درس منہاج و دو (آیت ۱۹۸ تا ۱۹۹)
"	"	آیات و ترجمہ
"	"	ربط آیات
"	۶۲۳	استدلال
۶۲۹	۶۲۴	طرز مخاطب
۶۳۰	۶۲۵	تعارض فیل
"	۶۲۶	مستحقین کے لیے انعام
۶۳۱	۶۲۷	اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت
"	۶۲۸	نیکی کاروں کے لیے بہتر اجر
"	۶۲۹	

احکام حج مع زیارات مکہ المکرمہ و مدینۃ المنورۃ

تالیف: مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

قیمت
۲۰ روپے

پیشہ کا { مکتبہ دوس القرآن فائق گنج گوہر ناولہ

صفحات
۱۲۸

پیش لفظ

انما بہ الخلق لعل دینہ - ایم لے (علوم اسلامیہ) شائع کردہ - ریسرچ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَلِلْعَاقِبَةِ الْمُعْتَمِدِينَ ۝
وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْأَكْرَمِ

مابعد

تاریخ عالم گزہ ہے کہ دنیا میں آج اگر کہہ دو آسمانی کتاب، پچی صلی حالت میں موجود ہے، تو وہ صرف اور صرف قرآن حکیم ہے۔ سابقہ کتب تورات، انجیل، زبور اور دیگر صحائف کے تعلق خود ان کے پیروکار بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ وہ کتب بعینہ اسی حالت میں موجود ہیں جس حالت میں اللہ تعالیٰ نے نہیں نازل فرمایا۔ سابقہ اہم اپنی اپنی کتابوں سے روگردانی اور ان میں تخریفات کرنے کی بنا پر ہی کل مہاجر کے اعزاز سے محروم ہو گئیں، انھوں نے اس کا مقابلہ کیا کہ قیامت تک کیلئے محفوظ خدا کی آخری کتاب قرآن پاک کی کامل امت محمد اس اعتماد کے باوجود کہ یہ کتاب واجب الاحاطت اور ضروری فلاح و ہدائی کی غما میں ہے، اس کی تعلیم کے سلسلے اعراض برتا رہی ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ پوری مسلمانہ آج قعد مذمت کا شکار ہے۔

خوار از مجبوری قرآن شہدی

قرآن کہ ہم نے اپنے آپ کو ایک عالمگیر کتاب کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ چنانچہ سورۃ یوسف اور سورۃ قصص میں یہ دعویٰ موجود ہے ان تھوڑے کلمات پر مبنی ہے یوسف کہ یہ کتاب ہے سورۃ فرقان میں ارشاد ہوا ہے، پاک ہے وہ کتاب جس نے اپنے بندے پر یہ حد تک کتاب نازل فرمائی کہ لیس کھون لعل علیہا کذیبہا کہ یہ کتاب تمام جہاں والوں کے لیے وہ رہنما فی حیا کرے جس سے وہ اپنے انجام سے خبردار ہو جائیں سورۃ احزاب میں مقرر ہے تم بنیادیں علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ کتاب کے

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا لَيْسَ مِنِّي مَن رَّفَعَ صُورًا مِّثْلَكَ جَمِيعًا ۖ سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ وَكُلٌّ لِّهِۦٓ عَٰثِرٌ ۚ
 میں تم سب کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میری بعثت کا مقصد یہ ہے کہ اُن کو جو اُلٹ
 هٰذَا الْقُرْآنُ لَا تُذٰكِرْکُمْ بِہٖ وَصَنُّ بُعِثَ کہ اس کے ذریعے میں تمہیں بھی خبردار
 کر دوں اور ہر اُس شخص کو متنبہ کر دوں جس تک اس کا ہمارے الٰہی کا پیغام پہنچے غرضیکہ قرآن پاک
 نے اپنے عالمگیر ہونے کا بار بار دعویٰ کیا ہے۔ اور حضور نبی کریم نے اس کی صداقت کی
 تشریح فرمادی۔

قرآن پاک کی عالمگیریت کا معنی یہ ہے کہ یہ پوری فروع الٰہی کے لیے منع شہود بہت
 ہے۔ اس کا پیغام اس دنیا میں بسنے والے ہر انسان کے لیے ہے خواہ وہ دنیا کے کسی
 خطے میں رہتا ہو کسی رنگ اور نسل سے تعلق رکھتا ہو اور کسی زمانے میں پیدا ہوا ہو۔ ذرا غور
 فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغام میں انسان کو کس طرح خطاب کیا ہے۔ سورۃ زلزلہ
 میں آیا ہے۔ یَٰٓأَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا عَلَمَنَّکَ بِسَمِیِّ الْکَرِیْمِ ۚ اے انسان۔
 رب کریم کے نام سے میں تجھے کس چیز سے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ سورۃ کوہ میں
 انسان کی توجہ اس کی اصلیت کی طرف دلاتے ہوئے فرمایا هٰکُنِ الْاِنْسَانُ عَلٰی اَشَدِّ
 حِیْنٍ ۚ مِنَ الذَّهْرِ ۚ کَمْ یَحْکُنُ شَیْئًا مَّا ذُکِّرَ ۚ کیا انسان پر ایک ایسا وقت
 نہیں گزرا جب کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ سورۃ العصر میں انسان ہی کو موصوفہ سخن
 بنایا گیا وَالْعَصْرِ ۚ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفِیْٓ خُسْرًا ۚ بیشک انسان خسارے میں ہے جب
 تک وہ مطلوبہ معیار پر پورا نہ اترے۔

مقصود یہ ہے کہ قرآن پاک کی تمام تعلیمات انسان ہی کی ہدایت اور فلاح کے لیے
 ہیں۔ اسی کے فرمودات پر عمل کر کے انسان دنیا و آخرت میں مسر خور ہو سکتا ہے۔
 مسلم شریف کی روایت میں آیا ہے اِنَّ اللّٰهَ یَنْفِخُ بِهٖذَ الْکَرۡتِبِ اَنْفُوۡاۡمَآ
 وَ یُصۡحِحُّ بِہٖ الْاٰخِرِیۡنَ اللہ تعالیٰ اس کتاب پر عمل رکھنے والوں کو اس کا
 ایک پہنچاتا ہے اور اسی کتاب کی خوف و رزی کے نتیجہ میں ان کو ذلیل و راکھ کر دیتا ہے ہم
 مالکے کا قول ہے لَا یَصْلِحُ الْخَرَفَہُ : لَامَہُ الْاَہَا صِلَہُ بِالْاَوَّلِ اَمَامَت

کے آخری لوگوں کی اصلاح بھی اسی چیز سے ممکن ہے جس چیز سے امت کے طبقہ اول کی اصلاح ہوئی۔ مطلب یہ کہ جس طرح قرآن حکیم اپنے اولین مخاطبین کے لیے تفسیر دارین کا سبب بنا، اسی طرح وہ آج بھی اپنے مانتے والوں کے لیے شہزادہ جالندھار بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ سلسلے مضبوطی سے تھام لیں۔

قرآن پاک کی تعلیمات کو عام کرنے اور اس کا پیغام گھر گھر پہنچانے کا کام اہل حق ہر زمانہ اور ہر مقام پر انجام دیتے آئے ہیں اور انشاء اللہ اقیام قیامت زمین کی یہ خدمت جاری رہیگی۔ سلسلہ درودس قرآن بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور حتی المقدور یہ کام انجام دیا جا رہا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ارادہ کو توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی ہے اور ایک ایک جلد کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہو رہے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قاریوں کو اس سلسلہ سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے اور کارکنان کے لیے اسے ذخیرہ آخرت بنائے۔ یہ جلد اس لحاظ سے مفرد ہے کہ اس میں پوری سورۃ آل عمران ساگئی ہے۔ پروگرام کے مطابق انشاء اللہ ہر آٹھ جلد ایک یا ایک سے زیادہ مکمل سورتوں پر مشتمل ہوگی۔ اگلی سورۃ ناس کے لیے ایک مکمل جلد ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ کام کی رفتار اب بہت تیز ہو جائے گی اور تاریخیں کو، اگلی جلد کے لیے زیادہ امتحان نہیں کرنا پڑے گا۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

حق تعالیٰ

لعل دین شامار شادون لہو

۱۔ یہ تفسیر مکمل نہیں جنیم جلدوں میں شائع ہو کر منظر عام پر پہنچ سکتی ہے (فیاض)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سخنِ سگھٹی

ترجمہ محمد شریف، فاضل مدرسہ اشرفیہ العلوم، کوہاٹ، لاہور و وفات مدرسہ عربیہ دہلی

حَمْدُكَ يَا رَبِّ عَلِيمِينَ وَفَصْلُوهُ وَالسَّكْرَةُ عَلَى رَسُولِكَ لَمْ يَكُنْ
خَالِكًا لَكَ يَسِيرًا وَلَمْ يَكُنْ لَكَ عَلَى فِتْنَةٍ وَاصْحَابُهُ أَجْمَعِينَ
أَمَّا بَعْدُ

نامہ فخر کے ذریعہ اکر آپ، جانتے سمجھتے اور مدرسہ اشرفیہ العلوم میں داخل ہوں
تو مسجد میں ایک روشن چہرہ اور میں پر گزرتے ہوئے ماہ و سال کے انورش، سر پر سادہ
پیر کے کی سیدہ بی بی، انکھوں میں تیرہ کی گزراں، سیدہ قدسے گھسی سنت کے مطالبی توجہ
آواز میں سنجیدگی، درو تانت، صبح اور مستقیم نظر است و اختیار سے ہونے، حاضرین کے مجمع
میں قرآن حکیم کھڑے، سادہ اور سادہ ترانہ میں قرآنی سحر و رموز افسیری نکات اللہ کی مال
سودہ عطاء و رستخار کے سحر و سحر کی توجہ، غیر اسلامی نظموں، غلو و کفار و کفاروں کی
موجود و پستی و زبوں حالی اور تنزل کے علل و سبب و حکمت کی واضح نشان دہی اور
بطلان نشانہ کے حکمت کی ترویج و فاشی، اقتصاد، طبیعتی اور خدائی خدایوں پرستوں
تصور کرتے ہوئے، بدو و عجمیت، سرسبز، حرکت و حرکت و رونا و مونی و مونی و مانی کے
بسمے و صورتیں جنہوں نے قصوف، علم و حکمت اور سیاست کے کما پروا میں
قائم کیا، ریشخ العریب و العجم و حضرت و زنا سیر حسین ہمہ ملی سے تیار کے عدو و عیت نسبت
جہل کر کے بالقی علم میں ہی خاصیت نسبت حاصل کی۔

عصرہ و انداز سے جامع مسجد نور میں قرآن پاک اور حدیث خیر الان، علی المرتضیٰ سلم کا درس
میں، جہت میں و متعدد بار اقبال سے، خزانہ حکیم کا درس شے چکے میں، قرآن پاک کا

درس حضرت کی زبان کے کیسٹ اور کیسٹ سے صفحہ قرطاس پر منتقل ہو کر عالم القرآن
فی دروس القرآن کے نام سے موجود ہے۔

دیگر نظر کتاب ہی دروس کا حصہ اور مکمل صورتہ آج عمران پبلیشنگ ہے۔ اس جلد میں
ترجید و رسالت، ایمانیات، حقانیت اسلام، معاشی و معاشرتی اور خدق اصول جرمیت
یہود و نصاریٰ کی سندہ دشمنی، غیر اسلامی محاکمات سے تعلقات کے اصول اور ان سے
مسلمانوں کی خارجی پالیسی کا اچھے انداز میں ذکر موجود ہے، شیخ علیہ السلام اور حضرت
مریم بنتی النبیؑ کے اہم واقعات، ہیروئیں اور عیبائوں کے باطل عقائد، شرعی اور فرائض
شرک و بدعت کا رد اچھے طریقہ سے کر دیا گیا ہے، ملت اسلامیہ کے اصول و اذریج
ایمان کے ذکر کے علاوہ بعض معروف اسلامی شخصیات کی مختصر سوانح کا ذکر فارہ سے
عالی نہ ہوگا۔ واقعات و قصص کا سلسلہ انتہائی مربوط ہے، علاوہ انہیں چھوٹے چھوٹے
سینکڑوں مفید نکتوں کا بھی ضمنی طور پر بیان موجود ہے۔

اس جلد میں بعض دروس انتہائی اہم ہیں جو مسلمانوں کے لیے بہت مفید ہیں جو
انہیں ضلالت و گمراہی سے نکلان کر عزت کے اعلیٰ مقام پر پہنچانے کا کام دیں گے
انشاء اللہ العزیز۔

وہ سحر جس سے لرزنا ہے شہستانِ جمہور ہوتی ہے بندہ مؤمن کی اذان سے پیدا
آخر میں دی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دروس کو صاحب دین حضرت صوفی صاحبِ خطبات
انجمنِ میانِ اشاعتِ قرآن کے جلد اکبر، فاضل مرتب اور شاعت میں حصہ لینے والے سرگرم ارکان
ذہبِ اہلِ اہلِ انجمنِ بالوہم حیدر مہتری، شیعہ شیخ محمد یعقوب، ہنسی شائق احمد الحاج نیز محمد تارو
اور اسکی اشاعت میں حصہ لینے والے تمام حضرات کی فوز و فلاح و بخشش کا ذریعہ بنے اور اسی
جیل کو قبول فرمائے اور قیامت کے بارے سے زیادہ مسلمانوں کو مستفید ہوئی کہ قرین معافی فرمائے۔

اس دعا از من و جملہ جہاں آمین باد

فقط محمد شرف

رفاضل مدرسہ فقہ العلوم و دینیات المذہب الاعرابیہ



سُورَةُ الْاَعْرَافِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ بِمِائَتَا آيَةٍ وَفِيهَا عَشْرُونَ كُتُوبًا

سورۃ اعراف مدنی سے اور یہ دو سو آیت اور سیمین بیسٹس رکوع ہیں،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتے ہوں بسم اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا

الْقُرْآنُ ۱ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۲ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۳ مِنْ قَبْلِ هَٰذَا لِلنَّاسِ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ ۴ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۵ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ۶ إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۷ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۸ لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۹

ترجمہ :- ۱۔ قرآن تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی ہے زندہ، تنہا ہے والا ۲۔ اُس نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری ہے، تصدیق کرنا والی ہے اُنکی جو اس سے پہلے ہیں۔ اور اُس نے تمہاری سے تورات اور انجیل ۳۔ اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے، اور تمہارا نازل کیا اُس نے فرقان (فیصلہ) کرنے والی بات ایسی نکال دی کہ جنہوں نے کفر کیا اللہ کی آیتوں کے ساتھ، اُن نے یہ سخت عذاب

در اطر تعالیٰ علیہ والہ وسلم انتقم لینے والا ہے ④ بیشک اللہ تعالیٰ
 پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ زمین میں اور نہ آسمان میں ⑤ وہ وہی ہے جو تمہاری
 تصویر بنا ہے (نقشہ بناتا ہے) رجموں کے اندر جس طرح چاہے۔ کوئی عبادت
 کے لائق نہیں اس کے سوا۔ وہی ہے کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا ⑥
 سورۃ کا نام آیہ عمران ہے۔ چونکہ اس سورۃ میں عمران کی ولادت کا ذکر ہے اس لیے نام کو انزل
 اس کا نام آل عمران ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح پہلی سورۃ میں بقرہ یعنی گھٹا
 کا ذکر ہے۔ تو اس کا نام سورۃ بقرہ ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عمران دو ہیں ایک حضرت موسیٰ حیدر السلام علیہ
 والدہ اور دوسرے حضرت مریم کے والد۔ چونکہ اس سورۃ میں زیادہ تر حضرت
 مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اس لیے یہاں پر
 عمران سے مراد حضرت مریم کے والد ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد بھی پیغمبر نہیں تھے۔ اور حضرت مریم
 کے والد بھی پیغمبر نہیں البتہ یہ دونوں حضرت نوح، صالح، اور ایما دار تھے تاہم حضرت
 مریم کے والد عمران بیت المقدس کے ہم تھے۔ ہاں حضرت مریم کے خالو حضرت
 زکریا علیہ السلام اندر کے نبی تھے۔

سورۃ بقرہ کی طرح سورۃ آل عمران بھی لمبی سورتوں میں شامل ہے۔ اس کی دو
 آیات اور میں رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۲۵۴۲ کلمات اور ۵۳۶۱ حروف مشتمل ہے
 یہ سورۃ مدنی ہے کیونکہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔ ہجرت سے پہلے نازل
 ہونے والی سورتیں مکی کہلاتی ہیں۔ اس سورۃ میں بحران کے اس عیبیٰ واقعہ کا ذکر
 ہے۔ جو حضور علیہ السلام سے کجمت مباحثہ کے لیے دنج میکہ سے اگلے سال
 یعنی ۶۱۰ھ میں مدینے آیا تھا۔ لہذا اس کا زمانہ نزول ۶۱۰ھ ہے۔ البتہ اس
 سورۃ میں جنگ بدر اور جنگ احد کا ذکر بھی ہے۔ اس لیے بعض مفسرین کو اہم
 فرماتے ہیں کہ اس کا زمانہ نزول ۶۲۷ھ تا ۶۳۰ھ ہے۔ بعض آیات قس

سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور بعض اس سال میں پہلے ہی سورۃ کا زیادہ تر حصہ سورہ میں نازل ہوا۔ تفسیر تخریر جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب ہے اور جسے امام فیروز آبادی نے مرتب کیا ہے۔ اس کے مطابق سورۃ آل عمران کا نزول سورۃ انفال کے بعد ہوا ہے۔

مرکز پنچون سورۃ انفال میں بدر وغیرہ کے واقعات مذکور ہیں اور جیسا کہ غرض کیا گیا تھا کہ سورۃ بقرہ کا خاص مضمون یہود کی اصلاح اور اس کے ساتھ اہل ایمان کے لیے ضروری احکام ہیں جن کے ذریعہ حصول تقویٰ کا مقصد پورا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ نظام خلافت کبریٰ کا مفصل بیان ہے۔ اس سورۃ میں رد کے سخن زیادہ تر نصاریٰ کی طرف ہے اور اہل ایمان کے لیے ضروری احکام بھی ہیں۔ چنانچہ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کی آیتوں کی ۸۳ آیتوں میں عیسائیوں کے باطل عقیدہ کا رد ہے۔ اور صفحہ بہت سی دوسری باتیں بھی بیان ہوئی ہیں۔ توحید کا مسئلہ اور اس کے عقلی و نقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں اس کے علاوہ قرآن پاک کی حقیقت اور صداقت کا تذکرہ ہے۔ پہلی سورۃ میں جو بعض باتیں اجمالاً ذکر کی گئی تھیں۔ ان کا تفصیل ذکر ہے۔ جیسے دلوں پر شمار کا ذکر جانی تھا یہاں تفصیل کے ساتھ ہو گا۔ دلوں پر رسولوں کا ذکر اجمالی تھا، اب تفصیل کے ساتھ آئے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے تذکرے سورہ بقرہ میں اجمالی تھے، اب ان کا مفصل تذکرہ آئے گا۔ سورہ بقرہ کے آخر میں ایمانیات کا تذکرہ تھا۔ اَمَّا لِمَنْ شَاءَ بِمَا ارْتَبَا اَلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ اَمَّنْ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَكُتِبَ لَهُ وَرَسُولُهُ اَمَّا اس سورۃ مبارکہ میں ابتداء ہی سے توحید کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔

یہاں کے نجران کا عیب کی دفعہ ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ جن میں پودہ سرکردہ آدمی اور تین سرور تھے۔ ان میں علیہ السلام عاقبت امارت اور ریاست کے لحاظ سے پہلی حیثیت کا پاک تھا۔ ابراہیم علیہ السلام عظمیٰ اور تدبیر میں کامل تصور کیا جاتا تھا۔

دور قیصر شخص ابوہریرہؓ بن عبد اللہ بن مسعودؓ نے بھی اعتبار سے ایک جید عالم اور ریاضی و فنی در
موزن شخص تھا۔ یہ آدمی دراصل عربوں کے مشہور قبیلہ بکر بن وائل سے تعلق رکھتا
تھا۔ اس قبیلہ نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ روم کے عیسائی بادشاہ نے
انہیں جائز بخش رکھی تھی۔ ان کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ انہیں ایک بہت
بڑا ٹکڑا ہاتھ دیا تھا۔

مصر میں کے اقوال، سیرت کی کتابوں اور ذخیرہ احادیث سے وہ بکر بن
کی آمد کے دو مہینہ سمجھ میں آتے ہیں۔ پہلا مقدمہ قریباً ہی تھا یہ وہ زمانہ تھا جب
مکہ فتح ہو کر عرب کی پوری سرزمین اور عرب کے علاقے بھی مسلمانوں کے تسلط میں آچکے
تھے۔ ورنہ بکر ان کے یہ عیسائی بھائی مسلمانوں سے خائف تھے۔ انہیں ہر دین پر
گھر دیویدوں کی اکثریت تھی۔ جن میں تین خاندان بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع
خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ بڑے متعصب یہودی تھے۔ سود خور اور مازشی زمین کے
حامل تھے۔ ان کی کسی نباشت کی وجہ سے ان میں سے دو قبیلوں یعنی بنو نضیر اور
بنو قینقاع کو جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ تیسرے قبیلہ بنو قریظہ کا فیصلہ جنگ خندق کے
بعد کیا گیا تھا۔ ان لوگوں نے اس جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ غدار کی گئی تھی، چنانچہ
جنگ کے بعد ان کا مسئلہ پیش ہو کر وہ اپنی سزا خرد ہی بخور کر دیں۔ انہوں نے
حضرت سعد بن معاذؓ کو اس مسئلے میں حکم تسلیم کیا۔ جنہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ ان کے
تمام مردوں کو جن کی تعداد چار سو تھی قتل کر دیا جائے، ان کی عورتوں اور بچوں
کو غلام بنایا جائے۔ اور ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔ چنانچہ اس
فیصلے پر عمل کر کے ان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا گیا۔ اس موقع پر حضور علیہ السلام
نے فرمایا تھا کہ سعدؓ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہے۔

ان تاریخی واقعات سے بکر بن عیسائی سخت خائف تھے کہ کیرسٹیان
ان کے ساتھ بھی یہودیوں جیسا سلوک نہ کریں۔ لہذا انہوں نے اس دفعہ کے فیصلے
مسلمانوں سے صلہ کر کے اور ان سے امان حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور

جزیرہ ادا کر کے مسلمانوں کے زیر تسلط اپنے ہی ظلمت میں آباد رہنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

وفدِ بھرانہ کی آمد کا دوسرا بڑا مقصد حیائیت کی تبلیغ تھا۔ مسیح علیہ السلام کے متعلق ان کا عقیدہ تھا، کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں یا تین خداؤں میں سے تیسرے ہیں یا وہ خود خدا ہیں۔ اس عقیدے پر وہ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث مباحثہ کرنا چاہتے تھے۔ اس کا ذکر آگے سورۃ میں صریح الفاظ میں آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ فَإِنْ كَا تَجَوَّلْ، اگر آپ سے جھگڑا کریں، تو پہلے نیم طہارت سے ان کو سمجھانے کی کوشش کریں۔ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ یعنی میں اور میرے پیروکاروں نے اپنے آپ کو اللہ کے یہ نبی ویا ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں، اور آپ سے جھگڑا کریں۔ فَقُلْ تَعَالَوْا نَعْبُدْكُمْ وَنَسْأَلْكُمْ وَأَنْتُمْ تَسْأَلُونَ نِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَكُمْ فَتَنْزِيلُ فَتَجْعَلُونَ لَكُمْ عَلَى الْكُفْرِ بَيِّنَاتٍ کہ پھر ان کو دعوتِ مہملہ سے دیں۔ اور اعلان کر دیں کہ آؤ تم بھی اپنی اولاد اور عورتوں کے ساتھ میدان میں نکل آؤ اور اگر پھر بھی اسی طریقے سے آتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کے ساتھ دعا کریں۔ اور جھوٹے خدا کی لعنت کریں۔ مگر آپ کے اس چیلنج کو عیسائیوں نے قبول نہ کیا۔ اس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ بہر حال عیسائیوں کا دوسرا مقصد حضور علیہ السلام سے بحث و مباحثہ کرنا تھا۔

موضوع بحث چنانچہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ مانتے تھے۔ لہذا اس بحث مباحثہ کا موضوع بھی مسندِ الوہیت قرار پایا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے ان کے سامنے الوہیت کی چار صفات بیان کر کے دریافت کیا کہ کیا یہ صفات عیسیٰ علیہ السلام میں بھی پائی جاتی ہیں۔ فرمایا عیسیٰ علیہ السلام، نہ لی اور ابھی میں جن کو کبھی مانی نہیں، تو عیسائیوں نے اقرار کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو حیاتِ سرمدی حاصل

نہیں۔ حضور علیہ السلام نے دریافت کیا۔ کیا عیسیٰ علیہ السلام کا علم ہر چیز پر محیط ہے اور کیا ان سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ عیسیٰ انہوں نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا۔ آپ نے تیسرا سوال کیا۔ کہ کیا عیسیٰ علیہ السلام ہاں کے پیٹ سے پیدا نہیں ہوئے انہوں نے کہا کہ بیشک آپ حضرت مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئے، پھر آپ نے سوال کیا کیا عیسیٰ علیہ السلام قادر مطلق ہیں۔ انہیں ہر چیز پر تصرف حاصل ہے عیسائی وفد بھی ثابت ذکر کیا بلکہ اس کا انکار کیا۔ تو حضور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ چاروں صفات اہمیت کی صفات ہیں۔ اگر بھول تھا سے ان میں سے ایک بھی حضرت مسیح علیہ السلام میں نہیں پائی جاتی تو پھر تم انہیں الٰہیہ تسلیم کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا۔ تمہیں شرم آتی چاہیے اور اس باطل عقیدے کو بکھرنی چاہیے۔ عیسیٰ علیہ السلام ہاں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ کھانا کھاتے ہیں۔ پانی پیتے ہیں۔ بول رہے ہیں ضرورت رہی۔ تو ایسی تجسست الٰہیہ نہ ہو سکتی ہے۔ اور تو وہ ذات پاک ہے۔ جواز لی اور اہلی ہے جس کو فنا نہیں جس اعظم ہر چیز پر محیط ہے اور کوئی چیز مخفی نہیں۔ جو قادر مطلق ہے۔ اور نہ کسی کا بیٹا ہے نہ کسی کا باپ ہے مسیح علیہ السلام ان میں سے کسی بھی صفت سے متصف نہیں لہذا ان کو الٰہ تسلیم کرنا کس قدر جہالت کی بات ہے۔ ہر حال عیسائی بحث مباحثہ کرتے ہیں اور اپنی ہند پر اڑتے ہیں۔ آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکومت مہابہ دی مگر عیسائی اس سے بھی بھاگ گئے۔

ایمانیایان جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے۔ سورۃ بقرہ کے آخر میں ایمانیات کا ذکر تھا اور اس سورۃ کی ابتداء اسی مضمون سے ہو رہی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ اَلْحَمْدُ حروف مقطعات میں سے ہے۔ اور اس کا ذکر سورۃ بقرہ کی ابتداء میں ہو گیا تھا۔ اب ارشاد ہوا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یعنی وہی الٰہ ہے کیونکہ وہ حی اور قیوم ہے۔ اسکی جیت ان کی اور ابدی ہے وہ ہی ہے۔ اور وہ۔

حیاتِ فیض والا ہے۔ وہ قیوم ہے۔ یعنی خورق قائم ہے، ہمیشہ قائم رہیگا اور وہ سرور کو قائم رکھنے والا ہے، وہی سب کو تھا منے والا ہے۔ خدا کے سوا نہ کوئی جی ہے اور نہ قیوم ہے۔ لہذا مجبور بہ حق رہی ہو سکتا ہے۔ اس کے علو و عبادت کے لائق کوئی نہیں ہو سکتا۔

یہ تو عقلی دلیل ہے کہ سمجھو خلائی صورت وہی ذات ہے۔ اسب نقلی دلیل ہے کہ ستم و حیدر بھانے کے لیے لوگوں کو ایمان کی تہ تیغت سے آگاہ کر کے لیے در شرک و فخر کی پخت مٹی کے لیے آتش، ملک الملک نے کتابیں نازل فرمائیں۔ تَنْزِيلُ كِتَابِ الْكِتَابِ بِأَحْقِ اسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی نے آپ پر کیا یعنی قرآن پاک حق کے ساتھ نازل فرمایا۔ اور اس کی خوبی یہ ہے کہ یہ مَحْصُوفٌ لِّمَكْتَبِیْنِ بک دیدہ سینے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتے والا ہے۔ اس طرح ہر انبیاء الہی کی تصدیق کرتا ہے۔ اسی طرح ہر آسمانی کتاب اپنے کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور اس میں شامل شدہ تمام لوگوں کی نشاندہی کرتی ہے یہ چیز قرآن پاک نے بتائی کہ قورست کچی کتاب ہے۔ جو اللہ نے نازل فرمائی۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اس میں خدا ہیں پہنچیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر فرمایا وَاَنْزَلَ اَنْشُورَہٗ وَآلِیْہِ السَّیِّدِ اللّٰہِ تَعَالٰی نے قرأت در انجیل کو نازل فرمایا۔ تو قرأت کا معنی ہی قانون (Law) ہے۔ جب فرعون غرق ہو گیا اور بنی اسرائیل اس کے مذہب سے بچ گئے۔ تو انہوں نے خود موسیٰ علیہ السلام سے مانگ لیا۔ کہ مصر میں قیوم کے دوران میں تو ہم مجبور فرعون کے قانون کے تحت زندگی بسر کرتے رہے پر مجبور تھے۔ اب ہم آزاد ہیں اس لیے ہمارے لیے کوئی اپنی شریعت بنا دینی قانون ہونا چاہیے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس قانون کے لیے اس کی بارگاہ میں دعا کی۔ تو اللہ رب العزت نے فرمایا۔ کہ وہ طور پر آکر اچھٹکات کر دو۔ چاہیے روز سے رکھو تو آپ کو کتاب دی جائے گی۔ یہ سارا واقعہ سورۃ احزاب میں موجود ہے۔ چنانچہ یہودیوں کی اپنی خواہش کے جواب میں ان کو تواریک خط کی گئی یہ

ایک عظیم کتاب تھی۔ مگر یہودیوں اور عیسائیوں اور ان کے پیروکاروں نے اس میں تحریف کر کے اس کو بگاڑ دیا۔ تاہم اس کا کافی حصہ اب بھی اپنی اصل صورت میں موجود ہے۔

فرمایا **وَالْآنَ نَجْعِلُ** یعنی تورات کے بعد ہم نے انجیل بھی اتاری۔ یہ کتاب بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ مگر افسوس کہ اس کا مصدقہ نسخہ آج دنیا سے مفقود ہے۔ اصل انجیل وہ فرامین اور خطبات ہیں۔ جو مسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری تین برسوں میں ارشاد فرمائے۔ مسیح کی زندگی میں یہ فرامین تحریری صورت میں موجود نہ تھے۔ بلکہ آپ کے شاگرد ان کی زبانی تبلیغ کرتے تھے۔ ایک مدت کے بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معتقدین کو یہودیوں سے الگ امت قرار دیا گیا۔ اور انہیں عیسائی کہا جانے لگا۔ تو انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی اور ان کے فرمودات پر کتباً تصنیف کیں۔ ہر نثر نے اپنی اپنی علیحدہ کتاب تصنیف کی جن کی تعداد ۴۰ تک پہنچتی ہے۔ موجودہ انجیل اربعہ کی بنیاد پر ہے۔ یہ چاروں انجیلیں یونانی زبان پر لکھی گئی ہیں۔ عیسائیوں کی تہذیب دی ہوئی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اس مذہب میں داخل ہوئے۔ ان انجیل کا ایک ہی نسخہ اصل یونانی نہ اب باقی ہے۔ موجود نہیں۔ عیسائی ان میں تغیر و تبدل کرتے رہے۔ اب آج انہیں کے وہی شکاکات قابل اعتماد سمجھے جاسکتے ہیں جن کی تصدیق قرآن پاک نے کی ہے۔ ابی سب غیر معتبر اقوال ہیں۔

فرمایا **مَنْ قَبْلُ هَـٰذَا لَمْ يَسِرْ** یہ تورات و انجیل پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔ بنیائے بنی اسرائیل انہیں کتابوں کے احکامات کی تجدید کے لیے آتے رہے۔ تاکہ **وَلَا تَكُنَ الْفِرْسُ** نہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو نازل فرمایا۔ اس مقدس اور آخری کتاب کے ذریعے تمام احکام منسوخ ہو گئے۔ اور قیامت تک اس نے نئے لوگوں کے لیے یہی

الحکم اتقرن منافع رشد و ہدایت پھرتے۔ اس کے ساتھ ہی نبوت کا دروازہ ہمیشہ کھلیے
 بند نہ دیا گیا۔ اور تبیغ دین کا کام علمائے امت کے سپرد ہوا۔ حضور علیہ السلام کا بیٹا
 ہے عَلَمُ آئِہِ اُمّیّہِ کے اُٹھنا۔ بکثرت تشریل را اور العلماء در شدہ
 الانبیاء یعنی میری امت کے علمائے حق بنی اسرائیل کے نبیوں کی مانند ہیں۔ جو
 کام بنی اسرائیل کے نبی انجام دیتے تھے۔ وہی کام میری امت کے علماء انجام دیتے
 رہیں گے۔

فرقان کا معنی حق و باطل میں فرق کیسے والا یا تمنا نما امور میں آنری فیصلہ کرنے
 والا ہے۔ قرآن پاک کو فرقان اس لیے مانا گیا ہے کہ جب بھی اللہ کے دین کو
 کسی نے بگاڑنے کی کوشش کی، قرآن پاک نے حق کو نشانہ بنی کر دی۔ توریت و انجیل
 کے تحریف شدہ نسخوں میں ان بھی فرقان پاک الشرف والہ کے اسل احکام کو واضح کر کے
 اپنے فرقان جوئے کا ثبوت دیا کرتے رہے۔

فرمایا ان واضح احکامات کے بعد اِنَّا الَّذِیْنَ کَفَرْنَا بِآیَاتِہِ
 جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا۔ انکار لفظی بھی ہو سکتا ہے اور معنوی بھی
 لفظی انکار تو یہ ہے کہ اللہ کی کتاب کے الفاظ کو کسی بدل دیا جائے جیسا کہ یہودیوں
 نے توریت کے ساتھ کیا۔ اور معنوی انکار یہ ہے کہ واضح حکم کی غلط تاویل کر کے
 اسے اپنی مرضی کے مطابق غلط معنی پہنا دیے جائیں۔ اس کی بھی بہت سی مثالیں ملتی
 ہیں کہ کس طرح یہودیوں اور عیسائیوں نے اللہ کے حکام کو اپنی من مرضی کے معنی پہنچا
 اپنے گرد و پیش میں نظر و دلائل ایسے منکرین آیات کی آج بھی کمی نہیں جو اللہ کی
 آیتوں کے معنی پہنچی خواہش کے مطابق کر کے مخلوق خدا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ انگریز
 آج اللہ کے اس آخری کلام کی تحریف لفظی تو ممکن نہیں مگر کہتے ہی پیٹ کے
 بجا ہی معنوی تحریف کرتے کہ اللہ کے غضب کا نشانہ بن رہے ہیں۔ ایسے ہی
 متنبہ بن کے متعجب فرمایا لَوْ کُنْتُمْ عِدَّائِہِ لَکُم مِّنْہِ اٰیَاتٌ مِّنْہِ
 عذاب ہے۔ جب اللہ کی پکڑ آئے گی تو پھر اس سے بچ نہیں سکیں گے کیونکہ

فرمایا تھا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ معبودِ حقیقی وہی ہے جس
 کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ کیونکہ عبادت کے لائق وہی ہو سکتا ہے
 جو قدرتِ کاملہ کا ملک ہو اور جس کا علم ہر چیز پر محیط ہو۔ یہ صفات صرف اللہ تعالیٰ
 میں پائی جاتی ہیں۔ نیز اللہ بھی صریحاً یہی ہے کیسے کہ علیہ السلام اللہ نہیں ہو سکتے۔
 کیونکہ وہ تو مخلوق ہیں اور نہ وہ قدرتِ کاملہ کے ملک میں اور نہ ان کا علم ہر چیز پر
 محیط ہے۔ اور نہ وہ ازلی۔ اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ عزوجل پر تکیہ پر غالب ہے
 اور حکیم ہے۔ کہ اس کا کوئی کلام حکمت سے خالی نہیں۔ کائنات کا تمام نظام اس
 کے مقررہ اصولوں اور حکمت کے مطابق انجام پاتا رہا ہے۔

بَلَدُ التُّسُرِّ ۳ اَلْاَعْمَرَانِ ۳

درس دوم ۲ آیت ۹

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ
هُنَّ أَهْلُ الْكِتَابِ وَآخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ

فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ
ابْتِغَاءَ ابْتِغَاءٍ وَابْتِغَاءٍ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ
تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَاتَّخِذُوا فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ
آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذْكُرُ
بِأُولَئِكَ إِلَّا لِبَابٍ ۚ رَبَّنَا لَا تُفِضْ قُلُوبَنَا بَعْدَ
رَحْمَتِكَ إِلَىٰ رَحْمَةٍ ۚ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ
لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ ١٠

وَلَا تُفِضْ قُلُوبَنَا بَعْدَ رَحْمَتِكَ إِلَىٰ رَحْمَةٍ ۚ

۱۰

ترجمہ : وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری۔ اس میں جو آیتیں محکم ہیں وہ
کتاب کی اصل ہیں۔ اور دوسری متشابہ ہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ چاں ہے
پس وہ پیچھے گئے ہیں متشابہات کے اور اس میں غلطی کر گئے ہیں گمراہی و گمراہی
کرتے ہیں انکی تاملیں۔ ورنہ کہ نہیں جانتا ان کی تامل مگر اللہ۔ اور جو کچھ ہیں علم میں وہ
کہتے ہیں ہم ایمان لاتے ہیں ان سب پر۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں
اور نہیں نصیحت پڑھتے مگر غفلت و گ ۚ ۝ ۱۰ ۚ اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں
کو ٹیڑھا نہ کر جب کہ تو نے ہدایت بخشی ہے درخشش ہمارے لیے اپنی طرف
سے ہر دانی۔ بیشک تو ہی بخشش کرنے والا ہے ۝ ۱۰ ۚ اے ہمارے توبہ کرنے

والا ہے لوگوں کو ان میں جن میں کوئی شک نہیں۔ بیشک شہ جود مراد ہے۔

کئی کبھی خدمت درازی نہیں کرتا ⑤

ربطیات

گذشتہ درس میں بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ سورۃ اس عمران کے اہم مضامین میں سے مسئلہ توحید اور اس کے عقلی و نقلی دلائل ہیں۔ پھر قرآن پاک کی صداقت و حقیقت کا تذکرہ ہے۔ اور بعض دروس کے مضامین بھی بیان ہوئے۔ سابقہ آیات میں مسئلہ توحید کو اجاگر کیا گیا تھا۔ اور سابقہ کتب کا تذکرہ تھا۔ جن کے ذریعے اشتقاقی اپنے بندوں تک بذیت کیسا مان بہم پہنچا تا رہا۔ ان آیات کا انکار کرنے والوں کے لیے سخت سزا کی وعید تھی۔ اور لوگوں کو یاد دہان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہ جبرسان کی مرکزیت سے واقف ہے۔ بدن کے جسم میں انسان کی شکل و صورت بتانے والی بھی وہی ذات ہے۔ پھر اس سے انسان کی کوئی حرکت پوشیدہ ہو سکتی ہے۔ ضمناً یہ بھی کریم آبادی کا مقصود تھا۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام قدرتی طریقہ کے مطابق ان کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ وہ پھر خدا کے بیٹے یا خرد اللہ کیسے ہو سکتے ہیں۔

ان کے درس میں قرآن پاک کی حقانیت کا تذکرہ ہے۔ اور اس کے حکام سے استفادہ ہونے کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ اس ضمن میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے۔ جن کے دلوں میں کجی پائی جاتی ہے۔ اور وہ قرآن پاک کی منشأ پر ایمان کی غلط تائید کر کے فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں۔ نیز ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو علم میں بہتہ ہیں۔ وہ ان کا ایمان تمام آیات پر یکجہ ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی گئی ہے۔ کہ وہ جہان کے دیوان کو تیرم نہ کہیں۔ نیز قیامت کے دن دیوانہ جہان کو تھمتے اور حساب کتاب ہونے پر یقین کا اظہار کیا گیا ہے۔

نہجہ کتاب

ارشاد۔ بانی ہے ہُوَ سِدِّی سُوَا عِیْدِكَ الْکِتَابُ، اللہ تعالیٰ کی وہی ذات ہے۔ جس نے، آپ کتاب نازل فرمائی ہے۔ کتاب سے مراد

قرآن پاک ہے۔ جو حضور علیہ السلام کی ذات اقدس پر انجمنی کتاب کے طور پر نازل ہوا جس طرح نبوت کا دروازہ پیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے۔ اسی طرح اب کوئی آسمانی کتاب بھی نازل نہیں ہوگی۔ قرآن پاک کے احکامات قیامت تک اسے ذاتی نازل ان کی کے لیے بحال طور پر مفید ہیں۔

محکم اور
مشابہ

قرآن پاک کے حکام و فرامین کے متعلق فرمایا يَسْتَكُنْ اٰيَاتِ مُحْكَمَاتِ اس میں بعض آیات محکم ہیں۔ هَٰذَا كِتَابٌ يُرْسِلُ فِيْهِ الْاٰيَاتِ کی جڑ نیا وہیں ہم نے غضب، صفائی، فرشتے ہیں فَاَنْصَحُكُمْ کہ یعرض فیہ شبہات من حبشہ اللفظ و ذکر من حدیث۔ بمعنی یعنی محکم سے مراد وہ آیات ہیں جن کا مفہوم واضح ہو۔ اور سہل لفظی یا معنوی اعتبار سے کسی قسم کا شبہ وارد نہ ہوتا ہو۔ گو ایسی آیتیں جن کی زبان آسان ہے۔ اور جن کے معنی مشکوک نہ ہوں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ایسی آیت میں تاویل کی گنجائش کی وجہ سے مشابہ ہی سے مشابہ تفسیر میں ان مقام میں حضرت عبدالمطلب بن عباس کی روایت منقول ہے کہ قرآن پاک میں جو آیتیں عمل کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ وہ محکم ہیں۔ اور جن سے عمل متعلق نہیں۔ محض ان پر ایمان لانا مقصود ہے جیسے حمد و ثناء مقطعات، قیامت یا وجہ وغیرہ سے متعلق آیات۔ تو ایسی آیتیں مشابہ ہیں۔ فرمایا وَاَنْصَحُكُمْ مشابہت اور بعض آیتیں مشابہ ہیں۔ مضررات امام راغب اصفہانی ہیں مشابہ کہ کوئی لفظ یا لفظ کی گئی ہے۔ اَلْحَقَّتْ بِالْهٰذَا مشکل تفسیر امام من حدیث اللفظ و بمعنی جیسی ایسی آیت جس کا معنی اور تفسیر کسی لفظی یا معنوی پیچیدگی کی وجہ سے مشکل ہو۔ اور اس میں تاویل کی گنجائش رہتی ہو۔ ظاہر ہے کہ قرآن پاک نے آئندہ زمانے کے لیے بعض ایسی آیتیں گویاں کی ہیں۔ اور بزرخ، قیامت، جنت، دوزخ، فرشتے جنات وغیرہ کے متعلق ایسی تفصیلات بیان فرمائی ہیں جنہیں اس وقت انسان نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ محسوس کر سکتا ہے۔ ایسی چیزوں کی ٹھیک ٹھیک کیفیت معلوم کر سکنے کے

میں نے انسان کو لکھ کر ست کر کے مگر اس کی حقیقت کو نہیں پاسکتا۔ ایسے امور میں انسان
 بتنی زیادہ کوشش کرے گا۔ وہ حقیقت سے قریب تر ہونے کی کھانٹے ڈرے
 بھی ہو سکتا ہے۔ لہذا اس قسم کی باتوں سے تحفظ کی بات۔ مشابہات میں فرض نہیں
 اور انہی کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ وہ ان پر ایمان سے آئے۔

فَاَمَّا الَّذِي فِي الْقُلُوبِ فَهُوَ ذَنْبٌ يَكُونُ جَنَاحًا لِّلرَّجُلِ
 میں ٹیڑھا پن ہے۔ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ ہاں شک ہے کہ وہ مشابہات کے
 پیچھے گتے ہیں۔ چونکہ ان کے دلوں میں خد، بغض، غنا اور بے بیانی رہی ہو
 ہوئی ہے۔ اس لیے وہ حکمِ الٰہی و صلیحِ آیت کو چھوڑ کر مشابہات اور ساری تاویلیں
 کرنے لگتے ہیں۔ اور سارے روحِ مسلمانوں کے سامنے ایسے معافی بیان کر دیتے
 ہیں جو حکمِ آیت کے معنوں کے منافی ہوتے ہیں۔ وہ حاکمِ دینی کے لیے تو یہ کہہ کر
 مشابہات کی تاویل کرتے وقت حکمِ آیت کی چوڑی کی جاتی مگر ایسے لوگ اللہ
 پلٹا پستے ہیں۔ اور لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش
 کرتے ہیں۔ اور اس سے ان کا مقصد یہ ہے يَتَفَكَّهُمُ الْفِتْنَةُ
 اس سے فتنہ جی مگر جی تلاش کرتے ہیں وَيَتَفَكَّهُمُ تَأْوِيلُهُ اور مشابہات
 کے ذریعے ایسی الٹی سمجھ دیتی ہیں کہ وہ تلاش کر رہے ہیں۔ جن کے ذریعے مخلوق خد
 کو گمراہ کر دے گی۔

غلط تاویلیں
 ان آیات کے سیاق و سباق کے مطابق ان کا یہ فتنہ یہود و نصاریٰ میں نہیں
 نے اللہ تعالیٰ کی مشابہ آیات کی غلط تاویل کر کے لوگوں کو حاصل دین سے دور کر
 کر دیا۔ حتیٰ کہ حکمِ آیت کو بھی مشابہات کے تابع کر کے دین کو حیدر بنا ڈیا۔
 آج کے دور میں جب ہم اپنے گرد و پیش دیکھتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ
 اس زمانہ میں یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر خود مسلمانوں کے دور میں ایسے بہت سے
 فرقے اور لوگ موجود ہیں جنہوں نے پہلے مشابہات کی غلط تاویلیں کیں۔ اور پھر
 حکمِ آیت کو ٹوڑ مڑ کر مشابہات کے معانی پہنا سکے اور اس طرح وہ یہود و نصاریٰ

کی ختم نبوت تک کہ معاف نہیں کیا۔ اور مخالفانہ تشبیہیں گے مٹی پچھڑے۔
 کچھ کر دیئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ اٹھائے جانے کا انکار کر دیا۔
 آخر ہر سب کچھ کمال سے ہو رہا ہے۔ قرآن پاک کی آیات کا سنا رہی
 تو کیا جا رہا ہے۔ اور بیٹے و گدوں کے متعلق امرتھ کے کا رشاد اسی سیت میں
 ہو رہا ہے۔ کہ جن کے درمیں میں گئی ہے۔ وہ مشابہات کے پیچھے گئے ہیں
 اس سے گھر ہی پھیلنا سنے ہیں۔ یہ غلط تاملیں تدبیریں کہتے ہیں۔

صحیح تویل

فرمایا وہاں یَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ اَللّٰهُ عَالِمُ غَيْبَاتِہٖ سے کہ مشابہ
 آیات کی حقیقت عرفا امتہ کی کہ معلوم ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی
 روایت ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جو لوگ مشابہات کی
 تویل کے درپے ہوں۔ اں کو اللہ کا خوف دل نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی
 مرفوع حدیث تفسیر میں جبریل میں منقول ہے کہ مشابہات کیوں کہ مطلب اللہ کے
 سوا کسی کو مدعی نہیں جو کہ اس کو قوی کرے کہ اس کو مشابہات کی مطلب یا تویل
 معلوم ہے۔ وہ جہوت است۔ مسند رکنا کہ یہ سیرت خیر مندرجہ سے روایت
 ہے کہ حضرت سنی اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ حکم تیزن پر عمل کرو۔

اور مشابہات پر غلط بیان نہ مطلب یہ کہ مفہوم سمجھ میں نہیں آتا اس کو
 اللہ کی طرف سوچ رہا ہے۔ جبکہ امرت کہہ۔ غلط معنی سمجھتے ہیں کہ وہ اسی سے
 مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں۔ غلط تفسیروں کی وجہ سے دنیا میں بھی تباہی پھیلی
 گمراہی پھیلی ہے۔ فرماتے ہیں۔ قرآن پاک کی محکم باتیں ہر سلیم نصرت آدمی
 آسانی سے سمجھ سکتا ہے مگر بہت سی باتیں ایسی ہیں جو استاد کے بغیر سمجھ میں
 نہیں آتیں۔ لہذا ایسی باتیں استاد سے سیکھنی چاہئیں۔ جو ایسا نہیں کہ تارہ
 کسی نہ کسی گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مولانا سندھی خود اپنی مثال میں کہتے
 ہیں کہ مجھے ریاضین فی العلم سے واسطہ پڑا۔ میرے استادوں نے میری راہنمائی فرمائی
 اور اللہ نے مجھے قرآن میں کماں بچے کا مکہ عطا فرمایا ہے میں اپنی مشکوٰۃ استادوں

کے سامنے پیش کرتا تھا وہ بکھے منورہ دیتے تھے اور میرے اشکال کو حل کرتے تھے۔ اس لیے مجھے کسی قسم کی پریشانی لاحق نہیں ہوئی فرمانے ہیں میری طرح اُنہ بھی کئی لوگ اسلام میں داخل ہوئے مگر انہیں اچھے استاذ نہ مل سکے۔ اس لیے وہ مشکلات میں پھنسے رہے۔ آپ کے استادوں میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی جیسے راسخ فی العلم لوگ تھے۔ مولانا شیخ اسد جن کا یہ ترجمہ اور دو سورتوں کی مختصر تفسیر بھی ہے بہت بڑے راسخ اعلم انسان تھے۔ خاموشی سے تعلیم دیتے تھے۔ ان کے شاگردوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کتنا کمال عطا کیا تھا ان کے شاگردوں میں حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی، مولانا عبد اللہ سندھی، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد علی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین مدنی اور آپ کے شہر کے مولانا عبد العزیز محدث، حضرت مولانا نور شاہ کشمیری، سندھ کے مولانا محمد صادق اور مولانا احمد علی لاہوری شامل ہیں۔ ان لوگوں نے دنیا میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیے۔

الحمد للہ
اسلام دشمنی

مولانا سندھی فرماتے ہیں کہ میں نے اٹھارہ سال تک اپنے استاد حضرت شیخ الدہلوی کی خدمت میں رہ کر دین بھی سیکھا ہے اور سیاست بھی سیکھی ہے۔ آپ سیاست کے بھی اہم تھے۔ آخر زمانہ میں جب ہندوستان آئے تو حکومت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا، میں نے انگریز کے قدم کھڑے دیے ہیں۔ اگر اب انگریز ہندوستان میں رہ گیا تو میری قبر پر ہتھوک دینا۔ آپ بارہ سال تک مکہ معظمہ میں رہے۔ تعلیم دیتے تھے، اور انگریز کی تباہی کا سامان بھی کرتے تھے فرماتے تھے۔ انگریز تو ملنے دنیا بھر میں مسلمانوں کو تباہ کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو بھی تباہ کرے گا۔ گزشتہ دو سو سال میں مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان انگریز نے پہنچایا ہے۔ اُس نے مسلمانوں کی سلفیت پر تباہ کر دیں مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کی۔ قرآن پاک کے خلاف بڑی سازشیں کیں۔ مولانا شیخ الدہلوی کو انگریزوں سے اس قدر نفرت تھی کہ اگر کوئی اُن کے بارے میں مسئلہ دریافت

کھاتا تو فرماتے کسی دہ عالم سے اونچا، مجھے ان سے سخت نفرت ہے، شاید میں غلطی نہ کر رہا ہوں، مگر آج لوگ، تجزیہ کی تہذیب کو فخر سے اپناتے ہیں، حالانکہ وہ مسلمانوں کو ان ہی دشمن سمجھتے۔

علامہ اقبالؒ بن انگیزہ دل کو خوب سمجھتا تھا، انہوں نے اپنی شاعری کا ایک مجموعہ ہنصہ انگیزہ دل کے علاوہ لکھا ہے۔ بے عمل ہونا الگ بات ہے مگر اقبال قوی آدمی تھے، اس نے انگیزہ دل کی خوب خبر لی ہے۔

اب بخاریؒ نے بخاری شریف میں لکھا ہے۔ اعلموا لتعلموا یعنی علم کیلئے آگے بڑھو، خود بخود نہیں آتا۔ اس کے لیے بہر حال متاثر ضرورت پڑتی ہے۔ جو لوگ استاذ کے بغیر خود بخود عالم بن جیتے ہیں وہ فخری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مرزا قادیانی اور پروردگار جیسے لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے، ملازم کو کفر اور کفر کو اسلام بناسیتے ہیں، جب کہ انسان کسی دانشمندی کے پاس نہ جیتے، اس کے نشان دور نہیں ہو سکتے۔

فَرَادَ وَاللَّهِ بِمَحْوُونٍ فِي حِلْمٍ اور جو علم میں سچے ہیں يَقْوُونَ أَدَمًا پہلے وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اس پر کُلِّ مَن عَسَدٍ رَاسًا یہ سب ہمارے، سب کی طرف سے میں یعنی جن باتوں کی تاویل سرمنہ اللہ کے علم میں ہے، ان میں محض اپنی عقل کے ٹکڑے نہیں درڑاتے، بلکہ ان کا یہاں یہ ہوتا ہے کہ سب کچھ ان کے لہجہ کی طرف سے ہی ہے۔ فرمایا اس سید بھی تو ہی بات کو جس نام کو نہیں سمجھتے۔ وَمَا سَبَّكَ كَرَامًا دُكُوا لَلنَّاسِ اور میں نصیحت پڑھتے، مگر تمہارا لوگ، کہ علم اور سب عقل لوگ ایسی باتوں کو نہیں سمجھتے اور خود بخود فخری کے گڑھے میں گر پڑتے ہیں۔ بطورائی میں اہل اکابر شاعری سے روایت ہے کہ حسنہ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت سے یہ خوف ہے کہ وہ تمہارے آیتوں کی تاویل کے درپے ہوں گے۔ حالانکہ نئی تہذیب سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔

فرمایا انھوں نے فی العلم یہ بھی کہتے ہیں رَبَّنَا لَا تُسَخِّغْ قُلُوبَنَا اے دعا کی کلمات

ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا بَلَّغْنَا ذَهَابًا مِّنْكَ
بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت سے نوازا ہے۔ ہمیں اسی راہ ہدایت پر قائم
رکھ۔ اسی لیے حضور علیہ السلام دعا کیا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ مَصْرِفَ
الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلٰی طَاعَتِكَ جِنِّ اِے دلوں کے
پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پر قائم رکھ وَهَبْ لَنَا مِنْ
لَّدُنْكَ رَحْمَةً اور اپنی طرف سے ہمیں رحمت بخش کیونکہ اِنَّكَ
اَنْتَ الْعَظِيْمُ تُوْبِي سب کچھ چینے والا ہے۔ ساری کی ساری مخلوق
تیری ہی محنت ہے۔ تیرے بغیر کوئی کسی کی حاجت روائی نہیں کر سکتا۔ اس لیے
اپنی رحمت سے تو ہی ہماری حاجت پوری فرما۔

فرمایا پچھتے علم والے یہ بھی دعا کرتے ہیں رَبَّنَا اِنِّكَ جَامِعُ النَّاسِ
رَبُّوہُمْ لَا رَيْبَ فِیْہِ اے ہمارے پروردگار! تو ہی لوگوں کو اس دن میں
جمع کر لے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ وہ دن یقیناً آنے والا ہے
جس دن تمام مخلوق اپنے رب کے بل پیش ہوگی۔ جس طرح انسان کو اپنے وجود
پر شک نہیں۔ اسی طرح قیامت کے برپا ہونے اور پھر محاسبے کا عمل واقع ہونے
میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ وَغَدَا عَلَیْنَا اَلْمَرْءُ الْقَالِی کا وعدہ ہے۔ کہ ہم
نسانوں کو دوبارہ اٹھائیں گے اور ان کا حساب میں لے گے اِنَّا كُنَّا فَاعِلِیْنَ
ہم ضرور ایسا کرنے والے ہیں۔ لہذا اس میں شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

فرمایا اِنَّ اِلٰهَکُمْ لَا یُخَلِّفُ اَلْمِیْعَادَ اَللّٰہ تعالیٰ جو وعدہ کرتا ہے
اس کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ وہ اپنا وعدہ پورا کرتا ہے۔ اسی لیے اس
کے بندے اس کے آگے دعا کرتے ہیں۔ کہ مالک الملک اس دن ہمیں رسوائی
ماضی نہ ہو۔ ہم ذلیل و خوار نہ ہوں بلکہ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔
ہمیں خصوصی رحمت اور مہربانی عطا فرما۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۲

بِأَعْيُنِكُمْ ۳

در سر سوم ۳

آیت ۱۰ تا ۱۳

رَّالَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ
وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَئِكَ هُمْ
وَقَعْدُ الْمُنَازِقُونَ ⑩ كَذِبَ آلِ فَارْعُونَ ۱۱ وَالَّذِينَ مِنْ
قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَخَذَّاهُمْ اللَّهُ
بِأَنُوبِهِمْ ۱۲ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑪ قُلْ
لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَعْيُهُمْ وَهُمْ شُرُوكُ إِلَى
جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْيَهَادُ ⑫ قَدْ كَانَ لَكُمْ
آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَى كَافِرَةٌ تَيْبَرُونَهُمْ بِشَيْئِهِمْ
لَا بَأْسَ لَئِنْ لَمْ يَنْصَرُوا بِأَنُوبِهِمْ مِنْ لَدُنْ
فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ⑬

ترجمہ: جبکہ وہ جنہوں نے کفر کا شیروہ اختیار کیا، ہرگز کام نہ آئیں گے ان
کے لیے ان کے مال اور نہ ان کی اولادیں اللہ کے سامنے اور یہی لوگ ہیں دوزخ کے
ابنِ جن ⑩ (ان کا حال ایسا ہی ہے مثل عادت آلِ فرعون کے کہ اور ان کو لڑنے
کے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا پس پکڑا اللہ تعالیٰ
نے ان کو بر کے گناہوں کے بدلے اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ⑪
ہم کہہ چکے ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کا شیروہ اختیار کیا کہ تم مغلوب ہو گے
اور شکستے گے اور تم گئے جہنم کی طرف اور بہت بڑا ٹھکانا ہے ⑫ ⑬ کیفیتِ تبارک

یہ نشانہ ہے اُن مگر وہوں میں جو آپس میں ٹکرائے، ایک گروہ اللہ کے راستے میں لڑتا ہے اور دوسرا کفر کرنے والا ہے، دیکھتے ہیں اُن کو اپنے سے دُشمن آنکھ کے ساتھ دیکھنا، اور اللہ تعالیٰ تائید کرے آپس میں دوسرے جس کو چاہے، بیشک اس میں عبرت سب آنکھیں کھلنے والوں کے لیے (۱۲)

پہلی آیت میں قیامت کا ذکر تھا۔ اس سے پہلے اللہ نے نصاریٰ کی تردید فرمائی اور ان کے باطل عقیدے کا رد فرمایا، توحید کا مسئلہ بیان فرمایا، اللہ تعالیٰ کی صفات اور ہمت کا ذکر کیا اور جن تشابہ لفظوں سے یہود و نصاریٰ اسد لالہ کہہ رہے تھے، اس کا جواب دیا۔ اب اس آیت میں کفار کے متعلق فرمایا کہ کوئی چیز انہیں خدا کی گرفت سے نہیں بچا سکتی، حتیٰ کہ ان کے مال و اولاد بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتے۔ اس کے بعد جنگ بدر سے متعلق یہود و عہدہ کی زبان درازی کا ذکر ہے۔ کہتے تھے کہ اہل مکہ نا تجربہ کار تھے۔ جو مسلمانوں کے ہتھوں مارتے گئے، وگرنہ ہم جیسے آزمودہ کار لوگوں سے دھڑ پڑا۔ تو مسلمانوں کو پتہ چلنا کہ کیسے غالب آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس چال کی کار فرمایا۔ اس کے علاوہ نصاریٰ اور مشرکین کی بھی تردید فرمائی ہے۔

امام رازیؒ اور امام محمد بن اسحاقؒ جو کہ مفسرِ قرآن ہونے کے علاوہ مورخ بھی نشانہ فرماتے ہیں کہ ان آیات کا مصداق بخران کا وفد ہے۔ اس آیت میں جن کفر کرنے والوں کا ذکر ہے۔ جن کے مال و اولاد ان کے کام نہیں آئیں گے، اُن سے مراد وفدِ بخران میں شامل لوگ ہیں، اور ان کا اخلاق عام طور پر اُن تمام لوگوں پر ہوتا ہے۔ جو اس قسم کا فرہم نہ کھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ بخران کا یہ وفد جب مدینہ طیبہ کے سفر پر روانہ ہوا، تو دورانِ سفر خیمہ پر سواران کے لٹ پادری ابو حارثہؓ کو کھڑکھائی۔ اس کا بھائی محمد بن علقمہؓ بھی ہمراہ تھا۔ اس کی زبان سے نکلا: **لَحَسَنَ اَرَبْنِیْہَ بِلَاکَ** ہو خیر سے دور رہنے والا۔ مراد حضور علیہ السلام کی ذات والا صفات تھی۔ عربوں کی یہ عادت تھی کہ جب کسی کو کوئی تکلیف

پہنچی، تو اپنے مخالف کو برا بھلا کہتے۔ تعس قدریٰ ہلاک ہو، تباہ ہو۔ چہ
 جب مکرزنے یہ الفاظ اذکیے۔ تو اس کے بھائی ابو حارثہ پادری سے کہ یا تعس احد
 تیرمی ہلاک ہو۔ تم نبی آخر زمان کی شان میں یہ الفاظ کیوں کہتے ہو۔ وہ اللہ کے
 کے پیچے نبی ہیں۔ ان کی نشانیاں چارمی کتابوں میں موجود ہیں۔ اس پر مکرزنے لگا
 کہ اگر محمد واقعی اللہ کے پیچے نبی ہیں۔ تو پھر تم ان سے بحث مباحثہ کرنے کی
 بجائے ان پر ایمان کیوں نہیں لے آتے۔ ابو حارثہ نے جواب دیا۔ کہ اس کی وجہ
 یہ ہے۔ لَآ اَنَّهُ هُوَ لَا اَنَّمْ لَہٗ اَعطَیْنَا اَمْوَالَ کَثِیْرًا وَّ کَرَمًا
 وَلَوْ اَصْنَعْنَا بِمُحَمَّدٍ لَّا خِذْنَا مِنْهَا کُلَّ شَیْءٍ
 یعنی روم کے ان عیسائی بادشاہوں نے ہمیں مال و دولت دے رکھا ہے وہ ہمیں عزت
 بخشے ہیں۔ اگر ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں۔ تو یہ تمام چیزیں ہم سے
 چھین جائیں گی۔ ہمارے تمام اعزازات ختم ہو جائیں گے اور ہم غلے اور کنگاں بکود رہ
 جائیں گے۔ بہر حال مکرزہ سمجھ گیا کہ ہمارا دین غلط ہے۔ ہم محض مال و دولت کی خاطر
 اللہ کے نبی کی مخالفت کر رہے ہیں۔ الغرض جب یہ وفد مدینہ پہنچا۔ حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم سے بحث مباحثہ ہوا۔ وفد کسی نتیجے پر پہنچے بغیر واپس آ گیا۔ تاہم اللہ تعالیٰ
 نے مکرزہ بن علقمہ کو ایمان کی دولت سے نوازا اور وہ صحابی رسول بن گیا۔ تو ان آیات
 کے مصداق یہی لوگ ہیں۔ جن کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ کہ ان کے مال اور اولاد ان
 کے کچھ کام نہ آئیں گے۔

ان آیات کا اشارہ دینے کے اور دگر دہنے والے یہودیوں کی طرف
 بھی ہے جنگ ہرمیں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ تو یہودیوں نے کہنا شروع
 کر دیا کہ مکہ کے لئے نہ آئی سے ناجد تھے۔ مگر کہیں ہم سے پال پڑتا تو مسلمانوں
 کو بتا دیتے کہ لڑائی کیسے ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں پر ان یہودیوں کا بھی رتہ ہے
 کہ یہ ان کی غلط فہمی ہے کہ وہ بڑے مالدار لوگ ہیں۔ سچے دین کے متعلقہ میں
 ان کے بل اور اولاد ان کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتے۔ اس وہم کے

جیسا یوں اور دیگر مشرکین کو بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ ظاہری ساز و سامان پر نہ
اترائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے منہ والوں
کی مدد فرماتا ہے۔ تو مخالفین کی تمام تدبیریں ناکام ہو جاتی ہیں۔ اور اللہ کے دین
کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا كُفِّرُوا بِنِجْمٍ۔ ان لوگوں نے کفر کیا۔
لَنْ لَّنْجِي عَنْهُمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا أَفْئِدَتَهُمْ مِنَ النَّارِ شَيْئًا
ہرگز کام نہ آئیں گے ان کے مال اور نہ اولاد کچھ بھی۔ یعنی جب اللہ کی گرفت
آئے گی تو مال و اولاد جن کی خاطر وہ ایمان سے محروم ہے انہیں اس گرفت
سے بچانہ سکیں گے۔ دوسرے مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں
سورۃ شوار میں یہ بات مذکور ہے۔ "يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ
الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى اللَّهِ يَتَلَبَّسُونَ قِيَامَتِ كَيْفَ يَكُونُ كَرَامًا فَذَكَرَ
دیجا اور نہ اس کے بچے کام آئیں گے۔ مال و اولاد پر کامیاب وہ ہوگا۔ جو
تسبیح سلیم سے کمرہ حاضر ہوگا۔ جس کے دل و دماغ میں ایمان کی تسبیح روشن
ہوگی۔ اور بکراخلاص اور توحید پر قائم ہوگا۔ آج کہنے لوگ ہیں۔ جو مال اور اولاد
کی خاطر طرح طرح کی چیزیں ہیں بتلا ہیں۔ ان انصافی۔ رشتہ خوئی۔ مذہبی
بیکس اور کینک سب کچھ مال و اولاد کی خاطر ہر دے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتے
ہیں۔ کہ قیامت کے دن یہ لوگ مٹی دست ہوں گے۔ دنیا میں کھائے ہوئے
مال ان کے کچھ کام نہ آسکیں گے اور یہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائیں گے۔
سورۃ الحاقہ میں بھی آتا ہے کہ جس پر بخت کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں آئے
وہ چیخ و پکار کرے گا۔ کاش مجھے یہ اعمال ملتا ہی نہ، مجھ سے حساب کتاب
نہ لیا جاتا۔ میرا کام ہی تمام کر دیا جاتا، کیونکہ مَآ غَنَىٰ عَنِّي مَالِي۔ آج
میرے مال نے مجھے کوئی نفع نہ پہنچایا۔

الغرض! اس مقام پر بھی یہی فرمایا کہ کفر کرنے والوں کے مال اور ان کی

مال اور اولاد
بے سود ہونے

جو کہ
میں نے

اور میں کچھ کام نہ آئیں گے۔ وَأَوَيْتُكَ هُمْ وَقَوْلُكَ دِیَے لوگ خود دوزخ کا ایندھن ہیں۔ یہ کس نہ تامل نہیں ہیں۔ دوزخ کے ایندھن کے متعلق فرمایا وَقَوْلُكَ هَآءِ السَّامُ وَالْحَکْبَةُ السَّامُ اور سمیر دوزخ کا ایندھن ہیں۔ چنانچہ کفر کرنے والے پھر دوزخ کے ساتھ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ کیونکہ کفر کے پروگرام کو غالب کرنے کے لیے حتیٰ کامت تک بڑھتے ہیں۔

آل فرعون کی مثال

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو آل فرعون سے تشبیہ دی ہے کہ جیسی عادت توہ فرعون کی تھیں، ویسی ہی ان کی بھی ہیں۔ قوم فرعون کو یقین تھا کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اللہ کے برحق پیغمبر ہیں مگر وہ انہیں ماننے پر تیار نہ تھے۔ سورۃ نمل میں فرمایا: وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَقَوْلُهُمْ لَآ اِلهَ اِلاَّ هُوَ اگرچہ ان کے دل یقین کر چکے تھے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اللہ کے پکے نبی ہیں مگر اپنے ظلم و تعدی کی بناء پر ان کا انکار کر دیا یہاں یہ بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی عادت کا ذکر فرمایا۔

كَذٰبِ اِلٰہِیْنِ عِندَہُمْ لَا اِلٰہَ اِلاَّ هُوَ ان کی عادت بھی آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کی کی ہے۔ یعنی ان کفار کا بھی وہی شیورہ ہے۔ جبرائیل فرعون کا تھا کہ محض دنیا کے مال و متاع کی خاطر حق کی منجوں کرنے پر تیار نہ تھے۔ یہ لوگ بھی مال اور دُعا کی خاطر دین حق سے منہ موڑ رہے ہیں

دُعا کے معنی عادت اور خصلت کے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دو اقوام کے عادت و خصال کا موازنہ فرمایا۔ اور آل کے لفظ سے مراد محض صلی اولاد نہیں بلکہ اس لفظ میں تمام حوالی مولیٰ اور ہل میں ہلے والے تمام لوگ شامل ہیں۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ یَقْبِیْہُمْ سے مراد وہ تمام پسپا قومیں ہیں جنہوں نے اپنے اپنے تیار کردہ انکار کیا۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم۔ حضرت ہود اور اسماعیل علیہم السلام کی قومیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم وغیرہ وغیرہ۔ عادت بھی ان گذشتہ اقوام کی عادت و خصال کی عادتوں

ہیں کہ کج بائیت انمول نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ آیات سے مراد احکام بھی ہیں اور معجزات بھی۔ گویا ان لوگوں نے نہ تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پروا کی اور نہ ہی پیغمبر کے معجزے کو سچا جانا۔ بلکہ جب کبھی ایسی بات دیکھتے تو کہتے کہ یہ تو محض جادو کا کرشمہ ہے۔ انہوں نے اپنے افسار کو کبھی مجبوز نہ کیا۔ کبھی شکر کیا اور اس طرح ہمارے افسار اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قَاحِدٌ هُمْ ثُمَّ نَلَّ بِذُنُوبِهِمْ اللہ تعالیٰ نے ان مجنوں کی پاداش میں انہیں پکڑ لیا۔ گویا سمجھانا یہ مقصود ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس طرح اہل مکہ یا مدینہ کے یہود و نصاریٰ بھی اپنی بری حرکتوں سے ہانڈ نہ آئے۔ (تورہ بھی ایسی ہی گرفت میں آجائیں گے۔ اور پھر ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ اللہ تعالیٰ سخت گرفت کرنے والا ہے۔ جب وہ پکڑے گا تو پھر چھوڑتا نہیں۔ جیسا کہ سورۃ مدج میں فرمایا اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ شَدِيْدٌ تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے اس کے غضب کو ڈرنا۔ وہ علیم بھی ہے ہمت بھی دیتا ہے مگر جب پکڑتا ہے۔ تو رہائی کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ ان کفار کے متعلق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ كَافِرُوْنَ سَعٰی سَتَقْلِبُوْنَ اَنْ تَمُوتَ عَنْتَرِیْب مغلوب ہو جاؤ گے۔ اور آج تم جن غریب، کمزور اور ناتواں مسلمانوں کو بے بس سمجھ رہے ہو، یہی تم پر غالب آئیں گے۔ تمہارا یہ حشر تو اسی دنیا میں ہوگا۔ جس میں کوئی زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ اور آخرت میں وَتَحْشُرُوْنَ اَرْضَ جَهَنَّمَ تمہیں جہنم کی طرف اکٹھا کیا جائے گا۔ تم سب کو اس طرف ہانک کر لے جایا جائے گا۔ جو کہ وَبِئْسَ الْمَکَادُ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ یہ پیش گوئی اس وقت کی گئی جب حکمان طرح طرح کے مظالم کے شکار تھے۔ اور وہ بظاہر نہایت ہی کمزور جماعت تھے۔ مگر جذبہ ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں غلبہ

عصا کھڑا دیکھ کر اگلی آیت میں اس بات کو ایک مثال کے نزدیک واضح کر دیا ہے۔ اور عبرت کا سامان پیدا فرمایا ہے۔

فَرَمَا قَسْدًا كَعَنْ تَكْفُرًا اَيْتُهُ فِي فِتْنَةٍ لَمْ تَكُنْ تَمْتَا سَعِ
جنگ کی یاد

یہ آیتیں میں ٹکڑے ٹکڑے درگزر ہوں میں نشانی ہے۔ ان درگزر و ہول سے

مرا و مسلمان مینہ اور کفار مکہ ہیں۔ فَتْنَةٍ تَفْشَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِك

گمراہ و فتنہ جو اللہ کی راہ میں لڑا تھا۔ یعنی مسلمانوں کی جماعت۔ یہ گمراہ و فتنہ جو

غایہ اسلام پر ایمان لانے والا گمراہ تھا جو اللہ کی توحید اور اس کی کتاب کے سخت

کئے میں جہاد کر رہا تھا۔ وَأَخْشَى كَافِرًا أَكْبَرًا وَأَوْسَرَ كَافِرًا أَكْبَرًا

جو کفر کو غائب کرنا چاہتا تھا۔ جب جنگ بدر میں مسلمان فتح و کامرانی کے ساتھ

واپس لوٹے تو مدینہ کے یہودی کہتے تھے کہ مسلمانوں کا واسطہ ہے کہ ناچوڑ کا

سہم بڑا ہے جس کی ذرہ جیسے کامیاب ہوئے۔ انہوں نے جیسے جنگ اور تجربہ کار لوگوں

کے ساتھ لڑائی ہوتی تو دیکھتے یہ کیسے کامیاب ہوتے ہیں۔ اَللّٰهُ تَعَالٰی سَیْءٌ وَاقِعٌ

ذکر کر کے یہود مدینہ کو عبرت حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ فَرَمَا بِمُؤْمِنِي

فَتْحِ كِي جَوْدِہ تم مجھ سے ہو۔ یہ بات نہیں ہے۔ بَلَدٌ سَيِّئٌ وَفُتْنٌ شَدِيدٌ

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خُذُوا حِذْرًا مِنْكُمْ سَيِّئٌ وَفُتْنٌ شَدِيدٌ

دروں گمراہوں سے ہے۔ ان ایمان دیکھتے تھے کہ کفار ان سے تعدد میں

سگنے ہیں۔ اور واقعاً ایسا ہی تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کفار تعدد میں ڈسنے سے

بھی نبردہ تھے۔ اور دوسری طرف یہ بھی معنی ہے کہ کفار مسلمانوں کو پیٹ سے

ڈسنے تعدد میں دیکھتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لیے فرشتوں

کو بھیج دیا تھا۔ اس کی تفصیل اور حکمت خداوند کریم نے سورۃ فیل میں فرما

دی ہے۔ وَارْزُقْنَاكَ مِنْ مَدْيَنَ وَارْزُقْنَاكَ مِنْ مَدْيَنَ وَارْزُقْنَاكَ مِنْ مَدْيَنَ

قَلِيلًا بَدْرَہ کے دن تم ان کفار کو اپنے سے کم تعداد میں دیکھ رہے تھے

وَقَلِيلًا بَدْرَہ کے دن تم ان کفار کو اپنے سے کم تعداد میں دیکھ رہے تھے

دکھایا۔ مقصد یہ تھا کہ فی قضی اللہ اصراراً کان مفعولاً کہ اللہ تعالیٰ جس کام کو چاہے وہ مکمل ہو جائے۔ غرضیکہ میدان بدر میں اللہ نے ابتداء میں ایسی کیفیت طاری کر دی تھی، کہ دونوں گروہ ایک دوسرے کو پہنچنے سے کم تر دیکھ سکتے تھے۔ اہل ایمان نے کفار کو دیکھا۔ تو انہیں پہنچنے سے کم تعداد میں پایا۔ اور کافروں نے ایمان والوں کو دیکھا۔ تو وہ بھی حقوڑے نظر آئے اور وہ حقیقت میں بھی کم تھے مگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار کی تعداد کم کر کے دکھانے کی حکمت بھی بتائی۔ کہ اے اہل ایمان! تمہیں کفار کی تعداد کم کر کے دکھانے میں مصیبت یہ تھی۔ کہ کہیں تمہارے دلوں میں عنصفت نہ پیدا ہو جائے وَلَوْ اَرَاكُمْ كَثُورًا لَّغَيَّبْتُمُ الْاَکْثَرُ انہیں کثیر تعداد میں دکھایا جاتا تو تم پھسل جاتے۔ تم پر رعب طاری ہو جاتا اور تم ہم کو نہ دیکھ سکتے۔ پھر جب لڑائی شروع ہوئی۔ تو اللہ نے درشتے میدان میں تالے تو کفار کو مسلمانوں کی تعداد زیادہ نظر آنے لگی جس کی وجہ سے ان پر رعب طاری ہو گیا۔ اور ان کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ اور ہر مشرطی کی یہ خاص مہربانی تھی۔ اور ادھر نبی علیہ السلام کی لشکر کے حضور رخ اور مناجات تھی۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں محض اللہ کی رضا اور قبولِ میدان تھا۔ چنانچہ مشلمان فتحیاب ہوئے۔

جنگ بدر میں مسلمانوں کا ظاہری حال تو یہ تھا کہ ایک ہزار مسلح افراد کے مقابلے میں صرف تین سو تیرہ یا تین سو بیس مجاہدین تھے۔ کل ستر اونٹ، دو گھوڑے، چھ رہیں اور آٹھ تلواریں ان کا سامان جنگ تھا۔ گناہوں میں سالانہ منجرب حرب میں ہر چیز موجود تھی۔ ہر روز اونٹ ذبح کر کے کھاتے تھے۔ شراب پیتے تھے۔ ہر طرح کا براہِ مہر تھا۔ ناسمجھے گانے والی گورتیں موجود تھیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا اعلان یہ ہے۔ وَاللّٰهُ يُوَفِّيْ دَعْوَانِیْ وَهُوَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اے اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی نائید سے مدد فرماتا ہے۔ مسلمانوں کے پاس اس قدر کم تعداد اور قلیل سامان ہونے کے باوجود نائید یزدی مسلمانوں کے حق میں تھی۔ کسی کے دہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوگی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ

تائیدِ مذہبی

کہ سنے ملے ہوں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں **يَعْبُدُونِي**۔ لاکھوں کوئی
 نہا **يَكُونُ** (سورۃ نور) جب تک مسلمان اس اصول پر قائم ہے۔ اللہ نے غلبہ عطا
 کیا۔ یہود و نصاریٰ نے غیر اللہ کی عبادت شروع کر دی۔ شرک میں مبتلا ہو گئے۔
 ہذا وہ مغلوب ہو گئے۔ اہل کتاب بھی اپنے آپ کو یسوع مسیح کا منہ دلا سکتے
 تھے مگر اپنا الوہیہ ہا کرتے تھے۔ آج مسلمانوں کی حالت بھی کم و بیش ایسی
 ہی ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کا نام لے کر اپنی خواہشات کی تکمیل کتے ہیں
 ایسی حالت میں دولت کے سوا اور کیا مقرر میں ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نفاق کو پسند
 نہیں کرتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کامل الایمان لوگوں سے مدد کا وعدہ کرتا ہے۔ جو لوگ
 راہ راست سے ہٹ جاتے ہیں۔ وہ آنے والی قوموں کے لیے باعث عبرت
 بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے واقعات بیان کرنے کے بعد فرمایا
 محض قصے کہانیاں نہیں جن کو سن کر خوش ہو جاؤ بلکہ **لَقَدْ كَانَ فِي قَصصِهِمْ**
عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ان واقعات میں اپنی بصیرت لوگوں کے لیے
 سارا ان عبرت ہے جو لوگ اپنے حقانی کرکھائی انکھول سے نہیں دیکھتے۔ وہ تو
 سورج طلوع ہو چکے بعد اس کا بھی انکار کر سکتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ ان مانتا
 کو عبرت کی نگاہ سے دیکھو کہ وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے
 ان سے پرہیز کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے کن لوگوں کو کس وجہ سے غلبہ عطا فرمایا
 ان کی پیروی کرو۔ تم آج بھی کامیاب ہو جاؤ گے۔

عورتوں سے۔ اس فہرست میں سب سے پہلا نمبر عورت کا آیا ہے۔ یعنی عورتوں کی محبت، ان لوگوں کے دلوں میں ستریں کھدی گئی ہے۔ اور جب لوگ اس محبت میں مبتلا ہو کر غفلت کا شکار ہو جاتے اور اطاعت الہی کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ تو گھر ہی کے گڑھے میں جا گرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنی امت میں عورتوں سے بڑھ کر خطرناک فتنہ کوئی نہیں چھوڑ چلا۔ یعنی مردوں کے حق میں مجھے سب سے زیادہ خطرہ عورتوں کی طرف سے ہے۔ یہ بڑا خطرناک فتنہ ہے۔ ان کی محبت میں مبتلا ہو کر انسان اللہ سے غافل اور خیر سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اور محض نفسانی خواہش کا بندہ بن کر رہ جاتا ہے۔

مرد و زن کا فطری رشتہ اللہ تعالیٰ نے بڑا عجیب بنایا ہے۔ فرمایا ہے: انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اس کا جوڑا اسی سے پیدا کیا۔ یعنی مرد کے مقابلہ میں دوسری صنف کو یہ کیا **نَفْسٌ كُنْتُ لَهُ الْفَتَا** یعنی مردان کے ذریعہ سکون حاصل کر سکیں۔ علم داند وہ اور پریشانی کی صورت میں عورت مرد کے لیے مرہم کا کام ہے، اس کے بوجھ کر ہکا بھکا کرنے کی کوششیں کرے، اُسے سکون میسر ہوگا۔ اور **لَفْظِ الْخَواشِ** کی سہیں کا ذریعہ بیٹلگ، انہی میں قرآن پاک میں ارشاد ہے: **وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً** اللہ تعالیٰ نے مرد و زن کے درمیان محبت اور مہربانی کے جذبے کو پیدا کیا: تاکہ یہ جوڑا پیار و محبت کی بہترین زندگی گزار سکے۔ دوسرے مقام پر فرمایا **لَهُنَّ لِبَاسٌ لَّكُنَّ لَكُمْ وَنَتَّقُوا** لہٰذا عورتیں مردوں کیلئے بمنزلہ لباس کے ہیں اور مرد عورتوں کے لیے لباس ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے پردہ پرڈی کا ذریعہ ہیں۔ عفت اور پاکدامنی کا سبب ہیں اور یہ فطری رشتہ سب سے حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ عورت سے مقصود پاکدامنی اور اولاد کا بھہرہ ہونی چاہیے، محض شوہر کی رانی مطلوب نہیں ہونی چاہیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ جب عورتوں کے قریب جاؤ تو **وَابْتَغُوا مِمَّا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ** اُس چیز کی تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے مقدر میں

کہ ہے، یعنی نیک اور داد کی تمنا ہونی چاہیئے۔
 الغرض! اگر عورت سے مقصود عفت، پاکہ منی اور اولاد ہو تو یہ بڑی
 اچھی چیز ہے، حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ بخیر عتاع المذنب
 ثمرة، لعل لطفہ دنیا کی بغیر اشیائیں ہیں سے نیک عورت سے بہت زیادہ
 فائدہ سے وہی چیز ہے۔ اگر مرد اس کی عرف نگاہ کرے تو وہ اس کو خوش گری
 اور اگر حکم دیا، تو بجا لائیگی۔ اگر خاندان گھر سے باہر جائیگا تو اس کے مال کی اور اپنی
 ناموس کی حفاظت کریگی۔

سنان کے لیے حقیقی سعادت تو یہ ہے کہ جسے ایمان کی دولت نصیب
 ہو اور وہ اعمالِ صالحہ پر کار بند ہو۔ دنیاوی سعادت کے متعلق مسند احمد شریفین
 کی روایت میں آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کو دنیا میں تین چیزیں
 حاصل ہو گئیں دو سعادت مند ہو گا۔ ان اشیاء میں پہلا نمبر طرۃ العاصی یعنی
 نیک عورت کا ہے۔ اس کے بعد تہنہ کے لیے، چھ مکان اور سفر کے لیے
 اچھی سوکھی۔ یہ تین چیزیں سعادت کی لکڑی ہیں۔ ان سے بغیر انسان طاقی سمجھا جائیگا۔
 جیسا کہ مرفوع کیا گیا ہے۔ عورت سے مقصود کثرت اور ابھی ہے، جو کہ

مسند احمد

مفسر اسلام میں اضافہ کا باعث ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا
 ما کانت بکم الا مہم میں کثرت۔ ولادہ پر فخر کر دو اگر بشر جیہ وہ نیک
 ہو۔ علمائے گرامہ فرماتے ہیں کہ کثرت دو طریقے سے ہوتی ہے۔ ایک سعادت
 تو کس میں زیادتی ہے، جتنی زیادہ اولاد ہوگی، اتنا ہی اچھا ہے۔ مرت محمدی
 میں اضافہ ہو گا۔ سہیلے اسلام نے تعدد و ازدواج کی بھی اجازت دی ہے۔ کثرت
 امت کی دوسری صورت تبلیغ دین ہے جس قدر لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونگے
 ان کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔ اور یہ چیز حضور علیہ السلام کے لیے باعث فخر
 ہوگی۔ ایک عام مسلمان کے لیے یہی چیز باعث ثواب اور ذریعہ نجات ہوگی۔
 شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ الباقی میں فرماتے ہیں کہ جو لوگ کثرت اولاد کے

راستے کو بند کر دیا۔ چاہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے جاری کردہ رشتہ کو برقرار رکھ کر اس
 کے نزدیک توبہ کی گنجینہ سے لے کر چھوٹے توبہ کے لئے چھوٹے گنجینہ سے لے کر چھوٹے گنجینہ سے لے کر
 عالمی توبہ کے لئے چھوٹے گنجینہ سے لے کر چھوٹے گنجینہ سے لے کر چھوٹے گنجینہ سے لے کر چھوٹے گنجینہ سے لے کر
 اللہ تعالیٰ تو اولاد میں کثرت چاہتا ہے۔ ہر گھرانے میں کثرت میں داخل ہونے کی کوشش
 ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی میں فوت ہو گیا۔ وہ کچھ
 عمل صالح ہو گیا۔ تو یہ کچھ قیامت کے دن اپنے موضع و مدین کے حق میں شفاعت
 کرے گا۔ وہ ماں باپ کے دامن کو پکڑے گا اور جہنم میں نہیں جائے گا۔
 اللہ تعالیٰ کے ہاں اسی مضافہ کرے گا کہ والدین کو ساتھ سے کہ جنت میں
 جائے گا اور اگر بچہ حرام ہو گیا۔ تو والدین کے دامن کے بعد ان کے یہ دعا
 کرے گا۔ اور نیک کام کرے گا تو باطن میں ہو گا۔ ہندو میں تو سب اولاد کو مونا
 باطن صاف ہے۔ تو مدنی شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ ایک عورت
 نے تیسری عیدِ مصفوعہ و سیدہ کی حد سے میں عرض کیا۔ بھروسہ میرے تین چھوٹے
 بچے فوت ہو چکے ہیں۔ میرا کوئی زندہ بچہ نہیں ہے۔ آپ عیدِ سیدہ نے رسد
 فرمایا اَللّٰهُمَّ حَضِّنْ لَهَا بِحَضْنِ سَيِّدَتِنَا وَنَسْنِ وَجْهَهَا كَمَا كُنْتَ
 تَفْعَلُ لَهَا بِرَحْمَتِكَ سُبْحَانَكَ۔ ان بچوں کی بدولت تو جہنم کی آگ سے بچ گئی۔
 بعد ازاں اس کے انگریز عورت کی محبت حد سے بڑھ جائے تو ہمیں
 چیز انسان کی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ یہ کچھ باتیں کہتے ہیں۔ احاطہ سکون ہے۔
 جن کا سر کر کے درحورت ملتی ہے۔ اسی کی سبب۔ بڑی بڑی ساری باتیں یہ ہوئیں
 تیری بڑی سہولتیں تباہ ہو گئیں۔ بے حیائی کو اس قدر ثمنی حاصل ہوئی کہ سب
 اور پائے بھی بکھرتے ہیں۔ آج بیشتر گھرانے اور بچی سے دوری عورت
 کی وجہ سے ہے۔ اور اس کے ذمہ دار خود مرد ہیں جو عورت کو ہر میدان میں
 گھمبیسٹ لے لے۔ انکی رسائی تعلیمی اور دینی تک تو درست ملتی کہ بچیوں کو
 دیر تعلیم سے آراستہ کر دیں اور پھر لے اور شرافت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں

خبریں

مگر جب یہی عورتیں دکاؤں کی زینت بن گئیں، وفتروں اور ہستوں میں پہنچ گئیں
 ہوائی چاندوں میں اسٹریٹس بن گئیں، فوج میں بھرتی ہونے لگیں، تو عمر ہی کا
 کافر لید بن گئیں۔ یہی کچھ انگہ پڑنے کیا تھا۔ اور اب مشرق بھی مغرب کی تقلید
 میں بھاگا جا رہا ہے۔ حالانکہ حضور نبی کریم علیہ السلام کا فرمان ہے کہ عورت
 کو اس مقام پر رکھو جہاں اللہ نے اسے رکھا ہے نماز کے لیے عورت اگلی
 صف میں کھڑی نہیں ہو سکتی۔ اس کا مقام کچھ صفت حتیٰ کمپکوں سے بھی
 پیچھے ہے۔ عورت جس قدر عظمت و تاب ہوگی صاحب فضیلت و رجاء و کمال
 ہوگی۔ جنوں جن عریانی کے کاموں میں آگے بڑھنے کی، عورت عورت نہیں
 رہ سکتی، کچھ اور چیز ہی بن جائیگی۔ کفیل کے میدان میں عورت کو ڈٹ بال جانی بدل
 کر کٹ، پاکی وغیرہ کھلائی جا رہی ہے۔ مرد و زن سب دیکھ رہے ہیں۔
 خندہ نہیں آئیگی تو اور کیا ہوگا۔ مردوں کے خیالات پر آئندہ بدلے گئے۔ اور
 نتیجہ ظاہر ہے اس لیے اسباب خداوند میں عورت کو پہلے غریب رکھ گیا ہے
 اب جمہوریت نے نیا گھل کھلایا ہے۔ ہر سطح پر عورتوں کی نمائندگی
 بھی ضروری ہے۔ کہتے ہیں کہ مرد و زن یک ٹاٹری کے دو پیسے ہیں۔
 مردوں پیسوں کو بڑبڑ چاہتے، ورنہ زندگی کی گاڑی جام ہو کر رہ جائے گی۔
 انداموں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو میونسپل کونسلوں کے ممبر بنانا۔ صوبائی اور
 قومی اسمبلی میں نمائندگی۔ وزارت و مشورہ کے قلمدان ان کے سپرد کرنا۔ ان کے
 غیر کام نہیں چل سکتا۔ پس قدر گمراہی کی بات ہے۔ عورت سے مشورہ کرنے کی
 ممانعت نہیں۔ حضور علیہ السلام خود عورتوں کے حوالے میں اپنی عورتوں سے بات
 پوچھ لیتے تھے، حضرت عمرؓ مشورہ کر لیتے تھے، عمرؓ گھر میں، چاند مقام پر۔
 مشورہ کے لیے اسمبلی اور مجلس مشاورت میں کھینچ لانا کہاں سے نکال لیا حضور
 علیہ السلام نے فرمایا النساء حسب الله، الشیطان یعنی عورتیں شیطان کا
 جال ہیں۔ انہی کے ذریعے شیطان لوگوں کو پھانتا ہے، اور پھر بڑے بڑے

عورت کی
نمائندگی

تبع واقعات پیش آتے ہیں۔ بڑے بڑے سیکنڈل بنتے ہیں۔ حتیٰ کہ تاریخ کا رخ مڑ جاتا ہے۔

قندہی شریف میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مجذبی ہے۔
 اِذَا كَانَ امْرَاؤُكُمْ خِيَارًا كُفُّوا جُنَاحَ تِهَامِكُمْ حَتَّى تَكُونَ لَكُمْ رِجَالٌ مِثْلُكُمْ
 قسم کے لوگ ہوں۔ وَأَعْيَاؤُكُمْ سُمَحًا وَكُفُّوا جُنَاحَ تِهَامِكُمْ
 دولت مند لوگ سخی ہوں وَأُمُورُكُمْ شُورَى بَيْنَكُمْ اور تمہارے
 کام آپس میں مشورہ سے طے ہوں فَظَهَرَ الْفُرْقَانُ خَيْرٌ لَّكُمْ
 مِنْ بَطْنِهِ تِوَالِیسی حالت میں تمہارا زمین کے اوپر رہنا زمین کے اندر چلے
 جانے سے بہتر ہے۔ نیز فرمایا اگر اس کا الٹ ہو جائے یعنی اِذَا كَانَ
 امْرَاؤُكُمْ خِيَارًا كُفُّوا جُنَاحَ تِهَامِكُمْ حَتَّى تَكُونَ لَكُمْ رِجَالٌ مِثْلُكُمْ
 وَأَعْيَاؤُكُمْ سُمَحًا وَكُفُّوا جُنَاحَ تِهَامِكُمْ اور تمہارے والدہ لوگ بخیل ہو جائیں
 وَأُمُورُكُمْ شُورَى بَيْنَكُمْ اور تمہارے معاملہ صرف عورتوں کے درمیان
 طے پائیں۔ تو پھر سمجھ لو بَطْنُ الْفُرْقَانِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ فَهْرِهِ تِهَامِكُمْ
 لیے زمین کے اندر چلے جانا زمین کے اوپر سہنے سے بہتر ہے۔ یعنی تمہارا
 مرقع آجی بہتر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگوں کے لیے خواہشات
 دوسری چیزوں کی محبت کو فرین کیا گیا ہے۔ اور ان خواہشات یا سرغوب
 چیزوں میں اول نمبر عورت کا ہے۔

انسان کی مرغوبات میں سے دوسری چیز فرمایا الْبَنَاتُ یعنی اولاد ہے
 اولاد کی محبت ایک خاص درجے تک فطری ہے۔ اور مال و اولاد کو دنیوی
 زندگی کے لیے نہایت قرار دیا گیا ہے۔ الْمَالُ وَالْبَنَاتُ زِينَةُ
 الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مگر اللہ جل شانہ نے یہ بھی فرمایا اِنَّ سَمَاءَ امْوَالِكُمْ
 وَادْلَافِكُمْ فِتْنَةٌ یعنی تمہارے اموال اور اولاد میں سے تمہارے
 لیے فتنے کا باعث بھی ہیں۔ اولاد میں سے خصوصاً بیٹوں کے ساتھ محبت

فطری امر ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ بیٹے کی درستگی اس کی نسل کا سلسلہ بانی
 ہے گا، فیک ہوگا، لو اس کو نامزدکشن ہوگا اس کے لیے با عیش و عشرت ہوگا
 بر خلاف اس کے اگر یہی اولاد اخلاف ترقی پزیر ہو سکے۔ اس کی حدود کو توڑنے سے
 جائز اور ناجائز کا خیال نہ کرے، فقط و فنا کا بازار گرم کرے، تو انسان کے لیے
 سخت آزمائش کا باعث ہوگی، اولاد کے ذمہ تو لوگ کس قدر تنگ آتے
 رہتے ہیں، ہر روز اخباروں میں خبریں چھپتی ہیں کہ والدین کے لیے نہ صرف
 بدنامی بلکہ ملکیت کا سبب بھی بن جاتی ہے۔ بیٹا نہ بدستوری باپ سے جائزہ کا حصر
 طلب کرتا ہے۔ جان سے مار دینے کی دھمکی دیتا ہے۔ قتل و اغوار کے مقدمے
 میں موٹ ہو کر باپ کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ والدین لاکھ کوشش کرتے ہیں
 کہ کسی طرح اولاد کو سنوڑ جائے۔ اولاد کے لیے مال، دولت، اسکان، زمین ہر
 چیز دیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں خواہ انہیں ناجائز و فاسد ہی کیوں نہ اختیار کرنا
 پڑیں۔ مگر جب آزمائش آتی ہے تو یہی لٹ پٹ پٹارے سے پانی ہوئی اولاد جان کی دشمن
 بن جاتی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اور وہی فتنے اور گمراہی کے اسباب
 میں سے ایک سبب ہے۔

انسان کے لیے جو سرخوابت چیزیں مضر کی گئی ہیں ان میں سے تیسری چیز
 فرمایا وَالْقَتَ طَيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفُضَّةِ سونے چاندی
 کے جمع کیے ہوئے خزانے تو میرا مال ہیں۔ یہ بھی انسان کے لیے گمراہی کا باعث
 بن سکتے ہیں۔ مال کی محبت بھی کسی حد تک فطری ہے۔ سودہ غاریات میں مندرمایا
وَأَنَّ رَحِبَ الْخَيْرِ نَشْدِيدٌ انسان مال کی محبت میں بڑا پکا ہے
 بلکہ فرمایا هَلْ لَّيْشَ لَعْنَى حَرِيصٍ اور بے صبر ابھی ہے۔ یہی محبت اگر حد سے تجاوز
 کر جائے تو گمراہی کا باعث بن کر باعث وبال ہوگی۔ تنہا حیر سے مراد ہست سارا مال
 ہے۔ عرب ایک لاکھ مٹرنی یا درہم کو قنطاریہ کہتے تھے۔ مقصد یہ کہ یہ لفظ درہم
 مان پر بولنا جاتا ہے۔ اور اس کے حصول کے لیے انسان بے شمار گمراہی میں مبتلا

اس کے ذریعہ دنیا میں بھی آسائش، بخشش و آرام حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور گناہ یہ کرتا ہے۔ اِنَّ مَّا لَكَ اَخْسَدَةٌ اَكْبَرُ مِنْ مَّا لَكَ اَسْهَدَةٌ اَكْبَرُ۔ ہمیشہ حوادث سے محفوظ رکھے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ جب مصیبت آتی ہے۔ تو مال و دولت کسی کام نہیں آتے پہلے گزر چکا ہے۔ لَنْ تَغْنِي عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَزْوَاجُهُمْ مِّنَ الْمَلَةِ شَيْئًا اُن کے مال اور اولاد اللہ کے مال کچھ کام نہ آئیں گے۔ انسان مال کے حصول کے لیے کیسے کیسے ناجائز حربے اختیار کرتا ہے رشوت جوڑی، فراڈ، جڈ، چور بازاری غرض کیا کچھ نہیں کیا جاتا۔ مگر باوجود اس مال اس دنیا میں بھی کام نہیں آتا۔ تو اللہ کے مال تو یہ بجائے خود مال جان بن جائے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ گمراہی کے اسباب میں سے مال بھی ایک ہے۔

پوچھتی چیز فرمایا وَاَخْسِلُ الْمُسَوِّمَاتِ وَلَا تَكْفُرُ ثَنُ نَزْوِ اَلْمُسَوِّمَاتِ اور مویشی اَلْمُسَوِّمَاتِ یعنی خوب پائے پر سے اور طاقتور گھوڑے اور دیگر مال و گھر مویشی بھی اسباب ضلالت میں سے ہیں۔ یہ بھی انسان کی مرغوب اشیا میں سے ہیں۔ انسان ان سے خوب نفع حاصل کرتا ہے۔ گائے بھینس، بھیر، بکری، اونٹ وغیرہ سے درد و حاصل کرتا ہے۔ اور ان کو گشت کھاتا ہے۔ ان سے کواری اور بار برداری کا کام بھی لیتا ہے۔ یہ انسان کی اچھی خاصی جائیداد ہوتی ہے۔ اور ان سے محبت بھی فطری ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص ان کی محبت میں اس قدر غرق ہو جائے کہ ان کی دیکھ بھال میں نمازوں کی پروا نہ کرے۔ دیگر نیکی کے کاموں کی طرف توجہ ہی نہ دے سکے۔ گویا اَحْذَرُوا ذُنَابَ الْبَقَرِ گائے بیل کی دم پکڑ کر بیٹھا ہے۔ تو یہی مال انسان کے لیے گمراہی کا سبب بن جائے گا۔ لہذا اس سے بھی خبردار کیا گیا ہے۔

فرمایا اسباب ضلالت میں سے وَالْحُمْرُ بھی ایک ہے۔ انسان وَالْحُمْرُ کھیتی باڑی کے کام میں مصروف ہو کر بھی فرائض سے غافل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے یہ چیز اس کے لیے فتنہ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا تھا۔

کے لیے وہاں کو نُورِ قُدُّوس پہنچا دیا جائے گا۔ جو ہر قسم کی جسمانی و روحانی غلامت سے پاک ہوں گی۔ اس دنیا کی بہترین عورتیں بھی ان کی طہارت کا مقابلہ نہیں کر سکیں گی۔ فرمایا اس کے علاوہ جنتیوں کو وہ سنو گی وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ تَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا کی خوشخبری حاصل ہوگی۔ جو سب سے بڑی نعمت ہوگی۔ جب لوگ دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ وہ انہیں ہر نعمت حاصل ہو جائے گی۔ تو اللہ کریم ان سے فرمائیں گے کیا میں تمہیں کچھ اور زیادہ نہ دوں۔ وہ لوگ حیران ہوں گے۔ اور کہیں گے یا اللہ! ہم جنت میں پہنچ گئے، اکامیاب ہو گئے۔ ہر طرح کی نعمتیں حاصل ہو گئیں۔ اب اور کیا ملے گا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے حِجَابٌ عَلَىٰ كُفْرِكُمْ فَصُورُوا فِي الْأَرْضِ فَاصْنُوا فَمَا يَصْنَعُونَ اب آج کے بعد کبھی تم سے ناراض نہیں ہوگا۔ گویا اللہ تعالیٰ جنتیوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے راضی ہو جائے گا۔ یہ انسان کی بدی خواہ ہوگی۔ فرمایا وَاللَّهُ يَكْفِيكَ الْغَيْبَ اللہ تعالیٰ تمام بندوں کے حالات کو نگاہ میں رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون کیا کر رہا ہے۔ اور کون کس چیز میں مبتلا ہے۔ لہذا اس کی گرفت سے کوئی شخص نہیں بچ سکتا۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون ایماندار ہے اور اعمالِ صالحہ کر رہا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اس کے دین جتنے کی کمی نہیں ہے وہ انہیں آخرت میں بہترین بدی زندگی عطا کرے گا۔

تِلْكَ الرُّسُلُ

ابن مسرکان

درس پنجم ۵

آیت ۱۷ تا ۱۸

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا آتِنَا آمَنًا فَاعْرِضْنَا لِنُؤْمِنَ
وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اَنْصَحِيْرَيْنِ وَالصّٰدِقِيْنَ
وَالْقَوِيْمِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحٰرِ ۝
شَهِدَ اللّٰهُ اَنْهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۝ وَالْمَلٰئِكَةُ وَاُولُو
الْعِلْمِ قَالِمًا يَا قُسْطٰى اِلٰهَ ۝ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

ترجمہ: وہ لوگ جو کہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! ایک ایمان دے دے
میں بخش دے ہم کو ہمارے گناہ، اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا دے (۱۷) وہ صبر
کرنے والے ہیں، اور پجاریں والے ہیں اور اجماعت کرنے والے ہیں اور فرج کرنے والے ہیں اور
بخشش طلب کرنے والے ہیں سحر یوں کے وقت (۱۸) اللہ نے گواہی دی ہے کہ اُس
کے سوا عبادت کے کوئی لائق نہیں۔ اور فرشتوں نے بھی اور اہل علم نے
بھی۔ وہ قائم ہے انصاف کے ساتھ۔ اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق
نہیں ہے۔ وہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے (۱۸)

تذکرہ آیات

گزشتہ درس میں گمراہی کے اسباب بیان ہوئے تھے۔ عام طور پر اپنی اشیاء
کی محبت میں گرفتار ہو کر لوگ گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے
پیچھے ہوئے دین اور آخرت کی زندگی سے قافل ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے
یہ بھی بتلادیا کہ دنیا کی ان مرغوب اشیاء کے مقابلے میں اہل تقویٰ کے لیے
اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر سامان موجود ہے۔ دلوں پر جنت ہے جس میں ہر طرح
کی نعمتیں مہیا ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دلوں اللہ کی خدمت و عبادت اور رضا حاصل ہر
جائے کی۔ جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگی۔ اور جس کو کبھی مدال نہیں آئیگا۔ اب آیت
نمبر دس میں اللہ تعالیٰ نے مقبول سکھ اور صاف بیان فرماتے ہیں۔ یعنی پتھر

ہیں کہ وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو رہے ہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے
گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں۔ اور درخت کے غریب سے غلی کے صاحب
ہو رہے ہیں۔

اہل تقویٰ
عاصی بن

اہل تقویٰ کی فرست میں سب سے پہلے فرمایا ہے کہ میں نے ان کی ایک صفت
یہ ہے کہ وہ صبر کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ بہت بڑی صفت ہے اللہ تعالیٰ
کی اطاعت کرتے وقت انسانی قوتوں سے بچنے کے وقت ان کی صفت
آپ پر صبر ہی کو کہتے ہیں۔ لایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شاہد ہے۔ یہاں لکھا
الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَبِينَ بِالْصَّبْرِ وَاسْتَبِينَ سَلَوَةً سَلَوَةً
ایمان پر صبر اور تھانے کے ساتھ رہنا چاہو۔ صبر کرنے والا اگرچہ بڑا مشکل کام ہے۔
مگر اس کا اجر بھی زیادہ ہے۔ فرمایا یُؤْتَى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ
جس کا حساب اللہ تعالیٰ نہیں کرتے دلوں کو بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔

حضرت علیؑ کی روایت میں آتے الصابرون الایمان بمنازلۃ
المراس من الجسد، کا تعلق ان کے ایمان سے۔ اتحاد ایسا ہی ہے
جیسے سر کا تعلق جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ سر کاٹا جائے تو بدن بے سر ہو جاتا ہے۔ ایسی
طرح صبر کا زمین پر پڑا جائے تو ایمان کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ صبر حضرت
برہم خلیفہ علیہ السلام کی صفت اور دین اسلام کے ہم اصولوں میں سے ہے۔ صبر بھی
ایسی طرح اہم ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان، نماز، اس کا ذکر، تعظیم و شکر
اور اس کی نعمتوں کا شکر ضروری ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کیا میں تمہیں
درجہ بلند کرنے والی چیز نہ بتلاؤں جو گناہوں کو مٹاتی ہے فریادہ ہے
اقصاء الموضوع عند السکینات یعنی تکلیف کے وقت
مکمل وغیرہ کرنا۔ اگرچہ سردی میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اگر سخت سردی کے
ایام میں پانی گرم کرنے کا انتظام نہ ہوا تو وضو کرتے وقت تکلیف ہوتی ہے
بعض اوقات ہاتھ پاؤں پھٹ جاتے ہیں۔ مگر ایک مومن جب یہ تکلیف بردہ

کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے انعامات سے نوازتا ہے۔ اُس کے لئے بخشش کے دروازے کھول دیتا ہے۔ بعض گرم طبقات میں ٹھنڈے پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر ایسا پانی میسر نہ کرنے کی صورت میں گرم پانی سنہ ہی دھونکر پڑاتا ہے۔ اور ایک مومن یہ تکلیف بھی برداشت کرتا ہے۔ اور صبر کا دامن نہیں چھوڑتا۔ نماز کے لیے قیام رکھتا اور رکود پر صبر کرتا ہے۔ روزہ رکھ کر صبر کا مظاہرہ کرتا ہے۔ حج کی تکالیف پر صبر کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر صبرِ جہاد کے موقع پر کرتا ہے۔ اور سرِ دھڑکی باز دی لگا دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا رسول گوئی ہے۔ **بِإِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ خِلَابِ الشُّيُوفِ** یعنی جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔ جنت جنت کی خواہش ہے۔ وہ جہاد میں جھپٹی ہوئی تلواروں اور بڑھتے ہوئے تیروں اور نیزوں سے نہیں ڈرتا ہے۔ یہ اس کے صبرِ استقامت کی اہمیت ہے۔ اسی طرح اپنی عزتِ متاعِ مال و دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی صبر پر دلالت کرتا ہے۔ یہ سب صبر ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔

صبر کی ایک اور بڑی صورت کسی تکلیف یا عہدے کے وقت صبر کرنا ہے۔ مال و جائیداد ضائع ہو جائے۔ کوئی عزیز یا بزرگ فوت ہو جائے۔ کسی چنر کا خوف سقط ہو جائے۔ تو ایسی حالت میں صبر کا دامن تھمنا بہت بڑا اصول ہے اسی اصول کو چھوڑ کر افضیت اور شیعیت پیدا ہوئی۔ جس اصول کو امام حسینؑ نے آخر دم تک اپنا سہ رکھا۔ اسی اصول کو اُس کے نام ابو اؤں نے ترک کر کے بے صبری کا اترمانی مظاہرہ کیا۔ دنیا پیٹنا، داد ملا کر نا، عہدہ فرج، چھبریاں مارنا، چھاتی پتیاں گون اُصول سہنے۔ یہ تو بے اصولی کی بات سہنے۔ حضرت علیؑ نے صبر کے اصول کو ترک رکھا، حضرت عثمانؓ نے اس پر کچ نہ آنے دی، حضرت عمرؓ نے اس کا کمال مظاہرہ کیا۔ آج ہم اس ذریعہ صبر کو ترک کر کے کچے ذلوع پاسکتے ہیں بھڑال اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر صبر کرنے والوں کی تعریف بیان کی ہے، اس کا ہم مدائن ہے۔ **رَبَّنَا اللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ** بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے

ساتھ ہے۔

اہل تقویٰ میں سے دو سکر گروہ کے متعلق فرمایا وَالصَّادِقِیْنِ
وہ لوگ ہیں جو ہر معاملہ میں سچائی اور راست بازی کو اختیار کرتے ہیں۔ اپنے قول،
فعل، معاملے، اور وعدے میں سچائی کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ جیسے مندرجہ
لَا يَزَالُ الصَّوْمُونَ يَتَخَذُوا الصَّدَقَ حَتَّى يَكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ
صَدِيقًا یعنی مومن برابر سچائی کو تلاش کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ
اللہ تعالیٰ کے ہاں انکو صدیق سمجھا جاتا ہے۔ سورۃ توبہ میں فرمایا اَلْاِيْمَانُ اَوَّلُ
لُحْمِ ذُرْوَةٍ وَكَوْنُهَا مَعَ الصَّادِقِیْنِ اور سچے لوگوں کے ساتھ
شال جو جاذبہ سورۃ بقرہ میں فرمایا هَذَا لِحْمُ الصَّادِقِیْنِ
مِنْدَقِهِمْ قیامت کے دن راست باز لوگوں کو ان کی سچائی نفع دینے
سورۃ احزاب میں فرمایا لِيَسْئَلَ الصَّادِقِیْنِ عَنْ صَدَقِهِمْ
قیامت کے دن سچے لوگوں کے سچ کے متعلق پوچھا جائے گا۔ سورۃ عنکبوت
کی ابتدا میں فرمایا فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوا یعنی اللہ تعالیٰ
سچوں کو جانپتا رہتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے ہاں سچائی بہت بڑا عمل ہے۔
اور اس کے ہاں اس کے واسطے بہت بڑا اجر ہے۔

کتابخانه

فرمایا متقیوں میں میسر گر وہ وَالْقَنَیْتُ لَیْنٌ کا ہے۔ یہ لفظ قنوت سے مشتق ہے۔ اور اس کا معنی اطاعت بجالانا ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا دامن کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑتے اُن پر خوشحالی آئے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور آزمائش آئے تو صبر کرتے ہیں مگر اپنے آپ سے باہر ہو کر اطاعت خداوندی سے باہر نہیں ہوتے انہیں ہر وقت یہ فکر مچی رہتی ہے کہ کسی وقت اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو جائے۔ یہی لوگ قانتین ہیں۔ سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے جن مردوں اور عورتوں کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت سنائی ہے۔ ان میں

وَالْفَرِثِيَّةِ وَالْأَنْثَرِيَّةِ تَبْهِي طَالِمْ هِيَ. اللہ تعالیٰ نے اطا علیہ گنہگار مردوں اور طاعت گزار عورتوں کے لیے قیامت کو بہت بڑی جہاد کا مژدہ منایا۔ جب الغرض اہل تقویٰ کی ایک صفت یہ تھی ہے کہ وہ اللہ کے اطا علیہ گزار بننے پر آمادہ ہوں۔ اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔

طاعین
کونینے

اہل تقویٰ کا چوتھا گمروہ وَتَمْنِيْقِيْنَ کا سبب یہ ہے کہ وہ فریادیں نہ کر سکیں۔ اللہ کی راہ میں محتاجوں پر خرچ کرنے والے ہیں۔ دین اسلام میں خرچ کرنا بہت بڑا عمل ہے۔ ایک بہت بڑا اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض جمع کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ یہودیوں کی یہ صفت تھی جَمْعٌ كَقَوْعٍ كَمْ وَهِيَ كَمْ وَهِيَ كَمْ كَمْ كَمْ كَمْ كَمْ۔ خرچ نہیں کرتے تھے۔ مگر ایک قوم کی صفت یہ ہے کہ وہ دولت کما تھے۔ تو اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتے۔ بخل نہیں کرتے۔ وہ جانتے ہیں
وَفِي مَوَالِيْهِمْ حَقُّ الْمَسْكِيْنِ وَالْمَحْضَرِّمْ كَمْ كَمْ كَمْ كَمْ كَمْ كَمْ كَمْ
محتاجوں اور محروموں کا حق بھی ہے اور ان کے متعلق حکم یہ ہے کہ عَطِ كَمْ كَمْ
ذِي حَقِّ حَقِّ كَمْ كَمْ كَمْ كَمْ كَمْ كَمْ كَمْ كَمْ كَمْ كَمْ كَمْ كَمْ كَمْ كَمْ كَمْ
تو امت پرستوں کی مثل انوں کا اہتمامی نظام غراب ہو جائے گا۔ اللہ جب اللہ تعالیٰ
مال عطا کرے۔ تو اس سے قبلے ہوئے میں سے اس سے حکم ہے مخالف ضرور قتل
کو ان کا حق را کرے۔

مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ خرچ کرنے کا حکم محض افراد ہی نہیں۔ بلکہ اس کو
اطلاق اجتماعی حیثیت پر بھی ہوتا ہے۔ اور اس ضمن میں حکومت و وقت پر سب سے
زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ جو حکومت محض جمع کرتی ہے۔ ایسی حکومت
کو اسلام نہ کہہ لے کے لیے آیات کا اس زمانے میں قیصر و کسری کی بڑی بڑی
سبب تھیں۔ لیکن پر ناجائز ٹیکس لگا کر مال جمع کرتے تھے اور پھر اسے حقداروں
تک پہنچانے کی بجائے اپنی عیاشی پر خرچ کرتے تھے۔ ایسی حکومتوں کی تاریخ کئی
کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی و مہرث فرمایا۔ اور قرآن پاک نازل فرمایا۔ چنانچہ

خدا کے دشمنوں کے لئے نہایت مشکل اس لئے کہ ان کے اعمال پر عمل کرتے سب سے
 مگر بعد میں مسلمانوں میں ہی قیصر و محصر کیا گیا ہو گا۔ اب دنیا جہ میں نظر کرنا کہ
 دیکھ لو کہ کون سی حکومت بہت جو محنتوں کا خیال کرتی ہے۔ اس قیصر و محصر کے
 جانشینوں سے کوئی پوچھے کہ تم لوگوں کی خون پسینے کی کمانی کو جس دیر سے
 کمان خرچ کر رہے ہو۔ سب میں کافی کر رہے ہیں کوئی کو دکان چھوڑی ہو کہ جسے خود
 خدا ہو گا۔ درجہ انتہا سے اس کے پیروں سے اسے حقہ ادا کرنا تک پہنچا ہو گا
 ورنہ عام طور پر ہر طرف شہنشاہیت، ملوکیت اور ہر طرح کا نظریہ ہے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔ جو سوسائٹی اپنے غریبوں اور محتاجوں کا خیال نہیں
 رکھتی وہ مشائخ کے قابل ہے۔ آپ نے اپنے سب سے بڑے مرید اور شاگرد
 کے بھائی کی بیعت ان افغانوں کی کر لی تھی قائم کرنا اور ہمیشہ غریب اور مسالین کے
 مسائل کو حل کرنا۔ آپ نے بیعت میں یہ چیز داخل کر دی۔ مولانا سلیمان سندھی
 فرماتے ہیں کہ ہمارے علمائے کرام بھی کام خراب کیا ہے۔ یہ بھی حکومت سے متاثر ہو کر
 بگڑ گئے ہیں۔ بہت کم لوگ ملتے ہیں جو غریب اور مسالین کا خیال کرتے ہیں۔ خود
 عیش و آرام کے طالب ہیں مگر اسلئے اس وقت دور چلے گئے ہیں۔ غریب و محتاج
 کا یہ لفظ بتلا رہا ہے کہ اہل ایمان و دولت کو ہمیشہ کر نہیں سکتے۔ بلکہ دولت
 کو خرچ کرنا ان کے اوصاف میں داخل ہے۔

مطلب
 طالب بخشش

فرمایا متقین کی پانچویں شلئے ہے۔ وَأَتُوبُ إِلَى اللَّهِ بَارِئًا مِّنْهُ
 لوگ سحر جی کے وقت اگر کھٹکھٹش کی دعا ہیں، مانگتے ہیں۔ سحر جی کا وقت
 تہائی اور سحر کا وقت ہوتا ہے۔ اللہ کی رحمت کے نزول کا وقت ہوتا ہے
 تقرب الہی کے اس وقت میں اللہ سے اپنی خطوں کی معافی طلب کرتے
 ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ تمنا کرتے باقی رہنے پر اللہ تعالیٰ آسمان
 دنیا پر اعلان فرماتا ہے۔ مَنْ يَسْتَعِزُّ بِي سَتَجِدَ لِي سَعَةً كَوْنِي
 دعا کر کے والا کہ میں اس کی دعا کو قبول کروں۔ مَنْ يَسْتَعِزُّ بِي سَتَجِدَ لِي سَعَةً

ہے کوئی سائل کہ میں اُسے عطا کر دوں۔ مَنْ تَسْتَغْفِرُ لِي فَأَغْفِرْ لَهُ
 ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا کہ میں اس کو بخش دوں۔ چنانچہ حضرت
 عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق
 منقول ہے۔ راست کوٹھار میں مشغول بستے۔ پھر پوچھتے سحری ہو گئی ہے۔ اُس
 وقت تو یہ استغفار میں لگ جاتے، رَبِّكَ اغْفِرْ لَكَ ذُنُوبَكَ
 تو یہ باری تعالیٰ اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء مسئلہ توحید سے ہوئی تھی۔ اَسْتَغْفِرُكَ اللَّهُ

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اب اس آیت میں پھر وہی بات دہرائی جا رہی ہے، جو اصل
 معنی دین ہے۔ ارشاد ہوتا ہے تَسْهَدُ لِلَّهِ الشَّهَادَاتِ اِس بات کی
 گواہی دی۔ اَنَّكَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں، کوئی عبادت
 کے لائق نہیں، نہ جبرائیل علیہ السلام، نہ میکائیل علیہ السلام، نہ سیح علیہ السلام
 اور نہ محمد رسول اللہ علیہ وسلم، کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ اِلٰہ کا
 معنی بڑا وسیع ہے۔ الٰہ وہ ہو سکتا ہے جس میں الوہیت کی صفت پائی جاتی
 ہو۔ جو واجب الوجود ہو، جس کا علم محیط ہو، جس کی قدرت تام ہو، جو خالق اور
 مدبر ہو اور جو فاعل ہو جو خود مخلوق اور محتاج ہو، وہ الٰہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جو
 ہمہ دان نہ ہو، ہمہ بین نہ ہو اور ہمہ توان نہ ہو، وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔ الٰہ وہ ہے
 جو جو چاہے کر گزرتے، اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ لہذا قرآن
 اللہ نے خود اس بات کی گواہی دی کہ اُس کے سوا الٰہ کوئی نہیں ہے۔ یہ جہد
 اس قدر اہم ہے کہ اس ایک آیت میں دو دفعہ دہرایا گیا ہے۔ حدیث شریف
 میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اِن الفاظ میں سکھائی گئی ہے۔ اَللّٰهُ حَرٌّ اَخْصِي
 نَسَاءَ عَمَلِكَ اَنْتَ كَمَا اَشَدَّيْتَ عَلَيَّ تَعَصُّدًا اِلٰی مَوْلَاكَ اِمَّا
 میں تیری تعریف کا ترجمہ نہیں کر سکتا۔ تیری تعریف وہ ہے، جو تونے خود
 اپنی تعریف فرمائی ہے۔ اسی طرح اللہ نے خود گواہی دی ہے۔ کہ اس کے
 سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے سوا کوئی حاضر ناظر نہیں، کوئی محتار کل نہیں کوئی

عالم الغیب نہیں، کوئی مینے والا نہیں اور کوئی چھیننے والا نہیں۔

فرمایا وَالْقَدَّيْكَ اور فرشتوں نے بھی یہ گواہی دی ہے۔ اللہ کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں وَقُلُوا لِعِزِّهِ اور اہل علم نے بھی یہی گواہی دی ہے۔ علم والوں میں سب سے پہلے نبی ہیں، پھر کامل الایمان کو گف پھر صحابہ اور دانشور، سب نے یہی گواہی دی ہے۔ کہ اللہ جل شانہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

آگے فرمایا كَأَنَّمَا أَنْقَضُ ظِلَّهُ خدا تعالیٰ کی ذات انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ ام بیضاوی اور صاحب مذکر کہ ام شفیق اس کا ترجمہ کرتے ہیں صُفِيصًا بِالنَّقْصِ انصاف کو قائم کرنے والا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی بنی ہے اور اہل علم کی جی۔ اللہ تعالیٰ اپنے تمام فیصلوں اور افعال میں انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ اس نے ہر چیز کو انصاف کے دائرے میں رکھا ہوا ہے۔ اس کے عمل اور اس کی پسند میں ظلم یا بغل نہیں ہے کسی کام میں انصاف ہی نہیں ہے۔ بلکہ ہر کام میں اعتدال اور توازن ہے۔ وہ خود انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ اور انصاف کو قائم کرنے والا ہے۔

تفسیر

اہل علم کی بھی یہ صفت ہے۔ ہر اہل علم متیناً بالقسط یعنی انصاف کو قائم کرنے والا ہے۔ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایسا ہی کریں۔ کیونکہ قرآن پاک میں انصاف کا بار بار حکم دیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ سب اہل علم انصاف پر قائم ہوں گے تو وہ بھی یہی گواہی دیں گے لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ کلمہ تمام ادیان اور شرائع الہی کی بنیاد ہے۔ اللہ نے اپنی بہترین مخلوق کے متعلق فرمایا کہ اس کا ہر فرد اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی پستش کے قابل نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ایک اور گروہ بھی ہے۔ جو توحید کا درس مینے کی بجائے شرک و بدعت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ غلامانہ گروہ ہیں۔ جہاں شرک و بدعت کی تعلیم دی

دی جا رہی ہو۔ چاہے لو کہ یہ پیمبر پروردگار کا فرستادہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ
 کا فیصلہ کربہ سے ہے کہ اہل علم کی شان و کرامت کے ساتھ شوق ہے۔ اگر تعجب
 اس کے خلاف ہے۔ عرض مناسب کی تلقین کی جا رہی ہے۔ تو اہل ہوری سے
 قبروں پر سجدہ سے ہوتے ہیں، خواجہ فرید الدین کے دروازے سے گزرنے
 والے کو جنت کا ٹکٹ دیا جا رہا ہے۔ تو سمجھو کہ علماء سوز کی مجلس پر پاس ہے
 خواجہ صاحب تو ہمارے اندر کامل ایمان بزرگ تھے۔ ان کے ہاتھ پر پنجاب کے
 لاکھوں خانہ آموں کو بڑھت نصیب ہوئی۔ انہوں نے استغاثہ سے
 کوئی بات کی ہوگی، جو کوئی بات کی ہوگی، کہ جو کوئی نیکی کے دروازے سے گزرے
 گیا، جنت میں جائے گا۔ مگر جانوروں نے ان کی قبر کے دروازے کو جنت کا دروازہ
 بنالیا۔ تو ترکیب فعل ہے، کیسے تعزیر نہ مل رہے۔ اس کی تفہیم موری ہے۔
 سمجھو ہو رہا ہے اس پر چڑھا ہے چڑھا ہے جا رہا ہے۔ یہ صرف کلام تک محدود
 نہیں بلکہ حکومت کی سطح تک ایسے افسانے کی سرچستی کی جا رہی ہے۔ قبروں پر
 چاہیں چڑھتی جا رہی ہیں، مقبرے سے بے نیکی کے کاموں پر بے دریغ رہیں
 بننا جا رہا ہے۔ یہ سب سمجھ گیا ہو، غرض۔ اور دوسرے پر بھی اعلان شرک و بدعت
 کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ یہ دینی حلقہ کا کام نہیں۔ کیونکہ ان کی شان و کرامت تو ان کے
 ہی ہے کہ سترے سترے مرا کوئی معذور نہیں۔

فرید ہسٹوریٹل ریسرچ سوسائٹی کے قیام میں عزیمت ہے۔ عزیمت ہے
 ہے کہ ان قدرت کا ایک۔ وہ جو پاس ہے کہ ہے۔ یہی قدرت کے سنسنے
 کسی کہ کھڑے کی مجال نہیں۔ اور حکیم کے معنی کی حاکمیت کا ایک، ہر چیز اللہ تعالیٰ
 کی حکمت کے مطابق ہے۔ وہ حکیم ہے۔ وہ ہی معبود ہے۔ اس کے بغیر کوئی
 عبادت کے راق نہیں اسے سوا کوئی نہیں جو مخلوق کی حاجت والی کمرے کے تعلیم تمام
 اہل اور تمام آسمانی کتابوں کی جڑ اور بنیاد سے تمام اعلیٰ علم بھی اس کی تعلیم میں ہے
 اور تعلیم مختلف کر گیا۔ وہ علم سے سوا پیران میں شمار ہوگا۔ یہ شخص اہل علم نہیں بلکہ اہل علم کا

قُلْتُ الرَّسُولُ ۲

الرَّحْمَنُ ۳

بِسْمِ شَمْسِ ۶

آیت ۲۱۹

رَبِّ الدِّينِ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا خُتِمَتْ
 الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمْ
 الْعِلْمُ بِغَيْبِ آبَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ
 اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ①
 حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ
 تَبِعَنِ ۚ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ
 أَسْمِعْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدْ اهْتَدَوْا ۚ
 وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ
 بِالْعِبَادِ ②

ترجمہ :- بیشک سبحا اور سید یہ دین اسلام کے نہ ایک صرف اسلام ہے اور
 نہیں اختلاف کیا ان دونوں سے ہر کو کتاب دی گئی نیز اس کے بعد کہ ان کے
 پاس علم آ گیا، سرخوشی کرتے ہوئے پختہ دینان اور پختہ علم والوں کے ساتھ
 کفر کر گیا، بیشک اللہ تعالیٰ جلد ہی حساب لینے والا ہے ①
 جبکہ کہیں تو آپ کہہ دیجئے، میں نے سوزپ دیا ہے ہے چہرے کو اس قدر
 کے لیے۔ اور ان لوگوں کے لیے بھی جنہوں نے میری پیروی کی۔ اور آپ ان
 لوگوں سے کہہ دیجئے جن کو کتاب دی گئی اور ان پر مومن سے کیا تم اسلام سے
 ہو۔ پس اگر وہ اسلام لائیں، تو بیشک وہ ہدایت پا گئے۔ اور اگر نہ پھیر دیں۔
 پس بیشک تیرے لیے پتہ دینا ہے۔ اور اللہ تمہاری سچائی کا علم ہے
 بندوں کے حالات ②

پہلی آیت میں دین کا پہنی، جزا اور نیا دمسند توحید اور اللہ کی صفات کو
 قرار دیا گیا تھا۔ اب اس آیت میں اللہ نے اسلام کی حقانیت بیان فرمائی ہے
 مشرکین عرب اور ایران کے مجوسی دعویٰ کرتے تھے کہ ان کے ادیان سچے
 ہیں۔ اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ اس معاملے میں زیادہ ہی غلو کرتے تھے
 وہ اپنے علاوہ ہر دوسرے مذہب کو غلط بتاتے تھے۔ درحقیقت کو صرف اپنے
 ہی دین میں بند سمجھتے تھے۔ حارث بن عسکریہود و نصاریٰ کے پاس کوئی حقیقت اُس
 وقت نہ تھی۔ اور نہ آج ہے۔ انہوں نے انبیاء کے عمل دین کو بگاڑ کر رکھ دیا
 تھا اور کفر و شرک میں مبتلا ہو چکے تھے۔

اس سے قبل گمراہی کے سبب بھی بیان ہو چکے ہیں۔ حق و صداقت
 کی مخالفت کر کے اولوں کو تنبیہ کی گئی کہ ان کے مال و ولادان کے کچھ کام
 نہیں آئیں گے۔ اور وہ اس دنیا میں بھی مغلوب ہوں گے۔ اور آخرت میں جہنم
 کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اللہ نے یاد دلایا کہ تم نے جنگ بدر میں اللہ کی
 نصرت کا ثبوت دیکھ لیا ہے۔ اس سے عبرت حاصل کرو۔ دنیا میں گمراہی عام طور
 پر غور و خوض اور میٹوں کی محبت، سونے چاندی کے جمع کر د مال، عمدہ کھانے
 موشی اور گھنٹی باڑی کی حبس پیدا ہوتی ہے۔ ان تمام چیزوں سے بہتر اللہ
 کی طرف سے ملنے والا دواہر و نواہر ہے۔ جو ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ مگر
 وہ متقیوں کے لیے ہے۔ ان نعمتوں میں پاکیزہ عوایاں اور رب کے بڑھ کر اللہ تعالیٰ
 کی خوشنودی ہے۔ جو ان جنت کو حاصل ہوگی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی صفات بیان کیں کہ وہ ایمان
 کا اقرار کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنی اغزشوں کی معافی مانگتے ہیں اور رخ
 سے پناہ چاہتے ہیں، صبر و استقامت کو اختیار کرتے ہیں اور سچائی پر ڈھک
 جاتے ہیں، ہمیشہ احسان کا ذہن تھاٹے رکھتے ہیں، اپنی نیک بھائی میں سے
 خرچ کرتے ہیں، محبتوں کی عانت کرتے ہیں اور سحری کے وقت استغفار

کہتے ہیں یہ تمام باتیں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے توحید کا مسئلہ بیان فرمایا کہ دین کی جڑ درجنا دیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور تمام اہل علم کو اسی جیتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ لہذا تعالیٰ انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ اس کے سوا کوئی لڑ نہیں۔ وہ عزیز اور حکیم ہے۔

سچا دین
صرف اسلام

اب اس آیت میں دین کی صداقت کا تذکرہ ہے۔ إِنَّا أَنشَأْنِيَعْنَ دَٰنِيَةً لِّدِينٍ یعنی اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور سچی دین صرف اسلام ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزماں علیہ السلام تک تمام انبیاء و کرام اسی دین کی دعوت لیتے رہے ہیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں اختلاف ان کے کوئی ہے تو مشرعتوں میں ہے کیونکہ ان میں فردی احکام ہوتے ہیں جو مختلف اور دوسرے مختلف ہو سکتے ہیں۔ یہ سہا یہود و نصاریٰ، مجوس، یسوعی، کایہ دعوتیں کہ ان کا دین سچا ہے، بالکل غلط دعوتیں ہیں۔ یہ تو کذب بیانی اور خلاف واقعہ ہے۔ صداقت تو صرف دین اسلام میں ہے۔ اور اپنے دعوتی میں سچا دینی ہو گا، جو دین اسلام کا میر و کار اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے والا ہو گا۔

مذہب خلافت

اہل کتاب سے درگزر نہ مروا میں۔ اور یہودی جو اپنے آپ کی نسبت تو راست کی طرف کہتے تھے کہ نَحْنُ کے پاس اللہ کی عظیم کتاب ہے اور دوسرے عیب کی جو انجیل کے حامل ہوئے کے دعویدار تھے۔ چنانچہ اگلی آیت کے مصداق وہوں گدہ یعنی یہود و نصاریٰ ہیں۔ تاہم چونکہ اس سورۃ میں عموماً نصاریٰ کا ذکر ہے اس لیے وہ خاص طور پر اس آیت کے مخاطب ہیں۔ اب اگر ان کا دین سچا ہوتا ہے۔ تو اختلاف کی کوئی وجہ نہ ہوتی۔ مگر بنوں نے سچے دین اسلام سے اختلاف کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف کی وجہ بھی بیان فرمادی وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْكِتَابَ اور نہیں اختلاف کیا اہل کتاب نے إِنَّمَا يَخْتَلَفُ فِي شَأْنِ النَّبِيِّ یعنی یہود و نصاریٰ کے اختلاف صرف نبی کے بارے میں ہے۔

اس کے کہ ان کے اس علم آیا۔ یعنی وہ نبی آخر الزماں علیہ السلام کے متعلق تھا۔ علم یعنی ان کی تمام نشانیاں معلوم کرنے کے بعد بھی آپ کو نبی ماننے پر تیار نہ ہوئے۔ سورۃ بقرہ میں بیان ہو چکا ہے۔ "يَعْرِضُونَكَ عَلَىٰ مَا يَتَّبِعُونَ" اِنَّا وَهَّحْنَاهُ لِيَوْمِ الْحُكْمِ۔ حضور علیہ السلام کو اسی طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنی دلائل کو پہچانتے ہیں۔ کچھ پھر بھی ایمان نہیں لاتے تھے۔ اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں نجران کے وفد کا ذکر ہو چکا ہے۔ وہ لوگ بھی جانتے تھے کہ نبی آخر زماں حضور علیہ السلام ہی ہیں جن کی پیش گوئیاں ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مگر اس کے باوجود آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی "كَيْفَ اِيْتَتْهُمْ مِّنْ مَّوَدَّةِ رَبِّكَ" آپس میں کوشش کی وجہ سے تھا۔ یہود و نصاریٰ کو اس زمانے میں ایک قید کا اقتدار اور تفوق حاصل تھا۔ اور نصاریٰ پر سراقہ بھی تھے۔ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگر وہ نبی آخر الزماں پر ایمان لے آئے تو پھر ان کی تاجدار کی کرنی پڑے گی۔ اور اس صورت میں ان کا اپنا اقتدار ختم ہو جائے گا۔ دینے کا یہی فیصلہ المناقشہ ہی احمد کی بنا پر جاری عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا۔ نہ ارا۔ دینے والے سلسلہ اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کو تیار تھے۔ مگر حضور علیہ السلام کی شریفی و اوری سے یہ کام سارا کھیل بے رنگ کیا۔ اسی لیے وہ اکثر یہ لوگ غافل بہنے کے بعد بھی کج فہم پر اثر سے نہ بچتے کہ ان کے دوسرے مذہب نے ان کے دین کے لیے حاد نہ اسلام کی وجہ سے انہیں تو شریعت حاصل ہونے لگا تھا۔ ان کا وہ انداز دیکھ نہیں کھڑے تھے۔ الغرض: اہل کتاب سب سب کچھ دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے انہیں قبول نہ کیا۔ اسلام کا اصلی معنی سونپ دینا ہے۔ جب کوئی شخص اپنے انداز و افکار اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کو قبول کر لیتا ہے۔ تو گویا وہ اسلام لے آتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ جب ان کے رب نے ان سے کہا "سَلِّمْ ذَا قَمِ" سلام لے آ کر تو عرض کیا۔ "اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْاٰلَمِیْنَ"

اسلام کیا ہے

میں تمام جہانوں کے رب کا مطیع و فرمانبردار ہو گیا ہوں۔ پینے آپ کو جس کے سپرد کر دیا۔ گویا تسلیم و رضا کا نام ہی اسلام ہے۔ اور تمام انبیاء کرام اسی دین کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں حتیٰ کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی دین کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ یہ ایسا دین ہے جو کامل، اکمل و برکات مکیک ہے۔ یہ آقاؤں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سائنہ انبیاء کی تمام شرائط و شروط کو مکمل کر کے صرف ہی آخر الزماں علیہ السلام کی شریعت کو قیامت تک کے لیے نافذ و دائم رکھا۔

نجان کے عیسائیوں سے آپ نے سی فرمایا کہ تم سلام کیوں نہیں لاتے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو پیغمبر ہی اسلام لاتے ہوئے ہیں۔ سیدنا محمد علیہ السلام نے فرمایا: تم غلط کہتے ہو، تم کمال ایمان لائے ہو۔ محمد بن اسحاق کی روایت میں حضور علیہ السلام کے الفاظ ہیں: **اسْلِمُوا تَمَّ** سلام ہے آؤ۔ تو وہ کہنے لگے: **اسْلَمْتُ** ہم تو اسلام لائے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **كَذَبْتُمْ** تم جھوٹ کہتے ہو۔ **كَيْفَ يَكُونُ شَرْكُكُمْ** تمہارا اسلام کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جب کہ **اَنْتُمْ مُشْرِكُونَ** وَ لَقَدْ يَدَّبَّكُمْ عَلَيْكُمْ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا ثابت کرنے پر یونین خداؤں میں سے ایک کہتے ہو یا جینہ خداؤں سے ملنا ان کو وہ ہے۔ جو اللہ و حمد و ترغیب کی آئینہ کا قائل ہے لہذا تم سب کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کا نام دیا ہے۔

پھر حضرت علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ تم کیسے تمہارا ہو۔ جب کہ **تَقْبَلُونَ** **تَقْبَلُونَ** تم صلیب کی عبادت کیلئے ہو۔ یہ تو شرک کی نشانی ہے۔ منہ خدا کی طرف اور دیکھنا حدیث میں صلیب کو دشمن کہا گیا ہے۔ یہ تو بت کی مانند ہے۔ تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس صلیب پر لٹکتے گئے تھے۔ جو کہ سراسر غلط ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا عیسائیت کا یہ ہے۔ **وَقَدْ كُفِرْتُمْ** **الْحَيْدُ** میں کہ تم نے کفر کا گوشت کھاتے ہو۔ اسلام

میں خنزیر قحطاً حرام ہے۔ تم خنزیر کو کھا نے والے مسلمان کیسے ہو سکتے ہو۔ یہ باری
تفصیل امام ندویؒ نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے
نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جتنے بھی نبی
اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے، اس کے شرائع میں خنزیر حرام رہا ہے۔ لہذا
یہ سور کا گوشت کھانے والے اور حضرت مریمؑ کی تصویروں کی پوجا کھانے والے
اسلام کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ تو اللہ کی صریح آیات کا انکار کر رہے
ہیں۔ اور ان کے متعلق حکم یہ ہے **وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ فَإِنَّ إِلَهَهُ جِبَلٌ أَتُولُونَ**
کا انکار کر رہے گا۔ تو یاد رکھو۔ **هَذِهِ آيَةُ الْكِتَابِ الَّتِي كُتِبَ عَلَيْهَا**
جلد حساب لینے والا ہے۔ جب وہ مواخذہ کر آئے۔ تو پھر اس کی گرفت سے
بچ کوئی نہیں سکتا۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا ان تمام حقائق کے واضح ہو جانے کے باوجود **فَإِنْ حَاجِبُكُمْ**
اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں **فَقُتِلْ** تو آپ کہ دیں **تَسْلَمْتُمْ وَحَبْرِي**
اللہ میں نے اپنے چہرے کو اللہ کے تابع کر لیا ہے، **فَمَنْ أَتَّبَعْنِي** اور
میرے پیروکاروں نے بھی۔ وجہ چہرے کو کہتے ہیں۔ اور یہ انسانی جسم کا سب
سے عزیز حصہ ہے۔ چہرے سے مراد ذات ہوتی ہے۔ مقصد یہ کہ میں نے
ہمتہ تن اور میرے پیروکاروں نے بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع بنا لیا۔
غرض! اسلام یہ ہے کہ اپنے آپ کو مکمل طور پر خدا کی اطاعت میں دے
دیا جائے۔ گویا اسلام کے بنیادی اصول دو ہیں۔ پہلا اصول توحید کا ہے
جیسا کہ گذشتہ درس میں آچکا ہے۔ **شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ**

یہ توحید الہی کا اعلان ہے۔ اور دوسرا بنیادی اصول اسلام ہے یعنی اپنے
آپ کو مکمل طور پر اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں دے دینا۔ یہ دونوں
اصول اہل کتاب میں مغفود تھے۔ نہ وہ توحید کو مانستے تھے۔ اور نہ اسلام
لائے تھے۔ لہذا ان کا نہ بانی دھوکا ناقابل قبول ٹھہرا۔ وہ لوگ اپنے آپ

کو حقیقت یا برائے کسی کہتے تھے جیسا کہ عرب اپنے آپ کو اسماعیلی کہتے تھے۔ جو کہ
سراسر غلط تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا دعویٰ باطل ہے۔ آگے
سورۃ ناس میں ذکر آئے گا کہ اصل حقیقت تو حضور علیہ السلام اور آپ کے
پیروکار ہیں۔ یہ اہل کتاب تو اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔ دوسرے مقام
سورۃ بقرہ میں فرمایا عَلٰی کِبْرٰیئِہِمْ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَہِمْ اَسْتَبَعَتْہِیْ فِیْہِمْ اٰیٰتِہِمْ
ماننے والے ہی صحیح بصیرت پر ہیں۔ یہ تمام انبیاء کی مشترک تعلیم ہے۔ اس میں
کبھی قسم کا اشتباہ نہیں۔ وہ ہر بہت واضح طور پر بیان کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ
حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ خوب کان کھول کر سن لو اِنَّا
اَتٰیْکُمْ بِاٰیٰتٍ مِّنْکُمْ عَلٰی کِبْرٰیئِہِمْ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَہِمْ اَسْتَبَعَتْہِیْ فِیْہِمْ اٰیٰتِہِمْ
نہ ہے۔ سورۃ ہود میں فرمایا فَاسْتَفْتٰہُمْ حَتّٰی اٰتٰیہُمُ الْاٰیٰتِ
تَابَ مَعَنَا اَیُّہُمْ یُحْیِیْکُمْ مَّا کَانَ یَحْیِیْہُمْ اَیُّہُمْ یَحْیِیْہُمْ اَیُّہُمْ یَحْیِیْہُمْ اَیُّہُمْ
بھی، کیونکہ ہمیں اپنے ملک، اعمال یا اخلاق میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔
ہمیں دل سے یقین ہے کہ ہم ٹھیک راستے پر چل رہے ہیں۔ مومن کی یہی
شان ہے۔ برخلاف اس کے شرک اور منافق اندھیرے میں ٹھوکر کھینچ کر لگا
ہمارے لیے روشنی کا مینار قرآن پاک ہے جو کہ اَبْصَارِہُمْ لِّلْاٰیٰتِ
فَہُذٰی وَہِمْ اَسْتَبَعَتْہِیْ فِیْہِمْ اٰیٰتِہِمْ۔ یہ دلوں میں بصیرت پیدا کرتا ہے۔ زندگی کے
ہر موڑ پر ہدایت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ لہذا اس کے ساتھ تعلق قائم کرنا ضروری
ہے اس کے علاوہ راہ ہدایت کسی سے نہیں مل سکتی۔ اس کو مضبوطی سے
پکڑنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوگا۔

ایمان کی
دعوت

فرمایا وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰوْتُوا الْکِتٰبَ وَلَا تَفِیْہِمْ اَسْلَمَتْہُمْ
ان اہل کتاب اور ان پر حُجُود سے کہ فی سبیلہ کی قوم اسلام لائے ہو۔ دین توحید
قبول کر رہے ہو، اطاعت خداوندی اختیار کر رہے ہو۔ اہل کتاب سے مراد
یہود و نصاریٰ ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ یہ پڑھ لکھے

لوگ تھے۔ سمعان تھے۔ دفتری نعام سے واقف تھے۔ حکومت کرنا جانتے تھے۔ ان کے سکول تھے۔ جن میں تعلیم حاصل کھاتے تھے اور ان کے پاس تورکات اور انجیل بھی تھی۔ اس لیے اہل کتاب کہلاتے تھے۔ ان کے علاوہ عرب کے باقی لوگ جو عام طور پر نسرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے، وہ ان ٹپھہ تھے تعلیم و تربیت مفقود تھی، نوشہ و خواندہ سے بے بہرہ تھے۔ یہاں بھی کتا بول سے معذور ہوتا ہے۔ کہ نزل قرآن کے زمانے میں صرف چار فیصد لوگ پڑھے لکھے تھے باقی سب ان پر سوتھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے علاوہ ان امیوں کو بھی پیغام دیا کہ بنا، کیا تم اسلام لاتے ہو۔ فَرِیْضًا قَانَ تَسْلَمُوْا اگر وہ اسلام سے آئیں فَقَدْ اَهْتَدَوْا پس بیشک وہ ہدایت پائیں گے۔ سُوْرَةُ بَقَرَةِ میں بھی اسی قسم کا بیان ملتا ہے۔ قَانَ اَهْتَدَوْا بِحُثُوبِ مَا اَنْتُمْ فِیْهِ فَقَدْ اَهْتَدَوْا اگر یہ بھی تمہاری طرح ایمان سے آئیں تو ہدایت پائیں گے۔ تم کو اللہ نے صحابہ حق بنا کر پیش کیا۔ غرض یہ کہ اگر اہل کتاب اور امتی صحابہ کرام حضرات ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبداللہؓ بن مسعودؓ، ابو عبیدہؓ، خالدؓ وغیرہم کی طرح اسلام سے آئیں تو ہدایت پائیں گے۔ قَانَ تَوَلَّوْا اور اگر وہ روگردانی کریں۔ فَرِیْضًا عَلَیْکَ الْبَلَاغُ تو آپ کے ذمے پہنچا دینا ہے۔ آپ اپنی ذمہ داری پوری کر دیں۔ وَاللّٰهُ بِصَمِیْعٍ بِالْعَبَادِ۔ باقی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات کو نگاہ میں رکھنے والا ہے۔ وہ ان کے ایک ایک فعل سے واقف ہے کہ انہوں نے کس قسم کے گنہگار عقیدے بنا رکھے ہیں۔ اور کس قدر عند، عند اور عصب کا شکار ہیں۔

تِلْكَ الْتَّوْحُودُ ۝

اے عبادان ۲

درس ہفتم ۴

آیت ۲ تا ۲۵

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ
 النَّبِيَّيْنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاهُرُوْنَ
 بِالنَّفْسِ مِنَ النَّاسِ فَبِشْيْءٍ يَكْذِبُ الْيَوْمَ ۝
 اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا
 وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرِيْنَ ۝ (۲۲) لَمْ تَرَ
 الَّذِيْنَ اَوْتُوا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى
 كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكَمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّوْا فِرْقًا
 مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (۲۳) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
 قَالُوْا لَنْ تَحْمِلَنَا السَّارِ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ
 وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ (۲۴)
 فَكَيْفَ اِذَا جُمِعَتْهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُوَ
 وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا
 يُظْلَمُوْنَ ۝ (۲۵)

ترجمہ ۴ : بیشک وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کے ساتھ، اور انہیں بتاتے
 ہیں اللہ کے نبیوں کو ناحق، اور قتل کرتے ہیں ان دنوں کو جو حکم دیتے ہیں ان لوگوں
 کو انصاف کرنے کا لوگوں میں سے۔ پس ایسے لوگوں کو جو شجرہ شہید عہد آیم
 کی (۲۱) یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور
 ان کے لیے کوئی بھی مددگار نہیں مرگا (۲۲) کیا نہیں دیکھا آپ نے ان

لوگوں کو کہ جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا۔ ان لوگوں کو کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے۔ تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کر سکے۔ پھر ان میں سے ایک گروہ منہ پھیرتا ہے۔ دوسرے معارضہ کرنے لگے ہوئے ہیں (۲۳) یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا، ہر گز نہ چھوڑے گی ہم کو روزِ آخر کی آگ مگر چند دن گئے ہوئے۔ اور دھوکا دیا ان کو ان کے دین کے بارے میں ان باتوں نے جو وہ افشرا کیا کرتے تھے (۲۴) پس کیے ہو گا ان کا حال جب ہم ان کو اکٹھا کریں گے اس دن میں کہ جس کے گھٹنے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور پورا پورا یا جائیگا ہر ایک نفس کو جو جس نے کھایا۔ اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا (۲۵)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی مہلت دہری کی کا ذکر کیا تھا۔

کہ اہل کتاب نے دین میں اختلاف نہیں کیا مگر علم آجائے کے بعد محض سرکشی۔ حب۔ عناد، اور بغض کی وجہ سے۔ انہوں نے دنیا کے جاہ و مال، ریاست اور اقتدار کی خاطر دین حق کو قبول نہ کیا نیز یہ بھی بیان ہوا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرے گا وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ اس کے نیچے کی ایک ہی سورت ہے۔ کہ وہ اللہ کے سپے دین کو مان لے، عیسٰی عقیدہ اختیار کرے اور خدا تعالیٰ کا یہ طبع و فرمانبردار ہو جائے۔

ان آیات میں بھی اہل کتاب کا ہی ذکر ہے۔ فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ یُکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ جُرُؤُکَ اللّٰہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ ان کو تسلیم نہیں کرتے ان کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ اُس کفر کی کئی ایک قسمیں ہیں۔ کفرِ انکار سے بھی ہوتا ہے۔ شک اور قہر دوسرے بھی کفر لازم آتا ہے اور ایک عملی کفر اسی طرح نفاق کا کفر ہے۔ مگر سب سے بڑا کفر اللہ کی آیات اور اس کے احکام کو تسلیم نہ کرنے کا نام ہے۔ احکام الہی کا منکر مکمل کافر ہو جاتا ہے۔ یہ کفر والی بیماری مشرکین کے بعد اہل کتاب میں بھی سرایت کر چکی تھی۔ تو اس

ہیئت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کی اس بیماری کا ذکر فرمایا ہے۔

اہل کتاب کی دوسری خطرناک بیماری کی نشاندہی کرتے ہوئے مندرجہ
 وَقَتْلُوا مَنْ يَشَاءُ مِنْ النِّسْيَانِ الَّذِي يَخْفَىٰ عَلَى النَّاسِ وَكَانَ يُرْسَدُ عَلَيْهِمْ السَّيْرُ ۚ وَكَانَ
 کہہ دیتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کے یہودی و نصاریٰ کو یہ اور
 کہنا یا رہا ہے کہ تکفیر آیات اللہ اور قتل انبیاء کی بیماری انہیں پہلے ابوالعزیز
 سے ورثے میں ملی ہے۔ جس طرح انہوں نے نبیاء کو ناحق قتل کیا۔ حضور
 علیہ السلام کے زمانہ کے اہل کتاب بھی ایسی روش پر چل رہے ہیں۔ حضرت
 ابو عبیدہ بن جراحؓ سے روایت ہے کہ حضور خاتم النبیین رضی اللہ علیہ وسلم
 سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کے دن سب سے بڑا مجرم کون ہوگا۔ آپ
 علیہ السلام نے ارشاد فرمایا سب سے بڑا مجرم وہ ہوگا جس نے قتل کیا
 جس نے اللہ کے نبی کو قتل کیا اور قتل کیا۔ سب سے بڑا مجرم ہوگا جسے اللہ
 کا نبی قتل کرے۔ نبی تو معصوم ہوتے ہیں۔ لوگوں کے حیر خواہ اور تہذیب پرست
 ہیں۔ لہذا ایسی ہستی کو قتل کرنا بلاشبہ بہت بڑا مجرم ہے۔ دوسری بات
 یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی کسی کو ناحق قتل نہیں کرتا۔ وہ جس کو نبی قتل کرے
 وہ یقیناً بہت بڑا مجرم ہوگا۔ جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ مگر غبارِ نبی
 کا قاتل یا نبی کا مقتول دونوں جیسے مجرموں میں شمار ہوتے ہیں۔ قتل ناحق اس
 قدر بُری چیز ہے۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبی قتل
 نے نہ صرف ایک دن میں اللہ کے ۳۳ نبیوں کو قتل کیا۔ وہ لوگوں کو بھی قتل کرتا
 تھے، انہوں نے نہ دیکھتے تھے، مگر وہ مشعل ہو کر انبیاء کو قتل کر دیتے تھے۔
 نبیاء کے قتل کے بعد کچھ نیک لوگ آگے آئے۔ انہوں نے بھی امر بالمعروف
 اور نہی عن المنکر کا کام شروع کیا۔ لوگوں کو طعنِ علامت کی کہ تم نے اللہ کے
 نبیوں کو قتل کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان بدبختوں نے اسی دن پچھلے پر ایک سو بار

یا ایک سو ستر نیک لوگوں کو بھی قتل کر دیا۔ یہ اُن کا ایک دین کا کارنامہ تھا۔ اسی چیز کی طرف اللہ نے اشارہ کیا کہ جو کتنے کہتے ہیں۔ اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ وَقَيْضُ بْنُ السَّيِّدِيْنِ يَأْمُرُ دُنَّ بِالْقِسْطِ مِنْ
السَّاسِ اور اُن لوگوں کو بھی قتل کرتے ہیں۔ جو لوگوں کو انصاف کا حکم دیتے ہیں۔

قسط کا لفظ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ اور اس سے مراد عام طور پر انصاف لیا جاتا ہے۔ قُلْ آمُرُ بِمَا يَنْصُرُ بِالْقِسْطِ تو کہہ دیجئے کہ میرے لئے حکم کر دیا کہ انصاف کا سوا اور کچھ نہیں ہے۔ وَقَيْضُ بْنُ السَّيِّدِيْنِ يَأْمُرُ دُنَّ بِالْقِسْطِ قُلْ خَيْرُ وَالْيَمِيْنُ يَنْ یعنی کسی کے قول میں خرابی نہ کر وہ ناپ تول میں انصاف قائم کرے۔ انصاف کا قیام انسانیت کی بنیادی عفت ہے۔ پہلے آیت گذر چکی ہے قُلْ آمُرُ بِالْقِسْطِ خدا تعالیٰ خود بھی انصاف کرتا ہے۔ اور دوسرے کو بھی انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے بخاری شریف کی روایت میں ہے الْبَرُّ نَفْسُ نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ يَسْكُو حَرَامًا یعنی ہے نبی آدم! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے۔ اور تمہارے درمیان بھی ظلم عرام ہے۔ فَلَا تَظْلِمُوا پس ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے اس واضح حکم کے باوجود اہل کتاب کا شیوہ یہ تھا کہ وہ اللہ کے نبیوں کو بھی قتل کرتے تھے۔ اور اُن لوگوں کو بھی قتل کرتے جو انصاف کا حکم دیتے اور بُرائی سے روکتے۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں خیبر کے یہودیوں نے آپ کے قتل کا قصد کیا۔ آپ کے کھلے میں زہر ملا دیا گیا۔ مدینہ طیبہ میں بھی بنو نضیر اور بنو قینقل کی ہستی میں آپ کے خلاف سازش کی گئی کہ آپ کو دیوار کے نیچے گھسٹا کر کے اوپر سے پھینک دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر آپ کو بذریعہ وحی دی اور آپ وہاں سے چلے گئے۔ انقضیٰ! اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل کتاب کی یہ خصلت بیان فرمائی کہ وہ اللہ

کے نبیوں اور حق و انصاف کے داعیان کو قتل کرتے ہیں۔

قسط اور عدل ہم معنی الفاظ ہیں، بزرگم کے برعکس میں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ عدل کا حکم دیا ہے۔ ”إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِتَقْوَىٰ ذَٰلِكَ وَالْإِحْسَانِ“ دوسری جگہ فرمایا ”عَدْلُكَ هُوَ خَيْرٌ مِنَ الشَّقْوَىٰ“ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔ اور یہ کہ عدل کمزور ہے کہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔ عدل و قسط کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ اس میں عقیدہ بھی داخل ہے۔ یعنی ایمان اور توحید پر قائم رہو۔ عدل کا لفظ کفر اور مشرک کے الٹ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے عقیدے کو پاک رکھو۔ آپس میں ایک دوسرے کی جان و مال عزت و اہرود کا خیال رکھو۔ یہ سب قسط میں داخل ہے۔

فرمایا انبیاء کے قاتلوں اور حق و انصاف کے دشمنوں کے متعلق عذاب الیم حکم یہ ہے۔ ”فَيَشْرُهُمْ بِكَذِبٍ أَلِيْسَ“ انہیں دروناک عذاب کی خوشخبری سن دیجئے، یہاں پر خوشخبری کا لفظ حکم کے ملے پر آئے ہے۔ کہ یہ لوگوں پر دین کو نیچے گرنے کا انتہائی انجام دینا میں بھی بڑا ہو گا۔ ایسے لوگ دنیا میں گھاس پھوس کی طرح کاٹ دیے جاتے ہیں۔ قاتل سمجھتا ہے کہ وہ سلاخہ قتل و دنیا میں قائم ہے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ اس لیے مٹا دیتا ہے۔ یہ یہ کہ واقعہ آپ کے سامنے ہے۔ وہ خاندانِ رسالت کا مکمل خاتمہ جانتا تھا۔ صرف ایک فرونیار ہو جانے کی وجہ سے رہ گیا۔ ورنہ وہ بھی قتل کی زد میں تھا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس ایک فرد سے اہم حسین کی نسل کو کس طرح چلایا۔ آج جگہ جگہ حسینی موجود ہیں ہر خلافت اس کے پیروں کے پندرہ بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ اہم ابن کثیر نے البدایہ والنہیہ میں لکھا ہے کہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہا۔ اس کے کوئی نسل نہ چل سکی۔ خود بائبل میں لکھا ہے کہ اہل بابل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ختم کرنا چاہتے

تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم! لوگ تجھے مٹانا چاہتے ہیں۔ مگر میں تیری اولاد کو ریت کے ذریعہ سے زیادہ پھیلاؤں گا۔ ظالم کچھ چاہتے ہیں مگر اللہ کی مشیت کچھ اور ہوتی ہے۔ اسی لیے فرمایا ظالموں کی سزا دردناک عذاب ہے۔ اُولَٰئِكَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُہُمْ فِی الدُّنْیَا وَالاٰخِرَةِ ان کے اعمال دنیا و آخرت ہر دو مقامات پر ضائع ہو گئے۔ دنیا میں کفر و شرک اور ظلم و عدوان کی بنا پر ان کی نیکی ضائع ہو گئی اور آخرت میں بھی کرنی ضرور نہیں ملے گی۔ وَمَا لَہُمْ فِیْہِ زَکٰوٰتٍ ان کا کوئی مددگار نہیں ہو گا۔ اللہ نے تنبیہ فرمائی کہ ایسے لوگ دنیا و آخرت میں بے باؤ و گارہ جائیں گے۔

دعوت
الی الکتاب

اہل کتاب کو ان کی غرایبوں کی وجہ سے تنبیہ کرنے کے بعد ان کی ایک اور شرعی غفلت کا ذکر ہو رہا ہے۔ کہ جب انہیں برائیوں سے روک کر حد کتاب اللہ کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے۔ تو وہ خود اپنی کتاب سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور اس کے احکام ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَمْ یَسِّرْہِ لَکُمُ الذِّکْرَ وَلَکُمُ الْکِتٰبُ مِّنْ اَلذِّکْرِ کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف سے دعوت نہیں دیکھی۔ جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے۔ یُذَعِّبُوْنَ اِلَیْہِ کِتٰبَ اللّٰہِ انہیں کتاب کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے۔

لَیْسَ لَکُمْ بِیْہِ حَکْمٌ مگر وہ کتاب ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ مگر وہ اس دعوت کو قبول کرنے کی بجائے تَتَوَلَّوْا فِرَیْقًا مِّنْہُمْ ان میں سے ایک گروہ رد گمراہی کرتا ہے وَقَوْمٌ مِّنْہُمْ ضَلُّوْا اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے دعوت الی الکتاب کو مستہزل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگرچہ وہ لوگ مکمل قرأت و انجیل کے حاملین ہونے کے دعویدار تھے۔ مگر یہاں پر نصیباً مِنَ الْکِتٰبِ یعنی کتاب کا کچھ حصہ فرمایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان بد بختوں کا پوری کتاب پر

ایمان ہی نہیں تھا، اور ملت و سخیل کا کچھ نہ سمجھتا تھا انہوں نے خود ہی خدایہ کفر دیا۔
 کچھ میں ستر لاکھ کھربوں کی رقمی اور اقبیس کچھ نہ سمجھتا تھا اگر اس پر بھی ایمان لے آتے
 تو بہت پابند رہتے تو ملت و سخیل میں حضور علیہ السلام کی مدد اور آپ کی بعض
 نشانیاں موعود تھیں۔ اگر وہ لوگ انہی پر ایمان نہ کرتے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی
 نبی مان سیتے تو کوئی جھگڑا باقی نہ رہتا۔ مگر وہ ختم و زوال کو پہنچے یہاں تک کہ ملت
 و سخیل کے مصلحت غور پاروں نے سجدہ باہر سے اس میں تین ہزار غلطیاں ہیں۔ جو
 لوگوں نے شام کو دیکھی ہیں۔ اصل کتاب تو عبرانی، مصری، یونانی، عربی، فارسی، ہندی
 و دیگر زبانوں میں اصل نسخہ کہیں نہیں رہتا۔ اس کی بجائے اسے اب انجیل میں جو
 انجیلیں وجود ہیں وہ ایک میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ دیکھنا کچھ کہ تمہارے افسوس
 کا مضامین کچھ اور بہت ہستی کی اپنی ایک نہ گنتی ہے اور اوتار کچھ اور ہوتا ہے
 ان کے علاوہ پانچویں انجیل ہے جس میں سب کے بعد کچھ اور طور پر تو ایک موعود میں انجیلوں
 کی نشان دہی ملتی ہے۔ مگر ان کا اکثر حصہ غلط و موچکا ہے۔ کچھ محفوظ بہت
 اصل حصہ موجود ہے جس کے متعلق فرمایا کہ اگر اس پر بھی ایمان لے آتے تو
 روم بہت کم دیتے۔ کتاب اللہ سے مراد قرآن پاک بھی ہو سکتا ہے۔ اگر
 اس آخری آسمانی کتاب کو ہی تسلیم کریں تو یہ مسئلہ حل ہو جائے۔ مگر یہ بدعت
 لوگ کسی چیز کو نہ سننے کے لیے تیار نہیں۔

جن جن غصہ من کلام فرماتے ہیں۔ کہ کتاب کے کچھ حصے سے مراد نبی القرآن ہے۔
 یہی جو ہے۔ مگر یہ جتنی دیکھا جائے تو یہ قسم ہے جو کہ وہ لوگ جنہیں کتاب اللہ
 کا کچھ فہم نہ آیا گیا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے کہ کسی کو دین کی
 سمجھ نہ آئے۔ یہ بھی ایک عظیم نعمت ہے، حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ کہ
 حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کے علاوہ ہمیں کوئی خاص
 چیز عنایت نہیں کی۔ سو اے اس کے کہ سفر پر جاتے ہوئے چند احکام آپ
 نے دیے تھے۔ وہ تحریری صورت میں میری تلواریں میان میں رکھے ہوئے ہیں

یہ چند مسائل ہیں جن میں دیت کا مسئلہ اور قیروں کو چھڑانے سے متعلق ہیں۔
 احکام ہیں۔ فرمایا البتہ ایک چیز مجھے خاص طور پر دی گئی ہے۔ وَأَوْقَبَ
 قَهْقَرَهَا یعنی قرآن کی سمجھ بھٹکانی ہے۔ جو کہ ایک نعمتِ عظمیٰ ہے، اس
 کے علاوہ وہیں اور کوئی خاص چیز نہیں دی گئی۔ اس تمام پر شیعوہ حضرات
 کے اُن عقائد کی نفی ہوتی ہے۔ کہ حضرت علیؑ کو قرآن پاک کے دس پائے
 علیحدہ دیے گئے۔ یا کوئی بارز کی بات بتلائی گئی جو ذاتی مسلمانوں کو معلوم نہیں۔
 یہ سب غلط ہے۔ یہ حال اصل کلام یہ ہے۔ کہ اس آیت کا مطلب
 یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے جن لوگوں کو کتاب کا فہم عطا کیا ہے۔ تاکہ
 ان کے درمیان فیصلہ کریں، پھر ان میں سے ایک گروہ۔ جو محمدؐ دانی کرتا ہے
 وہ اعراس کر لے لئے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی
 ان کے نصیب میں ہے۔

تضاعفت کا غلط عقیدہ

فرمایا کتاب التتر سے اعراض کی وجہ شفاعت سے متعلق اس کا باطل عقیدہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نہ بیک پاکہ عَمْرَ قَالُوا كُنْ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِمْ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ۔ یہاں مَقَامِ مَوْجِبَاتِ انہوں نے کہا کہ ہمیں دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی مگر چند دین کے لیے یہودیوں میں یہ باطل عقیدہ راسخ ہو چکا تھا کہ وہ صرف اتنے ہی دین کے لیے دوزخ میں جائیں گے۔ جتنے دین اُن کے آباد جہاد نے پھیلنے کی پوجا کی تھی۔ اس کے بعد پورے بڑے ہمیں چھڑا دیں گے۔ بلکہ حضرت ابوبکر علیہ السلام دوزخ خشک کنائے پر کھڑے ہوں گے۔ اور جو بھی جتنے والا اس کی پوجا کرے جہنم میں نہیں گھٹے دیں گے۔ اُسے پکڑ کر جہنم میں داخل کر دیں گے۔ یہ عبرتی شفاعت اور عقیدہ ہے۔ کہ ہمارے نبی ہمیں نہ مبرا سستی خدا تعالیٰ کی گرفت سے چھڑا لیں گے۔ یہ تو یہودیوں کا عقیدہ ہے۔ اور نصاریٰ کا باطل عقیدہ یہ ہے کہ ہم جو چاہے کہہ سکتے پھریں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہماری طرف سے صلیب پر

نکاح کفر کفارہ اندکھریا ہے۔ پہلی اس کوئی پر و انہیں۔ یہ تو عقل کے بھی خلاف ہے۔ کہ جرم کوئی کفر سے اور سزا کوئی دوسرا بھگتے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں اصل بات یہ ہے۔ کہ جو کوئی کربیکا، وہی پھر سے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں تو یہ قطعی واضح مثلہ ہے کلاً لا تزدوا ذیۃ و ذیۃ و ذیۃ کسی ایک کا بار دوسرا نہیں اٹھائے گا۔ گنہگار اپنے گنہ کی سزا خود بھگتے گا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی بھی ہے۔ لا تجنی علیہ ولا یجنی علیہ جس کا گناہ ہوگا اسی کی گمراہی پر پڑے گا۔ ایک کا گناہ دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا۔

افترار
فی الدین

اہل کتاب کے باطل عقیدے سے اس بات کی غماز کی کرتے ہیں۔
وَعَنْهُمْ حِفْظٌ دِينِهِمْ حَتَّى كَانُوا يَقْتَرُونَ كَمَا ان کے
افترار نے ان کے دین میں انہیں دھوکا دیا۔ افترار سے مردود باطل عقائد
ہیں جو انہوں نے خود بخود گھڑ لیے تھے۔ جیسے اہلیت کا عقیدہ، شرک کا
عقیدہ، جبری مفارشات کا عقیدہ، یا کفارے کا عقیدہ وغیرہ سب افترار میں
داخل ہیں۔ اسی طرح صرف چار سال کی روزت تک روزت میں رہ کر نکل آنے
کا عقیدہ بھی پیرو لیوں کا افترار تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسی افترار سے
انہیں دھوکا میں رکھا اور وہ اپنی آخرت بہ باد کفر بیٹھے۔

افترار کی بیماری اب مسلمانوں میں بھی سراپت کمر چلی ہے۔ اس زمانے
میں جس قدر بدعادت ہیں سب افترار میں داخل ہیں۔ قبر پرستی، پڑھانے
چڑھانے، عرس منانا، مرنے کا تیسرا، ساواں اور چارمیں کمر ناسب دین میں گھڑی
ہوئی باتیں ہیں۔ جن کی کوئی اصل نہیں۔ اسی طرح گیارہویں کا التزام، قرالی،
خواجہ فرید الدین کے دروازے سے ہر سال گزرتا کیا ہے، کیا اللہ اور اس
کے رسول نے ایسے کاموں کا حکم دیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہی تو افترار فی الدین
ہے۔ مگر آج کا مسلمان انہیں گوارہ کر کے اب سمجھ کر کر رہا ہے۔ بھائی اگر مرنے

مگر ایصالِ ثواب مقصود ہے۔ تو سلفِ صالحین کا طریقہ اختیار کرو۔ دعا اور
 بستہ کر کرو۔ حمد و ثناء بہت کرو ورنہ کہہ دیجئے ایک دوسرو۔

فَرَّأَيْتُمْ أَفْكَتُمْ رَدَّ جَمْعَهُمْ لِيَوْمٍ تَزِيغُ فِيهِ أَيْتُ لُؤْكَرٍ
 کا اس دن کیا حال ہوگا، جب ہم انہیں قیامت کے دن اکٹھا کر دیں گے اور
 اس دن کے آنے میں کوئی ٹک نہیں۔ وہ ضرور آئے گا وَفُتَيْتُ
 حَتَّى نَفْسٍ مَّا كَسَيْتُ اس دن ہر نفس کو چوڑا پور بدلہ دیا جائے گا جو
 اس نے کیا۔ ہر نیک اور برائی اس دن ملتے آئے گی۔ دوسرے مقام پر فرمایا
 قَامَتْ يَكْمَلُ مَشْفَا ذَذَةِ حَيْرٍ لِّرَّجَسٍ نَّ ذَرَّةً بَرَّابِ
 نیک کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لے گا۔ وَمَنْ يَكْمَلُ مَشْفَا ذَرَّةً شَرَّابِ
 اور جس نے ذرہ بربادی کی ہوگی، وہ اُسے بھی پیگا خدا کے عظم میں ذرہ ذرہ
 محفوظ ہے۔ وہ مقررہ دن پر سب کو پور پور بدلہ دیگا۔ فَهَسْرَ يَطْمَحُونَ
 اس روز کسی پر عظم و شرافت نہیں ہوگی۔ اہلِ نسب کو تنبیہ کی جا رہی ہے۔ کہ
 تمہارے باطل عقائد اور باطل اعمال کا ریکارڈ اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔
 اس کا بدلہ تمہیں بہر حال پہنچنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہ سکتے
 کسی کوئی کوشش کو مایاب نہ ہو سکیگی۔ اور یہ تمہارے اپنے اعمال کا یہی نتیجہ
 ہوگا۔ تم پر عظم نہیں ہوگا۔

تَبٰرَكَ الَّذِي رَزَقَ

الْاِنْشٰد

در سن ششم ۸

آیت ۲۴: ۲۵

قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ
وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ
وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ وَيَدُكَ الْخَيْرُ طَائِفَةٌ عَلَى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرَةٌ ﴿٢٥﴾ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُؤَلِّجُ
النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ
تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ
حِسَابٍ ﴿٢٦﴾

مجموعہ کے تفسیر پر آپ اپنی کتاب میں اس طرح لکھیں: اے اللہ! جو ہر شے
کا مالک ہے، تو جس کو چاہے بنے دیتا ہے۔ اور جس سے چاہے ہٹا دیتی
چھین لیتا ہے۔ اور تو جس کو چاہے عزت دیتا ہے۔ اور جس کو چاہے ذیل
کرتا ہے۔ تیرے ہاتھ میں خیر ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے
والا ہے ﴿۲۶﴾ تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے
دن کو رات میں۔ اور نہ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نہ نکالتا ہے مردہ کو
زندہ سے۔ اور تو روزی دیتا ہے جس کو چاہے بغیر حساب کے۔ ﴿۲۷﴾

آج کی آیات کے شان نزول کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں۔
کہ یہ آیات نجران کے وفد کے باطل زعم کے جواب میں نازل ہوئیں۔
نجران کے عیسائی خوب جانتے تھے کہ آپ وہی پیغمبر آخر الزماں ہیں۔
جن کی آمد کی پیش گوئیاں اور جن کی نشانیاں ان کی کتابوں میں موجود ہیں مگر
وہ محض اس لیے آپ پر ایمان لائے کہ لیے تیار نہیں تھے کہ شوقِ دم

ملوک تو غازی ملک میں۔ ان کی ملکیت درخند روزہ ہے۔ اصلی اور دائمی ملکیت
 میری خداوند قدوس ہے۔ تیری یہ غاس صفت ہے کہ تُو قُلُوبِ الْمُلُوكِ
 كُنْ تَشَاءُ اَوْ تَسْلُطْ اور بادشاہی میں کو چاہے عطا کرتا ہے کیونکہ یہ صفت
 تیرے اختیار میں ہے۔ یہ بادشاہت تو اپنے خاص بندوں کے عداوہ آزمائش
 کے لیے بعض اوقات بڑے بڑے مجرموں اور نافرمانوں کو بھی عطا دیتا ہے
 گذشتہ سورۃ میں غزوہ کا واقعہ گزر چکا ہے۔ بس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام
 کے ساتھ جھگڑا کیا تھا۔ اُس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ
 الْعَلِيْمُ الَّذِي تَعْبُدُ اَنْتَ اَسْمَاءُ تَعْبُدُ اللّٰهَ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ
 سے وہ شتم گزارا بندہ بننے کی بجائے غزوہ ہو گیا تھا۔ فرعون نے بھی یہی کہا
 تَعَالَىٰ اَللّٰهُ اَكْبَرُ مَعْنٰی مَعْرِفَةِ حُكْمِ مَعْرِفَةِ مَعْرِفَةِ مَعْرِفَةِ
 نہیں چل رہی ہیں۔ تو مینے سوئے ہیں۔ جن سے آپاٹی ہوئی ہے۔
 ختم آئے مھر پور ہیں۔ طاقتور تو مخرج مخرج ہے۔ میرے ہوا۔ اور کون ہے مقصد
 یہ کہ بعض اوقات اللہ اپنے نافرمانوں کو بھی حکومت کی چابیاں عطا دیتا
 ہے اور وہ محض آزمائش ہوئی ہے۔ پھر جب اُس کا وقت پورا ہو جاتا
 ہے۔ وَتَكُنْ مِّنْ الْمُلُوكِ مِمَّنْ كَذَبُواْ وَتُجَسَّدُ اور تو جس سے چاہے
 بادشاہی چھین لیتا ہے۔ تاریخ گزارا ہے۔ کہ ایک وقت آیا جب اللہ تعالیٰ
 نے رومیوں اور ایرانیوں سے سلطنت چھین کر مسلمانوں کے حوالے کر دی۔
 اور یہ سب کچھ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوا۔

غزوہ خندق مشہور میں واقع ہوا۔ کفار کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی
 خبر پہنچی۔ تو حضور علیہ السلام نے صحابہ کو مشورہ کے لیے طلب فرمایا چنانچہ
 فیصلہ ہوا کہ مدینہ کے اندر رہ کر دفاع کیا جائے۔ شہر کی حفاظت
 کے لیے اس کے گرد خندق کھودنے کا فیصلہ ہوا۔ کئی میل لمبے خندق
 کو اپنے دس دس صحابہ کے حصہ میں چاہیں گے گھر کا ٹکڑا تقسیم کر دیا

پھر نئی زمین میں خندق کھودنا پڑے جان جو کھول کا کام تھا۔ گرمی کے موسم میں
 فاقہ زدہ صحابہؓ نے یہ کھن کا کام چھ دن میں مکمل کر لیا۔ حضور علیہ السلام خود صحابہؓ کے
 ساتھ شریک کار ہے۔ دورانِ کھودائی ایک بڑی چٹان حائل ہو گئی جو صحابہؓ سے
 ٹوٹی نہیں تھی۔ حضرت سلمانؓ کو آپؐ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ
 وسلم تشریف لائے۔ اللہ کا نام لے کر اپنے ہاتھ سے کدال مارا۔ آگ کے
 شعلے اٹکے اور چٹان پارہ پارہ ہو گئی۔ آپؐ نے فرمایا اس روشنی میں اللہ نے
 مجھے ایمان کے محلات دکھائے ہیں۔ آپؐ نے دوسری دفعہ کدال مارا۔ پھر
 شعلے بلند ہوئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ نے مجھے رومیوں کے محلات
 بھی دکھائیے۔ تیسری دفعہ کدال مارا تو فرمایا اللہ نے مجھے صنعا کے محلات دکھائیے
 ہیں۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے آگ بشارت سنائی کہ یہ تمام مقامات
 بہت مختصر عرصے میں آپؐ کے زیرِ نگیں آجائیں گے۔ صحابہ کرامؓ رضوان
 اللہ علیہم اجمعین بڑے غریب ہوئے۔ کیونکہ وہ جاہل تھے۔ کرنی کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم کا کلام برحق ہے۔ مگر یہ سننے کے منافقین نے تمسخر شروع کر دیا۔
 کہتے تھے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ باہر رفع حاجت کے لیے جانے سے عاجز آچکے
 ہیں۔ مگر روم و شام کے محلات کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ مگر دنیا نے
 دیکھا ۱۸۵۱ء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کچھ عرصہ بعد ہی
 شام، ایران اور صنعا وغیرہ زیرِ نگیں آ گئے۔ مقصد یہ کہ وہ مالک الملک جس کو
 چاہتا ہے ملک بخشتا ہے۔ اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔

غرب تو سائے کا سارا حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی
 اسلام میں داخل ہو چکا تھا۔ تاہم عرب، ترک اور افغان تو یہ مجموعی طور پر اسلام
 میں داخل ہوئے۔ بڑے عرصہ تک اسلام کی نعمت سے محروم رہے۔ مگر جب
 قریب آئے تو ایک دن میں چار لاکھ ترک مسلمان ہو گئے۔ افغان تو ہمیشہ
 عثمان کے زمانے یا کچھ عرصہ بعد پوری کی پوری اسلام میں داخل ہوئی۔

حضرت نور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں کہ عرب کو قومی طور پر اسلام میں داخل ہو چکے تھے، اس لیے دُعا کا اعانہ اس طرح ہو رہا ہے کہ اے اللہ! قوت سے چاہے سلطنت عطا کرنا ہے۔ اور جس سے چاہے بچاؤ لیتا ہے۔

علیہ السلام
کے لیے دعا

دُعا اس انداز میں کھائی گئی ہے کہ اے اللہ! ان ظالموں سے حکومت چھین لے جو انسانیت کے دشمن ہیں اور جو دنیا میں نا انصافی کو ترقی دے رہے ہیں۔ مولانا کریم! ہم اس وقت عدل و انصاف کے علمبردار ہیں اور اس نظام کو پوری دنیا میں رائج کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ہی توحید خداوندی کے داعی ہیں۔ شَهِيدَ اللّٰهِ كُنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے پیر و کار ہم ہیں اور اسْلِمُوا کے مصداق بھی ہم ہی ہیں۔ ہذا اب حکومت اور دنیا کی راہنمائی ہمارے سپرد کر دے۔ ہم فتانِ بِلَا نِقْطِ طَبَقِہِ پورے اُتریں گے۔ دنیا میں انصاف قائم کریں گے خود حضور علیہ السلام دشمن سے جنگ کرتے وقت یوں دعا کرتے۔

اَللّٰهُمَّ مُجِبِّ السَّوْءِ
وَمُنْزِلِ الْكُفْرِ وَكَرَامِ
اَرْحَنَ ابْ اَلْعِزِّمْ هُوَ
وَاَنْصُرْنَا عَلَيْهِمْ
اے اللہ! توحید بادلوں کو چلانے والا ہے
اور کتاب کو اتارنے والا ہے۔ اور جو باطل
قوتوں کو شکست دینے والا ہے اب ان
کو شکست دے اور ہمیں ان پر نصرت
عطا فرما۔

مسلمانوں نے دنیا میں عدل و انصاف قائم کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں غلبہ عطا کیا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے سے کہہ سچاں سال کے عرصہ میں آدھی دنیا پر مسلمانوں کو تسلط حاصل ہو چکا تھا۔ حالانکہ قوموں کی زندگی میں سچاں سال کے عرصہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی مسلمانوں کی یہ روالِ دُعاں ترقی جنگ جہین پر آگے دگ گئی جب حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عیٰؓ کے درمیان تنازعہ پیدا ہوا۔ اور صفین کے مقام پر آپس میں لڑائی

مہولی۔ اسلام کی جدِ وقت تو ہمیشہ قائم رہی۔ دین اپنے تباران اور محبت کے ساتھ تو ہمیشہ کا لب و لہجہ سچا سچا سال کے قلیل عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے پونٹیکل طور پر بھی دنیا کے وسیع خطے پر غلبہ کیا۔

اہم ابو بکر حبیب، مرنے والی ۳۰ھ قمری، قرآن پاک کے عظیم مفسر تھے۔ انہوں نے احکام القرآن کے نام سے صرف فقہی مسائل کی حد تک قرآن پاک کی تفسیر پیش کی ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی فرمایا کرتے تھے کہ اہم ابو بکر حبیب کی تفسیر اور حضرت شاہ ولی اللہ کی حجتہ اللہ علیہا کی تفسیر میں جو مثال نظر نہ آ رہی ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اسلام کا فلسفہ اور نظام سمجھایا ہے۔ اور اہم ابو بکر نے قرآن پاک کی بہت بڑی تفسیر بھی ہے۔

کے بعد کا تحفہ تفسیر تفسیر، دروڑا سطوں سے اہم مہر کے شاگرد ہیں اور تین دروڑا سطوں سے زہر ابو حنیفہ سے منسلق نہ ہوتا ہے۔ اور ابو بکر حبیب نے اپنی تفسیر میں بھلا سب کچھ سمجھنے کا وعدہ کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس نے اپنے وقت کے لوگوں کے ساتھ کیا ہے۔ کافر مشرک، اور ظالم مشرک، مسلمان، یہودی، عیسائی، کافر اس کا اہل نہیں اور نہ ہی اس کا پابند نہیں۔

ایسے لوگوں سے حق و انصاف کی بجائے موکیت، شہنشاہیت، ڈیکٹر شپ اور ظلم و جور کی توقع ہی کی جا سکتی ہے۔ امت کی رہنمائی کے لیے ایسا نادر اور عادل لوگوں کی ضرورت ہے۔ شاہ ولی اللہ نے سمجھا ہے کہ ایران کے کسری وغیرہ اور ان کے ہوا ہی عام لوگوں سے ہیں اور گمراہی کی گسرت مشقت دیتے تھے اور انہیں اپنی فلاح و بہبود یا آخرت کے متعلق سوچنے کا موقع ہی نہ دیتے تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی مشیت اسی میں تھی کہ اس نظام کو ختم کیا جائے اور نبی آخر الزمان کو مبعوث کیا جائے جو اسلام کا عادلانہ و ترجید اور اطاعت پر مبنی نظام قائم کرے۔ چنانچہ جب کس مسلمان ان اصولوں پر قائم ہے۔ کوئی دوسری قوم ان کے مقابلے پر نہیں

آئی اور سڑک سے چھ سو سال تک مسلمان دنیا میں غالب رہے۔ پھر جب نور انبیا
نے مجیدی طور پر اس نظام سے روگردانی کر لی۔ کراچی حاکمیت بگڑا، مسرور
ہو گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دوسری قومیں ان کے مقابلہ میں کھڑی ہو گئیں۔

اے مالک الملک! حقیقی مالک تو ہی ہے۔ وَقَدْ عَلِمْتُ مِنْ عِزِّهِ اَوْ ذَلَّتْ
تَشَاوَرْتُمْ جِسْمَ جِسْمٍ عِزِّهِ دِیْنِیَسْتِ۔ تو نے ہی اہل اسلام کو عزت
بخشی۔ ایمان کی دولت دی۔ نیکی کا راستہ دکھایا۔ پیغمبر علیہ السلام کے اتباع
کی توفیق بخشی اور پھر ظاہری اقتدار بھی عنایت کیا۔ وَقَدْ عَلِمْتُ مِنْ عِزِّهِ
تو جس کو چاہتے ذلیل کر دیتا ہے۔ یہ بھی تیری ہی عظمت ہے، اکثر شرک
لغواق، افروانی، بدعت سب ذلت کی پیڑیں ہیں۔ جب اللہ کی عزت
سے آزمائش آتی ہے تو لوگ سیدھے راستے سے جھٹک کر ذل و خوار
ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن اسماعیلؑ دعا کیا کہ ستے تھے اللہ
اَنْقَلَبْتُ مِنْ ذُنُوبِ الْمُعْصِيَةِ اِقْبِ عِزَّ الْمُصْلِحِ
یعنی اے اللہ! جہیں معصیت کی ذلت ہے اٹھا کر اطاعت کی عزت
میں پہنچا دے۔ بزرگان دین کا یہ بھی مشورہ ہے۔ صَبْرٌ يَهْصِي الْمَلِكَ
فَهُوَ اَسْفَلُهُ مَنِ كَيْدُهُ خَدَّ كَيْسِي ذَلَّتْ يَخْذُلَانِ سَ مِنْ يَسْ بَوَاتُ۔ بلکہ ہر
وہ شخص ذلیل ہے جو اللہ کی افروانی کر رہے ہے۔

فرمایا سیدنا الخیر مولا کریم! تیرے ہاتھ میں خیر ہے مضرین خیر اور شر
کو ہم فرمائے۔ کہ جہاں خیر اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے وہاں شر
بھی۔ صبی کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ وہ بھی اُسی کی پیدا کردہ ہے۔ مگر یہاں
پر صرف خیر کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرو، شر کا یہاں
ذکر نہیں۔ یہاں پر ایک اور مسئلہ بھی سمجھوایا جائے۔ کہ جو چیز واقع میں شر
نظر آتی ہے۔ وہ مضر محض نہیں ہوتی۔ بلکہ شر اضافی
ہوتی ہے کیونکہ شر میں کسی نہ کسی طریقہ سے فائدہ بھی ہوتا ہے۔ لہذا خالق

ہونے کے لحاظ سے دونوں چیزیں ایک کا خالق وہی ہے۔ جیسے فرمایا جَعَلَ
 الضُّلُمَاتِ وَالنُّجُومَ یعنی اندھیرا اور روشنی اس نے پیدا فرمائی۔ فجر سورۃ
 کا یہ نکتہ کہ خیر اور شر کو خالق مجتہد علیحدہ ہے۔ ستر سورۃ بطل ہے، یہ تو ثنویت
 ہے جو ستر شرک ہے۔ فرمایا اَللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شَرِيفٌ تو ہی ہر چیز پر
 قادر ہے۔ یہ تمام تغیرات اور تمام تقلبات خیر سے ہی دست قدرت
 میں ہیں۔

دن اور رات

تَوَلَّجَ النَّبِيَّ لَمْ فِي النَّهْرِ اَبَ تَوَدَّ اَخْلَ كَرْتَسْتِ رَسْتِ كَرْدَن مِیْنَ وَ اَوَّلَیْ
 اَلنَّهَارِ فِی النَّبِیِّ لَمْ اور داخل کر اسے رات کو رات میں۔ یعنی غیبِ ہند
 کو چھوڑا، پھر آتا ہے۔ کبھی راستہ بڑی جوتی ہے اور دن چھوٹا ہوتا ہے
 اور کبھی دن لمبا ہوتا ہے اور رات مختصر ہوتی ہے۔ ہاتھوں کے تغیر و تبدل
 میں یہ مشابہتیں آتا ہے یَسْتَبِیْہُ اللّٰہُ اَیُّہُ ذَا الشَّکْوِ وَالْکَضَائِہِ اور
 دن کو پہنانے دینا اُنہی ذات کا کام ہے۔ جب تک اس کو منظور ہے
 یل دنار کا یہ زمانہ جتنا ہے کھراست اور دن کی شبیہ سناٹ اور آسائش
 سے بھی ہو سکتی ہے۔ مَصَابِیْہُ عِنْدَ قَوْمٍ فَوَابِہُ یعنی ایک قوم کے مصائب
 آدم دوسری قوم کے لیے عیش و راحت کا سامان بن جاتے ہیں۔ جیسے روم
 اور ایران کے کفار کی شکست مسلمانوں کے لیے خوشی کا مقام تھا۔

وَمَخْرَجَ النَّبِیَّ مِنَ الْحَبِیَّتِ اور نکالتا ہے زندہ کرم رو سے
 جس طرح گٹھلی سے انا بڑا درخت پیدا کر دینا۔ اندھ مرد ہے اُس سے
 زندہ بچہ پیدا کر دینا۔ بے جان قعرہ آب سے زندہ انسان کو پیدا کر دینا اور
 کافر سے مومن کی تخلیق کرنا سب کچھ تیرے ہی اختیار میں ہے۔ وَمَخْرَجَ
 الْحَبِیَّتِ مِنَ النَّحْلِ اور تو چاہے تو مردہ کو زندہ سے نکال دے۔ جیسے
 زندہ جانور سے مردہ آڈا پیدا ہونا یا کوا رکبکہ پچھلے جیسی نیم نشان ہستی
 سے کافر اور نامنجان اولاد کا پیدا ہونا ظاہر ہے۔ اے اللہ! یہ تغیرات اور

تکصافات سب تیرے ہی ماتحت ہیں۔ تو ہی ہر چیز کا مالک ہے۔
 وَتَرَدُّنَّ عَنْكَ كَتَاٰتٍ يَخْفٰۤى عَلَيْهَا جَسَآءُہٗمُ تَوٰرِیۡنِیۡ وَیٰۤاٰیۡہِہٖ
 ہے جن کو ہاں ہے بغیر حساب کے۔ بعض کو۔ آپ کی کے ساتھ رزق
 پہنچتا ہے۔ کہ انہیں کوئی شکت نہیں اٹھاتی پتہ کی اور لٹی سی اتنی زیادہ
 ہے جو تمہارے باہر ہو۔ حضرت سیما بن عبد اللہ سے فرمایا اِنَّہٗمَ اَعْبَدُوْا
 فَاَنْتُمْ اَوْ مُلٰکُہٗمْ یَخْفٰۤی عَلَیْہِمْ جَسَآءُہٗمُ تَوٰرِیۡنِیۡ ہاں عطا
 کو یہ ہے جس کو چاہو دے دو اور چاہو تو روک لو۔ یہ بغیر حساب کے ہے۔
 آپ سے کوئی ہانہ پرس نہیں ہوگی۔ کوئی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ ہماری
 سمجھش ہے اور آپ کو اختیار بھی ہے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہی
 رعایت فرمائی۔ مگر دوسری جگہ یہ بھی فرمایا لَمَنْ یَّشَآءِ وَیَقْضِ
 جسکی چاہے روزی تنگ کر دے۔ ساری دنیا کے ملک چاہیں تو کسی کو
 ایک دانہ گندم کا نہ دے۔ اکی مصافحت اور اس کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔
 اسی لیے دعا کے انداز میں فرمایا۔ اے مولا! تو مجھے چاہے۔ روزی عطا کرنا
 ہے بغیر حساب کے یعنی سبے حد دے بیٹھا۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۲
در سہم ۹
آیت ۲۸-۳۰ آل عمران ۳

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ
الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي
شَيْءٍ إِنَّ تَتَّبِعُوا مِنْهُمْ ثَمَنَةً وَيُحَذِّرُكُمْ
اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ الْمَصِيرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ إِنْ خِفْتُمْ
مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمَهُ اللَّهُ وَ
يَعْلَمُ مَا فِي سُلُوبِ تَسْلُوبٍ وَمَا فِي الْأَرْصِ وَاللَّهُ عَلَى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مِمَّا
عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا وَمِمَّا عَمِلَتْ مِنْ
سُوءٍ لَوْ كُنْ أَنْ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدٌ أَبْعَادٌ
وَيُحَذِّرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: پھر مومن کافروں کو دوزخ میں نہ لائیں مگر ان کے دوزخ میں
ایسا کوئی گناہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے مدد سے کسی عین میں نہ ہو کہ تم
ان کافروں سے پیچھے اختیار کرو۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ تم کو پسند آئے
اور اللہ ہی کی طرف سے لڑتے رہا ہے ﴿۲۸﴾ اسے پیچھے (حق اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ
دیجئے اگر تم چاہو اس چیز کو جو تمہارے سینوں میں ہے یا اس کو ظاہر کرو۔
دہر حال میں اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ تمہاری اور
زبان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۲۹﴾ جس دن
حاضر ہونے کا پسند اس کے ہر ایک نفس جو کچھ اس نے عمل کیا ہے۔ نیکی سے

اور جو اس نے برائی کی ہے (اس کو بھی اپنے مانتے حاضر یا شہکار اپنے کمرے لگا
 ماش اس کے اور برائی کے درمیان بہتے درز کا فاصلہ ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ
 تم کو زندہ کرے۔ اپنے آپ سے۔ اور اللہ تعالیٰ شہادت دے گا کہ
 ہے بندوں کے ساتھ (۳۰)

دلیل

گتہ مشقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے دعا کے رنگ میں فرمایا کہ تمام چیزیں
 کا مالک اللہ ہی ہے۔ سلطنت کا قبضہ وہ اختیار بھی کسی کے پاس ہے۔ عزت
 اور فخر اسی کے اختیار میں ہے۔ قدرت کا ملکہ کا مالک بھی وہی ہے۔ وہ
 جس کو چاہے جسے جسے اور جس سے چاہے جس سے اختیار ہے۔
 تصرفات اور تقاضات سب اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس جہالت
 کی دعوت پر جو انسان کو اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ اور اسی گمراہی میں شامل
 رہنا چاہیے۔ اور دیکھو وہ ہے حضور خاتم النبیین علیہ السلام اور آپ کے
 منہ والوں کا۔ یہ جماعت دینی بھی ہے اور سیاسی بھی۔ ان کا عقیدہ وہ
 ہے جو بیان ہو چکا۔ اب جو لوگ اس عقیدے کے خلاف کوئی دوسرا
 عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کی جماعت میں شامل ہونا کسی طرح رو نہیں۔

اب اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے خطاب فرماتا ہے اَلَا يَتَجَنَّبُ
 الْمُؤْمِنُونَ الْفَاسِقِينَ اُولَئِكَ فِي دُورٍ اَلَمْ يَجْعَلْ يَمِينًا مِّنْ
 لَّوْغٍ مِّنْ عِلَالٍ كَافِرِينَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ لَكُمْ اَللّٰهُ اَلَّذِيْ
 قُرْآنِ پاك کے خلاف ہے۔ وہ اگر کفر کو غائب دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ اللہ
 نے ان کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ان میں یہود نصاریٰ
 مشرک۔ منافق سب شامل ہیں۔ کسی کے ساتھ دوست نہ بنائیں۔ اگر قاتل
 ہو چکی ہے تو صرف مسلمانوں کے ساتھ ہیں کہ وہ بھی عقیدہ اور فطرت کا ایک
 ہے۔ پر دیکھو اور منزل مقصود کیا ہے۔ اس سے اہل ایمان کا فرض ہے
 کہ وہ کافروں کی ایسے مومنوں سے دوستی کریں۔ قُرْآنِ اَمِّنٌ يُّشْعَلُ دَلِيلًا

جو کہ فرزند سے دوستی کر لیا فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ وہ اللہ کے سامنے
 کسی چیز میں نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا وزن اور قدر ہر شے
 پر گزرتا ہے۔ اعتبار نہیں۔ اس ایک صورت میں رہا ہے۔ وَأَنْ تَتَخَوَّا
رَحْمَةَ اللَّهِ نہ کہ تم کا فرزند سے پیدا ہونے پر غم نہ ہو، بلکہ صبر و صبر
 میں تمہارا ہر لمحہ پر ان سے دوستی کا اہتمام کر سکتے ہو کیونکہ غمناک حالت
 میں تو مردار بھی بھایا جاسکتا ہے۔ ایسی حالت میں اجازت ہے، انتظار کی حالت
 کا مطلب یہ ہے کہ انسان بھوک میں مبتلا ہے۔ اور کوئی حل نہ ہو مگر صبر نہیں۔ تو اس
 وقت مردار، خنزیر یا گدھ شربت یا شراب وغیرہ جو کچھ میسر ہو اس قدر استعمال
 کر سکتا ہے۔ جس سے جان بچ جائے۔ پھر یہ لطف اندوز ہونے
 کی اجازت نہیں۔ اسی طرح اگر کسی وقت کافروں کو غلبہ حاصل ہو اور ان کے
 شر سے بچنے کے لیے دوستی کا اہتمام کر دیا جائے تو کوئی گرفت نہیں۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ لَعْنَةً اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی لعنت سے ڈرتا ہے
 کہیں اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کر بیٹھنا اور نہ بھڑکے۔ کیونکہ
وَاللَّهُ الْمَصِيبُ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ ایک ایک
 چیز کا حساب لے لے گا۔

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ دوستی
 کی تین اقسام ہیں۔ اول مولات جس میں ولی تعلق، لگاؤ اور محبت پائی جائے اور
 یہ اعلیٰ درجے کی دوستی ہے۔ دوم صریح قسم مدارات ہے۔ جیسے ولی تعان
 تو نہیں ہوتا، ہم فریقین، خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں۔ دوستی کی تیسری
 قسم موائست ہے جس کی اساس ہمدردی اور غمخواری پر ہوتی ہے۔ ایسی
 دوستی کے حامل دوست کہ نفع پہنچانا چاہتے ہیں۔ اور کسی پر احسان کرنا
 پسند کرتے ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ پہلی قسم یعنی مولات کسی بھی صورت میں کافر

دوست کی
 تین قسم

سے روانہ ہیں۔ رہائی نکالو اور مسیحیت نہ رو دیوں سے ہو چکی ہے۔ نہ ضرر نہیں
 ہے نہ جو کسیوں سے نہ ہنود سے اور نہ ہی مشرکین سے۔ اگر کوئی مومن
 اس قسم کی دوستی غیر مسلم سے کرے تو پہنچے بن سکتا ہے یا بد عیش ہے گا
 حضور علیہ السلام کو خبر دیں گے کہ کوئی شخص اس کے ساتھ دوستی رہا کرتا ہے
 وہ اس کے دین کی طرف راجع ہوتا ہے۔ لہذا اس شخص میں سخت اعتدال کی ضرورت
 ہے۔ چاہے ایک مہارت یعنی خوش اخلاقی کا تحقق ہے۔ اس کی اجازت ہے
 بشرطیکہ ضرر سے بچتا "مقصود ہو غیر مسلموں کا غلبہ جو کہ ان کی ایذا سے بچنے
 کے لیے ظاہری طور پر خوش اخلاقی سے پیش آسکتے ہیں۔ اس میں خاص طور
 پر دیکھا جائے گا کہ خوش اخلاقی کی وجہ سے ضرر پہنچنے کا خطرہ بدرجہ اتم موجود
 ہو بعض وجہ کی بنا پر مہارت درست نہیں۔

یاد رہے کہ مہارت اور شیعوں کے تقیہ میں بڑا فرق ہے۔ ان کے نزدیک
 تقیہ اعتدال دین فی التقیہ یعنی تقیہ دین تقیہ میں ہے۔ اور
 باقی ایک صنف ظاہر ہے۔ وہ تو بہر حالت میں تقیہ کے قابل ہیں۔ وہ دین کو
 دوسروں کے سامنے چھپاتے ہیں۔ جو کہ غلط عقیدہ ہے۔ اور ایک قسم کا
 نفاق ہے۔

مہارت کی دوسری صورت یہ ہے کہ کافر کے فائدے کے پیش نظر
 اس سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں۔ مومن سمجھتا ہے کہ اگر کافر کے ساتھ
 حسن سلوک اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا جائے تو جو سکتا ہے کہ وہ ایمان لائے
 گئے مہارت کی یہ صورت بھی جائز ہے۔ مثلاً عبدالعزیزؑ کے پاس ایک
 برہمن آکر رہنا کرتا تھا۔ آپ اللہ بار کو پڑھاتے اور وہ جیڑے کہ سنتا رہتا۔ آپ اس کے
 ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتے۔ جب آپ کا آخری وقت قریب آیا
 تو شاہ اسحاقؒ کو وصیہ نامہ لکھا کہ اس برہمن کا خیال رکھنا۔ اس کو ڈانٹ تو پٹ
 نہ کرنا اور نہ اس کو درس سے نکالنا۔ آپ کی اس مہارت کا یہ اثر ہوا کہ وہ

بہترین اپنی وفات سے تین دن قبل ایمان سے مشغرت ہو گیا۔
 روکسٹی کی تیسری قسم تو سب سے اچھی دیر سے سکر کو نفع رسانی کی مثال اور شریعت
 نے سورۃ مائدہ میں بیان فرمائی ہے۔ اُن کا فہرہ لکھ لے نفع پہنچا، روکے۔ جو
 مسلمانوں کے سبقت سے ہوں۔ جب یہ دیکھ گئے ہوں۔ خود راہن و راہن کی
 زندگی بسر کرنا چاہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ نہ لڑائی پر آمادہ ہوں اور نہ ان کے خلاف
 سازشوں میں موٹے ہوں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا، احسان کرنا اور نفع
 پہنچانا جائز ہے۔

یہ بات تو واضح ہے کہ کافر کے ساتھ ولی دوستی، کسی صورت میں نہیں ہو سکتی۔ بلکہ کوئی کافر کسی مسلمان کا سر پرست نہیں ہو سکتا۔ اور جو کافر کسی مسلمان کے ساتھ کون شخص اس قدر قریب کرے کہ اسے اختیار کرے۔ تو اس کا سر پرست اس کی سر پرستی سے خارج ہو کر مسلمانان کے تابع بن جائے گا۔ اور مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ وہ یہ کہ اس کفر پر صرف اس میں نہیں ہے بلکہ تاہم ان کے کفارہ نقصان پہنچانے کے لئے اس کو اپنے دین کو اپنے بچاؤ کی خاطر ان سے دوستی کا اہل و درست سے بشرطیکہ دین امن میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ تھیل میں فرمایا کہ کافر کے سرور سے بچنے کے لئے عہد کفر بھی زبان پر لویا جاسکتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے صحابی حضرت عمارؓ سے ایسا کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کوئی بات نہیں۔ دین تو ایمان سے سمور ہے۔ فرمایا اگر کوئی تنگ میں تو زبان سے ایسا کہہ کر دیا کرو۔ اور اگر دین شخص کفر کا کہہ زبان پر نہ لے کی بنا سے عاقبت انتہا کرے۔ تو اس کا مقام برا اور پیسے۔ حضرت خدیجہؓ سے کفارہ کفر کھانا پانے تھے۔ انہوں نے مولیٰ پر مکان پسند کر لیا۔ مگر کفر زبان پر نہیں لائے۔ یہ عین حق و عجب۔ حضرت عمارؓ سے فرمایا کہ

ہم ابو جبر تھما عن کہتے ہیں کہ میلہ مذہب نے دو مسلمانوں کو بچا لیا ایک سے پوچھا اَللّٰہُ اَنْ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یا تم کو بھی میرے ساتھ کرنا حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشرکے رسول ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا ہاں۔ پھر اس نے کہا اَتَشْهَدُ اَنْيَا رَسُولُ اللّٰهِ كَيْتَم۔ یہ بھی گواہی دیتے ہو کہ میں بھی اللہ کا رسول ہوں۔ تو اس نے کہا ہاں۔ لہذا میلہ کہ کتاب نے اس شخص کو چھوڑ دیا۔ پھر زہد و سکرا دمی کی طریت متوجہ ہوا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ تو اس نے جواب دیا، ہاں میں گواہی دیتا ہوں۔ پھر پوچھا کیا میرے متعلق بھی ایسی ہی غمناک بات دیتے ہو۔ تو وہ شخص کہنے لگا، میرے کان بہرے ہیں۔ میں تمہاری یہ بات نہیں سُن سکتا۔ میلہ نے تین چار دفعہ پنا سوال دہرایا، مگر ہر بار ایک ہی جواب پا کر اس کو قتل کہہ دیا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع حضور علیہ السلام کے پاس پہنچی، تو آپ نے فرمایا، ایک شخص نے شخصیت سے کام لیا۔ اور جان بچانے کے لیے ایسا کام کیا، جس کی اس کو اجازت تھی۔ دوسرے شخص نے غریت سے کام لیا۔ اس کو اللہ نے بلند مقام عطا کیا۔

فرمایا اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے رُدا ہے۔ انسان کسی وقت مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ اللہ اور اس شخص کے درمیان معاملہ ہے۔ اس میں قاضی یا مفتی کا کوئی دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ بنائے۔ اگر کوئی شخص واقعی مجبور ہو گیا ہے تو وہ معذور سمجھا جائے گا۔ اگر شخص بہانہ بنا رہا ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کی گرفت بھی بڑی سخت ہے۔ اس لیے انسان کو ڈرایا گیا ہے۔ کہ یہاں حیدر بہا نہیں چلے گا۔ تمہارا فیصلہ اس دنیا تک ہی محدود نہیں بلکہ فِی اللّٰهِ الْمُبِیْنُ اس اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جاتا ہے۔ قیامت کے دن وہاں ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہو گا۔

فرمایا فَتَشْهَدُ اَنْ تَخْشَوْنَكَ فِیْ صَدْقَةٍ۔ آپ کر دیجئے اگر تم چھپاؤ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اَوْ تَبْذُرُوْهُ يَاتِمًا۔ س کو ظاہر کرو یَعْلَمُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ وَیَعْلَمُ مَا فِی السُّمُوتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنَ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے

تم کچھ آسمانوں میں بہت اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہ اللہ کے مکمل شے و فرشتے اور اللہ تعالیٰ ہم پر قدرت رکھتا ہے۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پاک سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں خواہ وہ کائنات کے کسی گوشے میں وجود رکھو۔ حتیٰ کہ وہ ہر شخص کے دل میں چھپی ہوئی بات سے بھی راحت دے گا۔ وہ جانتا ہے کہ منافق کون ہے جس کے دل در زبان میں خدا ہے۔ وہ اپنی منافقت سے دوسرے لوگوں کو تودھوکاٹے سیکاتا ہے۔ یہی قدر خدا سے تر اس کی نیت تم سے واقف ہے۔ وہ اپنی بیعتی در بھٹکی کی منظر اور

بھٹکتے گا۔

فرمایا یٰمُحَمَّدُ کُنْ لِنَفْسٍ مَّا بَعَثْتَ مِنْ خَيْرٍ مَّا خَضَرَ قیامت کا دن آنے والا ہے۔ جس روز ہر شخص دنیا میں کیے گئے برائی کے عمل کو اپنے سامنے موجود پائے گا۔ قرآن پاک میں دو ستر مقام پر موجود ہے وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا اور ہر عمل حاضر ہو گا۔ لوگوں کے اعمال ان کے سامنے رکھے دیے جائیں گے۔ اور اس طرف و مگر عَمْرٍا مِنْ سُسُقٍ جو کوئی بڑائی کا کام کیا ہو گا، وہ بھی سستے آجائے گا۔ ہر شخص اپنے اعمال کو خود دیکھے گا۔ بڑے اعمال کو دیکھ کر کہیں اس کے دل میں حسرت پیدا ہوگی کہ کاش کہ اس نے پیس نہ کیا ہوتا۔ لَقَدْ كُوفُوا بِبَيْتِهِمْ وَبَيْتِهِمْ هَذَا بَعِيدٌ اس دن وہ پسند کرے گا۔ کاش کہ اس کی بیٹی اور اس کے درمیان مباح چوڑا فاصلہ ہوتا۔ یعنی اس کی بھیلی اس کے قریب نہ ہوتی۔ مگر اس وقت کی آرزو کوئی فائدہ نہ دیگی۔ اور اُسے بڑائی کی سزا مل کر رہے گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا وَتَجِدُوهُمْ كَيْفَ ضَلُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ تَعَالَى تَعَالَى تَعَالَى تَعَالَى سے ڈراتا ہے۔ اپنے اعمال کا محاسبہ مسمیٰ دنیا میں کر لو۔ تاکہ قیامت کے دن حسرت و ناامیدی کا منہ دیکھنا پڑے۔ ان اللہ تعالیٰ جو حسد کسی

خیر شمر
کا بدلہ

پر نہ پاؤں بھی نہیں کرتا۔ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ اَللّٰهُ بَدِوے اپنے بندوں کے ساتھ
شفقت رکھتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان اپنے اندر ایمان
کا نور پیدا کرے۔ اپنے مالک کی طرف رجوع کرے، چھوٹے مرتے گناہوں سے
توبہ کرے۔ اور اپنے اندر اطاعت کا جذبہ پیدا کرے۔ ایمان اور توحید خداوندی
کی تصدیق کرے۔ اللہ تعالیٰ چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی بڑا اجر دے گا اور اس
کا اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔ بندہ خود قصور وار ہے۔ اللہ تعالیٰ تو نہایت ہی شفیق اور
رحمدل ہے۔ وہ اپنے بندوں سے اچھا سلوک کرنا چاہتا ہے۔ اور اس
کے لیے کوئی بڑی شرط بھی پیش نہیں کرتا۔ انسان اپنی توجہ کامرکز اللہ تعالیٰ
کے بنائے تو اس کی رحمت کے دروازے دنیا اور آخرت دونوں ملک کھل جائیں

رَبِّكَ أَنْزَلَ ۚ

اَلْاِیْمَانُ ۲۴

از اسرار

آیت ۴۴

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٠٦﴾
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿١٠٧﴾

کی پختہ تقریب الہی کے لیے ہے۔ اور حبیب ہی سوال نصاریٰ سے کیا جا
 کہ تم کیوں مشرک میں مبتلا ہو۔ تو وہ بھی محبت الہی کا دعوے کرتے اور کہتے کہ
 مسیح علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے اور اس کی پرستش اللہ کی محبت کے لیے
 ہے۔ نصاریٰ حضرت مریمؑ کو مادرِ خدا، یا خود خدا تسلیم کرتے، یاتین خدا تھے
 تو ان کا ادا جیسا کہ آگے آئے گا، اللہ کی محبت میں غفلان ہونا تھا۔ یہود بھی
 کہتے تھے **حَنَنُ بَنَتِ اللّٰہِ وَاحِبٌ** وہ ہم اللہ کی اولاد ہیں کیونکہ اس
 کے مقرب انبیاء کی اولاد ہیں۔ گویا وہ بھی اللہ کے محبوب ہونے کے دعویدار
 تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل دعویٰ کا رد فرمایا ہے اور اپنی محبت
 کا معیار مقرر فرمایا ہے۔ جو کوئی اس معیار پر پورا اترے گا، وہی حقیقی محبوب
 ہوگا، اس کے علاوہ کفر و شرک ہوگا۔ اس کے بعد اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ
 نے اس کے ساتھ محبت رکھنے والے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اس ضمن
 میں حضرت مسیح علیہ السلام، حضرت مریمؑ اور آل عمران کی مثال بیان فرمائی ہے
 مشرکین اور اہل کتاب کی تردید کی ہے۔ کیونکہ وہ معیار محبت پر پورے نہیں اترتے
 ارشاد ہوتا ہے **قُلْ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ کہہ دیجئے ان**
صَلُّوْا حَبِیْثُوْنَ اللہ اور اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو اس
 کے دعویدار ہو تو اس کا ایک ہی معیار ہے **فَاَتَّبِعُوْنِیْ** میرا اتباع
 اختیار کرلو۔ گویا پہلی بات تو رسالت کے متعلق آگئی کہ اللہ کی محبت ہی کی محبت
 کے بغیر ممکن نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مرضیات اور نامرضیات ہی کی اطاعت
 کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں۔ لہذا رسالت پر ایمان لانا ضروری ٹھہرا۔ اللہ تعالیٰ نے
 پر اس لیے ایمان لانا ضروری ہے کہ وہ خالق ہے۔ مالک ہے اور موجود ہے
 اور رسول پر ایمان لانا اس لیے لازمی ہے کہ خدا تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات
 اس کے واسطے سے معلوم ہوتی ہیں اور یہ چیزیں انسان محض اپنی عقل سے
 معلوم نہیں کر سکتا۔ رسول پر ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک

اس کا اتباع نہیں ہوگا۔ اس کے بغیر محبت کا دعویٰ باطل محض ہے۔ لہذا جو کوئی رسول کا اتباع کرے گا۔ وہ اللہ کی محبت کو پا لیگا۔ اور اللہ کا محبوب بن جائے گا۔

حب رسول جیسے کہ عرض کیا ہے یہود و نصاریٰ کا دعویٰ محبت باطل تھا۔ وہ تو کفر و شرک کے مرتکب تھے۔ بنی علیہ السلام کا اتباع کہاں کر سکتے تھے۔ اسی لیے تو حضور بنی کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا یُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ یُحِبَّ مُحَمَّدًا ۖ وَهُوَ تَبِعًا لِمَا جَاءَتْ بِهِ تَمِّمٌ مِّنْ سَمْعِ کَوْنِی کَامِلٌ لِّیَا ۖ اہم ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ اس پیغمبر کا اتباع نہ کرے جسے میں الیہ ہوں۔ نیز یہ کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی میرے ساتھ محبت تمام مخلوق سے زیادہ نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مطاع مطلق ہے اور رسول اللہ کی محبت تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ لہذا اس کا اتباع بھی ضروری ہے۔ اور اس کے ساتھ محبت بھی لازمی ہے۔ کسی ذات کے ساتھ محبت اس کے جمال و کمال اور احسان کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ماکہ حقیقی اور محسن حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا کمال بھی ہے اور جمال بھی ہے۔ اور مخلوق میں سے زیادہ محسن اللہ کا بنی ہے آپ نے فرمایا۔ میں نے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جو اللہ کی رضا کا ذریعہ اور جنت تک پہنچانے والی ہو کہ تم کو نہ بتلائی ہو۔ اور اسی طرح کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو خدا تعالیٰ کے غضب کا ذریعہ ہو کہ تم کو نہ بتلائی ہو۔ مقصد یہ کہ میں نے ہر اچھی اور بُری چیز کی نشاندہی کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے کہ حق مالک اور محبوب حقیقی ہے۔ لہذا اہل ایمان کی سب سے زیادہ محبت اللہ کے ساتھ ہونی چاہیے۔ جیسا فرمایا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَحِبُّوا حُبَّ اللّٰهِ اور مخلوق میں سے اللہ جی رَفِیْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ اللہ کا بنی مومنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے بھی زیادہ نگاہ رکھتا ہے۔

یعنی مسلمانوں کا اپنا نفس ان کے لیے اتنا مفید اور خیر خواہ نہیں ہے جتنا اللہ کا رسول ہے۔ وہ ہمیشہ اہل ایمان کی بھلائی چاہتا ہے۔ لہذا اس پر ایمان لانا اور اس کا اتباع کرنا ضروری ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں امام بیہقی کی روایت موجود ہے کہ ایک موقع پر حضور ﷺ وضو فرما رہے تھے کہ کچھ لوگ آپ کے مارستعل کو اپنے جسموں پر مل رہے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو تو انہوں نے جواب دیا۔ حَبُّ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی بنا پر ایسے کہتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ تمہاری محبت اس وقت ثابت ہوگی جب نبی سے سچا بندہ ہو سکے، امانت میں خیانت نہیں کر دے گی اپنے پُر و سیوں کو مکینیت دینے والی کوئی بات نہیں کر دے گی۔ ظاہر ہے کہ سچا ہونا بڑا مشکل کام ہے، امانت دار ہونا بھی بڑی بات ہے۔ پُر و سی کو ازار سے محفوظ رکھنا بھی ایمان کی نشانی ہے تو جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا اتباع نہیں ہوگا محض زبانی محبت کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ غرضیکہ تکمیل ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اتباع رسول میں فرق نہ آئے۔

میرزاں فرمایا اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اس اتباع رسول کا نتیجہ یہ ہوگا۔ يُحِبُّبُكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور اتباع رسول کی تکمیل اس وقت ہوگی جب اس کو زندگی کے ہر شعبہ میں اختیار کیا جائیگا۔ صرف نماز پڑھنے سے اتباع کا حق ادا نہیں ہوگا۔ بلکہ تجارت، معاملات، اخلاق، دین، عبادات، سیاست، جہاد، جنگ، صبح شادی، غمی، غرضیکہ معاشرہ میں پیش آنے والے ہر معاملہ میں اتباع رسول کو لازم چاہیے ہو گا۔ اب تو وقت یہاں تک آپہنچا ہے کہ عبادات بھی اپنی خواہش کے مطابق ہونے لگی ہیں۔ رسول کے طریقے کی کوئی پوز انہیں کی جاتی اور یا دیگر معاملات

میں سنت رسول کی پیروی کی جاسنے۔
 ترمذی شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت
 میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا حضور! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا وہ
 سوچ سمجھ کر کہتے ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اس شخص نے عرض کیا۔ حضور! میں خدا
 کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم
 اپنے دلوں میں سچے ہو تو فطر کو اپنی زندگی کا جزد بناؤ، کیونکہ میرے ساتھ محبت
 کرنے والوں کے پاس فقر اس قدر تیزی سے آتا ہے کہ سیلاب بھی پہنچنے
 منہا کی طرف اتنی تیزی سے نہیں جاتا، غرضیکہ حبیب رسول کا دعویٰ ہر مال جمع نہی،
 کر سکتا۔ وہ ہمیشہ محتاج رہتا ہے گا۔ اگر کوئی شخص عیش و عشرت میں زندگی گزارتا ہے
 بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرتا ہے۔ اور پھر محبت کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ تو وہ پہنچنے
 دعوے میں سچا نہیں کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ معیار محبت کے
 خلاف ہے جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا اسی زندگی میں ہذا میں ضرور
 مبتلا ہوگا۔ اسی طرح رسول کی محبت کا دعویٰ رکھنے والا دل و دست اور محبت رسول
 متضاد چیزیں ہیں۔ محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ لوگ نوح انسان کے ساتھ چہرہ
 اور غمخوار ہی کریں۔ ان کی جائز حاجات کو خیال رکھیں، اگر ان چیزوں کی طرف
 دھیان دے گا تو اس کے پاس مال جمع نہیں ہو سکتا، لہذا فقیر ہوگا۔

اللہ کی
 محبوبیت

الغرض! فرمایا کہ اتباع رسول کا نتیجہ یہ ہوگا کہ يُحِبُّكُمْ اللّٰهُ ثُمَّ يَرْحَمَكُمُ
مُحِبُّوْبِيْنَ بن جائے گے اور پھر اللہ کی محبوبیت کا تقاضا یہ ہے۔ وَيُغْفِرْ لَكُمْ
ذُنُوْبَكُمْ وہ تمہاری غلطیاں، لغزشیں اور گناہ معاف فرمائے گا۔ گناہ
 کی معافی کا قانون اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان کر دیا ہے۔ کہ
 خالی گناہ تو استغفار سے ہی معاف ہو جائے گا۔ سچے دل سے توبہ کرنی
 تو اللہ نے معاف فرمادیا۔ اگر فرائض میں کوتاہی ہوئی ہے۔ تو پہلے ان کو ادا
 کرو۔ پھر اللہ سے معافی مانگو، اللہ معاف کرے گا۔ نماز رہ گئی ہے

روزہ قضا ہو گیا۔ پہلے انہیں ادا کر لو۔ اور اگر حقوق العبادین کو تہہ کی ہے
 کسی کا حق غصب کیا ہے۔ تکلیف پہنچائی ہے تو پہلے اس کا حق ادا کر دو
 یا اس سے معافی مانگ کر جان چھڑا لو۔ اگر اس دنیا میں حقوق العباد ادا نہیں کر
 سکے، تو پھر قیامت کے دن اس کے بدلے میں اپنی نیکیاں نماز، روزہ، خیر
 وغیرہ حق دار کو دینا ہوں گی اور اگر نیکیاں ختم ہو گئیں، تو حق دار کے گناہ حق دہندہ
 کے سر پہ ڈالے جائیں گے۔ جس کا نتیجہ جہنم کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ لہذا حقوق العباد
 کا فیصلہ اسی دنیا میں کر جاؤ۔ اور اللہ سے معافی مانگ کر لو **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ**
 اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ یہ اس کی مہربانی ہے۔
 کر پڑنے نبی کو بھیجا، کتاب نازل فرمائی، اور ہدایت کو سامان پیدا کیا۔ تاکہ انہیں
 گمراہی سے بچ جائیں۔ اور پھر جہنم سے بچ کر جنت میں داخل ہو جائیں۔

اس کے بعد فرمایا **قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَالْمَرْسُوْلَ** آپؐ کو
 چاہیے کہ اللہ کی تابعداری کرو۔ کیونکہ وہ خالق، مالک اور مجبور پر حق ہے
 اس کی اطاعت فرضِ مطلق ہے۔ اور اس کے ساتھ رسول کی تابعداری کی ضرورت
 کہ وہ خدا کی اطاعت تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ جب تک رسول کی اطاعت
 نہیں ہوگی۔ خدا کی اطاعت ممکن نہیں۔ بہر صورت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے
 اسی آیت سے غصمتِ انبیاء کی دلیل پکڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور
 اپنے رسول کی اطاعتِ مطلقہ کا حکم دیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ رسول
 غلطی نہیں کرتا۔ اگر غلطی کا امکان ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ اطاعتِ مطلقہ کا حکم
 نہ دیتا۔ خود حضور علیہ السلام کا واقعہ آتا ہے۔ آپؐ نے کسی موقع پر مزاج
 فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ آپ اللہ کے رسول ہو کر مزاج فرماتے ہیں۔ فرمایا
 ہاں مگر ایسی حالت میں بھی میری زبان سے کوئی باطل بات نہیں نکلتی بلکہ لا
قَوْلُ اللّٰهِ الْحَقُّ میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے مزاج کے انداز میں فرمائی ہوئی ایک بات سے فقہار نے ایک مسئلہ نکالا

لوگ قابلِ مباحثہ ہیں۔ چنانچہ فرمایا اللہ ارادہ اس کے رسول کی اطاعت کر دے۔
 پھر اگر یہ روگردانی کہیں تو، اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا
 کافر خواہ کفر باللہ کرنے والا ہو یا کفر ان نعمت کرنے والا ہو۔ محبوبِ خدا نہیں
 بن سکتا۔

ثَلَاثَ الْمُسْئَلِ ۳

الِإِسْمَ ۳

در سن یا زودیم ۱۱

آیت ۲۳، ۲۴

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ
عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۲۳﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ
سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے منتخب کیا آدم، نوح، ابراہیم اور عمران کے گھرانے کو اور ان کے بعض بعض سے
اور آل ابراہیم سے کہ در آل عمران کو جہاں والوں پر ﴿۲۳﴾ یہ اور انہی بعض بعض سے
اور اللہ تعالیٰ سنے والا اور جاننے والا ہے ﴿۲۴﴾

ایک آیت

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا معیار بیان فرمایا، پھر
حضور علیہ السلام کی محبت اور اس کے جواب میں آپ کے اتباع کو معیار قرار دیا۔ گویا
اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کا اتباع اختیار کرنے
کی ترغیب دلائی۔ اتباع رسول ہی دین اور مذہب کا بنیادی اصول ہے۔ سورۃ
بقرہ میں سنی مسیحیوں کی طرف تھا، اور سورۃ آل عمران میں نصاریٰ کی اصلاح
کا پہلو غالب ہے۔ گذشتہ سورۃ میں یہودیوں کی پالیسیوں کا تذکرہ کر کے
اللہ تعالیٰ نے انہیں تنبیہ فرمائی اور انہیں اصلاح کی طرف متوجہ کیا۔ اب اس
سورۃ میں نصاریٰ کی اصلاح مطلوب ہے۔ تاہم ابتدائے سورۃ میں توحید
کا مسئلہ بیان کیا ہے۔ بہر حال نصاریٰ کا تذکرہ دوزخ کی آگ اور جہنم میں بہت سی باتیں
آج کے منہ پر بیان کیے ہیں بہت سی نصیحت اور نصیحت کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے علیم
اصول بیان فرمائے ہیں۔ آج کا درس آئندہ آنے والے مضامین کی تفسیر سمجھ جائے
جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ سورۃ آل عمران کا مرکزی موضوع نصاریٰ
کی اصلاح ہے۔ نزول قرآن کے وقت ان میں دو قسم کی خطریاں پائی

ظلم و ستم
کا دور

جاتی تھیں۔ پہلی جرانی تو ان کے دین میں غلطی، یعنی عقیدہ مشرک کہ نہ تھا، مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا، خود خدا، قیلولوں میں سے تیسرا خدا کہتے تھے۔ اور دوسری جرانی ان کی سیاحی کو غیبت کی غلطی، اُس زمانے میں دنیا میں دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ ایک ایرانی سلطنت تھی، جس کے فرمانروا جوہی تھے۔ یہ آتش پرست تھے اور ہزاروں سال سے حکمران چھ آسمے تھے۔ ہندوستان، پاکستان، افغانستان، راس چین وغیرہ سب ایرانی سلطنت کسری کے تابع اور زیر اثر تھے اور انہیں ٹیکس ادا کرتے تھے۔ دوسری بڑی طاقت روم کی تھی جو سینکڑوں سال سے روم پر مسلط تھی۔ باقی نصف دنیا ان کے زیر نگیں تھی تمام دنیا ان دو حکومتوں کے رحم و کرم پر تھی۔ یہ جب اور جہاں چاہتے تھے اپنی مرضی کے مطابق انقلاب برپا کر دیتے تھے۔ ہر طرف ظلم و ستم کا دور دورہ تھا۔ کمزور ریاستیں بکا کوئی چرسان حال نہ تھا۔ بڑی طاقتیں جو یہ تین بڑی طاقتیں تھیں۔ ان کے ظلم کی چکی میں پسے جاتے تھے، معاشی طور پر نہایت پس ماندہ تھے خاص ہے۔ کہ جہاں عدل و انصاف کا فقدان ہو گا۔ دلوں میں ایسے حالات ہی ردفا ہوں گے عوام و خواص کی حالت خراب ہو جائیگی، رشوت خوری، چور بازار میں عام ہوگی۔ ہر طرف جیسی لامٹی اُس کی بھینس والا معاملہ ہو گا۔ دنیا میں امن و امان اُس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک عدل و انصاف کی حکمرانی نہ ہو۔ آج سارا دنیا دیکھ رہی ہے۔ کہ کمرور عرض کے کسی خطے میں عدل و انصاف کا پرچم بلند نظر نہیں آتا۔ کہنے کو ہم ایشی دور میں داخل ہو چکے ہیں۔ ہر طرف ناہمی ترقی کا دور دورہ ہے۔ مگر کوئی کمرور ایسا نہیں جہاں ظلم و ستم کا بازار گرم نہ ہو۔ ایک سے ایک بڑھ کر ظلم موجود ہے۔ کمزوروں کو کچن طاقتوروں کا مشغلہ ہی چکا ہے۔ امریکہ اور روس کی کشمکش میں ویٹ نام کے دس لاکھ آدمی ہلاک ہوئے۔ یہ ظلم و ستم بیس سال تک جاری رہا۔ آخر وہ بھی تو انسان ہی تھے مگر انہیں کی ٹھیکیداری بڑی طاقتیں ان لوگوں کے خون سے ہاتھ رنگتی ہیں مگر ان کے

دہلی کے کسی گوشہ میں جذبہ رحم موجود نہیں۔ انہیں اپنی سیاست و راپتی بلا رستی سے معرض ہے چاہے انسان کچھ تہ کوئی کی طرح بچنے ہیں۔ مگر غلط چھوڑا ہے افغانستان میں کیا ہو رہا ہے۔ روسی فوجیں مجاہدین پر کس طرح بمباری کر رہی ہیں داکھوس فغانی حکومت کے گھٹا نامہ سے چاہتے ہیں۔ تیس بیٹیں لاکھ ملک بدر ہو چکے ہیں۔ جن کی غالب اکثریت پاکستان میں پناہ گزین ہے۔ ہائی ایلو میں ہیں۔ دنیا کی پندرہ اور چوبیس جیت سے کیا روس کو یہی فرض بنتا ہے۔ یہ سب ظلم و جور ہے جو بے گناہ لوگوں پر ڈھایا جا رہا ہے۔

اوتھرم اور فلسطین پر نگاہ ڈالیے۔ اسرائیل امریکہ کا پتہ تو دہا ہے۔ جب چاہتا ہے فلسطینی مہاجرین پر چیلہ دوڑاتا ہے۔ تلواروں کی ہزاروں لڑکیاں انہی جیل میں ہیں جن سے ظالمانہ سلوک ہو رہا ہے۔ صدر ایوب ساک کے زمانے میں قبرصی مسلمانوں کا یہ حال ہوا کہ یونان کے عیسائیوں نے بیس ہزار ترکوں کو موت کے گھٹا نامہ دیا، ان کو دہاں سننے کی اجازت نہیں دی جا رہی دہاں پر عیسائیوں کی اکثریت ہے۔ جو شکی لوگ کو کسی صورت زندہ دیکھ نہیں چاہتے، فلپائن میں ہتھوڑے سے تلواں ہیں۔ میگزین کا عرصہ حیات بھی تنگ کیا جا رہا ہے۔ ان کو مور و تلوان یعنی ذکور و خواتین سے ناپاک پکا جاتا ہے ان کا تصور صرف یہ ہے کہ وہ خدو میں ہتھوڑے ہیں۔ اینٹ کا جو جب پتھر سے نہیں جڑ سکتا۔ ان کا کوئی جائز حق ان کو نہیں مل سکتا۔

غرض! قوموں کے بگاڑ کی یہ تعمیر بیان ہو رہی ہے کہ قوموں کی خرابی یا تو عقیدے میں ہوتی ہے یا سیاست میں۔ جب تک عدل و انصاف کا دور دورہ نہیں ہو گا۔ مظلوم ظلم کی چکی میں پیستے رہیں گے۔ اور جب تک عقیدہ درست نہیں ہو گا۔ لوگوں کی اصلاح ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے ابتداء کر کے حضرت نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام اور آئی عمران کا ذکر فرمایا ہے۔ پھر مسیح بن مریم علیہ السلام کا ذکر ہو گا۔ اور پھر

تمام قوام کی اسائن کے حصول بتائے جائیں گے۔

شرعیات
اور آدم علیہ السلام

ارشاد ہدی تعالیٰ ہے: إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ نے
پسند کیا، منتخب کیا آدم علیہ السلام وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو جسے شمار تھی رشتہ رسماً،
چاند، سورج، ستارے، شجر و حجر، فرشتے، جن سب اللہ کی مخلوق ہیں، ہرگز اس
کے علم محیط، حکمت، نعمت اور قدرت نامہ کے ساتھ جو تمام بشریت آدم علیہ السلام
اور آپ کے توسط سے نسل انسانی کو حاصل ہونے والی تھی، وہ کسی اور مخلوق
کے حصہ میں نہ تھا۔ انسان کی برتری اور فوقیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام
کو منتخب کیا۔ اور نظام خلافت آپ کے چہرہ فرمایا۔ یہ ہم جو کچھ کے پیرونی
میں کیا کچھ نظر انتخاب آدم علیہ السلام پر پڑی۔ اللہ کے ان کو یہ فضیلت اور
تسرف عطا فرمایا۔ اور سب سے پہلی نیابت احطی بالبشرت ہے۔ یعنی آپ
کو نبوت بھیجے، یعنی منصب کے لئے منتخب فرمایا۔ نبییت کے لئے سب
سے بزرگ مقام نبوت ہی ہو سکتا ہے، جبکہ اللہ نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد
کو عطا فرمایا، حضور علیہ السلام پر اور شاد ہے کہ سب سے پہلی نبی آدم علیہ السلام ہیں۔
مذہب سے آخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ایک روایت کے مطابق کہ
بیش ایک لاکھ پچاس ہزار میں سے تین سو پندرہ رسول ہیں۔ باقی سب نبی ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا آدم علیہ السلام کو و نوح اور ابراہیم علیہم السلام

سید
محمد علیہ السلام

کو۔ دنیا میں سب سے پہلے صاحب شریعت رسول فرمایا علیہ السلام ہیں۔ اور آپ ہی
کی قوم کو سب سے پہلے ہلاک کیا گیا۔ اس سے پہلے کوئی امت عذاب میں مبتلا نہیں
ہوئی۔ لیاقت کے دن جب لوگ آپ کے پاس سفارش کے لئے جائیں گے
تو آپ کہیں ان الفاظ سے ساتھ پکاریں گے: يَا مُوْحِرُ إِنَّكَ ذُو الْقُرْسُلِ
رفی کھیل لکھ کر جس سے نوح علیہ السلام آپ اللہ کے پہلے رسول ہیں۔
جنہیں شریعت سے کہ اہل زمین کی طرف بھیجا گیا۔ آپ ہماری سفارش کریں۔
آپ دیکھتے ہیں کہ ہماری حالت کیسے آلتی ہوئی ہے، اسی حالت میں

نوح علیہ السلام جواب دیں گے کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ آج اللہ تعالیٰ اس قدر ناراض ہے کہ اس سے پہلے کبھی ایسا ناراض نہیں ہوا۔ اور نہ آج کے بعد کبھی ہوگا۔ اس وقت قمری تجلیات اتنے ہی جو تھی، کوئی شخص دم نہیں مارے گا۔ آپ کہیں گے ابراہیم خلیل اللہ سے پاس جاؤ۔ غرضیکہ حضرت نوح علیہ السلام پہلے صاحب شریعت رسول ہیں۔ آپ کی امت کو مکمل طور پر ہلاک کر دیا گیا۔ پھر طوفان کے بعد جو آدمی بچ گئے۔ ان کی اولاد سے آگے نسل انسانی چلی۔ اسی سے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بھی منتخب فرمایا۔

کی براہیم حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد فرمایا: **قَالَ اِبْرٰهٖمُ يٰكُفَّيْنِیْ اٰلِ اِبْرٰهٖمُ كُفُّوْا عَنِّیْ فَرَّیَا۔** اللہ تعالیٰ نے آل ابراہیم کو اس قدر شرف بخشا ہے کہ انبیاء کی ایک جماعت سب سے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے پیدا فرمائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بعض امور میں آزمایا اور آپ پورے اترے تو اللہ کریم نے فرمایا اے ابراہیم علیہ السلام کہ تیری **كَبَّ عَلَیْكَ لِسَانُ رَبِّكَ**۔ ہاں میں تمہیں لوگوں کا اہم یعنی پیشوا بنانے والا ہوں، مطلب یہ ہے کہ میں آپ کو منصب نبوت پر فائز کرنے والا ہوں کیونکہ تمام انبیاء اپنی اپنی امت کے اہم ہوتے ہیں، مگر ابراہیم علیہ السلام تو ابوالانبیاء ہیں۔ تاہم آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی **قَالَ رَبِّیْ فَاٰتِنِیْ ذٰلِكَ** کہ میری جس طرح انور نے مجھے امامت سے نوازا ہے۔ اسی طرح یہ منصب میری اولاد میں بھی عطا کر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا یہ وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ چنانچہ اللہ کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل میں لاقطع و انبیا ربعوت فرمائے حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل میں سے حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت يوسف علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام ایسے جلیل القدر پیغمبر ہدایت کیے جن میں سے بعض

کہ دنیاوی سعادت بھی تھا، اور وہ وقت کے حکمران بھی ہوئے۔ اور پھر حضرت
 اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے نبی اکرمؐ کو انسانِ حضرت
 محمد مصطفیٰ علیہ السلام کے طور پر جوڑ دیا کہ سلسلہ نبوت جویشہ کے یہ بند کیا۔
 اسی لیے یہاں پر فرمایا کہ ہم نے ان پر سید علیہ السلام کو منتخب فرمایا۔

سید عمران

فرمایا وَلِلّٰهِ الْمُلْكُ اور اللہ تعالیٰ نے آل عمران کو منتخب فرمایا۔ مضر میں
 کرم فرماتے۔ کہ عمران، یوسف، موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کے والد کا نام بھی
 عمران ابن یحییٰ تھا۔ یہ بھی توں مرد تھے جو فرعون کے زمانے میں ہوئے۔ تاہم
 یہاں پر جس عمران کو ذکر ہے۔ وہ حضرت مریم کے والد ہیں۔ آپ بھی نیکو
 صاحبِ آدمی تھے۔ نہایت عبادت گزار اور مہیکار تھے۔ ان کے بیٹے لقمان
 میں نامزد پڑھاتے تھے۔ انہیں بھی قرآن پاک کے اس مقام پر چرخ
 حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اس سے آل عمران
 سے مراد حضرت مریم کے والد ہیں۔ ان دونوں عمر لوں کے درمیان ایک
 روایت کے مطابق اٹھارہ سو سال کا وقفہ ہے۔ تاہم ایک ہزار سال سے
 ہر حال زیادہ ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے آل عمران کو بھی منتخب فرمایا
 عَلٰی اٰھْلِ الْاٰلَمٰیْنِ جہاں دونوں یہ متعلق ہیں حضرت آدم علیہ السلام
 حضرت نوح علیہ السلام اور بہتیم اور آل عمران کو بنی لوگوں پر فضیلت
 اور بہتری عطا فرمائی۔

سید انانی

بہتیم سے کی اصالت کے لیے بات سے بات نہ کی۔ فرمایا
 بِرَبِّکَ اَعْصِ مَا مِنْ بَعْضِ اَمْرٍ اَمَّا اَمْرٌ اَمَّا اَمْرٌ اور وہ
 بیٹے نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ نیز حضرت
 داہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ، حضرت نوح کی اولاد میں سے
 ہیں۔ اور دونوں عمران حضرت داہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت
 مریم، عمران کی بیٹی ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام مریم کے بیٹے ہیں۔ چونکہ وہاں پہ

باب نہیں ہے۔ لہذا علیہ نسب مان کی طرف سے چلتا ہے۔ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یحییٰ بن ماریہ کہہ کر پکارا اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن بھی آپ کو اسی نام سے مخاطب کیا جائے گا جب کہ باقی مخلوق کی نسبت باب کی طرف کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمیں گے: **يَسْتَفْتِيكَ لِلنَّاسِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَضَعَنَا فِيْ هٰذَا دُوْنَ اللّٰهِ** کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ معبود بنا لو؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ سن کر عیسیٰ علیہ السلام کپکا اٹھیں گے اور اللہ جل جلالہ کے سامنے اپنی صفائی پیش کر دیں گے۔ صاحب روح المعانی اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانچ سو سال تک کچی کی حالت میں رہیں گے۔ اس کے بعد ان کے حواس بجال ہوں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کریں گے: **قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ بِيْ حَقٌّ** اے اللہ! تیری ذات پاک ہے۔ میں وہ بات کہیں کہ جتنا ہوں۔ جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ الخضرؑ من! اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سب لوگ بعض اولاد ہیں بعض کی۔

بشریت انبیاءؑ سب یہیں سے تمام انبیاء علیہم السلام کی بشریت بھی ثابت ہوتی ہے۔ اور عیسائیت کی بابت بھی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم کے فرزند ہیں۔ اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ وہ اللہ کے بیٹے و لغوز باللہ کیسے ہوئے۔ سارے نبی ان اور بشر تھے، بشر ہونا کوئی توہین کی بات نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا ہم نے بشر کو مٹی سے پیدا کیا۔ اور یہ سب ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔ بشر سے مراد اللہ کہ وہ مخلوق ہے جس کی کھال نظر آتی ہے۔ یہ گندمی رنگ والا انسان مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست قدرت ست مٹی سے انسان کو بنایا۔ یہ تو عزت سہ ماہ نام ہے۔ اہل بعثت مولا یوں نے لوگوں کے ذہن خراب کر دیے ہیں

تِلْكَ اَمْرٌ

نَبِيٍّ عَزَّ

وَرِسَالَتِهِمْ

۳۵ ۱ ۲۴

يَذُقَانِ اَمْرَاتٍ عَمَرَ رَبِّي نَذَرْتُ لَكَ
 مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي اِنَّكَ اَنْتَ
 السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ
 رَبِّ اِنِّي وَضَعْتُهَا اُنْثٰى وَلَئِنْ عَلِمْتُ لِمَا وَضَعْتَ
 وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى وَيْلٌ لِّسَيِّئَاتِ مَرِئِمَ
 وَوَيْلٌ لِّعَمِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتُهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ ۝
 فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّاَنبَتَهَا نَبَاتًا
 حَسَنًا وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۝ كَتَمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا
 الْبُحْرَبَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ كُنِي
 لَكَ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَرَزَقَ
 مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

ترجمہ: جب میری بیوی سے حاملہ ہوئی تو میں نے اسے
 دیا ہے۔ جو کچھ میرے پیٹ میں ہے اُن کو دیکھو۔ پس تمہیں فرما دیجئے کہ
 تو ہی سمجھنے والا اور جاننے والا ہے (۳۵) اور جب میں نے دیکھا تو کہنے لگی کہ
 پروردگار! میں نے جناب سے من کوڑی کا اور اعلیٰ تعالیٰ خوب پڑھا ہے جو کچھ
 اُس سے بنا ہے۔ اور میں سے تمہارا مثل نہ دیکھ سکتا۔ اور میرے شک میں نہ
 ہے کہ اُنہی کے رکھنے والے ہیں۔ اور میں اُس کو تیری پناہ میں نہیں لیتی ہوں۔ اور اسکی

اور دو کوشید خان مردود سے (۲۷) کہیں قبول کیا اُس کو اس کے پروردگار
نے اچھی طرح قبول کرنا۔ اور بڑھایا اُس کو اچھی طرح بڑھانا۔ اور کہیں بنایا اُس کا
ذکر یا عید السنہ کو۔ جب کہ یہ عید السنہ اُس کے پاس حجرے میں داخل ہوئے۔
تو اُس کے پاس روزی پڑھنے، تو انہوں نے کہہ دیا اے سریم ذی روزی تیرے
پاس کہاں سے آئی، تو وہ کہتی یہ اللہ کی عارف مست ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ
روزی دیتا ہے جس کو چاہے بغیر حساب کے (۲۸)

ذوہر عمران
کی نذر

یہاں کہ گذشتہ قلم اس میں بیان ہو چکا ہے کہ اس سورہہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ
نے قرآن مجید کے تحت تمام کی خاص طور پر توحید فرمائی ہے۔ آج کے درس میں
حضرت امیر مومنین و اولاد سے حضرت خلیفۃ المسیح چہارمؑ سے چنانچہ ارشاد
ہوتا ہے کہ اُس وقت کہ پہلے ذہن میں لایا اور اذقہ لبت ذہن کے عمران
جب عمران کی بیوی نے کہا کہ رب رب ربی کذرت کانت صافی بطنی تکردا۔
میں نے کہا کہ یہ ایمان ہے تیرے لیے یہ نذرانی ہے کہ جو کچھ میرے پیسے
میں ہے وہ میں نے تیرے تیری عبادت کے لیے آنا دیا ہے۔ حضرت امیر
فرماتے ہیں مختار یعنی آزاد کرنا ہے۔ مراد ہے مخلصنا للعبادۃ
یعنی ہونے والے نیک کو نافرمانی اللہ کی عبادت کے لیے مختص کر دیا جائیگا۔
یعنی کہ نبوی کام میں نہیں لگایا جائیگا۔ بعض دوسرے مفسرین کہہ کر فرماتے ہیں
کہ آزاد کرانے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ پہلا معنی تو عام فہم ہے یعنی غلامی سے
آزاد کر دینا۔ اور دوسرا معنی کسی معاملہ میں کتابت یا تحریر کر دینا ہے۔ جب
کوئی چیز تحریر میں آجاتی ہے تو معاملہ صاف ہو کر کسی ممکنہ فساد و اندیشہ
سے آزادی حاصل کر لیتا ہے۔

اس بات کا تذکرہ ابن پہلے ہو چکا ہے کہ تاریخ میں دو ایسے شخص ہیں
کا تذکرہ آتا ہے۔ جن کے نام عمران ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا
نام بھی عمران ہے۔ اور حضرت امیر مومنین کے والد بھی عمران ہیں۔ دونوں نیک

اور صالح آدمی تھے، مگر بنی نہیں تھے۔ اس مقام پر جس عمران کا تذکرہ ہے۔ وہ
 مریمؑ کے والد ہیں۔ امام بیضاویؒ اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کی بیوی
 کو نام نہ بنت فاقوس تھا۔ وہ بھی صاحبہ خاتون تھیں۔ بعد میں ان کے نام پر
 گھر بنے بھی بنے۔ اس علاقے میں زیر حرم و خیرہ مشہور تھے۔ اسی طرح حضرت مریمؑ
 کے نام پر بھی گھر بنے اور عبادت خانے مشہور تھے۔ رحمہ زوجہ عمران شہر سیدہ
 ہو گئیں مگر اولاد سے محروم تھیں۔ امام ابن کثیرؒ اور دوسرے مفسرین بیان کرتے
 ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے چڑیا کو دیکھا کہ پتہ نیچے کود رہی تھی۔ اسے
 یہ دیکھ کر ان کے دل میں بھی اولاد کی خواہش پیدا ہوئی۔ تو اسے تھامنے سے
 عاجز و استعدری کے ساتھ دعا کی۔ جو اللہ نے قبول فرمائی۔ جب وہ اس گھر میں
 میں حاملہ ہو گئیں تو اس میں نے شکرانے کے طور پر یہ منیت مانی کہ وہ پیدا
 ہونے والے بچے کو اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر دیں گی۔ انکی
 بیوی خواہش یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ بیٹا عطا کرے، اولاد ملے اللہ کی راہ میں آزاد
 کر دیں گی۔ یہ نذر ملنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی فَتَنَسَّبَ لَهَا مِیْنِی
لِللّٰهِ مجھ سے یہ نذر نہ قبول کر لے۔ میں پیڑ ہوئے لے بیٹے کو تیری
 عبادت اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گی۔ اِنَّكَ
اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ بیشک تو سننے والا ہے اور جاننے والا
 ہے۔ یہ مقصد یہ تھا کہ میں اس مکمل یقین کے ساتھ دعا کر رہی ہوں کہ تم میری
 التجا کو سن رہے ہو۔ اور میری اس نذر اور اس میں پائے جانے والے
 خلوص کو جاننا بھی ہے۔

ہائے اور
 ناجائز نذر

امام ابو جبر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ جو نذر عمران کی بیوی نے مانی تھی، ایسی
 نذر ہماری شریعت میں بھی جائز ہے۔ آج بھی کوئی شخص منیت مانے کہ
 میں اپنے بیٹے کو دین کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گا۔ وہ علم دین
 یعنی قرآن، حدیث، فقہ وغیرہ سیکھے گا۔ اسے کسی دین کے کام میں نہیں لگاؤں گا

تو ایسی نذر ماننا بالکل درست ہے۔ اور اس کو پڑھ کر دوسرے کو واجب ہوتا ہے البتہ
گھر کو فی حدیث کی نذر نہ کی۔ جائز کہ مسکیت کی منیت مانے۔ تو اس پر
عمل کرنا جائز نہیں ہوتا بلکہ ایسی نذر کو توڑ دینا غرضی وجہاً ثابت۔ جس پر علیہ السلام
نے فرمایا **سَدَّكَ كَيْدُ صَاحِبِ الدَّخْلِ** جس شخص نے نذر کی اطلاع کی نذر
مافی تو اس کو وہ نذر چھوڑی چاہیے۔ اور زنا المکر کی اطلاع کی نذر چھوڑنا
بر خلاف اس کے گھر کسی نے المکر کی اطلاع کی نذر مافی تو مستحب ہے۔
فَلَا يَعْصِ اللَّهُ۔ نیت شخص کو غرضی نذر کی چھوڑنا چاہیے۔ بلکہ ایسی غرضی
نذر کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دینا چاہیے۔ **كَفَّ رُشْدَهُ كَفَّ دَاخِلِيَّ** نذر
نذر توڑنے کا کفارہ قسم توڑنے کے برابر ہے۔ یعنی دس مسکین کو کھانا کھلائے
یا انہیں کچھ پتہ لکھ دوں گے تو اگر روزے رکھے۔

بہر حال کسی نیک کام کے میلے نذر ماننا جائز ہے اور درست ہے۔
کسی کو دین کی خدمت یا مسجد کی خدمت کے لیے وقف کیا جائے۔ یا نذر صحیح
ست اور جائز ہے۔ البتہ کسی قبر کا مجاور بننے کی منیت درست نہیں۔ کیونکہ اس
سے شرک و بدعت کی گنجائش ہوتی ہے۔ اور یہ منیت کی نذر تصور ہوں۔
اسی طرح قبروں پر چھوڑا ذریعہ منیت اور داناں پر نذر دینا نہ پیش کر سنے کی
اجازت نہیں ہے۔ جس طرح صورتوں میں یہ شرک کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اور
جس طرح صورتوں میں بدعت ہوتی ہے۔ البتہ درست نہیں۔ تاہم عمر کی بچی سے
جو نذر مافی تھی اس سے بیت المقدس کی خدمت وقفہ ہو سکتی۔ اس کو مانے
میں اس قسم کے کام کے لیے لہ کون کو وقف کیا جاتا تھا۔ اس مقصد کے
کے لیے لہ کون کو وقف کرنے کا رواج نہیں تھا۔ ان کی خواہش اور دعا
تھی کہ اللہ تعالیٰ لہ کا عطا کرے تو وہ اسے اللہ کے گھر کی خدمت پر
ماحول کر دیں گی۔ اہم جو جہاں فرشتے ہیں کہ محبوب کی نذر بھی درست
ہے۔ یعنی بھی غم ہی نہیں کہ پیدا ہونے والا لہ کا ہے یا لڑکی بلکہ یہ نذر صحیح

ہے۔ کہ جو بھی اللہ تعالیٰ سوا کرے گی اسے وقت کر دیا جائے گا۔

حضرت ام
کی ولایت

فَلَمَّا وَصَّيْنَاهُ جَبَّ عَزْمَانِ كِيُونِیْ سَنَیْ جَنَابُ وَوَدَّ لَهَا مَحَبَّةً قَلْبَهُ
سُنَّیْ رِبِّیْ وَصَّيْنَاهُ نَشِیْ لَسَیْ پَر دُرُگاہِ اہلسنہ سے تو لڑائی
کو ختم دیا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا وَصَّیْنَاهُ اور اللہ خوب جانتا ہے
جو کچھ اُس نے بتا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میں نے تو نہ زمانہ کافی کر لیا
ہوگا۔ تو اُسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گی۔ مگر لڑائی کو
ایسے کام کے لیے مقرر کرنا مناسب نہیں۔ وَلَیْسَ الذِّکْرُ کَالْاَنْشِیْ
اور لڑائی کا لڑائی کی طرح تو نہیں ہے۔ لڑائی وہ طاقت کا کام نہیں کہہ سکتی تو لڑائی کا
کر سکتا ہے۔ بہر حال لڑائی جنت کے بعد امنوں سے کہنا اَوَّالِیْ سَمْعِیْنِہَا
مستحق ہے اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔ مریم کا معنی اوجھل کر دیکھ
عابدہ یعنی عبادت گزار ہے اور بعض کے نزدیک خادمہ ہے۔

امام ابو جبر جصاصؒ اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ عمران حضرت مریم
کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ اور اُن کی بیوی ہی موجود کی کنیل
اور سر پرست تھی۔ لہذا بچی کا نام امنوں نے خود رکھا۔ جس سے ثابت ہوا کہ
مال کو بھی نیچے کا نام رکھنے کی اجازت ہے خصوصاً اُس وقت جب کہ باپ
موجود نہ ہو۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ بیٹے کی پیدائش کے دن
ہی اُس کا نام رکھ دیا جائے تاہم ساتویں دن بال آنا یا عقیقہ کرنا اور نہ رکھنا
بہن درست ہے۔ حضرت انسؓ کے بھائی کی ولایت ہوئی۔ اسی دن اُس
کو ذاتِ محرہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے
نور کو دیکر گڑھتی دی اور عبد اللہؓ نام بھی رکھا۔ خود حضور علیہ السلام کے ہاں مایہ قبیضہؓ
کے بطن سے رات کو پچھ پید ہوا۔ صبح آپؐ نے فرمایا کہ رات میرے ہاں
لڑا کا تو لہ ہوا ہے۔ اور اس کا نام میں نے اپنے چچا امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام
کے نام پر رکھا ہے۔ گویا بیٹے کا نام اس کے باپ نے رکھا۔ مگر حضرت

مریمؑ کو نامہ ان کی اولاد سے رکھا کیونکہ اس پر مومنوں میں تمام اہل بیت علیہم السلام سے
اس سے یہ نسبت ہے۔ خدا کی سب سے بڑی عبادت کی مدد و دلالت میں تو اس صریح دست
برداشتی ہے۔ انھوں نے اس کی مروت و دینی نیت پرستی کی۔

نام رکھنے کے ساتھ ہی فرمایا: وَجَعَلْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ نَبِيًّا

نشیط و ذابجہ بیٹہ۔ اے اللہ! اس بچے کو اور اس کی اور دیگر شیطان

مرد و دست پیری پناہ میں دیتی ہوں تاکہ تیرا ان کسی قسم کی دلائل و دلائل نہ رکھے

دریغ شریعت میں آتا ہے کہ شیطان سے ہر نو و نو کو چھوٹا کر دے

حضرت مریمؑ اور عیسیٰ علیہ السلام کے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا۔

انہی والدہ کی دعا کی وجہ سے ان کی خصوصیت تھی فَقَضَّاهَا رُحْمًا

بِسُوَيْلِ حَسَنٍ پس قبول کیا اس کو اس کے رب نے چھٹی طرح قبول کرنا

یعنی اس کے بچنے لڑکی پیدا ہوئی، اس کے ہی عبادت کے لیے قبول فرمایا

وَالْجَنَّةَ نَبَاطًا اور جنت اور جنت یا اس کی کوئی طرح نہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ

نے، ایسی نشو و نما دے دی کہ جنت میں ہر ایک نام معمول سے بہت جلد ہی پوری ہو گئی۔

وہ آپ کی محبت ہی بہت اچھی تھی۔

وَجَعَلْنَا زَكَرِيَّا نَبِيًّا اس کی قرأت دو مرتبہ سے آتی سب معنی نکالنا

وہ کہہ دیا نکالنا معنی ہے تیس بن یا بائیس بن یا گویا رکھ دیا یا د

حضرت مریمؑ کے شہل بن گئے۔ وَجَعَلْنَا هَارُونَ نَبِيًّا ہارون نے دیکھا یا د

کو حضرت مریمؑ کو کنیاں بنا دیا۔ ہر حال دونوں طرف سے ایسا ہی سب بچی کہا

بہت موجود نہیں۔ حال اس کہ کہ سب کیلئے حد میں آگئی۔ کہ وہاں پر موجود ہر

شخص نے خود پیش ظاہر کر اس بچی کو اپنی کنیت میں لے کر اللہ تعالیٰ

کو حضرت زکریاؑ علیہ السلام کی کفالت منظور تھی۔ آپ نیک و صالح آدمی تھے

درجیت المقدس کے، وہ بھی تھے، اور آپ حضرت مریمؑ کے کسبہ در

بھی تھے۔ یعنی ان کے خاندان کے تھے۔ آپ کے گھر میں جنت کی نیر البشاح ہوتی

لے غلبہ و جہش

خاقویں مبنی۔ لہذا انہیں کفالت کا زیادہ حق تھی۔ ایسا ہی واقعہ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں بھی پیش آیا جب حضرت حمزہؓ کی بچی کو مدینہ لایا گیا۔ تو حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت جعفرؓ رضوان اللہ علیہم سب نے بچی کی پرورش کرنے کی پیشکش کی۔ حضرت جعفرؓ کے گھر میں بچی کی ناک لکھی۔ لہذا حضور علیہ السلام نے ان کی درخواست کو شرف قبولیت بخش اور فرمایا لَخَالَتُ بَہَانِلَہٗ اِنَّہٗ یعنی خالہ بنسر لہ مال کے ہوتی سبب۔ لہذا کفالت کی ذہنی زیادہ حق دار ہے۔

لغیرض! حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریمؑ کے فیصلے قرار ہوئے انہوں نے مریمؑ کے بیٹے بیت المقدس میں الگ گھر بنا دیا۔ جہاں وہ دن بھر نماز و رست میں مصروف رہتی۔ و رست کو کسے پتہ نہ تھا کہ جاتے۔ آپؑ کی تعلیم و تربیت بھی کرتے۔ یہ اللہ کی قدرت تھی۔ کہ حضرت مریمؑ کے بطن سے حضرت مسیحؑ کی ولادت مقصود تھی۔ بخبر می شریف میں آتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام بیٹھی کا کام کرتے تھے۔ مالی حالت اچھی نہیں تھی۔ کیونکہ آپؑ محتویا بہت کم کام کرتے تھے۔ اور زیادہ دولت منصب نبوت کی ادائیگی میں صرف کرتے تھے اس لیے کبھی کہنے کو کچھ مل جاتا اور کس دین فقرہ بھی برداشت کرنا پڑتا۔ عام طور پر انبیاء علیہم السلام کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو حضرت مریمؑ کی پرورش کسی جلد از جلد منظور تھی۔ کیونکہ آپؑ کے بطن سے جلیل القدر پیغمبرؑ تولد ہونے چاہتے تھے۔

اس کا انتظام اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا کہ لَمَّا دَخَلَ عَلَیْہَا زَکَرِیَّا لَیْلَہٗا رَآہَا وَہَا رَکْعًا جَسَدًا رَکْعًا تَرَاہُی اُس کے پاس۔ و زری پاتے۔ حضرت زکریاؑ کے پاس تو اس قدر وسائل نہ تھے۔ مگر وہ دیکھتے کہ حضرت مریمؑ کے پاس بے موسم پھل موجود ہیں۔ سردیوں کے پھل موسم گرما میں درگرمیوں کے پھل موسم سرما میں حضرت مریمؑ کے پاس میں ہوتے۔ یہ حضرت مریمؑ کی کرامت تھی۔

حضرت مریمؑ
کی خدمت

کہ اللہ تعالیٰ اپنی جگہ سے ہٹ جائے اور قمر ربہ نامہ سے انہیں روزی پہنچا تھا۔
 جو شرقِ عادیہ میں واقع تھا، یہاں علیہ السلام کے ہاتھ پر کھڑے ہوئے وہ مجبور ہو کر تائب
 اور بر دیا۔ اس کے ہاتھ پر ظاہر ہو، وہ کراہت زدہ تھے، اہل سنت و جماعت کا
 اس باغیہ پر اتفاق نہ تھا کہ اولیاء اللہ کی کراہت بہت ہے۔ اس سے انکار
 کی مجال نہیں۔ سنا کہ ان کی تابوں میں نبی کے حجرے اور ولی کی کمرے کو عقیدے
 میں شامل کیا گیا ہے۔ البتہ کسی وی لٹر کے ساتھ حبیبیت کو کراہت مذہب
 کہنا غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیخ عبد القادر عیدنی کے ہاتھ پر بہت سی کراہت
 ظاہر فرمیں۔ ان کا ذکر نامہ شیخ کی کتابوں میں منقول ہے۔ مجتہد کشی کا بارہا ان دور
 قصہ جھوٹا اور من گھڑت ہے۔ بعضی دیگر بزرگانِ دین کی طرف بھی لوگوں سے
 بہت سی جھگڑائی ہوئی ہے۔ جو درست نہیں۔

ہر حال جب حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت یحییٰ کے پاس محل دیکھے
 تو فرمایا: فَاِنْ يَسْأَلُكَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ فَاْتِ۔ یہ کہ ان سے آگئے
فَاَنْتَ تَخَوِّنُ مِنْهُمْ فَلْتَقُوا۔ ان سے خوب دیا۔ کہ یہ اللہ کی طرف
 سے آئے ہیں۔ یہ ان کی حقانیت تھی۔ تاکہ حضرت مریدِ عید زجلہ میں پہنچتے
 کہ پہنچیں۔ اور آگے نبوت کا سلسلہ جاری ہو۔

مسند ابی حنیٰ کے حوالے سے ہم بن کثیر نے بیان کیا ہے۔ کہ
 ایک موقع پر حضور علیہ السلام کی روز سے غلط سن گئے۔ آپ اپنی بیٹی حضرت فاطمہ
 کے کچھ تشریف لائے اور گھانے کے لیے طلب کیا۔ جواب ملا: ابی! آئی
 تو گھر میں کھانے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 واپس تشریف لے آئے۔ اتفاق سے حضور ہی ہی دیکھ کر پیار من سے وہ
 چھوٹی چھوٹی روٹیاں اور گوشت کا ایک ٹکڑا حضرت فاطمہ کو ہاتھ بھیجا۔ وہ
 کھانا آپ کے پیچوں کو بکھڑنے کی بجائے۔ منور علیہ السلام کے لیے رکھ لیا
 اور آپ کو پیغام بھیجا۔ آپ تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہ نے کچھ کھانے

کے نیچے رکھا ہوا کھانا نکال کر حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور نے فرمایا کہ کھمڑی یہ پہلے تو گھر میں کوئی کھانا نہ تھا۔ اب کہاں سے آگیا۔ تو حضرت فاطمہؓ نے وہی ان ٹوکے جو حضرت مرثدہؓ سے تھے۔ ہوین بعد اللہ کہ یہ اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کھانے میں اس قدر برکت ڈال دی کہ وہ ختم نہ ہو سکا۔ حضور علیہ السلام نے خود تینوں فرمایا۔ حضرت حسنینؓ اور حضرت علیؓ کے کھایا۔ سب کی تمام ذوق طہرت سے کھایا۔ پھر بھی بچ گیا تو پڑوسیوں میں تقسیم کیا گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فاطمہؓ باتیں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کا شبیہ بنایا ہے۔ انہوں نے بھی یہی کہا۔ کہ کھانا اللہ نے بھیجا ہے اور تو نے بھی یہی بات کی ہے۔ حقیقت یہ ہے۔

إِنَّمَا يَرْزُقُكَ رَبُّكَ فَكَيْفَ تَكْفُرِينَ حضرت پ۔ اللہ تعالیٰ جسے پاتا ہے خیر حساب کے مدق عت کہ آج اس کی خاص مہربانی ہے۔

بَلَّغْتَ الرِّسَالَۃَ ۳

اِنْ عَمَّان ۳

درس سیزدهم ۱۳

آیت ۳۸ تا ۴۱

هَٰذَا لَكَ دُعَاؤُكَ رَبَّكَ رَبَّنَا قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ
 لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۳۸﴾
 فَتَدْتُهُ الْمَلَكُۃُ وَهَوَّاقَا۟يِمُ يُصَلُّو۟نَ فِي
 الْمِحْرَابِ ۖ إِنَّ اللَّهَ بِبَشَرِكِۥ بِحَيِّ مُصَدِّقًا
 يَكْنُسُهُۥ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولًا وَحُصُورًا وَنَبِيًّا
 مِّنْ أَصْحَابِیۡنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ ا۟نْ یَّكُو۟ذُبْ لِّی عَنْہُمْ وَّقَدْ
 بَلَغَنِی الْکِبَرُ وَامْرَا۟تِی عَقِرْتُ ۚ قَالَ کَذٰبُ اللَّهِ یَفْعَلُ
 مَا یَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیٓ اٰیَةً ۚ قَالَ اٰتٰتُكَ
 اَلَّا تَكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمَزًا ۚ وَاذْکُرْ
 رَبَّکَ کَثِیۡرًا ۚ وَسَبِّحْ بِاَلْفِیۡیۡ وَاِذْ بُکِّرَ ﴿۴۱﴾

۴۱ تا ۴۰

ترجمہ: اس موقع پر حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے پروردگار کے سامنے دعا کی اور عرض کیا: اے میرے پروردگار! تجھے مجھ کو پس عورت سے پاکیزہ اولاد عطا فرما تاکہ منجھ والا ہے۔ ﴿۳۸﴾ پس زکریا علیہ السلام کو فرشتوں نے آواز دی۔ جب کہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے کہ یہ اس کے اندر بے شک داخل ہوا تو اس کی بیٹی کی بیٹی کی خوش خبری دیتا ہے۔ جو اصدقائے دوستوں کو ہونگا۔ اور نبی ہوگا۔ نیکوں میں سے ﴿۳۹﴾ حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا: اے پروردگار! کس طرح ہوگا میرے لیے لڑکا اور یہ تیری بیٹی چکا ہے

منجہ کو بڑھایا، اور میری بیوی جی یا سمجھ سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اللہ ہی طرح کرتا ہے، جو چاہے (۹۰) عرض کیا، میں پروردگار! اپنے سے میرے لیے نشانی، فرمایا میری نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے تین دن کا دم نہیں کر سکے گا۔ مگر شائے سے۔ اور یا ذکر پہنچے پروردگار کو کثرت کے ساتھ۔

اور قیاس کہ ہچکچے پر اور تین کے وقت (۹۱)

مطابقت

عمران کی بیوی کا خیال تھا کہ اس کے دل رکنا ہوگا، تو وہ اس دین اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دی۔ اور وہ بچہ دنیا کے اشغال سے بالکل آزاد ہوگا۔ اور ہمیشہ عبادت میں نہ روت رہیگا۔ منکر سبب وضع حمل ہوا۔ تو لڑکی پیدا ہوئی۔ انہوں نے اس بات کو ذکر پٹ پروردگار سے کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے بیٹی کو ہی قبول فرمایا۔ اور اس کی نشوونما کے لیے بہتر سامان پیدا کر دیا۔ اس کے لیے غیر معمولی روزی کا بندوبست کیا۔ جب حضرت زکریا علیہ السلام اس بچی کو نبی حضرت مریم کے گھر سے میں داخل ہوئے۔ تو وہاں انہوں نے بچہ موسم کے پھل دیکھے۔ عجیب کیفیت تھی۔ انہوں نے مریم سے پوچھا کہ یہ پھل کہاں سے آئے ہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کی جانب سے۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بغیر حساب کے۔ روزی دیتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور حضرت مریم کی کرامت تھی۔

جب یہ واقعہ پیش آیا اس وقت حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر تترہ سال یا بعض روایات کے مطابق تو سال تھی۔ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی، بیوی بھی عمر رسیدہ اور بالکل تھی۔ مگر حضرت مریم کے پاس بچہ پھل دیکھ کر اتنی حیا پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق سے۔ وجہ بچہ پھل عطا کر سکتا ہے تو وہ زوں عمر اور میری کی صلاحیت کے بغیر بی اولاد عطا کر کے اس کے لیے ایسا کرنا بالکل آسان ہے۔ چنانچہ یہی خیال حضرت زکریا علیہ السلام کا اپنے حق میں اولاد کی دعا کر کے کا سبب ہو گیا۔ اور آپ نے وی کیلئے

نیک دل
کیجئے دعا

ہم دعا ملے۔ هَكَذَا دُعَاؤُكُمْ لِرَبِّكُمْ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ السَّلَام
 نے اپنے رب سے دعا کی۔ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ ذُرِّيَّتِكَ طَهْبَةً
 عرض کیا۔ اے پروردگار! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطا کر۔

اُن ایام میں حضرت زکریا علیہ السلام سخت پریشان تھے۔ عمر رسیدہ ہو چکے
 تھے۔ بھائی بندوں سے خطرہ تھا۔ خاندان کے لوگ ناراض تھے۔ انہیں سپاہ
 بعد تبلیغ و ہدایت کا کام جاری رکھنے والا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ لہذا انہوں نے
 اپنے لیے نیک اولاد کی دعا کی۔ ہر گاہ دین اسی ستارہ چرخہ کھرتے ہیں۔
 کہ سلسلہ رشد و ہدایت کو آگے چلانے کے لیے تمنا کرتے، نبی و علیہم السلام کا مشق
 ہونے کی بنا پر ان کی سنت پر عمل کرنا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا مفصل ذکر سورہ مریم میں آتا ہے۔ اِذْ
نَادٰی رَبَّهُ اِنَّہٗ اَدَّخَفٰی حَتّٰی اَنْتَ اَنْتَ اَبْسَرُ بِمَا یُکْتُمُ
 پکارا۔ اور عرض کیا۔ اے پروردگار! میری بیویاں تک کھل گئی ہیں اور سر بڑھاپے
 سے بھرتک اٹھتا ہے۔ میں تجھ سے دعا کرتا کہ کبھی ہمارے میں سے نہ ہو۔ مجھے اپنے
 بعد بھائی بندوں کی برائیوں کا ڈر ہے۔ اور میری بیوی بچہ ہے۔ تو اپنے فضل
 سے ایک وارث عطا کر دے، جو میرا بھی وارث ہو اور آلِ یعقوب کا بھی
 وارث ہو اور اس کو ایک پسندیدہ انسان بنا۔

اس مقام پر ان کی دعا کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا۔ کہ
 اے پروردگار! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ هَبِّ یا هَبِّہٖ
 سے مراد ہے۔ کسی کو کسی چیز کا بلا قیمت مالک بنادینا۔ اس کا عام فہم معنی
 بخشنا یا عطا کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی طرح عرض کیا۔ اور ساتھ
 یہ بھی کہا اِنَّکَ سَمِیعٌ۔ اِنَّکَ عَلٰی شَیْءٍ شَهِیدٌ۔ اِنَّکَ عَلٰی شَیْءٍ شَهِیدٌ
 یہ اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان فرمائی کہ تو ہر چیز کے بارے میں شہید
 ہے لہذا میری دعا کو بھی شرف قبولیت بخش اور دوزخ عطا کر۔ جو پاکیزہ ہو

جس سے خدق، اعمال، عادات اور خصائل پاکیزہ ہوں۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ
 هَبْ فَرِحْنِ نَصْرًا يَحْيِي عَنِّي نِيحُوں میں سے عطا فرما کیونکہ رشاد و ہدایت کے معنی
 کو نیک اور پاکیزہ، ولاد ہی آگے چل سکتی ہے۔ بری اولاد تو انسابال جان بن و تہ
 اسی سے کہ شیخ سعدی نے فرمایا کہ بری اور ناپاک اولاد دہن سے یہ بہتر ہے کہ
 غور قیسانہ کے بچہ جنتی ہیں۔ سورۃ فرقان میں اللہ تعالیٰ نے منافق لوگوں کی رُعا
 کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ یوں دُعا مانگتے ہیں رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ ذُرِّيَّتِنَا
 وَ ذُرِّيَّتِ قُرْبَىٰ عَدِيٍّ قَاتِلَ لِمَنْ هَبْ لَنَا مِنْ ذُرِّيَّتِنَا مَا هَآءِلَةٌ
 پھر درکار! ہم کہ ایسی بچیاں اور ایسی اولاد عطا کر جو انھوں کی نیکیت ہو۔ اور ہمیں
 متقیوں کا ہم اور مشیو بنائے۔ جو نیک اولاد چھہ اخلاق کی حامل ہو۔ نیک کو کہہ کر
 مور وہ بزرگشہ والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔ اور جو اولاد ناپاک ہو۔
 کیوں کہ شمشیر میں مشغول ہے اور بری عادت کا شکار ہو۔ وہ دلدین سے
 ذہنی گرفت کا سبب بنتے گی۔ اسی سے زکریا علیہ السلام نے پاکیزہ اولاد کی دعا کی۔
 اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو شریف قبولیت بخشا جس کا تذکرہ
 اس طرح بیان ہوا۔ قَدْ كُنْتَ اَصْلَبًا و پس ہم پر میرے سلام کو فرشتوں نے
 اور زکی کس وقت؟ وَ هُوَ قَائِمٌ يَصُومُ فِي حَرْبٍ جَبِ
 کردہ کمرے میں نماز پڑھتے تھے۔ یہاں یہ محراب سے مراد مسجد کا محراب نہیں
 بلکہ کمرہ مراد ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ تک بھی مسجد میں موجودہ محراب نہیں ہوا
 کرتے تھے۔ جہاں ہم کھڑے ہو کر یہ تریقہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانے میں
 رائج ہوا۔ بہر حال فرشتوں نے آپ کو دُعا سے کہہ کہ تمہاری دعا قبول ہو گئی ہے
 اِنَّ اللّٰهَ مُجِيبُ الدُّعَاۤیِ رَبِّیُّ اللّٰہ تعالیٰ تجھے بھیجے گی بیٹے کی بشارت دیتا ہے سورۃ
 مہم میں یہ بیان اس طرح ہے اِنَّ زَكَرِيَّا كُنَّا نَبِيًّا وَ هُوَ اَمْرٌ اَسْمٰی یُحْيِی
 ہم تو ہیں کئی بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام بھی ہم نے خود بھیج دیا ہے
 لَمْ يَجْعَلْ لَكَ هِیْئًا فَكُلِّ سَمِیۡۃً اوریہ لیا نام ہے جو

دعائی
 قبولیت

آپ ہمارے سردار ہیں اور آپ ہم پر طاقت رکھتے ہیں۔ انہوں نے یہ بات نکلتا
 کسی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا حقیقت میں سیدہ النضر ہے۔ دیکھو! شیطان
 تمہیں اپنی خواہشات میں نہ ڈالے۔ تکلف سے بات نہیں کرنی چاہیے۔
 حضور علیہ السلام تو تمام نسل انسانی کے سردار ہیں۔ آپ نے فرمایا اِنَّا مَسِيْدٌ
 قُلُوبِ اَدَمَ وَ ذُرِّيَّتِهِ فِي نَسْلِ الْاِنْسَانِي كَمَا مَرُوْرُ بَنِي اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى سُلَيْمٰنَ بْنِ دَاوُدَ
 یہ تو اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ اس کے باوجود بنی علیہ السلام کا بنی عامر کے لوگوں کو
 یہ فرمایا کہ حقیقت میں سیدہ النضر ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ لوگ نکلتا
 سیدہ کہ سب سے تھے۔ اور ڈرتا تھا کہ سیدہ کہ کہہ کر شرک میں مبتلا نہ ہو جائیں اور اس
 طرح شیطان ان کو اپنی خواہشات سے پیچھے نہ چلائے۔ اسی سے ایک
 دوسری حدیث میں فرمایا لَا تَقْسُوْا لَوْلَا لِمَنْ يَفْقَهُ سَيِّدٌ یعنی منافق کو سیدہ
 کا لقب نہ دو۔ اگر منافق تمہارے سردار ہوگا۔ تو ہاک ہو جاؤ گے۔ کوئی منافق،
 فاسق، فاجر مسلمانوں کا سردار نہیں ہو سکتا۔ سیدہ وہ ہونا چاہیے جو نیک سیرت
 اور پاکیزہ اخلاق کا حامل ہوتا کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

پھر فرمایا وَ كَحَقِّقُوْا بِحُجْلِيْ بَنِي حَصْرٍ یعنی خواہشات سے مکمل طور پر
 سب سے ڈال ہوگا۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس بیٹے کی بشارت
 دی جا رہی ہے۔ وہ عورت کے بائیں قریب نہیں بیٹھا۔ پناچہ حضرت
 یحییٰ علیہ السلام نے زندگی بھر شادی نہیں کی۔ اس بات کی وضاحت ضروری ہے
 کہ حضور کا حقیقی بیٹا نہیں ہے کہ آپ شادی کے قابل نہ تھے۔ بلکہ بتلاد یہ مقصود
 ہے کہ آپ تمام تر مردانہ قوت کی موجودگی میں عبادتِ دریا حضرت میں اس قدر
 متہمک رہتے تھے کہ وہ نبوی خواہشات خاص طور پر عورت کی طرف ان کی
 توجہ ہی نہیں ہوتی تھی۔ آپ کی یہ شان ہے کہ ہر قسم کی خواہشات پر آپ کو
 مکمل کنٹرول حاصل تھا۔ لہذا آپ کا لقب حضور تھا۔ اس کے علاوہ یحییٰ علیہ السلام
 کی ایک صفت یہ بھی تھی۔ وَ مَسِيْبٌ مِّنَ الصَّالِحِيْنَ آپ شوالا

ہیں ست اللہ کے نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پی کے سر پر نبوت کا تاج رکھ دیا
 تھا۔ انھیں فرشتوں نے بشارت دیتے وقت بتایا کہ اسے زکریا علیہ السلام
 آپ کا بیٹا ان چار صفات کو حامل ہوگا۔

حضرت زکریا
 علیہ السلام کا
 استعجاب

حضرت زکریا علیہ السلام نے خود ہی بیٹے کے لیے دعا کی۔ دعا کی قبولیت
 پر جب فرشتوں نے خوشخبری دی تو آپ استعجاب میں مبتلا ہو گئے کہ بظاہر
 اسباب کیسے نہیں ہیں کہ اولاد ہو سکے۔ کیونکہ وہ خود بوڑھے ہو چکے تھے۔
 اور بیوی بھی بالکل بچی بنا ہم وہ کیفیت معلوم کرنا چاہتے تھے۔ جس میں ان کے
 ہاں مولد ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے قَالَ هَٰذَا نَذَارٌ لِّكَ مِنْ رَبِّكَ
كَيْ لَا يَكُونَ لَكَ كَلِمَةٌ فِي عَاقِلَةٍ لَّا تَقُولُ بِهَا لَوْلَا رَبِّي لَذَہُلُ الْبُلَہِ
لِیَاكُم مِّثْلَ مَا تُكَلِّمُونَ۔ اور میرے دل پر کچھ کیسے اولاد ہو
 گا۔ کیونکہ ظاہر نظر حال یہ ہے وَقَدْ بَلَغْتَ اٰیَٰتِیْ مجھ پر پہنچا پارہ دہو
 چکا ہے۔ وَاَسْرَآتِیْ دعا پسند اور بیوی بالکل سبستہ۔ اولاد جننے کے قابل نہیں
 مگر تو قادر مطلق ہے۔ جو بے موسم بچل عطا کر سکتا ہے۔ وہ ہماری میاں بیوی
 کی جسمانی طاقت بھی تبدیل کر کے اولاد کے قابل بنا سکتا ہے۔ تو برکت اور موجد
 ہے۔ تیری قدرت کا ملہ اور حکمت باطلہ کہ اسباب کی ضرورت بھی نہیں ہے
 تاہم میں جانتا چاہتا ہوں کہ مجھ پر یہ غایت کیسے ہوگی۔ اس پر اللہ تعالیٰ
 نے جواب دیا قَالَ كَذٰلِكَ اَمَرَ اللّٰهُ فَاِذَا كُنْتَ عِندَ اللّٰهِ سَمِعْ
كُم مِّنْ ذٰلِكَ۔ یعنی اسباب کی ضرورت تو مخلوق کو ہوتی ہے۔ مگر
 خدا تعالیٰ کی ذات تو اسباب و علل کی پابند نہیں۔ اس نے اپنی عطا کرنے کا
 فیصلہ کیا ہے۔ تو جس طریقے سے چاہے گا عطا کر دے گا۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے پھر عرض کیا کہ مولا کرم! یہ تو مجھے علم
 ہے کہ تو جو چاہے کر سکتا ہے۔ مجھے یقیناً بھی عطا کر دینا۔ مجھے میرے اہل خانہ
 قلب کے لیے یہ تو بات ہے قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْ اٰیَۃً میرے لیے
 کوئی نشانی بنا دے جس سے پتہ چل جائے کہ میری بیوی حاملہ ہو چکی ہے۔

ہر کس پر میں تیرا منہ نہ شکوہ اور کمروں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی موت دیا۔ اب کو
 نشانہ نہ کرنا چاہتے تھے۔ تو عرض کیا تھا: مولا اکرم مجھے بتاؤ کہ جسے کہ تو مرنے
 کو کیسے زندہ کرنا ہے۔ تہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَوْ كُنْتَ ظَاهِرًا فِيهَا کیا ہے اس بات
 کا یقین نہیں ہے۔ عرض کیا۔ یقین تو بیشک ہے وَلَوْ كُنْتَ ظَاهِرًا فِيهَا مگر
 مگر میں الغیب کے لیے نشانہ نہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہ وہ دہشت ہی کی نسبت
 حضرت زکریا علیہ السلام کی تھی۔ انہیں بینہ ہونے کی بشارت تو بل گئی تھی۔ مگر
 روزِ قیامت میں کہنا چاہتے تھے جس سنہ ان کو الغیب حاصل ہوا ہے
جَنَاحُ مَدَامَتِ مَعْرُودٍ۔ فَالْأَيْشُكَ أَلَا تَكْتُمُ الْغَيْبَ عَنْ قَوْمِ
أَيَّاهِمْ وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ إِذْ يُوشِكُ أَنْ يُكَفِّرَ بَعْدَ أَنْ بَشَرَهُ
 بات نہیں کہہ سکو گے۔ میں تمہاری زبان روک دوں گا۔ البتہ اللہ کا ذکر کرنے
 اور عبادت کرنے کے لیے زبان جاری رہے گی۔ بعض معسرین سے اس
 آیت کا یہ مطلب سنا ہے کہ تم خود روزہ رکھ لینا اور چپ کہنا۔ یعنی چپ
 کو روزہ رکھ لینا۔ یہ درست نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ خود تمہاری زبان کو
 کلام کرنے سے روک دے گا۔ انجیل میں بھی اسی طرح آتا ہے کہ تم تین مہینے
مَسْكَتُمْ نہیں کہہ سکو گے۔ فرمایا ان تین مہینے دوران وَأَذْكُرُ وَأَذْكُرُ
حَقِّهِمْ اپنے رب کا کثرت سے ذکر کہہ کر وَأَذْكُرُ وَأَذْكُرُ وَأَذْكُرُ
 اور جمع نام اپنے رب کی تسبیح بیان کر دے۔ اس بات کی نشانی ہوگی کہ تم
 یوں کو استغناء حاصل ہو چکا ہے۔ اور پھر قریم زمانہ میں اللہ تعالیٰ اپنے عباد کو فرمائے۔

ذَلِكَ الرَّسُولُ

أَنْ عَفَاكَ

درس چار و ۱۳۱

آیت ۳۲ ۳۳

وَلَوْ قَالَتْ الْمَلَائِكَةُ يَمْرُؤُنَ اللَّهُ اصْصَفْ
 وَطَهَّرْهُ وَصُطِفَتْ عَلَى نِسَائِهِ الْعَالِيَيْنَ ③۲
 يَمْرُؤُهُ أَقْنَىٰ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ
 الرَّاكِعِينَ ③۳ ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ نُفُوحِهِ إِلَيْكَ
 وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ
 يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ
 يَخْتَصِمُونَ ③۴

ترجمہ: اور جب فرشتوں نے مریمؑ سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ اے مریمؑ
 بیشک اللہ تعالیٰ نے تجھ کو منتخب کیا ہے۔ اور تجھ کو پاکیزہ بنایا ہے۔ اور
 تجھ کو ہرگز عطا فرمائی ہے۔ سب جہان والی عورتوں پر ③۲ اے مریمؑ اپنے
 پروردگار کی اطاعت کرو۔ در سجدہ کرو۔ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ
 رکوع کرو ③۳ یہ غیب کی خبروں میں سے ہے۔ ہم اس کو آپ کی طرف
 وحی کر رہے ہیں۔ اور آپ ان کے پاس نہیں سہتے جب کہ وہ اپنے قلموں کو
 ڈالتے تھے۔ کہ ان میں سے کون مریمؑ کی کفالت کرے۔ اور آپ ان کے
 پاس نہیں تھے۔ جب کہ وہ آپس میں جھگڑتے تھے ③۴

گزشتہ سے پیوستہ دروس میں حضرت مریمؑ کی ولادت کے متعلق ذکر تھا۔
 کہ کس طرح ان کی والدہ نے مسرت مانی۔ کہ ان کے ہاں بیڑا کا ہو گا۔ تو وہ نئے
 مذمت دین کے لیے وقف کر دیں گی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا۔
 کہ لڑکے کی بجائے، انہوں نے حضرت مریمؑ کو جنا۔ پھر ان کی کفالت کا ذکر ہوا۔

کہ قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا۔ انہوں نے ابھی طرح پردہ کش شروع کی، مگر حضرت مریمؑ کے گھر سے میں سے موسم کے پھل دیکھ کر سخت حیران ہوئے۔ پوچھا اے مریم، یہ کہاں سے آئے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا **وَمَا هُوَ بِمَوْلَاكَ** **عَسَىٰ اَللّٰهُ** کے ہاں سے آئے ہیں۔ اس پر حضرت زکریا علیہ السلام کو خیال پیدا ہوا کہ جو ملک ملک ہے موسم پھل حضرت مریم کو بھیج سکتا ہے۔ وہ اس بڑھاپے میں مجھے اولاد بھی عطا کر سکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے نہایت عاجزی سے اللہ تعالیٰ سے بیسے کے بیسے دعا کی۔ تو اللہ نے انہیں سچی بیٹی کی بشارت دی۔ اور فرشتوں نے ان کے پاکیزہ اوصاف بھی بیان کیے۔ آج کے درس میں دو نئے سخن پھر حضرت مریمؑ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے انتخاب اور ان کے مناقب کا بیان ہے۔ اور پھر آئندہ درس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت، ان کے اوصاف اخلاق حمیدہ اور معجزات کا تذکرہ ہوگا۔

ارشاد ہوتا ہے۔ **وَكَذَٰلِكَ اَلْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ عَزَّ وَجَلَّ** فرشتوں نے کہا، اے مریم! یہ قدہر ہے کہ حضرت مریمؑ نبی نہیں ہیں، بلکہ غیر نبی ہیں۔ تو یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا فرشتوں کا غیر انبیاء سے کلام جائز ہے۔ انبیاء کے پاس تو فرشتے ہمیشہ وحی لاتے رہے ہیں اور ان سے کلام کرتے ہیں، مگر غیر نبی سے فرشتوں کے کلام کی کیا حیثیت ہے اس مسئلے میں مفسرین کرم فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا غیر نبی سے کلام ممنوع نہیں ہے، البتہ وحی صرف نبیوں پر ہی نازل ہوتی ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے حکام اور شریعت ہوتی ہے۔ جسے آگے لوگوں تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے اس لیے وحی صرف انبیاء تک محدود ہوتی ہے۔ البتہ فرشتوں کا عام لوگوں کے ساتھ کلام نہ اسے

فرشتوں کا
غیر نبی سے
کلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نبی نہیں تھیں۔ مگر قرآن پاک میں ان

کے ساتھ فرشتوں کا کلام مذکور ہے۔ حضرت مریمؑ بھی بالاتفاق نبی نہیں ہیں۔
 کیونکہ قرآن پاک میں تصریح موجود ہے وَمَا آدُسْنَا مِنْ قَبْلِهَا اَلَا
 رَجَعْنَا الْكُوْىَ اِلَيْهِمْ اَجْزَآءَ الْيَوْمِ اَمْ كُنْتُمْ لَبَّٰثًا۔ سبب مررتے
 اللہ تعالیٰ نے نبوت کا منصب عورتوں کو عطا نہیں فرمایا۔ البتہ نبی کے بعد
 صدیقیت کا درجہ بعض عورتوں کو عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں حضرت
 مریم علیہ السلام کی داد و حضرت مریم کے متعلق صریحاً موجود ہے اَمَّا مِنْ قَبْلِهَا
 اَنْ كُنَّ اَنْبِيَاً صِدِّقَاتٍ۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کے چار مراتب بیان فرمائے ہیں۔
 سب سے پہلے نبی، پھر صدیق، پھر شہید اور پھر صالحین نبی کے بعد صدیق کا درجہ
 ہے۔ اور حضرت مریمؑ کے لیے یہ اعزاز قرآن پاک سے ثابت ہے۔ اسی
 طرح جب فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت سے کمر آئے
 تو حضرت سارہؑ بھی وہی دواں موجود تھیں۔ مریمؑ کو بھی فرشتوں نے حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی۔ حضرت عمرانؑ ابن حصینؑ حضور
 کے اونچے درجے کے صحابی ہیں۔ جن کا ذکر مسلم شریف میں موجود ہے۔ (اور
 قوت القلوب والے نے لکھا ہے کہ حضرت عمرانؑ تیس سال تک صاحب
 فراش رہے۔ آپ کو ناسور اور شدید قسم کا بواسیر لاحق ہو گیا تھا، بیماری کی حالت
 میں فرشتے آکر ان کو سلام کرتے تھے۔ انہوں نے عذرا کے طور پر زخم پر
 انگ سے داغ نکال دیا۔ تو فرشتوں کا سلام موقوف ہو گیا۔ جب انہوں نے یہ
 طریقہ علاج ترک کر دیا۔ تو سلام پھر ہونے لگا۔ فرشتوں کا سلام کرتا بھی ان کا
 کلام کرتا ہی ہے۔ اور یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ الحمد للہ! فرشتوں کا
 غیر نبی سے کلام کرنا ثابت ہے جو کہ اعلیٰ درجے کی فضیلت ہے۔

بیاں پر اللہ تعالیٰ نے ان مناقب کا تذکرہ فرمایا۔ جو فرشتوں نے حضرت مریمؑ کے مناقب
 مریمؑ سے بیان کیے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ اَمَرْتُكَ بِشَيْءٍ اللّٰهُ تَعَالٰی نے تجھ
 کو پسند فرمایا ہے یا منتخب فرمایا ہے یا برگزیدہ بنایا ہے۔ آپ کی پہلی

برگنہ پیگی تو یہ تھی کہ آپ کی والدہ کی دعا اللہ تعالیٰ سے قبول فرمائی۔ آپ کو بتا دیا،
 اہلی اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقت کیا گیا۔ چنانچہ بیت المقدس
 میں ہی آپ کی رہائش کا بندوبست ہوا۔ اور وہیں آپ بچپن میں مصروفِ عبادت
 رہیں۔ پھر فرمایا قَدْ فَطَّرَ لَنَا فِي در آپ کو پاکیزہ بنایا، پاک اور عفاف بنایا، اللہ تعالیٰ
 نے حضرت سرمدؒ کو روح فی اور جسمانی دونوں قسم کی طہارت عطا فرمائی، حضرت
 مولانا حنفیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دین سے ہی منتخب
 کر لیا تھا۔ آپ کو نیکی اور ایمان کے ساتھ پاک بنایا، کیونکہ اللہ ان کو ایمان اور
 نیکی کے ساتھ طہارت حاصل ہوتی ہے، پھر اچھے اخلاق و عادات اور اچھے
 اعمال طہارت کا ذریعہ ہیں، یہ طہارت اس کے برے اعمال، برے اخلاق،
 کفر اور مشرک سمجاست اور گندگی کا سبب ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سرمدؒ
 کو ان تمام چیزیں جنہوں سے پاک فرمایا، اس پر تہمتیں عبادت میں مصروفیت
 مزید باطنی طہارت کی ذیل سے۔ ہماری مشرعیات میں بھی ہر مومن مسلمان سرمد
 اور عمرؓ کے لیے طہارت ضروری ہے۔ یہ طہارت عقیدہ سے اور اعمال
 یعنی ظاہر و باطن ہر طرح سے جوئی چاہیے۔

فرمایا وَصَلِّ عَلَىٰ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ لکھیں جن فرشتوں نے
 حضرت سرمدؒ کو یہ بھی خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے میں سے نبی کریمؐ کو
 یہ برگزیدہ بنالیا، فرمائی ہے۔ پھر اسطیٰ سے مراد بچپن کی نفسیات تھی۔ اب سن کر سرمدؒ
 اسطیٰ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جلد واسطہ آپ والدہ دین کے شرف سے
 دوسری عمر توں پہلے کہ بغیر کسی بستر کے آپ کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 باہل القدر اور صاحب کباب پچھلے پیدا ہوئے۔ یہ اقیانوسِ دنیا میں کسی اور عمر میں نہ تھا
 نہیں یہ مدیقہ بشریت میں آئی ہے۔ کہ سرمدؒ میں تو بہت سے کالیں گزرتی
 ہیں۔ سب سے مکے سے انبار، اس کے بعد مدین اور دربارِ کربلا، مگر خود کربلا
 میں صرف چند عورتیں کامیں میں شمار ہوتی ہیں۔ ان میں سرمدؒ حضرت عمرانؑ پر بسترِ علیؑ

کو نہ دیکھتا حضرت نے کچھ نہ دیکھا۔ خلیفہ میں نے فرمایا کہ: یہ تو اس کی نسبت مرثیہ کی
مرثیہ اور کامیابی میں سے نہیں اس کے بعد حضرت نے قائلہ کیا کہ: اہل بیت! میں
اور پھر حضرت نے غصہ کی کیفیت تمام عورتوں پر ایسی ہے، جیسے ٹریڈ کمانے کی
دوسرے تمام کئی فلوں پر غصہ روایت میں حضرت نے موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ کا بھی
ذکر کیا ہے۔ یہ سب غمزہ کی باتیں ہیں شام تھیں۔

حضرت پھر
کو نصحت

بشارت خانے کے بعد فرشتوں نے حضرت مرثیہ کو جنس نسیم میں
کیاں۔ جس سے مراد اس رب الغنی کا شکر و ذکر ہے جس نے انہیں اس قدر
برتری عطا فرمائی۔ پناہ فرمائی۔ يَا هَكَذَا أَفْتَنِي نَارًا سے مراد اپنے
رب کی عبادت کرو۔ قرآن پاک میں قنوت کا غلط جہاں بھی ذکر کرنا۔ اس سے
مراد ان غمت اور فرائز و ذریعہ ہے۔ اللہ نے اپنے پیغمبر بندوں کی صفات
بین فرما دی ہے وَأَفْضَلُكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کی طاعت
کرنے سے مرد و رعایت کرنے والی عورتیں۔ دوسری جگہ فرمائی وَقَسْوُوهُنَّ
بِاللَّهِ قَانِتِينَ اللہ کے ساتھ طاعت کے جذبہ کے ساتھ کھڑی
ہو جاؤ۔ اسی سورۃ میں تیجہ ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کی فہرست
میں جن لوگوں کو شامل کیا ہے۔ ان میں صحابہ کرام و صدیقین کے بعد قریشی
یعنی انصاری گنہ بھی شامل ہیں۔ الْعَرَبِ فرشتوں نے حضرت مرثیہ کو اللہ تعالیٰ
کی ہمیشہ کے لیے ان غمت و فرائز و ذریعہ کی نصیحت کی۔

اس کے بعد فرمایا وَسُجِّدَ لِي وَزَكِّيْ مَنَاحَ لِّكَ كَعَيْنٍ اور سجدہ کر دو
اور رکوع کرو۔ رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ یہاں پہ سجدہ کا ذکر پہلے ہے
اور رکوع کا بعد میں ہے۔ اس کی ترمیم مفسرین کو اہم خصوصاً اہم ہینادی ثیوں
فرماتے ہیں کہ جن دو چیزوں کو عرب و کے ساتھ لکھا بیان کر دیا جاتا ہے۔
ان میں ترمیم ملحوظ نہیں رکھی جاتی ہے۔ اس لیے پہلے اور عرب کے
تسکین کے آجائے کے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تاہم زمانہ پڑھنے کے وقت پہلے رکوع

ہی کیا جائے گا۔ اور اسی عریضے پر عمل کیا جائیگا۔ جو حضور علیہ السلام کا طریقہ ہے۔ اہم
 بیضاویؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہاں مسجد یعنی سب مراد مکمل نماز نہ پڑھنا ہے۔
 چونکہ مسجد نماز کا ایک اہم رکن ہے۔ اس لیے صرف اس کا ذکر کرنا کافی
 نماز لیا گیا ہے۔ بعض اوقات صرف تیس کہ مراد پور ہی نماز لیا جاتی ہے۔
 برزناں۔ صاحب فرماتے ہیں کہ مسجد سے مراد یہاں یہ نماز ہے۔ اور رکوع
 سے مراد خشوع و خضوع ہے۔ گویا عاجز ہی کہ دعا جتنی کہے دالوں کے ہاتھ
 آپ کے مطابق پستے جیلے کا مضمون یہ ہو گا کہ نماز نہایت خشوع و خضوع اور
 عاجزی کے ساتھ ادا کر دے۔

بعض فرماتے ہیں کہ یہودیوں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ مسجد پہلے کرتے
 تھے اور رکوع بعد میں اس بیت اللہ تعالیٰ نے یہاں پہنچا تو تیسرے رکوع
 میں دو رکوع مقرر فرماتے ہیں کہ یہودی مسجد تو تمام کے ساتھ کرتے
 تھے مگر رکوع کی چنڈاں پر وہ نہیں کہتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے
 خاص طور پر ہدایت کی کہ رکوع کہو۔ رکوع کہنے والوں کے ساتھ۔ اس میں
 کوئی کمی نہ ہو۔ آج کے دور میں جنس لوگ رکوع کی خیال نہیں کرتے مسجد کے
 لیے چٹائی تو زمین پر رکھ دیتے ہیں۔ مگر رکوع پوری طرح ادا نہیں کرتے،
 نہ پہلے کو پوری طرح سمجھتے ہیں۔ اور نہ رکوع سے سیدھا کھڑے ہو جاتے
 ہیں۔ بلکہ جلد ہی ہی مسجد میں چلے جاتے ہیں۔ اس لیے رکوع کی خاص طور پر
 تفہیم کی گئی ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نماز باجماعت
 ادا کر دو۔ نماز میں مسجد اعلیٰ درجے کی تعلیم ہے اور رکوع ادا کرنے درجے
 کا ہے مسجد کا مرتبہ زیادہ بلند ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔
 اقرب مما یکون العبد من دبرہ وہو ساجد
 بندہ مسجد سے کی امت میں پیش رہے قریب تر ہوتا ہے۔ اس
 لیے مسجد کی فضیلت کے پیش نظر اس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔

لکھنؤ، ۱۵/۱۱/۱۳۹۱، ابداد و کبریا، ۱۲۱ (فیاض)

الوں میں شامل تھے، چنانچہ جب قاضی پانی کے بہاؤ کی غرض سے ڈائیگس ٹورس کے قلم بہاؤ کی طرف بہتے تھے، مولے نہرت ذکر علیہ السلام کے قلم کے، جو بہاؤ کی کئی طرف چل پڑا، چنانچہ قمرہ کا فیصلہ آپ کے حق میں ہو گیا، اور اس طرح نہرت پر یہ ان کی کفالت میں چلی گئیں۔

ہماری شریعت میں بھی قمرہ اندازی ایسے حقوق کے مسئلے میں جائز ہے، جو دوسری باتوں کی چنی دست کے سپرد ہوں۔ اگر شریعت نے خود حقوق متعین کر دیے ہیں، تو پھر قمرہ اندازی درست نہ ہوگی، مثلاً کوئی جائداد بعض آدمیوں کے درمیان مشترک ہے۔ وہ اس ذات پر قمرہ اندازی نہیں کر سکتے، کہ جس کے نام کا قمرہ ہو گا۔ وہ ساری جائداد لے لیگا۔ یہ تو قمار یا سود کی قسم ہے، اس طرح ایک دوسٹر کی حق لگتی ہوتی ہے، میں ایسے معاملات میں قمرہ اندازی اس طور پر جائز ہے کہ کوئی جائداد یا یہ جائزہ تقسیم کے بعد شمالی جنوبی، ترقی علیٰ حصے کا معاملہ ہو، کہ دونوں حصوں میں سے کون سا حصہ ایک دار لیگا، اور کون سا دوسرے حصہ دار وصول کر لیگا۔ اس میں اسما اصول یہ ہے کہ قمرہ اندازی ان امور میں جائز ہے جن میں بغیر قمرہ اندازی کے بھی معاملہ کا فیصلہ ہو سکے، جیسے کوئی معتبر آدمی یا حاکم بر وقت متنازعہ حصص کو تقسیم کرے۔

قمرہ اندازی کی بعض مثالیں حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں بھی ملتی ہیں۔ فتح ثبیر کے بعد یہودی اناج جمع کر رہے تھے، تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اس کو دو برابر دھیروں میں تقسیم کر کے ان کو اعلیٰ بیٹے تھے، مگر چونکہ چاہوا اعلیٰ کو، خود حضور علیہ السلام سخر پر چاٹے وقت اپنی زبان طہرات میں قمرہ ڈال دیتے تھے، کہ کسیے ساتھ دے جائیں، اگرچہ حضور علیہ السلام کو عام اہانت محضی کہ جس مذہبہ طہرہ کو چاہیں اپنی رفاقت میں ساتھ سے جائیں، مگر آپ انکی تابعت قلوب کے لیے قمرہ ڈال دیتے تھے، چنانچہ بعض اوقات آپ کے ساتھ نہرت، کشتہ ہوتی تھیں، بعض دفعہ قصہ رفیقہ سفر ہوتی، در بعض اوقات

قمرہ کی
شرعی حیثیت

کوئی دوسری بیوی۔ تدبیرِ حال ایسے جائز امور میں قرعہ اندازی روا ہے جن میں اس کے بغیر بھی فیصلہ ہو سکے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر نسب میں کوئی تنازع پیش آجائے تو قرعہ اندازی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً نو مہرود کے متعلق فیصلہ مطلوب ہو کہ کس کا بچہ ہے تو اس کا فیصلہ قرعہ اندازی سے نہیں ہو سکتا۔ حضرت یونس علیہ السلام بھی جب کشتی میں سہر کر رہے تھے۔ تو وہاں بھی قرعہ ڈالا گیا۔ اگرچہ انہوں نے خود ہی ڈرا۔ کیا۔ کہ غلطی واقعی مجھ ہی سے ہوئی ہے۔ اس کے باوجود قرعہ ڈالا گیا۔ تو فیصلہ والوں میں وجہ ثابت ہوئے۔

سید سید احمد
علی محمد

فَمَا كُنْتُ لَكَ يَهُسُّمُ اور آپ دلوں موجود نہیں تھے۔ اِذْ
يَجْتَمِعُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جب وہ جھگڑا کر رہے تھے۔ ہر ایک شخص سریم کی کفالت
پانے کے لینا چاہتا تھا۔ جب جھگڑا اُبھرنے لگا تو فیہ لہ قرعہ اندازی کے ذریعے
بٹوا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ آپ کو یہ باتیں وحی کے ذریعے بتائی
جاری ہیں۔ آپ بنفسہ دلوں موجود نہ تھے۔ اور نہ آپ عالم الغیب میں علم غیب
تو خاصہ فدا اندزی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کھڑے کے بعد بھی
اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا كُنْتُ بِجَانِبِ الذُّكُورِ اے نبی کریم! آپ اس
وقت کو وہ طور کے کُتے پر نہیں کھڑے تھے۔ جب وہ واقعہ پیش آیا۔
بلکہ یہ باتیں ہم نے آپ کو وحی کے ذریعے بتائی ہیں۔ آپ نے کسی سے تعلیم حاصل
نہیں کی۔ نہ آپ نے کہا میں ٹیپھی! نہ آپ خود دلوں موجود تھے، نہ عالم الغیب
میں۔ اس کے باوجود بے شمار تجزیات کا علم آپ کو وحی کے ذریعے دیا گیا ہے
اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے اور جتنا چاہے علم عطا کرتا ہے
اور پھر بنیاد علیہم السلام کو زیادہ علم عطا کرتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے امت تک
پہنچانا ہوتا ہے۔ آخر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب نبیوں سے زیادہ علم عطا
کیا۔ مگر علم غیب نہیں بلکہ غیب کی خبریں ہیں جو بذریعہ وحی معلوم ہوئیں۔

الْعَمْرَانِ ۲

آیت ۲۵، ۲۸

تِلْكَ الرُّسُلُ ۲

درس پانزدہم ۱۵

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ لِمَرِّیْعَانَ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُکَ
 بِکَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اَسْمُهُ الْیَسِیْعُ عِیْسٰی بَنُ
 مَرْیَمَ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ وَهٖ
 مِّنْ مَّقَرَّبِیْنَ ۝۲۵ وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ
 وَکَهْلًا وَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝۲۶ قَالَتْ رَبِّ اَنْتَ
 یُکُوِّدُ لِیْ وَلَدًا وَلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشْرًا فَاَنْ
 کَذٰلِکَ اَللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۖ اِذَا قَضٰی اَمْرًا
 فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهُ کُنْ فَاَیْکُوْنُ ۝۲۷ وَیُعَلِّمُهٗ لَکِتٰبَ
 وَالحِکْمَةَ وَالتَّوْحِیْدَ ۚ وَلَا یُخِیْلُ ۝۲۸

ترجمہ: یہ اہم واقعہ کو سامنے دارا جب فرشتوں نے مریم سے کہا: بیشک
 اللہ تعالیٰ تجھ کو خوشخبری دیتا ہے ایک لکھنے کی س کڑیوں سے جس کا نام
 یسوع عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ وہ دجاہست وال ہوگا دنیا میں، اور آخرت میں اور مقربین
 میں سے ہوگا ۝۲۵ (۲۵) اور وہ کلام کرے گا لوگوں کے ساتھ گوارے میں دروہیڑ
 عمر میں اور نیکو کاروں میں سے ہوگا ۝۲۶ (۲۶) مریم نے عرض کیا: اے پروردگار
 کہاں سے ہوگا میرے لیے لڑکا حالانکہ میں نے نہ کبھی کسی آدمی سے
 اس نے فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جو چاہے۔ جب وہ کسی
 بات کا فیصلہ کرتا ہے تو پھر وہ شے کہتا ہے ہو جا، پس وہ بات ہوتی
 ہے ۝۲۷ (۲۷) اور سکھائے گا اس کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل ۝۲۸ (۲۸)

گزشتہ درس میں حضرت مریمؑ کے کچھ مناقب بیان ہوئے تھے۔ کہ

وہ آیات

اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم تعمیر کی پیدائش کے لیے ان کا انتخاب کیا۔ اور اس
 جنم میں انہیں تمام جہان والی حمد و ثناء پر فضیلت بخشی۔ اس کے علاوہ انہیں
 ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے پاکیزہ بنایا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور
 اس کی عبادت سمری کی نصیحت کی گئی۔ اور پھر یہ اصول بھی بیان کر دیا کہ جو لوگ
 بیان کیے جاسکے ہیں۔ وہ عیب کی خبروں میں سے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ
 بندہ پر وحی انبیاء علیہم السلام تک پہنچاتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت کی گئی کہ
 حضرت مریمؑ کی کفالت کے متعلق جب قرعہ اندازی ہو رہی تھی تو اسے یہ خبر
 آخر الزمان علیہ السلام آپ وہاں موجود نہیں تھے۔ نہ آپ عیب دان ہیں۔ بلکہ
 آپ تک یہ خبریں پہنچانے کا ہمارا اپنا انتظام ہے۔ اب آج کے درس میں حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق جو خبریں اور آپ کے بعض معجزات کا
 تذکرہ ہے۔ اس کے علاوہ مریمؑ کے اس استعجاب کا بیان ہے۔ جو
 انہیں بیٹے کی پیدائش کی خبر پر ہوا۔

ت ۴
 حضرت مریمؑ
 کو بشارت

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت مریمؑ کی پیدائش اللہ تعالیٰ نے خاص
 طریقہ سے فرمائی اور وہ جلدی جلدی بڑی ہوئے لیکن۔ پھر جب وہ سن بلوغت
 کے پہنچ گئیں تو فرشتوں نے انکو آپ کو بشارت دی۔ ارشاد ہوا ہے۔ اِنَّ
 كُنْتَ اَحْسَنُ كَهْنًا اَسْ وَاقِعَهُ كُرْدِيَانِ مِیْنِ لَدُوْءٍ حَبِیْبُ فَرْشَتُوْیْنَ لَیْ كُومَرِ
 مَرْیَمُ سَہْ كَمَا یَنْمَسُ فِیْہِ سَہْ مَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُكَ بِرُكْحَلٍ
 اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دیتا ہے۔ بِكَلِمَاتٍ هِنَاہُ پنی طرف
 سے ایک کلمہ کی۔ بشارت اس خبر کو کہا جاتا ہے۔ جس میں خوشی ہو۔ خبر سن
 کر سرور حاصل ہو۔ جیسے سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے وَكُنْتِیْ لَیْذِیْنَتٍ
 اٰمِنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمْ جَنَّاتٍ جُوْلُوْا اِیْمَانِ
 لائے اور اچھے اعمال کیے، ان کو جنت کی بشارت دے دیجئے۔ ظاہر
 ہے کہ یہ نہایت ہی خوشی کی بات ہے کہ کسی کے لیے جنت مقدر کر

دعی جائے تاہم بعض اوقات بشارت سے مراد محض خبر بھی ہوتا ہے۔ جیسے
 کوار کے متعلق فرمایا **قَبَسْتَنِي هُوَ بَعْدَ ذَٰلِكَ** اَلَيْسَ اَنْهِيَ دُرُوزًا
 غلاب کی خبر سے دو۔ تاہم یہاں یہ بشارت سے مراد اچھی اور خوش کن خبر ہے
 کہ اے مریم! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف سے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے
 اس مقام پر کلمہ کا لفظ حضرت مسیح علیہ السلام پر بولا گیا ہے۔ آپ کو اللہ کا کلمہ
 اس خصوصیت کی بنا پر کہا گیا ہے۔ جو آپ کی ذات میں بن باپ کے پیدائش
 کی وجہ سے ہے۔ قرآن میں بعض دوسری چیزوں کی نسبت بھی خصوصی طور پر
 اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ جیسے سورۃ ٹہس میں **نَاقَتَهُ اللّٰهُ** یعنی اللہ کی
 اونٹنی کا ذکر آیا ہے۔ اونٹنیاں اور تمام چیزیں تو سب کی سب اللہ ہی کی ہیں۔
 مگر صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو خاص طور پر

پہا لہ کی اونٹنی اس لیے کہا گیا ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی پیدائش خاص طریقہ سے کی تھی۔ یہ اونٹنی کسی ماں
 کے بیت کی بجائے چٹان سے نکالی گئی تھی۔ اس لیے اس کو اللہ کی اونٹنی کہا گیا
 اسی طرح خانہ کعبہ کو بیت اللہ شریف چنی اللہ کا گھر کہا گیا ہے۔ حالانکہ
 تمام ساجد اللہ ہی کے گھر ہیں۔ اس کے علاوہ کائنات کی ہر چیز اسی کی پیا کو رو
 ہے لہذا اسی کی سب۔ مگر بیت اللہ کو بیت اللہ اس لیے کہا گیا ہے۔ کہ
 وہاں پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی کائنات ہر وقت نازل ہوتی رہتی ہیں۔ عام ساجد پر
 بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی ہوتی ہے۔ اس لیے وہ بھی اللہ کے گھر ہیں۔
 تو ہر حال فرشتوں نے حضرت مریم کو اللہ کے کلمے کی بشارت یعنی خوشخبری دی۔
 امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ اللہ کہنے

کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بغیر باپ کے توسط سے
 پیدا کیا۔ گویا آپ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے حکم سے پیدا ہوئے۔ اس
 لقب کی دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلی کتابوں میں منیج علیہ السلام کے متعلق

کلمہ اللہ
 کی توضیح

ہر شس گونی موجود تھی کہ آپ اپنے مقررہ دور میں آکر ہدایت کا ذریعہ بنیں گے۔ تو یہ وہی کلمۃ اللہ

میں۔ جن کا ذکر پہلی کتابوں میں موجود ہے۔ کلمۃ اللہ کی تیسری توضیح یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو کلمۃ اللہ بنا دیا یعنی اللہ کے کلمے کہا ہے۔ اور یہ لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ اسی حرح چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی مخلوق کے لیے ذریعہ ہدایت بنایا، لہذا ال کا نام بھی کلمۃ اللہ رکھ دیا۔

فرمایا اے مریم! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے کلمے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ اِنَّهَا الصَّبِيْحُ عِيسٰی ابْنُ مَرْيَمَ اَسْ کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہو گا۔ اکثر مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ لفظ مسیح عبرانی اور سریانی زبان کے اشتقاق سے آیا ہے اور اس کا معنی مبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ الٰہی نش کے بعد پہلے ہی دین آپ کی زبان سے کہلوادیا تھا۔ کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ اُرْسِلُ اور یہاں میں جہاں بھی ہوں، مجھے برکت والا بنایا ہے۔ لہذا آپ کا لقب مسیح قرار دیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ کا لقب یسوع بھی ہے جو یونانی سے آیا ہے اور اس کا معنی سردار یا سید ہے۔

عربی زبان میں مسیح کا معنی مسیح ہے۔ و جال کے ساتھ مسیح کا لفظ بھی انہی معانی میں آیا ہے۔ مسیح و جال یعنی سیاحت کرنے والا و جال کہتے ہیں کہ و جال چالیس دن میں پوری دنیا کے گرد گھوم جائیگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مسیح اس لیے کہتے ہیں کہ آپ بھی سیاحت کرتے تھے۔ آپ نے زندگی بھر رہنے کے لیے اپنا گھر نہیں بنایا بلکہ ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے۔ مسیح کا اطلاق مسیح پر بھی ہوا ہے۔ جس کا معنی تہ پیر ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام فادر زاوا اندھوئی اور کوڑیوں

کہ اُنہوں نے کہتے تو اللہ تعالیٰ شفاعت کر دینا۔ یہ ذکر اُس کے معجزات میں آئے گا۔
 دجال کے ساتھ لفظ مسیح، مسموح کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے، جو کہ مفعول
 کا صیغہ ہے۔ مَسْمُوحُ اُنہیں اُس شخص کو کہتے ہیں جس کی ایک ہی
 آنکھ ہو یعنی مشائی ہوئی آنکھ والا۔ دجال کی دائیں آنکھ بالکل مٹی ہوئی ہوگی اور انگریز
 کے پچھٹے ہونے والے کی مانند ہوگی۔ اس کی بائیں آنکھ میں بھی عیب ہوگا، اس لیے
 اس کو مسموح کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مسموح بگڑی ہوئی فطرت والے کو
 بھی کہتے ہیں۔ دجال مسموح الفطرت یعنی بگڑی ہوئی فطرت والا ہوگا۔

عین یوں کا
 باطل عقیدہ

عینیٰ ابن ہریشم کہہ کہ اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے اُس باطل عقیدہ کی تردید فرمائی
 ہے۔ جس کے مطابق وہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا تین خداؤں میں سے تیسرا
 کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر واضح کر دیا ہے۔ کہ عیسیٰ ابن مریم ہے جس
 کو اللہ نے ایک عورت کے بطن سے پیدا فرمایا۔ جو شخص کسی عورت کے
 پیٹ سے پیدا ہو۔ وہ الہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ تو خود مخلوق ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام
 اللہ کے بندے، اس کے نبی اور برگزیدہ انسان ہیں۔ لَقَدْ يَكْفُرُ
 يُؤْمِنُ تَوْحِيدَ خَدُونِی ہے۔ یہ صفت کسی مخلوق میں کیسے ثابت کی جا
 سکتی ہے۔ بلکہ ایسا عقیدہ رکھنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔
 سورۃ مریم میں موجود ہے۔ کہ یہ اتنا بڑا کلمہ ہے کہ تَكَادُ السَّمَوَاتُ
 يَنْفَطَرْنَ مِنْهُ وَتَذُفُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّ
 قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ زمینہ زمینہ
 ہو جائیں۔ اس بات پر کہ اَنْ دَعَوِ اللّٰهُ حُجْمًا وَلَمَّا دَعَا تَعَالٰی
 کے لیے بیٹے کو پکار رہے ہیں۔ یہ اس قدر باطل عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ
 کو دنیا ثابت کرنا۔ یہ تو اُس کی تنزیہ کے ہی خلاف ہے۔

قرآن پاک میں حضرت مسیح علیہ السلام کا لقب عیسیٰ ابن مریم کی وجہ سے
 پرا گیا ہے۔ آخرت میں بھی آپ کو اسی لقب سے پکارا جائے۔ جب

مہاجر کی منزل آئے گی، تو اللہ تعالیٰ آپ کو اسی نام سے مخاطب کریں گے۔
 سورۃ مائدہ میں آتا ہے وَلَیْذُ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ کَیْفَ اَنْتَ
 قُلْتَ لِلنَّاسِ اَخُذُوْنِیْ وَآُمَّیْ اِلٰھِیْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کَمَا تَمْنٰی
 لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالو۔ تفسیر
 روح المعانی میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ علیہ السلام کو اس طرح خطاب
 فرمائیں گے، تو آپ پر دہشت طاری ہو جائیگی اور آپ پانچ سو سال تک
 کھینچا رہیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اُن کو حوصلہ دیگا۔ تو عرض کریں گے
 قَاۡنُ سُبْحٰنَکَ اَیُّہُ اللّٰہُ اِتِیْرِیْ وَاَمْتُ بِاَمْرِیْ ہاں یہی بات
 کیسے کہہ سکتا ہوں جس کا مجھے حق ہی نہیں پہنچتا۔ تو دروہوں کی باتوں کو بھی
 جانتا ہے، مخفی ارادوں تک سے واقف ہے۔ اگر میں نے ایسی بات کی
 ہے تو تجھ سے تو پوشیدہ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وہ ایسا دن
 ہوگا، کہ اس دن سچوں کو اُن کی سچائی فائدہ دے گی۔ یہ سب سورۃ مائدہ میں
 آ رہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ہر شخص کو باپ کی
 نسبت سے پکارا جائے گا۔ مگر علیہ السلام کو ماں کے نام سے پکارا
 جائے گا۔ یعنی عیسیٰ ابن مریم کیونکہ آپ کے لیے باپ کا توسط نہیں ہے
 اسی طرح سورۃ مریم میں جہاں سچائی علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ وہاں یُوْکَبَّرُ اَمُّ
 یُوْاۡیِیْمَ کے الفاظ آتے ہیں جس کا مطلب ہے والدین یعنی
 ماں اور باپ دونوں کے ساتھ سچی اور احسان کرنے والا۔ مگر جہاں
 عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ وہاں فرمایا اَبُوۡاۡیِیْمَ اَبُوۡاۡیِیْمَ اللّٰہُ نے
 مجھ کو میری ماں کے ساتھ سچی اور احسان کرنے والا بنایا ہے۔ اس طرح
 گویا اللہ تعالیٰ نے عیساؑ یوں کے اس عقیدے کا رد فرمایا ہے جس کے
 مطابق وہ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا تین خداؤں میں سے تیسرے خدا مانتے ہیں
 یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کی حد درجہ تحقیر کرتے تھے۔ انہوں نے

آپ کی والدہ پر حرم کا رزق کا الزام لگا کر ان کو بدکار عورت تکس کیا۔ اور علی علیہ السلام کو خدائی بچہ کہہ دیا۔ حتیٰ کہ آپ کو نماز کے وقت دراست کے لیے مذلت میں گئے اور راستے میں جلاتے ہوئے، لعلیا فرماتے آپ کے چہرے پر بھٹکا۔ یہ بات لوگ جگڑا ہی سمجھتی تھیں۔ حضرت کے حامل ہیں۔ انہوں نے مسیح علیہ السلام کی برائی توہین کی۔ حتیٰ کہ انہیں سولی پر لٹکانے کے لیے تیار ہو گئے۔ انہوں نے تو ایسا کرنا ہی نہیں کوئی کسر نہ اٹھا۔ خیمہ میں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آپ کو اپنی طرف اٹھا کر یودیوں کے مذہب اور امت سے آپ کو بچا دیا۔ انجیل میں موجود ہے کہ یودیوں کے معلم بڑے پرجنت تھے۔ جیسی علیہ السلام نے ان کو سائب کے بچوں سے تشبیہ دی ہے۔ آپ نے فرمایا: تم کیسے بد بخت لوگ ہو۔ جو لوگوں کو گمراہی میں ڈالتے ہو۔ اور ہدایت کی بات کو سننے ہی نہیں۔ یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کو دجال بھی کہتے تھے۔ کہ یہ لوگوں کو گمراہ کرنا ہے۔ ان کے عقیدے بگاڑنا ہے۔ ہر وجہ سے ان کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ اسی بنا پر وہ آپ کے دشمن بن گئے۔ اور پھر آپ کے قتل کے درپے ہوئے۔ حدیث شریفہ میں آتا ہے کہ قیامت کے قریب جب دجال ظاہر ہو گا۔ تو اُس کو مسیح سمجھتے ہوئے اُس نے تیسے لگ جائیں گے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اصفہان کے ستر ہزار (۷۰۰۰۰) چننے پہنچے ہوئے یہودی دجال کے پیچھے چلے جائیں گے۔ آیت کے لگے حصے میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اس دشمنی کے بڑے قیاس کا پردہ چاک کیا ہے۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے بعض اوصاف بیان فرماتے ہیں کہ قریشوں نے جس مسیح علی بن مریم کی بشارت حضرت مریم کو دی وہ عجیبہ فی اللہ ہے والاخیرۃ دینا اور آخرت میں دجاہنت والا ہو گا۔ یعنی عزت اور مرتبہ والا ہو گا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یودیوں کی تمام دشمنی اور ہرزہ سرائی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے

حضرت مسیح
کی بڑے قیاس

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الزامات سے بری قرار دیا۔ اور ان ناپاک دلوں کی
سزا شکر کو کامیاب بنیوں پر کرنے دیا۔ جس کو اللہ تعالیٰ عزت کا علی مقام دیا اور
سُنہ کون بنیل کر کے تاسبت۔ آپ تو دونوں جہانوں میں صاحبِ عزت ہیں۔ ان
کی عزت کرنے والے کھڑے کھڑے اور ان لوگوں کو جو وہیں۔ عیب نیوں کا لکھتے ہیں۔
یہ وہ شکر کا نام ہے۔ جو کچھ وہ آپ کی عزت

تو کرتے ہیں۔ فریادیں سنمانوں کی آہوی ایک رب کے گاہ جنگ بہت پر
سب سُنرت بیچ علیہ السلام کو سچا بنی تعلیم کرتے ہیں۔ جس کی دس آدمی عزت کرتے
و اسے ہوں۔ اُن کا حوالہ لہذا ہو جاتا ہے۔ جو کہ یہاں تو ان لوگوں کی تعداد میں سے ہے
کو سچا بنیوں ماننے والے موجود ہیں۔ لہذا آپ عزت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام پہ بھی لوگوں نے طرح طرح کے الزام لگائے
ان کی طرف غلط باتیں منسوب کیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں غلط الزامات سے
بری قرار دیا۔ تَبَّتْ رُءُوسُهُمْ يَوْمَ السَّعْيِ۔ تَبَّتْ رُءُوسُهُمْ يَوْمَ السَّعْيِ۔ تَبَّتْ رُءُوسُهُمْ يَوْمَ السَّعْيِ۔
وَجِئْتُمْ شَرًّا لَّكُم بَعْثُكُمْ يَوْمَ السَّعْيِ۔ تَبَّتْ رُءُوسُهُمْ يَوْمَ السَّعْيِ۔ تَبَّتْ رُءُوسُهُمْ يَوْمَ السَّعْيِ۔
کے تخلیق بھی و جِئْتُمْ شَرًّا لَّكُم بَعْثُكُمْ يَوْمَ السَّعْيِ۔ تَبَّتْ رُءُوسُهُمْ يَوْمَ السَّعْيِ۔ تَبَّتْ رُءُوسُهُمْ يَوْمَ السَّعْيِ۔
بڑے فوق سر کے تھے۔ یہودیوں کی الزام تراشیاں جو اس کا منہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ
نے دنیا میں آپ کو بڑے کے مقام پر سرفراز فرمایا۔ اور آخرت میں آپ
پہنچے صحیح۔ مننے والوں کی شہادت کریں گے۔ اس سے بڑھ کر اور کی عزت
اور وجاہت ہو سکتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام دنیا اور آخرت میں
وجاہت ملے ہوں گے۔

مقررین

وَمِنْ أَهْلِ الْقُرْبَىٰ عِيسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَكَ تَقَرُّبٌ فِي
سے ہوں گے۔ انہیں خدا تعالیٰ کا اقرب حاصل ہو گا۔ جو بہت بڑا امر ہے۔
برصا حسب ایمان اپنے اکابر کا قرب حاصل کر سکتے ہیں۔ جو کہ شہادت کے بہت
ریاضت و قربانی، عند ذلک تبارک۔ اس واسطے سے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

راضی ہو کر اپنا تقرب عطا کر دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو مقربین میں سے بنایا۔ بعض فرماتے ہیں کہ مقرب وہ ہے جو نہایت اونچے درجے کے کام کرے، اور اس میں غایت درجے کا خلوص پایا جائے۔ اَذْفَلُ بَاکِ فَکَرًا نَاسِیَ بَیْ بَابِ سَبَّہ۔ وہ مہائوں نے قربانی کی۔ جس قربانی میں زیادہ خلوص اور صلاحیت تھی، اللہ نے اسے قبول کر لیا۔ اور جو بُرا تھا، اس کی قربانی قبول نہ کی۔ شیخ ابو طالب مکیؒ اپنی تصوف کی مشہور و معروف کتاب قوت العقب میں فرماتے ہیں: مقرب وہ ہوتے ہیں جن کی نگاہ ازل کے فیصلے پر پڑھنی ہے۔ وہ جیسے اس فکر میں رہتے ہیں کہ پتہ نہیں ہمارا حساب کیا ہو گا۔ ہر گز دین کی نگاہ ازل کے اس فیصلے پر جوتی ہے، جب اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو کوشیوں میں بند کر کے فرمایا تھا: لَلْجَنَّةِ لَا اَبَالٰی قَهْـذِهِ لِّلنَّارِ وَلَا اَبَالٰی یَعْنٰی اس سمٹی جانے کو جنت میں جائیں گے اور مجھے کچھ پروا نہیں اور یہ لوگ روزِ نعی ہیں، مجھے کچھ پروا نہیں۔ اللہ کے مقربین کو ہمیشہ یہ فکر لگی رہتی ہے، حقیقت یہی ہے کہ الایمان بین الخوف والرجی ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے جب کسی شخص کا آخری وقت آتا ہے، موت کا فرشتہ اس کے قریب آ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہے کہ اے مولا کریم! یہ شخص اہل ایمان میں سے ہے یا اہل ناریں سے سمجھے حکم دے کہ میں اس کی روح کو ایمان کے ساتھ قبض کر دوں یا کفر کے ساتھ، تو اللہ کے بندے اپنے آخری وقت کو یاد کر کے فکر مند رہتے ہیں کہ اللہ العالین ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارا خاتمہ کیسے ہو گا۔ یا اللہ! ہمیں ایمان کی موت بخو کر دینا۔ غرض کہ مقربین الہی وہ لوگ ہیں جن کی نگاہ ہمیشہ اپنے مالک کی طرف لگی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی فرمایا کہ آپ مقربین میں سے ہوں گے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے بعض اوصاف بیان کر نے کے بعد اللہ تعالیٰ

نے آپ کے بعض معجزات کا تذکرہ بھی کیسے۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَكْفُرُ
الْمُشَاقَّسُ فِي الشَّهَادَةِ وَكَفَّ لَا آپ لوگوں سے کلام تمہیں لگے گا اور
 میں (یا گویدیں) اور اوصیٰ عمر میں۔ یہ بات رست بستی جو فرشتوں نے حضرت مریم
 کو دی۔ اور پھر حبیب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ تو یہ بشارت حوت
 بحرِ پوری ہوئی۔ سورۃ مریم میں موجود ہے کہ پیدائش کے پہلے ہی دن
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے باتیں کیں۔ حبیب حضرت مریمؑ کو مولودینکے حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام کو بچہ کر تو مہ کے پاس آئیں تو قوم سے سخت غصے کا ظہار کیا۔ اور
 کہا اے اردن کی بن! تیرے والدین تو ایسے نہیں تھے تو یہ بچہ کہاں سے
 آئی۔ تو حضرت مریمؑ نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ وگوں نے کہا، گوارے یا گوہیں
 پڑا بچہ ہمارے ساتھ کیسے بات کرے گا، اس وقت عیسیٰ علیہ السلام نے بول کر
 کہا اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ مِیْنُ اللّٰہ کا بندہ ہوں۔ مجھے کتاب عطا کی گئی ہے اور نبی بنایا
 گیا ہوں۔

حضرت علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ بعض
 دیگر بچوں نے بھی کم سنی میں کلام کیا ہے۔ حضرت جبریلؑ ایک نیک آدمی تھے
 ان پر تمست طاری گئی۔ کہ وہ زنا کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ایک فاحشہ عورت
 نے اپنے مولودینکے کی نسبت ان کی طرف کی۔ لوگ آپ کو تحسینت کر
 عبادت خلتے سے باہر سے آئے۔ آپ کو مارا پیٹا اور عبادت خذتا ہا کہ
 دیا۔ ————— اس اللہ کے بندے نے زندگی سنی

آخری نماز پڑھی۔ اور پھر اس بچے کے پیٹ پر انگلی رکھ کر کہا کہ خدا کے حکم سے
 بناؤ، تمہارا باپ کون ہے۔ اللہ نے اس بچے کو قوت گہائی دی اور اس
 نے بول کر کہا کہ میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔ یہ سن کر لوگ سخت پشیمان ہوئے
 کہ انہوں نے ایک نیک آدمی کو ناحق تکلیف دی ہے۔ سنے لگے اگرچہ ہو
 تو تمہارا عبادت خانہ اسوئے اور چارہ سے تعمیر کر دیں حضرت جبریلؑ نے

فرمایا۔ مجھے سوتے چاندی کے محل کی ضرورت نہیں۔ میرا جھوٹا اولاد ہی مٹی سے بنا دے جیسے پہلے تھا۔ (بخاری مسلم)

قرآن پاک میں موجود ہے وَشَهِدَ شَاوِعٌ مِّنْ أَهْلِ بَكَا
جب زینحانے حضرت یوسف علیہ السلام پر قسمت لگائی، تو ایک چھوٹے
بچے نے ہی آپ کی بہیت کی گواہی دی تھی۔ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کرنے
والی عورت سوزندہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان
تھا۔ جب کنگھی اس کے ہاتھ سے نیچے گر پڑی تو اس نے بِسْمِ اللّٰهِ
کہہ کر دوبارہ اٹھائی۔ اس پر فرعون کی بیٹی بکڑ گئی۔ فرعون کو چہ چلا کہ یہ لوگ
میرے علاوہ کسی اور خدا کو بھی مانتے ہیں۔ تو اُس نے کہنے کا ایک بہت بڑا کھڑا
تیار کر لیا۔ اور پھر اس کو گرم کر کے خاندان کے سب افراد کو اس کے پیٹ میں
ڈال دیا۔ چھوٹے بچے کی ماں اپنے بچے کو جلتا ہوا دیکھ کر سخت پریشان ہوئی
مگر اُس بچے کو اللہ نے قوت گویائی عطا فرمائی۔ اُس نے بول کر کہا، ماں!
گھبرو نہیں۔ جس چیز کو تم آگ سمجھ رہی ہو، وہ تو باغ رہا رہا ہے۔ اؤ تم بھی
اس آگ میں کود جاؤ تم حق پر ہو۔

قرآن پاک میں اصحابِ الاعداء کا واقعہ بھی اسی نوعیت کا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا
حضور علیہ السلام کی بعثت سے ستر سال قبل پیش آیا ہے۔ یمن کے بادشاہ
قودلہ اس نے اہل یمن کی سرکوبی کے لیے بڑے بڑے گڑھے کھدوائے
ان میں خوب آگ جلائی اور پھر ہزاروں ایمان والوں کو اس آگ میں زندہ جلا
دیا۔ مسلم شریفین کی روایت میں آتا ہے کہ ایک ایماندار عورت لائی گئی جس
کی گرد میں بچہ بھی تھا۔ آگ کے شعلے دیکھ کر عورت کو تردد پیدا ہوا، تو اللہ تعالیٰ
نے اُس کے بچے کو قوت گویائی دی اور وہ کہنے لگا یٰۤاَیُّهَا صَبِیْرُ بَنِی
اِسْرَآءِیْلَ عَلَی الْحَقِّ یعنی اے ماں! صبر کرنا، بلاشبہ تم حق پر ہو۔

بخاری شریفین اور بعض دیگر احادیث میں ایک اور بچے کا واقعہ بھی آ

ہے۔ ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ پاس سے کچھ لوگ گزرتے، جو ایک عورت پر چوڑی اور بدکاری کا الزام لگا کر اسے پیٹتے جا رہے تھے مگر وہ نہ بان سے ہری کہہ رہی تھی۔ حَسْبِيَ اللَّهُ۔ دودھ پلانے والی عورت نے اس معنوب عورت کی حالت دیکھ کر اپنے بچے کے متعلق کہا، خدا سچے لیا نہ بنائے۔ بچہ فوراً دودھ چھوڑ کر بولا اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنْهُمْ مَا لَمْ يَلِدْ! مجھے ایسا ہی بنا دے۔ مکتوبی زیر بعد ایک بڑے مفسر اور سرکش آدمی گھوڑے پر سوار گزرا۔ ماں اُس سوار کی شان و شوکت دیکھ کر کہنے لگی۔ اے اللہ! میرے بچے کو بھی ایسا ہی بنا دے۔ بچہ دودھ چھوڑ کر پھر بولا، یا اللہ! مجھے ایسا نہ بنا، بہر حال ہمارے بیچ میں بعض دیکھنے والوں کے حالات بھی ملتے ہیں جنہوں نے کلمہ سنی میں اسی طرح کلام کیا، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ اُتش کے پیسے ہی دن کلام کر کے اپنی ماں کی بیعت کی۔

حکیمانہ
کلام

بعض مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن اور کسوت میں کلام کرنے سے مراد حکیمانہ کلام ہے۔ عمر کے دونوں حصوں میں آپ کا کلام حکمت سے بھرپور ہو گا۔ چنانچہ بعض آثار میں آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بارہ سال کی عمر میں تبلیغ کرتے تھے۔ اور ایسی حکیمانہ باتیں کرتے تھے کہ بڑے بڑے فلاسفر اور دانائے حیران رہ جاتے تھے۔ تفسیر بیضاوی اور تفسیر روح المعانی میں حضرت سعید ابن مسیب اور حضرت زید بن اسلم جو تابعین میں سے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کو ۱۲ سال کی عمر میں آسمان پر اٹھایا گیا۔ آپ دو ستر آسمان پر ہیں۔ معراج والی حدیث میں موجود ہے کہ دو ستر آسمان پر حضور علیہ السلام کی ملاقات حضرت یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ اور دوسری طرف یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مہینہ کسوت چالیس سال کے بعد ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک تو دنیا میں بھٹہ رہے ہی نہیں۔ پھر کسوت میں کلام کرنے سے کیا

مراد ہے۔ اسی پہلے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں کلام گنا تو مکمل ہو گیا مگر آپ کا کھولنا یعنی اور چھڑ عمر میں کلام کرنا ابھی باقی ہے۔ اسکی تکمیل اس وقت ہوگی جب قرب قیامت میں آپ دوبارہ زمین پر آئیں گے، تو اس عمر میں بھی حکیمانہ کلام کریں گے، ایک سو سے زیادہ احادیث موجود ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کا ذکر ہے۔ بخاری، مسلم اور دیگر کتب میں یہ بھی ہے کہ جب دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے، تو حکومت کریں گے۔ دنیا میں عدل و انصاف قائم کریں گے۔ چالیس سال یا کم و بیش کا عرصہ دنیا میں بھڑیں گے۔ بعض روایات میں سائست سال کا ذکر بھی ہے۔ اس عرصے میں آپ نکاح کریں گے، اولاد ہوگی، اور پھر طلوعی وفات بھی ہوگی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے ساتھ ہی دفن ہوں گے، ترمذی شریف میں یہ حدیث موجود ہے جو درجہ حسن کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض معجزات کا تذکرہ کرنا کے بعد فرمایا **وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يَأْتِيَ بِنُورٍ عَلَىٰ سُلَيْمَانَ** یعنی عیسیٰ علیہ السلام صاحبین میں سے ہوں گے۔ صالح کا معنی نیکو کار ہے۔ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ صالح اس شخص کو کہتے ہیں جو نیکی کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے حقوق ادا کرتا ہو۔ اور کسی کا حق ضائع نہ کرتا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپ اللہ کے اولاد العزم پیغمبر اور صاحب کتاب رسول ہیں۔ لہذا فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو بشارت دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ جس کلمۃ اللہ کی بشارت دی جا رہی ہے، وہ نیکو کاروں میں سے ہوگا۔ گزشتہ آیت کے آخر میں ذکر تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام مقربین میں سے ہوں گے اس آیت کے آخر میں فرمایا کہ وہ صاحبین میں سے ہوں گے۔

جب حضرت مریمؑ نے فرشتوں کی زبان سے بیٹے کی پیدائش کی بشارت سنی تو بہ مقتضائے بشریت گھبرا گئیں۔ بات ہی ایسی تھی۔ وہ ایک

حضرت مریمؑ
کی بیشائی

عابدہ و زائدہ دو شیرہ رکی ہے نکاح ہوا نہیں، تو بچہ کیسے پیدا ہوگا۔ کیا نکاح ہوگا۔
 اگر نہیں ہوگا۔ تو بچہ کیسے۔ حضرت مریمؑ کو طرح طرح کے خیالات آئے گئے۔
 آخر پریشان ہو کر کہنے لگیں فَاَلَمْ تَكُنْ اَلٰی سَيِّدُوْنَ لَی وَكُنْتَ اَوَّلَ مَدْعُوْا پر دو گوارا
 میرے اہل بچہ کیسے ہوگا و لَمْ یَخْشَیْکُمْ مجھے تو کسی آدمی نے ہاتھ
 نہیں لگایا۔ عادت اللہ تو یہ ہے کہ مرد و زن کے ملاپ سے بچہ پیدا ہوتا ہے
 مگر نہ تو میرا نکاح ہوا ہے۔ نہ کسی ناجائز طریقے سے مرد کی قربت حاصل ہوئی
 ہے۔ تو بچہ کیسے پیدا ہوگا۔ فرشتوں سے جواب دیا قَالَ کَذٰلَیْلَ اللّٰهِ یَخْلُقُ
مَا یَشَآءُ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے، جو چاہے۔ اس سے پہلے
 جب یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق بشارت کا ذکر آیا تھا۔ تو وہ دہاں فرمایا
 تھا۔ کَذٰلَکَ اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ یعنی اللہ تعالیٰ اسی طرح کرتا
 جس طرح چاہے۔ مگر یہاں یہ یَفْعَلُ کی بجائے یَخْلُقُ کا لفظ استعمال
 کیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ دہاں پر بوڑھے میاں بیوی سے بچہ پیدا کرتا مقصود
 تھا۔ جو کہ عام عادت کے خلاف ہے۔ مگر ممکن ہے۔ پچھلے دنوں اخبارات
 میں آیا کہ ہندوستان کے کسی علاقے میں سو سال کی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا
 اگرچہ یہ عام طور پر دشوار ہے مگر ناممکن نہیں۔ کیونکہ میاں بیوی دونوں موجود ہیں
 اگرچہ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت میں یحییٰ کا لفظ
 اس لیے استعمال کیا۔ کہ یہاں پر باپ بھی موجود نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے
 بچہ پیدا ہوا۔ آگے آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر بھی آ رہا ہے۔ وہاں نہاں ہے
 نور نہاں ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کلمہ کن کے ساتھ آدم علیہ السلام کی تخلیق
 فرمادی۔ اِنَّ قَضٰی اَمْرًا فَاَنْصَبَا یَتَوَلَّیْ لَہُ کُنَّ فَاِکُنَّ عجیب
 وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی
 کام کے کرنے کے لیے اسباب کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ اس کا حکم
 ہی کافی ہوتا ہے۔

فرمایا جس مسیح علیہ السلام کی بشارت دی جا رہی ہے۔ اس کی ایک صفت یہ بھی ہوگی۔ وَيُحَدِّثُكَ نَبِيًّا وَلِيُخَوِّفَكَ اور اللہ تعالیٰ اسے یعنی مسیح علیہ السلام کو کتاب اور حکمت سکھائے گا۔ ہم مفسرین کدیم کتاب سے مراد لکھنا چاہتے ہیں اور حکمت من دانائی و محکمہ ہوتے سے درک کر مفسرین فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے۔ تسمیہ بشارت میں امام ابن ابی ذئب کی روایت میں ہے کہ جب مسیح علیہ السلام دنیا میں دوبارہ نازل ہوں گے۔ تو وہ کتاب و سنت کے مطابق پیش قدمی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن و سنت کا علم بھی عطا فرمادیں گے۔ آپ کسی استاذ سے نہ تعلیم لیں گے اور نہ سنت سیکھیں گے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ یہ چیزیں خود سیکھیں گے۔

وَاللَّهُ وَرَثَةُ الْإِنْسَانِ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو تو وراثت کا علم بھی دیا۔ تو وراثت کا معنی قانون ہے اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ فرعون کی غلامی سے نجات پانے کے بعد آپ کی امت نے درجہ امت کی اکر ہم غلامی کے قانون سے آزاد ہو چکے ہیں اس لیے اب ہمارا اپنا قانون بنانا چاہیے، تو اس فرمانش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے تو وراثت نازل فرمائی۔

وَأَنبِئْهُمْ بِمَا هُمْ كَافِرُونَ اور مسیح علیہ السلام کو انجیل کو علم بھی دیا گیا۔ انجیل کا انجلی معنی بشارت ہے۔ اور یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل فرمائی اور آپ کو اس بات کا پابند بنایا کہ تم جہاں بھی جاؤ لوگوں کو خوشخبری سننا، يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا إِنَّا بَعَدُكَ یعنی میں تم کو خوشخبری سننے کے بعد ایک رسول آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ سریانی زبان میں یہ نام قارقلیط ہے جبکہ اب عیسائیوں نے انجیل سے حذف کر دیا ہے۔ ان دونوں

اخلاط کا معنی ایکسہ ہی ہے یعنی ستودہ جہاں تعریفیت والا نہی۔ وہ آئینہ لا ہے
 اور اس کی شریعت اب تک رائج رہیگی۔ اس کے بعد کوئی نیا قانون اور
 شریعت نہیں آئیگی۔ اس لیے اس کا نام ہی انجیل رکھا۔ اس میں اخلاقِ جمہوریت
 اور نصیحت کی باتیں ہیں۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۲

ال عمران ۲

درس شانزدهم ۱۶

آیت ۴۹ تا ۵۰

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ
 بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ إِنِّي أَخْلَقْتُ لَكُمْ مِنَ الطَّيْرِ
 كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا
 بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ وَجِي
 الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ
 وَمَا تَدْخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
 لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٤٩﴾ وَ
 مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ
 وَلَأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ
 بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝

ترجمہ چارہ اشرف علی اس کو نبی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا (اور وہ
 ان سے کہے گا) بیشک میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی طرف
 سے۔ (اور وہ یہ ہے) کہ میں بنانا ہوں تمہارے سامنے گارے سے پرندے
 کی شکل کی طرح۔ پس میں پھونک مارنا ہوں اس میں، پس وہ ہر نامیہ اڑنے
 والا، البتہ کے حکم سے۔ اور میں اچھا کہہ دیتا ہوں، اور نافرمانی کہہ کر اور برص
 طے کہ۔ اور میں زندہ کہہ تا ہوں مردوں کو۔

کے حکم سے۔ اور میں بتلاتا ہوں تم کو جو تم کھاتے ہو اور جو تم ذخیرہ بنا کر رکھتے ہو۔
اپنے گھروں میں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس میں نشانیاں ہے تمہارے لیے، اگر تم ایمان نہ ہو (۴۹)
اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ وہ دالا ہوں اس کی جو کچھ سے پہلے ہے تو راستہ۔ اور میں اس
درستے آیا ہوں کہ میں حلال کہہ دوں تمہارے ساتھ بعض چیزیں جو تم پر حرام قرار دی گئی ہیں
اور میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے۔ پس اللہ سے
ڈرو۔ اور میری بات مانو (۵۰)

گہر مشتمل درس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق بشارت
کا ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو خوشخبری سنائی
کہ اللہ تعالیٰ جو کلمہ تجھ کو عطا کرے گا، اس کا نام مسیح ابن مریمؑ ہوگا۔ نبی حضرت
والا اور دنیا و آخرت میں مقربین میں سے ہوگا۔ نیز یہ کہ وہ گود میں اور ادھیر عمر
میں کلام کرے گا۔ اور نیچے کاروں میں سے ہوگا۔ حضرت مریمؑ نے تعجب کا اظہار
کیا۔ کہ اس کے ہاں بچہ کیسے ہوگا جب کہ اس نے نکاح کیا ہے۔ اور نہ
وہ کسی لعنتی کا شکار ہوئی ہے۔ بلکہ کسی مرد نے اس کو چھوا تب نہیں تو اللہ
کی جانب سے ارشاد ہوا۔ کہ اُس کے لیے بغیر باپ کے بچہ عطا کر دینا کچھ مشکل
نہیں۔ وہ ہر چاہے کس بات سے۔ صرف اُس کے حکم کی ضرورت ہوتی ہے
کام ہو جاتا ہے۔ اس کے حکم کی تعمیل کے لیے اسباب و علل کی ضرورت
بھی نہیں ہوتی۔ پھر یہ بھی فرمایا۔ کہ اُس پر ہونے والے نیکے کو اللہ تعالیٰ بڑی رست
کتاب و حکمت کی تعلیم دیگا۔ اور اُسے تورات اور انجیل بھی سکھائیگا۔

صل
بنی اسرائیل

اس کے بعد ارشاد ہوا ہے کہ جس کلمہ اللہ کی بشارت دی گئی ہے۔
اس کی حیثیت یہ ہوگی وَرَسُولُهُ رَافِعٌ اِسْوَأَ سَيِّدِ اللہ تعالیٰ
میں بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔ نبوت اور رسالت اللہ تعالیٰ
کے اعلیٰ ترین منصب ہیں جسے عطا ہو جائے۔ یہ منصب اللہ تعالیٰ نے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حصے میں بھی رکھ دیا کہ وہ رسول ہوئے۔ مگر

بنی اسرائیل کی طرف۔ آپ کی نبوت و رسالت تمام اقوام عالم کے لیے نہیں بلکہ صرف قوم بنی اسرائیل کے لیے ہے۔ یہ تو انجیل میں بھی موجود ہے۔ کہ ایک عورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی۔ اور عرض کیا، حضرت! میں آپ سے فیض حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ آپ نے دریافت کیا، تو کس قید سے تعلق کرتی ہے عرض کیا کنعان قبیلہ سے متعلق ہوں حضرت مسیح علیہ السلام نے اس عورت کی رہنمائی کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا، میں تو بنی اسرائیل کی گھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اُس عورت نے بڑا عجز کیا مگر آپ نے اس کی بات نہ مانی۔ جب وہ عورت چلی گئی تو آپ کے شاگردوں نے عرض کیا کہ آپ نے اُس عورت کو کیسے محروم رکھا، فرمایا، میں تو بنی اسرائیل کی گھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس کے علاوہ یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے فرمایا، کیا میں انسانوں کی غذا کتوں کے کنگے ڈال دوں، انجیل میں موجود ہے۔ کہ اُس عورت نے پھر عرض کیا کہ کتے بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ اور انہیں بھی فیاض لگوں کی میز سے محروم ہوئے ٹھکرے مل جاتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا اے عورت! تیرا ایمان بڑا مضبوط ہے۔ الغرض عیسیٰ علیہ السلام نے صاف کہہ دیا کہ میں صرف بنی اسرائیل کی اصلاح کیلئے مبعوث ہوں۔ اسی لیے آج کل کے عیسائیوں کی دعوت عامہ غلط ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے رسول ہیں۔

البتہ محترم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت تمام اقوام عالم کے لیے ہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے۔ وَمَا آتَيْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً بِالنَّاسِ كَثِيرًا وَكَثِيرًا هُمْ نَسُوا آپ کو تمام بنی نوع انسان کیلئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ سورۃ اخراست میں اللہ تعالیٰ نے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے کہلوا، قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ رَحِمْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِيْلَيْكُمْ جَمِيْعًا اَنْتُمْ كُنْتُمْ دُنْيَا جَانِ كُمْ

کے لوگ! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ آپ نے خود بھی فرمایا:
 بُعِثْتُ اِنْفِ الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ الْمَثَرَةِ مَجْہِ ہر سیاہ و سرخ کی طرف۔
 رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ غرضیکہ آپ علیہ السلام کی نبوت عامہ ہے اور تمام
 بنی نوح انسان کے علاوہ جن وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں حضور علیہ السلام سے
 قبل آپ کے مدد مجید حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تمام اقوام کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔ اِنْفِ
 تصریح قرآن پاک میں موجود ہے۔ اِنْفِ جَاءَ اِلَیْكَ اِسْرَہَامُ اللہ تعالیٰ نے
 فرمایا۔ میں تمہیں ساری دنیا کا امام بنانے والا ہوں۔

معجزات
نبیاء

فرمایا جس علیہ المرتبت رسول کی پیش گوئی کی ہادی ہے۔ وہ آخر کے ۴
 اَلْوَفَقَةُ جَنَّتْ كُمْ بِاَلِيَّةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ میں تمہارے پاس
 تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ نشانی سے مراد وہ معجزات
 ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کو عطا کئے۔ حدیث
 شریف میں آیا ہے۔ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی
 نشانی نہ عطا کی۔ مگر معجزات عام بھی سوتے ہیں اور خاص بھی۔ مادی نبی اور روحانی
 بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اللہ نے حوائص معجزہ مجھے عطا فرمایا ہے۔
 وہ قرآن کریم ہے۔ اس میں مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے
 ماننے والے سب سے زیادہ ہوں گے۔ میرا یہ معجزہ دائمی ہے۔ اور ہمیشہ لوگوں
 کے درمیان موجود رہے گا۔ لوگ اس کو پڑھیں گے۔ اس پر ایمان لائیں گے۔
 ہدایت اختیار کریں گے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں میں شمار ہوں
 گے، یہ آپ کا نذرہ معجزہ ہے۔ باقی معجزات وقتی نوعیت کے تھے جو بنانا
 اپنے وقت تک ہی قائم رہے۔

معجزات
پیغمبر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے معجزات لوگوں کے سامنے
 ہمیشہ کے سب سے پہلے معجزے کے متعلق فرمایا اَلْحَقُّ خَلُوْا
 لَكُمْ مِنَ الطِّیْنِ كَهَيْئَةِ الطَّیْرِ فَكَفَّجَ فِیْہِ

میں تھا کہ سانسے مٹی سے ایک پرندے کی شکل بنا آہوں۔ پھر اس میں چونک مارتا ہوں۔ فَبِكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ پس وہ اللہ کے حکم سے اُڑنے لگتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ خاص معجزہ تھا۔ آپ مٹی کا پرندہ بناتے اس میں چونک مارتے تو وہ پھڑکے اڑ جاتا۔ اب ہماری شریعت میں کسی جاندار کی تصویر یا مجسمہ بنانا جائز نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا لَقَدْ أَبْلَغَ الْمُصَوِّرِينَ تصویر کشی کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہے۔ وہ اس کی رحمت سے محروم ہیں۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا جس شخص میں تصویر اور کتا ہو، وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ ہر حال عیسیٰ علیہ السلام نے تصویر سازی معجزہ کے طور پر کی۔

فرمایا میرا دوسرا معجزہ یہ ہے وَأَنِّي أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّكُمْ مَيِّتُونَ میں نے تم کو خبر دیا ہے کہ تم لوگ مرنا لازماً ہو اور برس یا کوڑھ کے مریضوں کو چھاکر مارتا ہوں۔ ہمیں چلبھری یا جزام پر بھی بولا جاتا ہے۔ یہ لالچ بیمار یاں ہیں۔ لیزائیوں کے زمانے سے لے کر آج تک حکماء نے ان بیماریوں پر قابو پانے کی بڑی کوشش کی ہے مگر پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکے۔ جزام ایسی خطرناک بیماری ہے کہ اس کے مریض کے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں اور ناک وغیرہ گل جاتے ہیں اور چلبھری کے داغ بھی جب پیدا ہو جائیں تو رفع نہیں ہوتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بطور معجزہ ان ملک بیمار یوں کا علاج کرتے تھے۔ اُس زمانے میں عیسا بہت کا بڑا چرچا تھا۔ بطراط اور جالینوس جیسے بڑے بڑے حکیم اسی زمانہ کے قریب گذرے ہیں۔ ایک سے ایک بڑا طبیب تھا۔ مگر مذکورہ بیمار یاں لا علاج تھیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے علاج کا دعوے کیا۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں میٹرکھل سائنس نے بہت زیادہ ترقی کی ہے۔ خاص طور پر سرجری میں بڑی مہارت حاصل کی ہے۔ مگر پھر بھی لا تعداد کمزور یاں ہیں کہ بیماری کی سمجھ ہی نہیں آتی، علاج تو بعد کی بات ہے۔ ہر حال

یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ لا علاج بیمار یوں کا علاج کرتے تھے۔

در اصل معجزہ کا مطلب ہی عاجز کر دینے والی نشانی ہے۔ یعنی ایسی چیز جس کا عام لوگ جواب پیش کرنے سے عاجز آجائیں۔ خود قرآن پاک نے اپنے آپ کو بطور معجزہ پیش کرتے ہوئے چیلنج کیا کہ اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا سَزَلْنَا عَلَىٰ عِبَادِنَا فَلْتَاوُوا بِحُسْنِ ذِكْرِ مَنْ يُنْزِلُ الْكِتَابَ عَلَيْنَا يَأْتِيهِمْ قُرْآنٌ پاك کے کلام الہی ہونے میں کوئی شک ہے۔ تو اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا کہ لازماً مگر فصاحت و بلاغت کا کوئی ماہر اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا۔ بلکہ سب عاجز آ گئے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طبابت کا بڑا چرچا تھا۔ مگر مذکورہ بیماریوں کے سامنے سب عاجز تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے زندگی سے بایں مریضوں کو شفا ملنے لگی۔

اجیکرئی

اس سے بھی بڑھ کر آپ نے تیسرے معجزے کا اعلان کیا وَاِذَا نَادَىٰ رَبُّكَ يَوْمَ تَذُورُ السَّاعَةُ۔ مفسرین کرام نے چار ایسے مردوں کا ذکر کیا ہے۔ جنہیں عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے زندہ کیا۔ پہلا واقعہ آپ کے عازر نامی دوست کا تھا۔ جس کا گھر آپ سے کئی دن کی مسافت پر تھا، وہ سخت بیمار ہوا، تو اس کی بہن نے آکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس کی حالت ڈار بیان کی۔ آپ دو تین دن کا سفر طے کر کے اس کے گاؤں پہنچے، تو دوست فوت ہو چکا تھا اور اسے دفن کیا جا چکا تھا۔ آپ نے اس کی قبر پر جا کر کہا يَا ذُنَّ الْمَلِكِ اللہ کے حکم سے کھڑے ہو جاؤ۔ تو وہ مردہ زندہ ہو گیا۔ اچانکے موتی کا دوسرا واقعہ ایک عورت کا بیٹا تھا۔ اس عورت نے آپ کی بڑی منت بہجت کی۔ تو آپ نے اس کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح ایک چچی نے کی مردہ بیٹی کو زندہ کیا۔ چوتھا واقعہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کا ہے۔ آپ نے اس کی قبر پر جا کر کہا يَا ذُنَّ الْمَلِكِ کہ اے میرے بیٹے اٹھ کھڑے ہو گئے۔

ان کا ارادہ مسرفیہ ہو چکا تھا۔ کہنے لگے، یہ قیامت برپا ہو گئی ہے، آپ نے نفی میں جواب دیا۔ اُس زمانے میں لوگوں کے بال مفید نہیں ہوتے تھے، یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سفید ہوا شروع ہوئے۔ گویا دنیا بکثیف مجبونی اُنس وقت تک جو ان تھی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے بہنایا آنا شروع ہوا۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سام سے پوچھا تمہارے بال کیسے سفید ہو گئے۔ تو انہوں نے کہا، برزخ میں درشت کی دوسرے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا، کیا دوبارہ اُسی حالت میں جانا پسند کرتے ہو، انہوں نے کہا ہاں، بشرطیکہ مجھ پر سکرات موت کی تلخی دوبارہ وارد نہ ہو۔ چنانچہ وہ دوبارہ اُسی حالت پر پہلے گئے۔ باقی تین مردوں کے متعلق مفسرین گرامہ فرماتے ہیں، کہ انہوں نے کافی عرصہ دوبارہ زندگی گزار دی، بلکہ جنس کے ہاں اولاد بھی پیدا ہوئی۔ وہ پھر پٹہ پٹہ وقت میں ختم ہو گئے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے انہیں اُنس مٹی کا مجبور بھی مسخ علیہ السلام کی خطا فرمایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس مجبور کے کاہنی تذکرہ کیا وَ اَنْتَ كُنْتَ تَفَرِّجُ
بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا میں تم کو تھلاؤ ہوں جو کچھ تم گھر سے کھا کر آتے ہو وہاں آخر میں فِي مَيُوتِ كَفَّةٍ اور تو کچھ تم گھر میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔ کسی مجلس میں لوگ بیٹھے ہوئے تو عیسیٰ علیہ السلام بابت کہ کلال شخص اپنے گھر سے یہ چیز کھا کر آیا ہے اور فعل چنانچہ اس کے گھر میں باقی رکھی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ نے معجزہ دکھایا تھا، اس کے علاوہ باقی چیزوں کی آپ خبر نہیں دیتے فَمَا يَدْرِي اَنْ ذَٰلِكَ فَاَيُّكُمْ كَفَرٌ کہ تم مومن ہو یا کافر اس میں تمہارا کیا لینا ہے؟ لیکن انہیں ان کے لیے اس قسم کے الفاظ قرآن پاک میں تعدید آئے ہیں کسی نبی کے ہاتھ پر کھائی خارق عورت فعل سرزد ہو تو حجرہ کہلاتا ہے۔ اور کسی ولی کے ہاتھ پر ہو تو کرامت کہلاتی ہے۔ تاہم یہ سب کچھ باذن اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔ کسی انسان نبی، ولی یا اپنے اقل نہیں ہوتا۔

نور اللک
کے خبر

موجب
کا انکار

موجودہ زمانے کے بعض متکبران معجزات نے ایسی آیات کی تحریف و غریب
تأویلیں کی ہیں۔ انہوں نے اس آیت میں مذکورہ پیرندوں سے مراد حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کے توحشی سیلے ہیں جنہیں آپ نے تیزی سے جہنم کا
حکم دیا تھا۔ انہوں نے مادرِ اذہموں سے جابل لوگ مراد دیے ہیں۔ اسی
طرح وہ کڑھی سے گندے اور غلیظ لوگ مراد لیتے ہیں۔ یہ دینہ جیسے متکبرین
نے کمال اٹھتے معنی سنئے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک میں معجزات کا سرسج مذکور موجود
سب سے مثلاً پتھروں سے پانی نکالنا، ابد و ثمنی کا چٹان سے پیدا ہونا، غلغلہ یہ بیٹھا
و غیرہ۔ اس کے علاوہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے کئی ایک
معجزات کا ذکر جس سراج الفاظ میں موجود سب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سینے
جلائی جانے والی آگ کا معجزہ بڑا واضح ہے۔ یہ تمام معجزات اہل ایمان کے ایمان
کا حصہ ہیں اور ان سے انکار کی مجال نہیں۔ کچھ کہتے ہی دوسرے اتنی چڑی، قادیانی
نابھری، سرسید احمد خان اور پیر و غیرہ ہم ہمراہ لوگ ہیں۔ جو صرف معجزات کی
بیہودہ تاویلیں کرتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ہی یقین نہیں کہ وہ
سب کچھ کر سکتا ہے۔ ان متکبرین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے
پیدائش کا بھی انکار کر دیا ہے۔ یہ تکبر کی باتیں ہیں۔ مومن کی شان یہ ہے ۔
آمناء و عہد قدیم کہ کوئی چیز انسانی شعور میں نہ بھی آئے۔ تو اس پر ایمان لانا چاہیے۔
انکار نہیں کرنا چاہیے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ ہم ہر چیز کو عقل سے
بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ والے لوگ معجزات کی حقیقت سے آگاہ ہو
سکتے ہیں مثلاً عام لوگوں کے سامنے ایسی چیزوں کا اظہار مناسب نہیں ہے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا: وَمَنْ يَصْبِرْ فَلَهُ أَجْرٌ كَبِيرٌ
مَنْ الشُّرُكُوتِ میں اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتاب تو راستہ کی
تفسیر کرتے دلا ہوں۔ بہرہ نئی پنڈ۔ سے پہلی کتاب کی تصدیق کرتا ہے اور
اللہ تعالیٰ جس نبی سے چاہیں کسی پہلے نازل شدہ تم کو مومن کہہ دیں۔ اللہ تعالیٰ

نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کہلویا کہ میں تو راست کا مصدق ہوں، جس کا مخوف نہیں ہوں۔

فرمایا مجھے یہ فرض بھی سونپا گیا ہے۔ وَلَا حِلَّ لَكُمْ بِعَتْنِ
الَّذِي خَضَعُوا عَلَيْكُمْ تاکہ میں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں۔ مثال کے طور پر بنی اسرائیل پر بھٹی، چربی در بعض دوسری چیزیں حرام تھیں۔ ابن امشبہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے حلال قرار دیا۔ یہ بات قابل وضاحت ہے کہ حلت و حرمت کی نسبت جب بنی کی طرف ہوتی ہے۔ تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ بنی حلت و حرمت کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔ وگرنہ کسی چیز کی حلت و حرمت اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے ہے۔ بنی اپنی مرضی سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس کے پاس اس بات کا قطعی علم آگیا ہے کہ فلاں چیز حلال ہے یا حرام ہے۔ عیسائیوں نے اسی مقام پر غلطی کی۔ جب یہ منصب انہوں نے اپنے پادریوں کو سونپ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے شرک قرار دیا۔ إِن يَأْبَئِذْ ذُنُوبُهُمْ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ کہ حلال و حرام کے اختیار سنت اپنے پیروں ہی یا مومنین کے سپرد کر دیے جائیں۔ تو نبی کا حلال و حرام بھڑانہ و اصل اللہ کے احکام کا اعلان ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا: وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّي تاکہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح نشانیاں لے کر آیا ہوں۔ اس لیے میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں فَاتَّقُوا اللَّهَ اللہ سے ڈرو اور طَاعُوا حکم کر سنا ہوں۔

انہی آیت میں تمام اقوام اور ادیان کا بنیادی عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔

ثَلَاثُ الرُّسُلِ ۳

اِنْ عَمَرَ ۲

درس ہند ۱۴

آیت ۵۱ تا ۵۴

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ
 مُسْتَقِیْمٌ ۝۵۱ فَلَمَّا احْشٰ عِیْنِی مِنْهُمْ
 الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَرِیْ اِلَی اللّٰهِ هٰذَا
 الْحَوَارِیُّوْنَ هُنَّ اَنْصَارُ اللّٰهِ اَمَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ
 بِاَنَا مُسْلِمُوْنَ ۝۵۲ رَبَّنَا مَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا
 الرَّسُوْلَ فَاَكُنْتَ مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ۝۵۳ وَمَكْرُوْا
 وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمُكْرِیْنَ ۝۵۴

الْحَوَارِیُّوْنَ

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ میرا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے۔ پس اُمّی کی
 عبادت کرو۔ میں سب ہی براہِ سب ۵۱ مہرِ حبیب علی علیہ السلام نے ان لوگوں
 کی طرف سے کفر محسوس کیا، تو کہا کون میری مدد کرنے والا ہے، اللہ کی راہ میں
 حواریوں نے کہا ہم ہیں۔ اللہ کے مددگار۔ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور تو بھی
 گواہ بن جا کہ بیشک ہم قرآنِ کریم کی کھنڈ سے ہیں ۵۲ احوالیوں نے کہا اے
 ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے ہیں اس چیز پر جس کو تو نے نازل کیا ہے
 اور ہم نے رسول کی اتباع کی ہے۔ پس کھنڈ سے ہم کو گواہی عیثیٰ والوں
 میں ۵۳ اور ان لوگوں نے مخفی تدبیر کی اور

اللہ نے بھی مخفی تدبیر کی۔ اور اللہ سب سے بہتر (پوشیدہ) تدبیر کرنا والا ہے ۵۴

گزشتہ درس میں حضرت علی علیہ السلام کے بعض مہجرات کا تذکرہ تھا
 جن کے متعلق آپ نے اپنے صحابہ میں سے کہا کہ میں تمہارے پاس تھا جسے

بنیادی
 عقیدہ

رب کی طرف سے نشانیں ملے کہ آیا ہوں، اس لیے میرا قسم ہے مطالبہ ہے۔
 اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ قرآن پاک شام ہے۔ کہ جن انبیاء کا ذکر قرآن
 میں موجود ہے۔ ان سب نے اپنی اپنی قوم سے یہی کہا کہ اے لوگو! اللہ سے ڈرو
 اور میری اطاعت کرو۔ حضرت صالحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت شعیبؑ اور حضرت
 نوحؑ علیہم السلام کے واقعات یہی پتہ چلتا ہے۔ یہ بنیادی عقیدہ تخلیق آدم
 سے کہ ہر دور میں ہر امت میں پایا گیا ہے۔ اور انبیاء اسی عقیدے کی
 تجدید کرتے آئے ہیں۔ یہاں پر بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اسی عقیدے
 کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ رَٰبِعٌ وَفَرَسٌ كَمُحَمَّدٍ مِثْلًا اور تمہارا رب
 اللہ ہی ہے۔ وہی خالق ہے، وہی مالک ہے اس لیے غَاثِبٌ ذُو
 عبادت بھی اُسی کی کرو۔ یہ عقیدہ دین کی اساس ہے اور تمام انبیاء کی بنیادی
 تعلیم ہی ہے۔ اسی سے عیسائیوں کے باطل عقیدہ کا بھی رتہ ہوتا ہے۔
 جو عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا خود خدا مانتے ہیں، میرا اور تمہارا سب کا رب
 تو ایک وعدہ لا شرک ہے۔ تم خواہ مخواہ مجھ میں رب ربیت کی صفت ملنے ہو۔
 یہاں پر دو باتیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہیں۔ پہلی بات ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ
 رَٰبِعٌ وَفَرَسٌ كَمُحَمَّدٍ مِثْلًا اور یہی فرماتے ہیں۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام اس بیان کے فریضے
 منجھنا یہ چاہتے ہیں۔ کہ دیکھو بھائی! ہم سب مخلوق ہیں۔ میرا اور تمہارا سب کا
 رب ایک ہی ہے ہماری سب کی منزل بھی ایک ہی ہے۔ حتیٰ اللہ تعالیٰ کی
 ربیت اور الوہیت پر ایمان لانا۔ اور یاد رکھو! جب تک کسی شخص کا اعتقاد
 برحق نہ ہو، اس کی قوت عقلی اور علمی کامل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس قوت کو کامل
 بنانے کے لیے اعتقاد کی سچائی اور اس کی پختگی ضروری ہے۔ اور پھر اعتقاد
 برحق کی آخری منزل اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر کامل ایمان لانا ہے اگر عقیدے
 میں شرک شامل ہو گیا تو عقیدہ فاسد ہو جائیگا اور قوت علمی ضائع ہو جائے گی۔
 اور انسان کو مطلوبہ کمال کبھی حاصل نہیں ہو سکے گا۔

اعتقاد
اور عقل

اہم صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت کرمیہ میں دوسری بات فَاعْبُدُوهُ ہے۔ اور یہ چیز قوتِ علی کی تکمیل کے لیے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کہے اس کے اور اور نو اور ہی پر عمل کرے۔ اس طرح اس کی قوتِ علی بھی کمال کو پہنچ جائے گی۔ پھر جب قوتِ علی اور قوتِ عمل دونوں اپنے معیار کو پہنچ جائیں گی تو فرمایا هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ یہی وہ سیدھا راستہ ہے جس کی طلب ہر مسلمان ہر نماز میں کرتا ہے اور کہتا ہے هَذَا صِرَاطُ الْمُسْتَقِيمِ یہی وہ راستہ ہے جس کی تعلیم تمام انبیاء کرام دیتے آئے ہیں۔ هَذَا صِرَاطٌ عَلٰی مُسْتَقِيمٍ یہ اساسی اعتقاد ہے جس کو چھوڑ کر یہودی گمراہ ہو گئے۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی کوہن کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ یہ خلافت اس کے عیسائیوں نے اللہ کے بندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت کے درجے تک پہنچایا۔ وہ بھی صراطِ مستقیم سے جھٹک گئے۔ اور ان کا کام ہوئے۔ جب تک یہ اساسی عقیدہ درست نہیں ہو گا، کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

فرمایا اَحْسَنَ عِشْيَ مِنْهُمْ الْكُفْرُ جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کی طرف سے کفر محسوس کیا۔ یہ لوگ آپ کے سخت مخالفت تھے۔ آپ کو طرح طرح سے تکلیف پہنچاتے تھے۔ جب ان کی عبادت سے بڑھ گئی تو آپ نے فرمایا قَالَ مَنْ اَنْصَارِ يَكْفُرُ اِلَى اللّٰهِ کہ ہے جو میری مدد کرے اللہ کی راہ میں بعض فرماتے ہیں کہ چونکہ یہودیوں نے عیسیٰ کی بات نہ مانی، اس لیے آپ نے غیر نبی اسرارِ نبی کے لوگوں سے خطاب کیا کہ مطلقاً میری مدد کرنے والا کون ہے۔ اس موقع پر قَالَ الْخَوَارِجُ يُون خوارجوں نے کہا اَحْسَنَ اَنْصَارِ اللّٰهِ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔

خواری وہ شخص لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ خود سفیدی کو کہتے ہیں، یعنی وہ چیز جو خالص ہو۔ یہ لوگ بھی چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے

حضرت عیسیٰ
کے خواری

ساتھ غلط تھے، اس لیے ان کو جاری نہ کیا گیا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ لوگ دھوبتی تھے اور کچرے دھویا کرتے تھے۔ ان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزیر ہوا، اور پوچھا کیا کرتے ہو، عرض کیا ہم کپڑوں کو میل کچیل سے صاف کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم کپڑوں کو صاف کرتے ہو، آؤ! میں تمہیں لوگوں کی صفائی کا راز بتاؤں۔ وہ لوگ آپ کے معتقد ہو گئے۔ اور آپ کی مدد کرنے لگے۔ یہ بات جنتی طبع پر نہیں مبنی جا سکتی کہ وہ بنی اسرائیل سے تھے یا خیر بنی اسرائیل سے تھے۔ تاہم یہ وہ قسریں تھیں یہی بات کہ یہ لوگ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ اور تعداد میں ۱۲۰ تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہیں مختلف مقامات پر تبلیغ کے لیے بھیجے اور یہ اللہ کا پیغام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عقائد کے مطابق لوگوں تک پہنچاتے۔ بہر حال جاری مخلص دوست پر لڑا جاتا ہے۔ اور جو بعض سفید پس لیے کہ ان کے دل پاک اور سفید تھے۔ توحید سے گریز تھے اور ہر قسم کی کدورت سے پاک تھے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا **الْحَمْدُ لِلَّهِ** جو آواز مٹی پر مبنی کا کوئی مخلص دوست اور ساتھی نہ بنا کر آئے۔ اور میرا جاری ذریعہ ہے۔ جو آپ کے پھر چھ روز اور عشر و عشر دس سے تھے۔ ان کے ہاں درجہ ہوتے اور انہوں نے ماحول اور قوت ایمان دی تھی۔ کہ جب تک یہ لوگ میں لاکھوں مومنوں کی صفوں میں تنہا گھس گئے۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت زبیر نے اپنے بیٹے عمروہ سے کہا امیر سے جسم میں ایک انچ جگہ بھی ایسی نہیں جہاں تیرا تلواری کا زخم نہ آیا ہو۔ ایک دفعہ نیزہ آپ کے کندھے سے پار ہو گیا تھا۔ زخم پورے ہی طرح بھر نہیں تھا۔ بلکہ کندھے میں سوراخ بن گیا تھا۔ عمروہ اس میں ہاتھ ڈال کر کھینلا کرتے تھے۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے حضرت زبیر کو اپنا جاری ذریعہ انفرادی طور پر فرض (حواریوں) بنے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں، یعنی ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں۔ کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ**

کہ ان سے شرب ہے فَجَزَّ تَرْفُؤًا لِّكُلِّ لَهْ عَنْ مَّوْضِعِهِ
 یہ لوگ بائبل کے ہر آیت میں کوئی نہ کوئی تبدیلی کرتے رہے ہیں۔ اس طرح انہوں
 نے خدا کی کتابوں میں رد و بدل کر دیا ہے۔ خود ان کی اپنی ذہنیت بڑھ چکی ہے
 مفسر اور سازشی نہیں کہتے ہیں اور ہمیشہ بنی نوع انسان کی برائی کی تدبیریں سوچتے
 رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمام لوگ ان کے دہم فریب میں پھنس جائیں۔
 اور پھر وہ انہیں جس طرح چاہیں گمراہ کرتے رہیں۔ یہ کلم بخت ایسی ایسی سیکھیں
 یودیوں تیار کرتے ہیں۔ جن کے نتائج سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال بعد سامنے آئیں۔
 کی مانند شام فلسطین کے یہودی شاہ روم کی عمل درآمد میں تھے ۲۴ھ میں منعمی طور
 پر کچھ انہوں نے بھی چل بختی بالکل جیسے ہی جیسے کسی وفاق میں صوبوں کو صوبائی معاملات
 میں قند سے خود مختاری ہوتی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام ان بدبختوں کی بائبلوں کی نقل تدبی
 کرتے تھے، جس کی وجہ سے یہ ان کے مخالف تھے۔ آپ کو گالیاں دیتے، پتھر
 مارتے، آپ کے خلاف غلط پراپیگنڈا کرتے، ان کے خلاف سازشیں کرتے بغرض کہ
 آپ کی ایذا رسانی کا کوئی موقع نہ گزرتے تھے کہ یہ شخص تورات
 کا انکار کر کے دین کو بگاڑ رہا ہے۔ آپ پر حملہ ہونے کا الزام لگایا گیا اور آپ کے
 لیے مندرائے موت کا مطالبہ کیا گیا۔ بہر حال انہوں نے آپ کو پہنچا تدبیر کی کہ عیسیٰ
 کو عدالت میں پیش کر کے آپ کو مندرائے موت دلائیں۔ اس ضمن میں آپ
 کو ایک مکان میں بند کر دیا گیا، تاکہ آپ ان کی گرفت سے نکل نہ سکیں۔ آپ کے
 خلاف رسمی سازش کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا كُنَّا بِمَعْرِفَةٍ
 اور انہوں نے خفیہ تدبیر کی۔ بعض اوقات لفظ مکہ سے غلط فہمی ہوتی ہے۔
 اور وہ اردو پنجابی میں مکہ سے مراد فریب اور دھوکا ہے۔ جب کہ عربی زبان میں
 یہ لفظ تنبیہ تدبیر کے لیے بولا جاتا ہے۔ بہر حال یہودیوں نے خفیہ تدبیر کی، کہ
 کسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے۔ اور آدھر اللہ تعالیٰ آپ کی
 حفاظت کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسی مشاہد کے متعلق فرمایا وَمَا كُنَّا بِمَعْرِفَةٍ

اور اللہ نے بھی تہنیتِ تدبیر کی۔ وہ اپنے بندے کو یہودیوں کے ناپاک دہشتوں سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس طرح آسمانوں پر اٹھالیا ان کا ذکر آگے آئیگا۔ فرمایا وَاللّٰهُ خَلَقَ سُبْحٰنَہٗ اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ یہ مشہور قول ہے مگر جو اپنے بھائی کے لیے کنواں مٹھو دیتا ہے۔

وہاں کنڈہ راہیہ (رہشیں) وہ خود اُسی پر گرتا ہے جو کسی کے لیے بُری تدبیر کرتا ہے۔ وہ خود اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا یہ سبب ہوئی۔ اللہ نے انہیں وہاں سے تھیں سڑکتے نکال دیا۔ اور یہودی اپنی سازش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آگے آپ کے آسمان پر ٹھٹھانے جانے کی تفصیلات آئیں گی۔

ثَوَاتُ التَّوْبَةِ ۛ

بِعَمَلِكُمْ ۛ

دس سو ستر ہجرت ۱۸

تبت ۵۷۵۵

اِنَّ قَارَ اللّٰهُ يُعِصِنِيْ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَفَعُكَ رَیًّا
وَمُطَهِّرًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ
اَتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِنِّیْ یَوْمَ الْقِیَمَةِ
ثُمَّ اِنِّیْ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا
كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۵۵ فَمَا الَّذِیْنَ
كَفَرُوْا قَاعِدَةُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی
الدُّنْیَا وَ الْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّصِرٍ ۝۵۶ وَ
اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ فِیْوَفِّیْهِمْ
اُجُوْرَهُمْ وَلَهُمْ لَا یُحِیْتُ الظَّٰلِمِیْنَ ۝۵۷

تمہیں یہ یاد اور دو وقت ہی قابو نگہ رہے، جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں!

بیشک میں تم کو تہنیں کر سنے دار ہوں اور اپنی حریت، ان سے دار ہوں اور پاک

کر سنے دار ہوں اُن لوگوں سے کہوں سے کفر کیا، اور میں بنائے دلاؤں تیر

اتباع کر سنے داروں کو اور پُر اُن لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا قیامت کے

قریب تک، پھر میری طرف ہی تم سب کا گوشہ گرد آنا ہو گا پھر میں فیصلہ کر دیتا

تمہارے درمیان ان باتوں میں جن میں تم اختلاف کرتے تھے ۝۵۵ پس

بحر حال وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، میں میں اُن کو سزاؤں کا سخت سزاؤں

دنیا و آخرت میں، اور ان کا کوئی نبی مددگار نہیں ہو گا ۝۵۶ اور وہ لوگ جو ایمان

لے گئے، اور جنہوں نے نیچے کام کیے پس روزِ آخرت میں پورے پورے دے گا

اُن کو اُن کا بدلہ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۵۷)

گزشتہ درس میں اُن سازشوں کا ذکر تھا جو یودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نقصان پہنچانے کے لیے کیں۔ انہوں نے آپ کو قتل کر دینے کے لیے بادشاہ وقت کے کان بھرے کہ یہ شخص تو رات کو رہنا چاہتا ہے یہ لوگوں کو جے دیں بنا دیگا لہذا اسے سزا ملنی چاہیے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے بھی محض تذبذب کی ہیں اور اللہ نے بھی تدبیر کی۔ اور اللہ ہی سب سے بہتر تدبیر کرتے لائے ہیں وہ یودیوں کی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے بلکہ خود اپنی فتنہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کریں گے۔

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ یودیوں کی سازش کے تحت قَبَضَ فِی ظَلَمِہٖ اَنْ یَّاخُذَہٗ وَ یَصْلُبَہٗ وَ یُثْبِتَہٗ بِہٖ بادشاہ نے حکم دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے لایا جائے۔ انہیں سولی پر لٹکایا جائے۔ اور انہیں عبرتناک سزا دی جائے تاکہ آئندہ کوئی اس قسم کی جرأت نہ کر سکے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰی وَ اَقِمْ وَ اَقِمْ وَ اَقِمْ کہ جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا فِی مَکُوْنٍ مِّنْہُمْ کہ قبض کرنے والا ہوں۔

عربی لغت میں قَوَّضَ دینی، کما حقہ، بروت ہے اَخَذَ الشَّیْءَ لَوَافِیَا یعنی کسی چیز کا مکمل طور پر وصول کر لینا ہے۔ کسی چیز کو قبض کر لینا مراد ہوتا ہے چنانچہ شیخ الحدادؒ اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "جب وقت اللہ تعالیٰ نے کہا اے عیسیٰ علیہ السلام! میں نے اس کا سچہ کو اور اٹھائوں گا تجھ کو اپنی طرف جو کہ بالکل صحیح ترجمہ ہے۔ البتہ معنوی طور پر اس کا اطلاق موت اور زندہ پر بھی ہوتا ہے جیسے فرمایا اللہ یتَوَفَّی الْوُفُوسَ حَیًّا مَوْتِہَا اللہ تعالیٰ موت کے وقت نفسوں کو قبض کر لیتا ہے۔ وَاللّٰہُ لَخَفِیْمٌ مِّنْہُمْ فِی مَوْتِہَا اور جو زندہ کے وقت نہیں مرنے اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ گویا قَوَّضَ

کا لفظ نیند کے لیے بھی استعمال ہوگا۔ **وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ** اللہ تعالیٰ رات کو تمہاری روح کو قبض کر لیتا ہے **وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَبِ** اور اللہ جانتا ہے جو تم دن میں کام کرتے ہو۔ اس طرح توفیٰ کے کے تین معنی ہو گئے۔ اصل معنی وصول کرنا اور مجازی معنی موت اور نیند ہو گیا۔

تو بعض اس کا مجازی معنی کہتے ہیں۔ اور پھر اس سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بالضرر اگر توفیٰ کا معنی موت بھی لیا جائے۔ تو پھر **مَتَوَفَّيْتُكَ** **وَأَفْعَلْتُ** **إِلَّا فِي تَقْدِيمِ** تاخیر نامی پڑیگی۔ یعنی عمل کے لحاظ سے **وَأَفْعَلْتُ** **إِلَّا** پہلے ہو گا اور **مَتَوَفَّيْتُكَ** کا عمل بعد میں۔ اس طرح معنی یہ ہو گا کہ عیسیٰ علیہ السلام میں (اس وقت) پتھر کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور پھر (اپنے وقت پر) موت دیتے والا ہوں حضرت عبداللہ بن عباسؓ توفیٰ کا معنی موت کرتے ہیں۔ مگر ان سے یہ روایت بھی صریحاً منقول ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا **كَيْفَ مَاتَ عِيسَى** یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو موت نہیں آئی۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا ہے۔ آپ قیامت کے قریب دوبارہ نزول کریں گے۔ اور زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے۔ جیسے وہ اس سے پہلے ظلم و نا انصافی سے بھر ہو گئی! ابوداؤد شریف کی روایت میں یہ بھی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ نزول کے بعد پچاس سال تک زمین پر حکومت کریں گے بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ نکاح بھی کریں گے۔ بچے پیدا ہوں گے۔ پھر آپ کی وفات کا ذکر بھی ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام وفات پائیں گے تو میرے پاس ہی دفن ہوں گے۔ چنانچہ حجرو مبارک میں چوتھی قبر کی جگہ اب بھی موجود ہے۔ اس وقت وہاں پر تین قبریں ہیں یعنی حضور علیہ السلام حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ۔ چوتھی قبر عیسیٰ علیہ السلام کی بنے گی۔

ان احادیث کے علاوہ اگلی سورۃ ناس میں **بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ** کے

صرف ایک الفاظ وجود ہیں جس کا معنی یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے وفات نہیں پائی بلکہ اللہ نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اور وہ دوبارہ نازل ہوں گے۔

حضرت مولانا النور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ حیات مسیح علیہ السلام کے بارے میں روایات اس کثرت سے ہیں کہ وہ تو اترے گا درجہ رکھتی ہیں۔ تو اترے چار قسم کا ہوتا ہے یعنی ظنی، معنوی، طبقہ اور قرار۔ اور یہ چاروں درجات ان احادیث میں پائے جاتے ہیں۔ جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ غرضیکہ تو اس کے بارے میں اتنی کثرت سے ہوتے ہیں کہ آدمی کی عقل تصور نہیں کر سکتی کہ اتنے آدمی جھوٹ بول سکتے ہیں۔

ابن حزم غلامبرقی کہتے ہیں لہ نیشٹ فی کفرہ انشان یعنی آپ کو وہ آدمی بھی ایسے نہیں ملیں گے جنہیں نیسے شخص کے کفر میں شک ہو۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور آپ کے دوبارہ نزول پر یقین نہ رکھتا ہو۔ یعنی پوری امت کے علمائے دین میں سے کوئی بھی اس معاملہ میں متردد نہیں ہے۔

اس مسئلہ کا ایک درستہ طریقہ سے تجزیہ بھی ضروری ہے۔ کہ ایک منہٹ کے لیے فرض کر لیا جائے کہ متونی کا معنی موت دینا ہے۔ تو پھر گذشتہ آیت کی تفسیر لزم آئے گی، گذشتہ آیت میں گنہ چکا ہے۔ کہ مخالفوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مائے کی تدبیر کی۔ اور اُدھر اللہ جلے نے انہیں سچانے کی تدبیر کی۔ اگر مئی اھیں آپ کی جان لینے میں کامیاب ہو گئے تو پھر اللہ خیر الصلحہ کریں گا کیا معنی نکلا۔ اس سے مراد تو یہ ہے کہ اللہ کی تدبیر کامیاب ہوئی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو سچا لیا گیا۔ اور اگر ان کے موت ہی سے دی گئی، تو پھر اللہ تعالیٰ اور مخالفوں کی تدبیر ایک ہی ہوئی اور یہ بات قطعاً درست نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر کی کامیابی کا انکار کیا ہے، جو حیات مسیح پر قطعی دلیل ہے۔

قادیانیوں کی
عدالت دہلی

توفی کے لفظ سے قادیانیوں نے بڑا غلط مفہوم لیا ہے۔ وہ اس کو معنی
موت کرتے ہیں۔ اور پھر اس دعویٰ کی دلیل میں سورۃ مائدہ کی یہ آیت بھی پیش
کرتے ہیں قُلْ مَا تَوْفِیْتُمْ كَذِبٌ کَذْتُ لَوْلَیْكَ یَا عِیْسَى
اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے، سے مراد کرم، جب تو نے مجھے فرست کر دیا۔

موت نہ دی، تو گوہی ان پر ٹھہری تھا۔ مگر تو ان پر اس سے یہ دلیل پھڑکتے
ہیں کہ چونکہ علی علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں، اس لیے ان کے دوبارہ آمد
ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ قرآن پاک
کی بہت سی آیات کے علاوہ حضور علیہ السلام کی احادیث بجز ثبوت موجود ہیں،
جن میں مسیح علیہ السلام کے دوبارہ آمد ہونے کا ذکر ہے، تو کہتے ہیں کہ ان
احادیث کی رو سے دوبارہ آنے والے مسیح ابن مریم نہیں ہوگا بلکہ منیل مسیح
یعنی اس کے مشابہ ہوگا۔ اور وہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے جس کے متعلق
روایات میں آتا ہے کہ وہ دنیا میں ہدایت کو سامان پیدا کرے گا۔ لہذا مسیح موعود
آچکا ہے۔ اب کسی مسیح کا انتظار نہیں ہے۔ یہ ہے وہ بنیادی مسئلہ جس
پر قادیانی تحریک مشتمل تقریباً سو سال سے جھگڑا کر رہے ہیں، حقیقت یہ ہے
کہ ان کا یہ دعویٰ صریحاً ٹھک رہا ہے۔

مذہب ختم ہوا

علمائے امت نے اس مسئلہ پر قادیانیوں کا ہر طرح سے رد کیا ہے
بڑے بڑے مناظرے ہوئے اور کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مگر سب سے انور شاہ کھٹک
جو بیس سال تک مدرسہ ذوالعلوم دیوبند کے شیخ تلمذ رہے ہیں انہوں
نے ختم نبوت پر ذریعہ زبان میں بہت عرصہ تک تبصرہ کیا ہے۔ سب کا مسلم
چونکہ زیادہ محقق تھا اس لیے کتاب ذرا مشکل ہے، مگر قادیانیوں کا بڑے
اچھے طریقے سے رد کیا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ ذرا محضرت
کو کہے بغیر جانے اس کتاب سے خوب فائدہ اٹھا سکے ہیں۔ اب نے
سبب مسیح پر بھی عربی میں دو کتابیں لکھی ہیں اور ان میں مسئلہ کی پوری تحقیق

کے ساتھ وصال کی سبب سے مفتی محمد شفیع نے اپنی کتاب میں علیہ السلام کے دوبارہ نزول کے متعلق ایک سو حدیثوں کا ذکر کیا ہے۔ جو نو، نو، نو کے درجہ کی تھیں۔ عربی زبان میں یہ نہایت عمدہ کتاب ہے۔ جو دمشق میں طبع ہوئی۔ موجودہ زمانے کے علمائے کرام میں سے مولانا ابوالحسن علی ندوی نے عربی زبان میں لفتاد یا انبیاء لکھی ہے۔ جس سے مشرق وسطیٰ میں اس مسئلہ کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔ اس کے علاوہ بھی مختلف وقت میں علماء کرام نے چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں قدوسیہ، بکریا، گیسٹ۔

حق باطل

اس وقت مسیح علیہ السلام کے متعلق دنیا میں تین مذاہبہ پائے جاتے ہیں۔ یہود، نصاریٰ اور اہل حق۔ یہودیوں کی کاہنہ دہ ہے۔ کہ نہایت ہی علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا۔ اسے سورۃ نسا میں اس کا طعن حاصل ہے کہ آئیگا۔ اللہ تعالیٰ نے تردہہ کی کہ عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا گیا اور نہ سولی دی گئی۔ لہذا یہودیوں کا عقیدہ باطل ہے۔ نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا گیا اور وہاں سے گھٹے ایک مردہ ہے۔ اس کے بعد زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے۔ یہ بھی باطل عقیدہ ہے۔ تیسرا عقیدہ اہل حق کا ہے۔ **وَمَا أَكْفَرُ مِنْكُمْ وَلَا أَصْلَحُ مِنْكُمْ** وہ عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کرنے میں کامیاب ہو سکے اور نہ سولی میں کامیاب ہو سکے۔ اور نہ ہی ان کی لمبی موت واقع ہوئی۔ **سَبَلُ رَفَعَهُ بَدَا إِلَيْكُمْ** بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صحیح سلامت با عزت اپنی طرف اٹھایا۔ تو اس آیت میں بھی یہی بات ہے۔ **لَنْ يَمُوتَ وَمَنْ يَمُوتْ فَحَيٌّ عِنْدَ رَبِّكَ** کہہ دوں گا۔ مردہ سمجھو میں سمجھ کر کہہ رہا ہوں کہ اپنی طرف اٹھانے والے ہوں یہ بشارت اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی زندگی میں ہی سنا دی جس کا تذکرہ حضور علیہ السلام سے کیا جا رہا ہے۔

اس کے بعد **يُحْيِي الْمَيِّتِينَ** عیسیٰ علیہ السلام باپینہجہ کر پک کر نے والوں میں **مَنْ يَمُوتْ فَحَيٌّ عِنْدَ رَبِّكَ** لوگوں کے جنہوں نے

کفر کیا۔ یعنی کافروں کے ناپاک ہاتھ تجھ تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ چنانچہ روایا میں آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے والے آئے۔ آپ کے ساتھی، دوسرے اور بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ آپ جس مکان میں محصور تھے۔ دشمنوں نے ایک شخص کو اس مکان کے اندر بھیجا تاکہ وہ آپ کو گرفتار کر کے دیگر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے عیسیٰ علیہ السلام کو اس مکان کے روشندان کے راستے اٹھو الیہ۔ اور جو آدمی پکڑنے گیا تھا اس پر مسیح علیہ السلام کی کشتیہ ڈال دی وہ شخص کافی دیر تک تلاش کرنے کے بعد جب خرد باہر نکلا تو لوگوں نے اُسے ہی مسیح سمجھ لیا اور پکڑ کر لے گئے۔ اُس نے بڑا شور مچایا کہ وہ مسیح نہیں ہے مگر اس کی بات کو نہ سُننا تھا۔ فَلَمَّ كُنْ مُشْتَبِهًا لَهُمْ دُكَايِي مُعْتَبَہ ہتہ کہ اُن پر شبہ ڈال دیا گیا اور وہ اپنے ہی آدمی کو مسیح سمجھ بیٹھے اور اُسے سولی پر چڑھا دیا۔

عیسیٰ علیہ السلام کی ذاتی مفاہمت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بشارت بھی سنائی۔ وَجَاءَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ مَدِينَهُمْ ذَٰلِكَ يَتْلُو آيَاتِ الْكِتَابِ لَهُمْ وَأَنبَأَهُمْ بِالْمُؤْتَمِرِينَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْحَقِّ كَيْفَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِسْمُ فَرَأَوْهُ مُصَوِّدًا ۚ لَقَدْ كَانَ مِنْ قَبْلِكَ لُوطٌ إِذْ قَالَ لَٰكِنِّي تُتِىُّكَ بِالْبَاطِلِ ۚ قَالَ لَا يَنْفَعُكَ إِلَّا عِزِّي يَوْمَ تَكُونُ الْكُتُبُ مُنْشَرَاةً ۚ قَالَ أَنَا مُصَدِّقٌ لِّمَا بَيَّنَّتَ لَكَ ۖ قَالَ لَا تُنَاصِيهِمْ ۚ قَالَ إِنِّي أَخَافُ ۚ قَالَ فَإِنَّكَ مُتَتَّبِعَةٌ ۚ فَاحْمَدِ اللَّهَ ۚ وَارْجُ الْيَوْمَ لِقَاءَ رَبِّكَ ۚ فَذَكَرْنَا لَهُ أَسْمَاءَ زَوْجَاتِ الْكَافِرِينَ ۚ

کفار کے لو پر نازلے والا ہوں۔ یعنی غالب کرنے والا ہوں، گویا اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وعدہ فرمایا کہ تیرا اتباع کرنے والوں کو قریب قیامت تک کفار پر غالب رکھوں گا۔ اب خود فرمائیے کہ اتباع کرنے والے کون ہیں اور کفر کرنے والے کون۔ عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں دو گروہ واضح ہیں۔ پہلا درجہ آپ کے ابتدائی دور کے حواریوں کا ہے۔ جو آپ پر ایمان لائے اور آپ کو خدا کا سچا نبی تسلیم کیا۔ موجودہ مسلمان بھی اسی گروہ میں شامل ہیں۔ کیونکہ یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلکہ تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ کامل متبعین ہیں۔ البتہ متبعین کا دوسرا گروہ نصاریٰ کا ہے۔ جو اگرچہ کامل متبعین نہیں ہیں۔ مگر وہ عزت تو کھتے ہیں۔ اور ہر حال اللہ کا وعدہ یہ ہے کہ

ان دو گروہوں کو قیامت کے قریب تک غالب رکھوں گا۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں آج تک مسلمان یا عیسائی ہی غالب رہے ہیں ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا۔ اور آپ کا کفر کرتے ہوئے یہودی ہیں۔ جنہوں نے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے ناپاک ہاتھوں سے بچا دیا۔ اب سے کچھ عرصہ پہلے تک یہودی مغلوب ہی رہے ہیں۔ پوری دنیا میں ان کا کوئی وطن ہی نہیں تھا اور کوئی حکومت نہیں تھی۔

اب قریبی زمانہ میں یہودیوں کی حکومت بھی قائم ہو گئی ہے۔ اور انہوں نے اسرائیل کے نام پر اپنا منگوا وطن حاصل کر لیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کا وعدہ غلط ہو گیا ہے؟ نہیں، بلکہ اللہ کا وعدہ قائم ہے۔ یہودیوں کی موجودہ حکومت کوئی مستقل حکومت نہیں ہے۔ بلکہ یہ ملک دنیا کی سپر پاورز امریکہ، روس، فرانس اور برطانیہ کی مشترکہ چھاؤنی ہے۔ روس کے علاوہ باقی تینوں طاقتیں عیسائی ہیں۔ جب کہ روس بگڑا ہوا یہودی مورعینا ہے، دہریہ اور کفر ہے انگریز اسرائیل کو ان عالمی طاقتوں کی پشت پناہی حاصل نہ ہو تو یہ ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ ان کو امن اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ یا تو خود پر ایمان سے آئیں یا دوسری قوموں کے ماتحت ہو کر رہیں۔ اس زمانے میں یہ لوگ غیر اقوام کی ماتحتی میں ہیں اور اگر آپ بیل رین الٹا اس کے مطابق غیروں کی سرکشی میں گمراہ نہ رہتے ہیں۔ حقیقت میں ان کی اپنی ذاتی حیثیت صفر کے برابر ہے جب بھی اختیار کی حمایت سے محروم ہوں گے، عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کے مغلوب ہی ہوں گے۔

الغرض! فرمایا، میں تیرا تہذیب کو مرنے والے لوگوں کو تیرے ساتھ کفر کرنے والے لوگوں پر غالب بنانے والا ہوں۔ اور یہ مسلمہ قیامت کے قریب تک اسی طرح ہے گا۔ ثُمَّ نَزَّلْنَا مَائِدًا مِنْ جَدِّكُمْ پھر قیامت کے بعد تم سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہو گا۔ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ تم

وَيُصَاكُنُكُمْ فِيهِ لَمُبَشِّرٌ لِمَنْ هُوَ فِيهِ وَنَذِيرٌ لِمَنْ هُوَ فِيهِ
 میں بصد کہوں گا جن میں تم اختراعت کرتے تھے۔

فَرَأَى أَهْلَ الْبَيْتِ كَكُفْرٍ بِسَبْعِ مَرَّاتٍ وَهُوَ لَمْ يَكُنْ يَكْفُرُ
 کفر کیا فاعل بہہ عذاباً شديداً في الدنيا والآخرة

پس اُن کو دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا۔ ایسے لوگ دنیا میں بھی
 طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہو کر ذلیل و خوار ہوں گے اور آخرت کا عذاب

تو قطعی ہے وَمَا أَهْلُ بَيْتِ ذِي الْحِجَّةِ وَأَهْلُ الْبَيْتِ
 ہو گا۔ جو مشکل وقت میں اُن کو عذاب الہی سے بچ سکے۔ وَأَهْلُ الْبَيْتِ

أَمْسُوا وَتَعَصُوا نَصِيحَتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے اعمال انجام
 دیے فَمِنْهُمْ قَوْمٌ لَّيْسَ لَهُمْ شَيْءٌ مِنْهُ

لَا يُجِيبُ الظُّلُمَاتِ اَمَّا الشَّرُّ فَاَلَيْسَ الَّذِي كَرِهْتُمْ بِظُلُمٍ
 نہیں کہہ گا۔ ایسی قوم اور ایسے شخص منہ کا مستحق ہو گا۔ الشَّرُّ قَاتِلُ الْغَيْرِ

کے گا۔ وہ یکساں ہے قَاتِلُ الْغَيْرِ کا لفظ یہاں بھی آیا ہے۔ اور معنی وہی ہے اخذ
 الشَّيْءِ وَافِيہ کسی چیز کو مکمل طور پر سے لینا۔ اس لفظ کا لغوی معنی موت

نہیں ہے۔ بلکہ موت پر یہ مجازاً بولا جاتا ہے۔

الْغَمَامِ ۳

آیت ۵۸، ۶۰

ثَلَاثَ أَلْفِ نَفْسٍ ۳

درس نوزدہم ۱۹

ذٰلِكَ نَسْأَلُكَ عَلَيْهِتَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۵۸
 اِنْ مَثَلٌ عَلٰی عِنْدِ اللّٰهِ بِحَقِّكَ اِذْ قَدْ خَلَقْتَهُ
 مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۵۹ الْحَقُّ
 مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۶۰

ترجمہ: یہ بات ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں، یہ آیتیں ہیں اور حکم سید کا ۵۸
 بیشک عیسیٰ علیہ السلام کو مثال اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسی آدم علیہ السلام کی مثال
 اس کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا، پھر اس نے فرمایا ہو جا، پس وہ ہو گیا ۵۹
 حق وہ ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے ہے پس آپ شک کرنا بے فائدہ
 میں نہ ہوں ۶۰

گزشتہ درس میں عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھنے جانے کا ذکر جو - دفعہ عیسیٰ علیہ السلام
 چکا ہے۔ اس درس میں اس موضوع پر بعض دلائل ہوں گے اور واقعہ ریح کی تریب پر دلائل
 تفصیلات پریش کی جائیں گی۔ چنانچہ معترضین کو رام فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 کے اٹھائے جانے کا واقعہ بغیر از قیاس نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر جو
 معجزات ظاہر فرمائے وہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے
 ساتھ غیر معمولی سلوک کر رہا ہے۔ پہلے گذر چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پروردگار
 کی شکل بنائے، پھر اس میں پھونک دئے تو وہ اللہ کے حکم سے زندہ پروردگار بن
 کھڑا جاتا۔ آپ کا دوسرا معجزہ یہ تھا کہ آپ لا علاج بیمار لڑکی کا علاج کرتے۔
 جن امراض سے دنیا بھر کے اطباء عاجز آپ کے تھے، عیسیٰ علیہ السلام ہاتھ لگاتے
 تو اللہ تعالیٰ شفا دے دیتا۔ اسی طرح آپ کا آسمان کی طرف اٹھنے جانا بھی عین

ممکن ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں نفع جبرائیل علیہ السلام کا تھا۔ اللہ کے حکم سے
 جبریل علیہ السلام نے حضرت مریمؑ کے گہریاں میں چھوٹا تھا۔ تو اس کے اثر
 سے حضرت عیسیٰ کی پیدائش ہوئی گنہگار آپ کو فرشتوں کے ساتھ کامل من بہت
 ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام جن کا لقب روح القدس ہے
 وہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **قَالَ لَا**
يَسُوءُكَ الْفَقْدَانِ یعنی جبرائیل علیہ السلام کی روح القدس سے آپ کو نقصان
 آپ کی اس غیر معمولی حیثیت کی بنا پر آپ کے ارتجاع پر حیرت کا لہر کسی
 طور مناسب نہیں۔ اس معاملہ میں شک کرنے والے لوگ نہ تو تجارت کو تسلیم
 کرتے ہیں اور نہ انہیں اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے پر یقین ہے۔ ایسے
 لوگ دہریہ، پروریزی یا پجری تو ہو سکتے ہیں۔ کوئی مومن اس شبہ میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔
 مفسرین کو رام فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھانے جانے اور دوبارہ
 نزول کا سبب میں سے کسی نے انکار نہیں کیا، حضرت قادۃ جو تابعین میں سے
 ہیں، فرماتے ہیں: **فَطَارَ عَلَى لَمَلِكَةٍ فَهُوَ مَعَهُمُ** عیسیٰ علیہ السلام فرشتوں
 کے ساتھ اڑتے ہوئے گئے اور فرشتوں کے ساتھ اڑنے میں کسی کو تعجب
 نہیں ہوتا۔ فرشتے آسمانوں میں اڑتے ہیں، عرش الہی کے گرد چکر لگاتے ہیں اور
 ایسا کرنے میں انہیں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ
 علیہ السلام میں چاروں صفات پائی جاتی ہیں، یعنی انبیاء علیہم السلام، سمادیا اور ارضیاء آپ
 انسان ہیں۔ آپ میں ملکی صفات بھی پائی جاتی ہیں۔ آپ سماوی بھی ہیں اور ارضی
 بھی ہیں۔ فرشتے کے روح پھر نہ کئے کی بنا پر آپ سماوی ہیں اور والدہ کی نسبت
 سے ارضی ہیں۔ لہذا آپ کے آسمان پر چلنے جانے پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیے
 حضرت قادۃ کے علاوہ مفسر قرآن حضرت عنکاک، حضرت مجاہد، حضرت
 عکرمہ، سعید ابن جبیر، سعید ابن مسیب، حضرت حسن بصری، محمد ابن مسیر، یہ
 سب تابعین میں سے ہیں اور بڑے پائے کے لوگ ہیں یہ سب رفع میں

کے قائل ہیں۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اسی مسئلہ کی کثرت سے ہیں۔ آپ صحت اللہ صحابہ کی
 زیادہ سنت کی سبب اور پارسے روایت بھی بیان کرتے ہیں۔ چار مسئلہ فقہان میں سے
 یہ شرفِ حدیث امام ابو حنیفہؒ کو حاصل ہوا ہے۔ آپ بھی یہی فرماتے ہیں کہ
 عیسیٰ علیہ السلام کے انجیل سے جانتے ہیں کسی قسم کا استیجاب نہیں ہوا چاہیے۔
تو جس قدر یہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفیع کے متعلق فرمایا
ذٰلِكَ مَثَلُ مَنُودٍ مِّنْكُمْ۔ اذیت یہ باتیں جو ہم تہی علیہ السلام سے
 متعلق پڑھ کر کٹا ہے ہیں۔ یہ بات سنی میں سے ہیں۔ اس سے پیشتر حضرت
 سریدار وزیر کرمیہ علیہ السلام کے واقعات کے متعلق بھی اچکا سب ذیل میں
 اُنْكَارُ الْاَعْيُنِ لَمْ يَحْصِیْہُمْ اِلَّا بِمَنْعَةٍ یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں، جو ہم
 آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ
 قرعہ ڈال رہے تھے کہ مریم کی کھانا کون کمرست اور نہ اس وقت آپ
 ان کے پاس تھے، جب وہ عیسیٰ علیہ السلام سے تھے۔ وہ ان پر بھی یہ باتیں حضور علیہ السلام
 و اسلام کی نبوت و رسالت کی دلیل کے طور پر بیان کی گئی تھیں اور یہاں پر بھی
 مَثَلُ مَنُودٍ مِّنْكُمْ میں آپ کی رسالت کی صحت ثابت کواؤ گوردے۔
 قرآن پاک میں آیت کو لفظ کی معنوں میں آیا ہے۔ یہیت کا معنی نشانی
 ہوتا ہے۔ یہاں پر اس مقام پر آیت سے مراد یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کے
 متعلق جو حدیثیں واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ یہ آپ کی صحت کی نشانی
 ہے۔ اور آیت کا معنی دلیل بھی ہوتا ہے۔
 کتاب میں میں عقلمندوں کے لیے درکار ہیں۔ اسی طرح آیت کا معنی
 ”خبر بھی ہوتا ہے۔“ مثلاً تعالیٰ نے مریمؑ کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا کیا ہے۔ آیت
 سے مراد احکام اور مسائل بھی ہوتے ہیں اور قرآن پاک میں کسی مقامات پر یہ
 لفظ ان معانی میں استعمال ہوا ہے۔
 فَرَاہُ وَالَّذِیْنَ اَحْکَمُوْہُ یہ جو کچھ ہم ہر جگہ کہنا سکتے ہیں۔ یہ

محکم بیان بھی ہے۔ بیان کا معنی 'STATEMENT' یعنی مسیح علیہ السلام کے متعلق وضاحت ہے۔ اور حکیم سے مراد مضبوط اور مستحکم ہے۔ اس سے مراد حکمت والا بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک تسلیم مغطرت انسان جو حواس ظاہرہ اور باطنہ کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے، وہ یقیناً یہی اعتقاد رکھے گا کہ مریم اور مسیح علیہ السلام اللہ نہیں بلکہ انسان ہیں۔ یاد رہے کہ حواس ظاہرہ سے مراد آنکھ، کان، ناک اور لمس وغیرہ ہیں۔ اور حواس باطنہ میں دھم، خیال، فکر اور حس مشترک وغیرہ آتے ہیں۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص نظام کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ اللہ کی خاص مخلوق ہے۔ باقی ہر چیز عام مخلوق ہے۔ مخلوق خاص ہو یا عام یہ اللہ کی بنائی ہوئی ہے۔ اور مصنوع کس ذاتی ہے اللہ تعالیٰ اس کا بنانے والا یعنی صانع ہے۔ قرآن پاک میں اس کے سینہ پر یح کا لفظ آیا ہے۔ فاطر اور خالق کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ صانع کا لفظ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ حَاقٌّ كُلِّ صَانِعٍ وَصَنَعْتَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے ہر صرح یعنی کاریگر اور اسکی صنعت کو پیدا کیا ہے۔ اب دیکھئے جس طرح باقی اشیاء مصنوع ہیں اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی مصنوع ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا صانع ہے۔ اور ہر صاحبِ عقل سلیم جانتا ہے کہ ہر مصنوع چیز خواہ وہ مشینری ہو، برتن ہو، کپڑا وغیرہ ہو، اپنے صانع کی دلیل، علامت اور نشانی ہوتی ہے۔ اور اگر کسی مصنوع کو ہی صانع نہ دیا جائے تو اعتقادِ باطل ہو جائے گا۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے یہاں پر لفظ آیت سے سمجھائی ہے کہ ذرا غور کرو مسیح علیہ السلام مصنوع ہیں، صانع نہیں ہیں ان کو اللہ یا خدا کا بیٹا یا بیسر خدا بنانا باطل عقیدہ ہے۔ اس طرح تو ساری حکمت ہی باطل ہو جائے گی۔ یہ عقل انسانی اور فطرتِ سلیمہ کے خلاف ہے کائنات میں پائی جانے والی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی کاریگری اور صنعت کی نشانی ہیں

صانع اور
مصنوع

تَمَّه فِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ اَيْسَرٌ تَكُنْ عَلٰى اَنَّهُ فَاَجِدُكَ
 جو یقیناً بتاتی ہے کہ اس کا پیدا کرنا اور لاڈلے داندہ ہے شیخ سعدی نے بھی کہا ہے -
 ہر گیسہ ہے کہ از زمین روید و عدد لا شریک لہ گوید
 جو بھی گھاس زمین سے پیدا ہوتی ہے - وہ نہان حال سے و عدد لا شریک
 کہتی ہے ہر ہر پتہ اور ہر ہر ذرہ اپنے صنایع یعنی خالق کی وحدانیت کا اقرار
 کرتا ہے ہر چیز خود بخود معروض وجود میں نہیں آگئی - بلکہ اس کو ظاہر کرنے والی
 کوئی ہستی موجود رہے - مولانا رومیؒ نے یہ بات ایک مثال کے ذریعے سمجھائی
 ہے - فرماتے ہیں -

بیج چیزے خود بخود چیزے نہ شد

بیج آہن خود بخود تیتھے نہ شد

کوئی چیز خود بخود نہیں بن جاتی جس طرح کوئی لوبہ خود بخود تلواری کی شکل اختیار
 نہیں کرتا - بلکہ اس کا کوئی صنایع ہوتا ہے - مقصد یہ کہ ہر مصنوع کا کوئی صنایع ہوتا
 ہے - اور ہر مصنوع اپنے صنایع کی نشانی ہوتی ہے - - سی طرح مسیح علیہ السلام بھی
 اپنے پیدا کرنے والے اللہ کی نشانی ہیں - وہ خود اللہ نہیں ہیں -

رفع کی
 مزید تفصیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے سے متعلق مفسرین
 روایت بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے بادل کو مقرر کیا - وہ
 بادل قریب آیا تو آپ اس میں داخل ہو گئے - جب بادل آپ کو دیکھ کر اوپر اٹھا
 تو آپ کی والدہ قریب ہی تھیں انہوں نے آپ کو پکڑ لیا اور چلانے لگیں
 مگر آپ نے فرمایا کہ اب ہمارے اکٹھا ہونے کا وقت ختم ہو چکا ہے -
 اِنَّ الْفَيَاسَةَ تَجْمَعُنَا اب قیامت ہی کو ہم اکٹھے ہوں گے - تفسیر
 جلالین میں یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ واقعہ لیلۃ القدر کی رات
 پیش آیا - اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ۳۳ سال تھی - آپ کی والدہ
 محترمہ صدیقہ مریمؑ آپ کے اٹھائے جانے کے بعد چھ سال زندہ رہیں ،

مہر و وفات پائیں۔

نزل مسیح

بخاری اور مسلم شریف کی روایت میں ہے یہ نزل بقرب القیامۃ
 مسیح علیہ السلام قیامت کے قریبی زمانہ میں زمین پر نازل ہوں گے۔ یہ حکم
 بشریعۃ منبیتا ہمارے نبی کی شریعت کے مطابق حکم جاری کریں گے
 کیونکہ ان کی اپنی شریعت کا دور ختم ہو چکا ہے۔ وہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ
 وسلم کے نائب امتی اور قابل جبرئیل کی حیثیت میں زمین پر آئیں گے و قرآن و سنت
 کے مطابق فیصلے کریں گے۔ اور یقیناً کہ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے۔
 دجال اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے اور حزیقہ کو موقوف
 کریں گے۔ مسلم شریعت کی ایک روایت کے مطابق آپ سات سال تک
 زمین پر پھریں گے۔ ابو داؤد کی ایک روایت کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کی
 زمین پر پھرنے کی کل مدت چالیس سال ہے۔ آپ ۲۳ سال عمر گزار چکے ہیں۔ اور باقی
 سات سال دوبارہ نزول پر گزاریں گے۔ ایک اور روایت میں یہ بھی آتا ہے۔
 کہ نزول ثانی پر یہ تنویر و یؤکلہ آپ مکمل کریں گے اور اولاد ہوگی۔ ابن
 ابی شیبہ اور مسلم کی روایت میں آتا ہے۔ کہ جب تک عیسیٰ علیہ السلام زمین پر
 دوبارہ نازل نہیں ہوں گے لا ذقنوم انتاعۃ قیامت برپا نہیں ہوگی
 آپ اتریں گے اس حالت میں کہ حکم فیصلہ کرنے والے ہوں گے بمقتضیٰ
 انصاف قائم کرنے والے ہوں گے اور صامعاً عادلاً عادل امام بن کر آئیں گے۔
 خلافت بھی آپ کے ہاتھ میں ہوگی اور آپ عادل خلیفہ ہوں گے۔ فیمکیمن
الصلیب آپ صلیب کو توڑیں گے اب صلیب کا نشان عیسائیوں کے ہاں عقیدہ کی نشانی ہے۔
 ان کا ایمان ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس صلیب پر ٹک کر لوگوں کا کفارین
 گئے۔ اسی لیے وہ اس کی پوجا کر لے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا
 کہ صلیب بہت سب اور شرک کی نشانی ہے۔ گئے ہیں ٹکاکر اور ٹکرجے میں رکھ
 کر اس کی تعظیم کی جاتی ہے، جو اس کی پرستش کے مترادف ہے۔ حالانکہ صلیب علیہ السلام
 کی تعظیم نہ لے۔ صلیب کا نشان

کہ نہ سوک پر چڑھایا گیا، اور نہ وہ ہلاک ہوئے

خنزیر کو قتل کرنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ آپ عیسائیوں کو ذلیل کریں گے
 کیونکہ جب رومی بادشاہ نے عیسائیت قبول کی تو اس زمانے میں انہوں نے
 خنزیر کو جلال قرار دیا۔ درتہ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت لورح علیہ السلام
 کے بعد تمام شریعتوں میں خنزیر حرام رہا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کفار
 سے چیزیں وصول کرنے کی ہمت عینی علیہ السلام کے نزول تک ہے۔ چنانچہ
 آپ کے دوبارہ نزول پر یہ مدت ختم ہو جائے گی اور آپ جزیے کو موقوف
 نہ کریں گے۔ عینی علیہ السلام کے سوا کوئی دین قبول نہیں کرے گا، لہذا
 یا تو سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے یا تہ تیغ ہو جائیں گے۔ یہ عین میں آتا ہے
 کہ عینی علیہ السلام کے بدترین دشمن یودیوں کو کلیں پناہ نہیں ملے گی۔ جس پتھر
 یا درخت کے پیچھے چھپنا چاہیں گے، وہ پتھر یا درخت خود بول کر کے گاکہ
 اے مسلمان! دیکھ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے۔ مسیح علیہ السلام کے دربار
 نزول کے زمانے میں مال و دولت کی اس قدر فراوانی ہوگی کہ کوئی شخص صدقہ
 خیرات قبول نہیں کرے گا۔ البواذی کی ایک روایت میں آتا ہے کہ قَائِلٌ عِیْسَى ابْنُ
 اِسْمَاعِیلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَشْفَقَ اَوْ شَفَقَ اَوْ شَفَقَ اَوْ شَفَقَ اَوْ شَفَقَ اَوْ شَفَقَ
 سفید مینار سے پر اتریں گے۔ وہ سفید مینار بیت المقدس میں ہے جو دمشق
 سے بجانب مشرق ہے۔

حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا قیامت سے پہلے دس بڑی نشانیاں
 ظاہر ہوں گی، ان میں سے ایک مسیح علیہ السلام کا نزول بھی ہے۔ اس کے
 علاوہ رجال کا خرچ، یا جمج ما جوج کا ظہور، سورج کا مغرب کی جانب سے
 طلوع، لوگوں کا زمین میں دفنایا جانا، آگ کا نکلنا اور دابة الارض وغیرہ
 بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور
 علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اِنَّ عِیْسَى لَمْ یَمُتْ یعنی عیسیٰ علیہ السلام

علامت
قیامت

نے وفات نہیں پائی فَاتِیَہ نے رَجَعَ اِلَیْکُمْ قَبْلَ یَوْمِ اُنْشِیْا مَہ
 کیونکہ وہ قیامت سے پہلے تہداری غفلت و دوبارہ لوٹ کر آئیں گے۔ ابن جریر
 کی روایت میں مخرج کے واقعہ کے متعلق آپ کا ارشاد مبارک ہے کہ جب
 قیامت کا تذکرہ ہوگا تو سب ایسے گناہگار ہیں معلوم نہیں کہ قیامت کب
 آئیگی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا اَمَّا وَجِبَتْہَا فَاَوْقَعْتُمَہَا
 اِلَّا اللہ قیامت کے وقوع کے وقت کا سوائے اللہ کے کسی کو علم نہیں۔
 مجھے تو اتنی بات بتائی گئی ہے کہ میں زمین پر اُتروں گا اور وہاں کو قتل کروں گا
 مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں جہاں یہ آیت آئی ہے وَرَآئِہُ لَیْسَ
 لَکُمْ سَاعِدٌ اَنْتُمْ سَعَادَہُ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں اسی طرح
 آگے آیت اَرْسَلْنَا اَہْلَ الْکِتَابِ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْہُمْ
 قَبْلَ مَوْتِہُمْ اِلٰی کِتَابِہِمْ سے کوئی شخص ایمان نہیں۔ مگر دوسرے علیہ السلام
 کی موت سے قبل ایمان لائے گا۔ اہل کتاب بھی تک تو ایمان سے محروم ہیں
 ظاہر ہے کہ یہ پیش گوئی اُن کے دوبارہ نازل کے بعد پوری ہوگی۔ اگلے
 وقت جتنے لوگ ہوں گے یا تو ایمان لے آئیں گے یا پھر طغم ہو جائیں گے۔
 مسیح علیہ السلام کے بارے میں یہ مختصر سی بات میں نے عرض کر دی۔

تخلیق عیسیٰ
 پیشال

حدیث شریف میں آتا ہے کہ وفدِ خبران کے عیسائیوں نے حضور علیہ السلام
 پر اعتراض کیا تھا۔ لَمَّا تَسُبُّوْا صَاحِبَتَہُ کہ آپ ہمارے صاحب یعنی
 عیسیٰ علیہ السلام کو گالی کیوں دیتے ہیں تَقُوْلُوْا لَہَا عَسَتْ اللہُ اَنْہِیْ اَنْہِیْ اللہ
 کا بندہ کہتے ہیں، حالانکہ وہ تو خدا کے بیٹے ہیں اور اللہ ہیں۔ نصاریٰ کی اس
 احمقانہ بات پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی رَبَّنَا مَسَّ لَہُ الْعَصَیْ عَسَیْ عَسَیْ اللہ
 حکم شِلِ اَدَمَ اللہ کے ہاں عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام جیسی ہے
 یعنی جس صرت آدم علیہ السلام کا مال باپ نہیں تھا، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام
 کا باپ بھی نہیں ہے۔ یہاں ماں تو موجود ہے، آدم علیہ السلام کی ماں بھی نہیں

یہ تو یہودی اور عیسائی سب تسلیم کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بغیر
 ماں باپ کے مٹی سے پیدا کیا۔ بائبل اور قرآن دونوں کتابوں میں یہ آیات
 موجود ہیں۔ لہذا اگر تم آدم علیہ السلام کو ماں باپ کے وسیلہ کے بغیر مانتے ہو
 ہو تو عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے کیوں تسلیم نہیں کرتے۔ گویا اس مقام پر
 اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب و غریب چیز پر قیاس کر کے مسیح علیہ السلام کی پیدائش
 کا مسئلہ سمجھایا ہے۔ تو فرمایا بیشک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک ایسی
 ہے جیسے آدم علیہ السلام کی مثال خَلْقَهُ مِنْ تَرَابٍ اللہ نے مٹی
 سے پیدا کیا۔ پھر تَفْخِ فِيهِ الرُّوحُ اس میں جان ڈالی۔ قرآن پاک میں غلط
 مٹی اور گارے کا ذکر بھی آتا ہے کہ جسے جب خمیر بنا ہوتا ہے تو وہ گل مٹ جاتا
 ہے۔ یہ وہ عنصر (ELEMENT) ہے جس سے آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔
 شیعہ قرآن پاک میں سَلَّمَ صَانٍ أَوْ رَحْمَةً فَتُسْمِنُونَ بھی لکھا گیا ہے۔ اور پھر یہ
 بھی ذکر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما کر اپنے دست قدرت سے اس میں
 روح ڈالی۔ ثُمَّ وَفَّاءَ لَهُ حَكْمٌ فَيُحْكِنُ مِمَّنْ شَاءَ پھر جسے کہا ہو جاؤ، تو وہ
 کامل انسان ہو گیا۔ آدم علیہ السلام کامل انسان تھے۔ عقل مند سیسے کہ نبی سے زیادہ
 کوئی شخص عقل مند، ذہین اور دانا نہیں ہو سکتا۔ دارون کا نظریہ بالکل باطل ہے
 جس میں وہ کہتا ہے کہ اولین انسان کی تخلیق بطور بندہ ہوئی، پھر آہستہ آہستہ ترقی
 کر کے انسان بن گیا۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ حضور نے فرمایا يَا أَيُّهَا النَّاسُ
أَدَمُ عَلَيهِمُ السَّلَامُ نبی ہمیشہ کامل انسان ہوتا ہے۔ آدم علیہ السلام سب سے
 پہلے انسان اور نبی تھے۔ اور بالکل مکمل انسان تھے۔ سمجھنا یہ مطلوب ہے کہ
 جب اللہ تعالیٰ بغیر ماں باپ کے مٹی سے انسان کی تخلیق کر لیا ہے۔ تو عیسیٰ
 کو بغیر باپ کے پیدا فرمادینا کون سی شکل بات ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات
 نہیں ہے۔ لہذا عیسیٰ علیہ السلام عبد اللہ یعنی اللہ کے بندے ہیں، وہ خود اللہ نہیں ہیں
زَيَّا الْحَقِّ مِنْ رَبِّكَ حق وہ ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے

فَاِنْ كَانَ هَٰذَا تَصَدَّقَ بِهٖمْ اِنْ اَبَیْ شَکَّ کَرَنَ وَاَلُوں مِیث ہوں
 یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہو رہا ہے۔ مگر بات سب کو سمجھائی جا رہی ہے
 کہ کسی مومن کو اس بات میں شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ مسیح علیہ السلام
 اللہ کے بندے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو مریم جیسی کنواری عورت کے
 بطن سے پیدا فرمایا، وہ اللہ نہیں ہیں۔ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے
 باوجود اگر یہ لوگ جھگڑا کریں گے، تو پھر اُس کے مقابلہ کا پتہ ہی نہیں آ رہا ہے۔

اِلٰی عَمْرٍۙ

آیت ۶۱ تا ۶۲

تِلْكَ الرُّسُلُ

وَبِسْرِهَا

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنْ
 اٰیٰتِنَا فَقُلْ تَعَالَوْا سَدِّعْ اٰیٰتِنَا وَاَبْنَاءَكُمْ وَ
 نِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ
 نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلٰی الْكَٰذِبِیْنَ ﴿۶۱﴾
 اِنَّ هٰذَا لَهٗوَ اَنْقَصَمُ نَحَقٌ وَمَا مِنْ اِلٰهِ دِلَّ اِلٰهُ
 وَاِنَّ لِلّٰهِ لَهٗوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا
 فَاِنَّ نَارَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِنْفُسِیْدِیْنَ ﴿۶۳﴾

۶۱

ترجمہ: پس جو شخص اس بات سے آپ کے خلاف ہو کہ جس سے آپ کے پاس
 اس کے پاس ختم ہو گیا ہے۔ پس کہہ دیجئے، اور جانیں ہم اسی ارادوں کو تمہاری طرف سے
 کہ ہم اپنی عورتوں کو تم اپنی عورتوں کو ہم اپنی جانوں کو ہم اپنی
 جہانوں کو اور تمہاری عورتوں کو ہم سب تمہاری لعنت کریں ان لوگوں پر جو جھوٹے ہیں ﴿۶۱﴾
 بیشک یہی بات صحیح اور پایاں ہے۔ اور نہیں ہے کوئی عبارت کے واسطے مولا
 نے کہ۔ اور بیشک ایتہ اللہ زید و صحت اور حکمت والا ہے ﴿۶۲﴾ پس اگر یہ
 لوگ قبول نہ کریں۔ تو بیشک اور خراب بات ہے عندوں کو ﴿۶۳﴾

گزشتہ درس میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بہت
 اور رسول ہیں۔ وہ نہ تو خدا کے بیٹے ہیں اور نہ خود خدا ہیں۔ ائمہ تعالیٰ نے آپ کو
 فضیلت عطا فرمائی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بات ایک نئے مثال کے
 ذریعے سمجھائی۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کا خیر آپ کے پیدا ہونا ممکنات میں ہے
 نہیں ہے۔ آپ کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی مثال عیسیٰ ہے۔ یہ

اللہ نے خیر ماں اور باپ کے پیدا فرمایا۔ اگر آدم علیہ السلام الوہیت کے درجہ کو نہیں پہنچے تو عیسیٰ علیہ السلام انہ کیسے بن سکتے۔

نجران کے عیسائی وفد کا ذکر ابندائے سورتہ بھی ہو رہا ہے جب حضور علیہ السلام کے ساتھ عیسائیوں کی بحث نے طویل چڑھا، اور جھگڑا بڑھ گیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر وفدِ نجران کو مباہلہ کی دعوت دی۔ ارشاد فرمایا فَمَنْ حَاجَّكَ كَافِرًا

مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْبَيِّنَاتِ پس جو شخص اس معاملہ میں آپ

جھگڑا کرے، بعد اس کے کہ آپ کے پاس علمِ احکامیہ فَقَدْ تَكَلَّفَا

پس آپ اُن سے کہیں آؤ، مَنْ دَخَلَ بَيْتَنَا وَآوَانَا کھو ہم اپنی

اولادوں کو بلا رہے ہیں، تم اپنی اولادوں کو بلاؤ۔ وَالَّذِينَ آوَيْنَا کھو

ہم اپنی عورتوں کو بلا رہے ہیں، تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔ وَالَّذِينَ آوَيْنَا کھو

ہم خود آئے ہیں تم بھی خود آؤ۔ فَتَكْفُرْ بِكُنُوتِهِمْ پھر ہم سب گناہگار ہیں

اور التجا کریں۔ فَقَدْ كَفَرَ اللہ علیٰ الکاذبین پھر جھوٹوں پر

اللہ کی لعنت کہہ دیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مباہلہ کرنے کا ایک طریقہ بتایا ہے۔ کہ اگر

واقعہ دلائلِ شینے کے باوجود یہ لوگ حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔

تو پھر آپ انہیں چیلنج کریں کہ آؤ تم خود بھی آ جاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی میدان

میں لے آؤ۔ پھر ہم سب مل کر اللہ کے سامنے نہایت عاجزی اور انکاری کے

ساتھ دعا کہہ دیں کہ مولا کہیم! جو فرقہ جھوٹا ہے، اس پر تیری لعنت ہو۔ ایسا

گرتہ تیرے عذاب میں گرفتار ہو۔ جب حضور علیہ السلام نے نصاریٰ کو یہ دعوت

دی۔ تو کہنے لگے، اہم آپس میں مشورہ کرنے کے بعد جواب دیں گے۔ اس واقعہ

کی تفصیل امام بیہقادی یوں بیان فرماتے ہیں لَمَّا دَعَوْا إِلَىٰ مَبَاهِلَةٍ

فَالْوُحَا تَنْظُرُ حَيْثُ انْهَارُوا انہیں مباہلہ کی دعوت دی گئی تو کہنے لگے، ہمارے بھی

کرتے ہیں۔ هَلْ كُنَّا نَحْنُ جب وہ علیحدگی میں ملے تو ان میں سے ابو

زیادہ سمجھدار اور صاحبِ رائے تھا وہ کہنے لگا: وَاللّٰهِ لَقَدْ عَرَفْتُمْ نَبُوْتَهُ
 خدا کی قسم تم اس شخص کی نبوت کو پہچان چکے ہو۔ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْفَصْلِ
 فِيْ الْمَدِيْنَةِ جِبْكُمْ اور تمہارے صاحبِ لہجہ عیسیٰ علیہ السلام کے
 متعلق اس نے فیصلہ کن بات کی ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بند سے
 اور اس کے رسول ہیں۔ وہ الہ ہرگز نہیں ہیں۔ اور میں کہتا ہوں: اِنَّهُ هَا بِاَهْلٍ
 فَهِيَ سَيِّئَاتُ الْاَهْلِ كُوْفَا کی قسم جس قوم نے بھی کسی نبی سے مباہلہ کیا، وہ قوم
 ہلاک ہو گئی۔ فَاِنْ اَبَيْتُمْ شَهَادَةَ اَقْرَبِ اَقْرَبَتْ دِيْنَكُمْ اور اگر تم اس رسول
 بہ حق کو انکار کرتے ہو۔ اور اپنے ہی دین پر قائم رہنا چاہتے ہو۔ فَوَدَّعِ الْجَحْلُ
 تُوْسُ شخص کے ساتھ مزاحمت کر لو۔ مصالحت کر لو۔ اور یہاں سے واپس پیچ جاؤ
 چنانچہ وہ لوگ مشورہ کے سیکھ باہر چلے گئے۔ حضور علیہ السلام خود بھی گھر
 تشریف لے گئے۔ اور پھر اس حالت میں باہر آئے کہ حضرت حسینؑ الپ کی
 گردن میں تھے۔ وَلَقَدْ بَعَثَ الْاَمْسَنَ اور آپؐ نے حضرت حسنؑ کا ہاتھ پکڑا
 ہوا تھا۔ حضرت فاطمہؑ آپؐ کے پیچھے پیچھے آ رہی تھیں۔ اور حضرت علیؑ
 اُن سے پیچھے تھے۔ آپؐ اُن سے فرماتے تھے: اِذَا اَنَادَعُوْكَ فَاَمْسُوْا
 جب میں مباہلے کے لیے دعا کروں، تو تم آمین کہنا۔ گویا آپؐ مباہلہ کے لیے
 بالکل تیار ہو کر تشریف لے آئے۔ جب عیسیٰ یوں آئے آپؐ کو اس حالت میں
 دیکھ تو ان کا لاٹ پادری پٹنے ساتھیوں سے کہنے لگا: لَمَعَطُوْا اِنْتَصَادِي
 نے نصاریٰ کے گمروہ! رِقِيْ لَا رِيْ وَجُوْهًا میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں
 نُوْمَسَا لَوْ اَنَّ الْمِيْزِيْلَ جَبَدًا مِنْ قَحْكَائِهِ لَا زَالَ اَکْمَرُ
 یہ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ یہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے، تو وہ ضرور ہٹا
 دے گا۔ لہذا تمہاری خیریت۔ اسی بات میں ہے فَكَلَّا تَبَا هَلُوْا
 کہ تم مباہلہ نہ کرو، ورنہ تم تباہ و موبہ ہو جاؤ گے۔

مباہلہ کے
 قرار

چنانچہ عیسیٰ یوں کے دفعہ نے مباہلے کا چیلنج قبول نہ کیا۔ اور ان شرائط پر

صلح نامہ کر لیا کہ وہ شیخوں کے ماتحت نہ کر اجازت دیا کہ نہ تھے۔ ہیں گئے۔ تاہم اپنے مذہب اور اپنی رسومات پر قائم رہیں گے۔ اس معاہدے کے تحت سحران کے عیسائیوں نے سالانہ ٹیکس کے طور پر دو ہزار جزیرے کیپٹس کے طور پر بعض روایات کے مطابق ہزار قسم کے ٹکڑے پائے۔ ان میں سے ایک ہزار سوٹ صفر کے میدان میں اور ایک ہزار رجب کے میدان میں واجب الادا قرار پائے۔ اس کے علاوہ ہینٹس زمینیں تیس ہزار تیس ہزار اونس اور بیانی میں استعلا ہونے والے ہر قسم کے قس میں ہتھیار، مغلہ، تلوار، نیزہ وغیرہ بھی بطور جزیرہ ادا کرنے کا معاہدہ ہوا۔

صلح نامہ سے چاروں طرف کے جدا شمار کیے گئے کہ ان کے ہمارے کوئی دیندار عامل بھیج دیا جائے جو ایک ٹوٹیکس کی اسٹیج پر وصول کرے اور دوسرے ہمارے درمیان پیدا ہونے والے تنازعات کا تسخیر کرے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! میں تمہارے ہی طرف ایک نہایت ہی امانت دہی بھیجوں گا جس کا آپ کے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو اس کو ہم پر ہمارے فریاد اور فریاد لگتی امانت آئیں ہر امانت میں کوئی خاص امانت ہوتا ہے۔ اور میری امانت کا سب سے بڑا امانت الوداعیہ ہے۔

بخاری اور ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت منقول ہے کہ ایک دفعہ ابو جہل نے اعلان کیا کہ اگر کہ میں نے محمد کو کبھی سے پاس نہ دیکھتا ہوں تو ان کی گردن روزِ موت ڈالوں گا۔

لاَ اَظْهَرُ مِنْ عَلٰی عَفْوِہٖ۔ جب حضور علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی تو فرمایا کہ اگر یہ بد بخت ایسی حرکت کرے گا، تو فرماتے اس کو بچھڑائیں گے اور اس کے لئے شخصے ٹھکانے دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس قبضہ حرکت کی طاقت نہیں دے گا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہودیوں کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ لوگ زندگی میں بڑے حسد رہیں۔ مگر ان کا پختہ ایمان ہے۔

کہ بہشت صرف نئی کے لیے ہے، کوئی مرد اس شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا
 تو پھر یہ تو موت کی تمنا کیوں نہیں کرتے جنہوں نے فرمایا: اگر یہ موت کی تمنا
 کرتے تو فوراً مر جاتے، اور اپنا ٹھکانا دوزخ میں دیکھ بیٹھے۔ قرآن پاک کا دعویٰ
 اس قدر سچا ہے کہ یہودیوں نے کبھی موت کی تمنا نہیں کی۔ نیز فرمایا کہ اگر تمہارا
 کے عیسائی مبالغہ پر آمادہ ہو جاتے، تو حسب واپس لوٹتے نہ ان کا مال باقی رہتا
 نہ اہل۔ ہر چیز فنا ہو جاتی ایک دوسری دلیہ تیار ہے۔ امام بیہادوی نے نقل
 کیا ہے۔ یہ الفاظ آتے ہیں۔ سَمِعْتُ خُصَّاءَ قُرَیْشٍ قَالَتْ لَیْسَ لِلّٰہِ عَاقِبَةُ
اَنْ کُلِّیْہِمْ سِوَا کُلِّیْہِمْ۔ اور سورہ نبأ دیتا: اِنَّہُ تَعَالٰی ذٰلِیْ جَبَرٰتٍ۔ یہودی
 وادی آگ سے بھڑک اٹھتی۔ پھر یہودی یہ یہ دوس اور دشمنوں تک کوئی پیروی نہ
 باقی۔ بغیر مبالغہ کیے لوٹ جانے سے وہ لوگ اس دہال سے بچ گئے۔

پیشہ بیان ہو چکا ہے کہ مبالغہ کے یہ حضور علیہ السلام سے اہل بیت
 سے جتنی غلط فہمی تھی، جس جتنی اور بھی ہو کہ سب کے سب شیعہ حضرت اس ایک
 نہایت سے اس قدر کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے اہل بیت سے یہی فرق وہیں
 دن کے بعد، وہ کہ کوئی اہل بیت میں شامل نہیں۔ سب عار کے اہل بیت
 نتائج ظہر سے جتنی شامل ہیں۔ مگر سب کو یہی موقع پر نامزدوری نہیں بخا رہا تو
 دیکھا کہ تمام تھا، سب چند افراد کو سب کو فوٹا ٹکڑا کر کے۔ اب بعد مذکورہ روایت میں
 و تھ کی پوری تفصیل موجود نہیں ہے۔

ابھی حکایت بہت بڑے غور سے لکھتے ہیں جنہوں نے بڑی سند تاریخ
 لکھی ہے۔ وہ امام جعفر صادق سے اور وہ اپنے والد امام محمد باقر سے روایت
 بیان کرتے ہیں کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبالغہ کے یہ فقرہ لکھتے
 تھے تو ان کے ساتھ حضرات ابو جعفر صدیق، ابو جعفر صادق، ابو جعفر ثانی، ابو جعفر ثانی، ابو جعفر ثانی
 اور ان سب کی اولاد بھی تھی۔ یہ روایت امام جلال الدین سیوطی نے
 درمختار میں اسی طرح بیان کی ہے۔ اور یہی روایت تفسیر روح المعانی میں بھی موجود

ہے۔ تاہم پہلی مذکورہ روایت میں باقی تین حضرات اور ان کی اولاد کا ذکر نہیں ہے۔
دو دوسری روایات کو جمع کرنے سے پوری صورت حال سامنے آجاتی ہے۔

شیعہ حضرات تو حقائق کو اس حد تک مسخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ
حضرت فاطمہؑ کے علاوہ حضور علیہ السلام کی کسی دوسری بیوی کو تسلیم ہی نہیں کرتے
علاوہ آپ کی تین صاحبزادیاں حضرت فاطمہؑ کے علاوہ تھیں جو واقعہ مباہلہ سے
قبل فوت ہو چکی تھیں۔ حضرت رقیہؑ سلسلہ میں فوت ہوئیں۔ آپ غزوہ بدر
کے لیے تشریف لے گئے تو رقیہؑ مدینہ میں فوت ہو گئیں۔ آپ ان کے جنازے
میں بھی شریک نہیں ہوئے۔ پھر سے واپس آکر ان کی قبر پر جا کر دعا کی۔ اس کے
بعد ام کلثومؑ کا حضرت عثمان غنیؓ سے نکاح ہوا، مگر کچھ عرصہ بعد وہ بھی وفات
پا گئیں۔ پھر آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؑ مشہد میں فوت
ہوئیں، اس کا ذکر عادیث میں موجود ہے۔ واقعہ مباہلہ سلسلہ یا مسئلہ میں
پیش آیا، جب کہ آپ کی تین صاحبزادیاں مشہد تک فوت ہو چکی تھیں۔ مگر
نہایت افسوس کا مقام ہے کہ شیعہ سوائے حضرت فاطمہؑ کے کبھی کسی اور
صاحبزادی کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔

ان حضرات کا معتبر مصنف علامہ باقر مجلسی اپنی کتاب حیات القرب میں
لکھتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام مباہلے کے لیے نکلے تو مہاجرین اور انصار
آپ کے ساتھ تھے۔ قرآن پاک نے ازواج مطہرات کو صریحاً اہل بیت فرمایا
ہے خود حضور علیہ السلام نے ایک

موقع پر ازواج کو اہل بیت میں شریک کیا تھا لہذا
شیعوں کا عقیدہ باطل ہے۔

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود تو
مباہلہ فرمایا، کیا یہ آپ کے بعد بھی ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف
ہے۔ ہمارے بزرگوں میں سے محقق فرماتے ہیں کہ مباہلہ اب بھی جائز ہے مگر

مباہلہ کی
مشروعیت

بعض فرماتے ہیں کہ مباہلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ مخصوص تھا۔ اگر آپ کے بعد کوئی دوسرا شخص مباہلہ کرے گا، تو اس کے وہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے جو حضور علیہ السلام کے اپنے زمانے میں ہوتے، تاہم اس کے جواز کی گنجائش موجود ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں، کہ جب نصاریٰ حضور علیہ السلام کے مقابلہ پر آئے تو ان کے سمجھداروں نے کہا، اے گروہ نصاریٰ! تم خوب سمجھ چکے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی مرسل ہیں اور انہوں نے مسیح علیہ السلام کے متعلق بڑی واضح اور فیصلہ کن بات کہی ہے۔ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل میں آخری نبی بھیجے گا وعدہ کر رکھا ہے۔ لہذا کچھ بعید نہیں کہ یہ وہی نبی ہوں جن کی بشارت ہم سنتے چلے آئے ہیں۔ یاد رکھو! نبی کے ساتھ مباہلہ کسی قوم کے حق میں ایسے کے ہو کیونکہ یہ نیک ہے کہ ایسی قوم کا کوئی چھوٹا بڑا عذاب الہی سے نہ بچ سکے۔ اور پھر غیر کی لعنت کا اثر نسلوں تک پہنچے۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کر کے اپنی بیعت کو لوٹ جائیں۔ ہم سائے عرب سے لڑائی مولیں گے۔ آخراً آپ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ حبیب، حسین، فاطمہؑ اور علیؑ کو ساتھ لے کر باہر تشریف لائے۔ یہ قویٰ صورتیں دیکھ کر عیسائیوں کے لالچ پادری نے کہا، میں اپنے چہرے دیکھ رہا ہوں جن کی دعا پادریوں کو بھی ان کی جگہ سے سر کا سکتی ہے۔ تم ان سے مباہلہ کر کے اپنی طاقت کو دعوت نہ دو۔ ورنہ زمین پر ایک بھی نصرانی باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ انہوں نے مقابلہ ترک کر دیا۔ جزیہ دینا قبول کیا اور صلح کر کے واپس چلے گئے۔

مولانا عثمانیؒ دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک نے یہ نہیں بتایا کہ مباہلہ حضور علیہ السلام کے بعد بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ کہ مباہلہ کا اثر آپ کے بعد بھی وہی ہونا چاہیے جو آپ کی موجودگی میں ہونے والا تھا۔ البتہ بعض سلف اور بعض فقہائے حنفیہ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مباہلہ کی مشروعیت اب بھی باقی ہے۔

منکر یہ دعوت انہی معاملات میں ہو سکتا ہے، جن کا قطعی ثبوت موجود ہو۔ اب ملاحظہ
میں خود گول اور بچوں کو شریک کرنا بھی ضروری نہیں، اور اس قسم کا عذاب آنا بھی
لازمی نہیں جبکہ حضور علیہ السلام کے ساتھ مباہلہ پر آنا۔ تاہم اس وقت مباہلہ تمام محبت
اور رست و مبایہ کو ختم کرنے کی ایک صورت ہے۔

مولانا عثمانی نے یہ بھی فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں مباہلہ ایک عام کا ذریعہ
کے ساتھ نہیں بلکہ کا ذریعہ معاند (عناد کو خیر الہام) کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ امام
ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا اَنْ تَبَاہِلَ مَنْ
عَاتَدَ حَقَّ فَتْ اَمْرٍ عِدَّتْ بَعْدَ ظَهْرِ الْبَيِّنَاتِ
کہ آپ اپنے شخص کے ساتھ مباہلہ کریں جو عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق حق کے
ساتھ عناد رکھتا ہے۔ جبکہ دلائل و براہین کے ساتھ ثابت بالکل واضح
ہو چکی ہے۔ اور تمام قرآن سے ثابت ہو گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے
پیدا کیے ہوئے اس کے بندے ہیں، وہ خود اللہ نہیں ہیں، بہر حال مباہلہ
اب بھی جائز ہے بشرط اس قسم کے تئوں معاملات میں بعض لوگ معمولی مسائل
مثلاً فاتحہ ملت نام یا آمین وغیرہ مباہلہ پر تیار ہو جاتے ہیں یہ درست نہیں ہے

فرمایا اِنَّ هَذَا اَنْفَعُ الْقَصَصِ الْحَقِّ بَشَرِ الْبَرِّ مَا كَانَ مِنْ رَجُلٍ مَعَ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ
کے متعلق جو واقعات بیان ہوئے ہیں، یہ بالکل صحیح ہیں۔ قصص قصہ کی جمعیت
اور قصہ واقعہ کو کہتے ہیں۔ قصص کی تصحیح بیان کرنے کے معنی ہیں، آئیے۔
اس مقام میں قصص مصدق معنی بیان کرنا ہے قصص کا اصل معنی نقش قدم کو تلاش کرنا ہے
خاص لفظ کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی واقعات کی جیسے چلتا ہے الغرض فرمایا کہ میں علیہ السلام
کے متعلق یہ دعویٰ کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، بالکل صحیح بیان ہے

وَمَا مِنْ رَجُلٍ اِلَّا اللَّهُ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اللہ جی مستحق عبادت نہیں ہے
وہ نافع اور ضار سب سے، خالق، قیوم، قادر مطلق اور علیم کل ہے۔ وہ جو چاہے کرے
وہ ہرگز اور ہی قائم و دائم ہے۔ وہی بخشنے والا ہے۔ وہی مشکل کشا اور حجت روا

ہے۔ سب اُسی کے محتاج ہیں۔ آگے سورۃ مائدہ اور بعض دوسری سورتوں میں نبی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تفصیل سے موجود ہے کہ وہ خود بھی محتاج ہیں۔ فرمایا قرأت اللہ کہو العزیز الحکیم۔ بیشک خدا تعالیٰ ہی غالب اور کمال قوت رکھنے والا حکیم ہے۔ وہ اپنی حکمت سے چاہے کسی کو بغیر باپ کے یا مال اور باپ دونوں کے بغیر پیدا فرمائے۔ وہ کمال حکمت کا مالک ہے۔

فرمایا فَکِنْ فَتَلَوْا اگر یہ لوگ اعراض کریں۔ حق راسخ ہو جانے کے بعد بھی خدا کی وحدانیت کو تسلیم نہ کریں۔ اور اسی طرح عناد کرتے رہیں۔ تو آپ فرما دیکھئے ہَتَّانَ اللہ علیکم بِالْمُفْسِدِیْنَ اللہ تعالیٰ خدا کرے دلوں کو خوب جانتا ہے۔ اور زمین میں سب بڑا فساد شرک ہے۔ کیونکہ امن کا قیام ایمان، توحید، اطاعت اور نیکی سے ہی ممکن ہے۔ کفر، شرک اور براہیوں سے پامنی، فساد، بد اعتقادی، فتنہ پستی اور طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ لہذا خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ فساد ہی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔ فساد کی خاطر کفر و شرک کا ارتکاب کرنے والے اُس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو عذر و سزا دے گا۔

اَلْاِمْرَانِ ۳

آیت ۶۲

تِلْكَ الشُّرُكُ ۳

درس بست یکا

قُلْ يَا هُمُ لِكُتِبْ تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَاءٍ
 بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نَشْرِكَ
 بِهٖ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا
 مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوْا بِمَا
 نُسَلِّمُوْنَ ﴿۶۲﴾

ترجمہ: ۱۔ اے پیغمبر! آپ کو دیجئے اے اہل کتاب! اؤ ایک کلمے کی طرف جو تمہارے
 اور ہمارے درمیان برابر (مکمل) ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور کسی
 چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہریں۔ اور نہ بتائیں ہم میں سے بعض بعض کو رب
 اللہ کے سوا۔ پس اگر یہ لوگ اعراض کریں (قبول نہ کریں) تو (اے مسلمانو!) تم ان سے
 کہ دو: تم گواہ رہو، جیسے ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں ﴿۶۲﴾
 رطائیات جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ سورۃ بقرہ میں دو سے سخن زیادہ تر یہودیوں
 کی طرف تھا۔ اور اس سورۃ آل عمران میں زیادہ تر عیسائیوں کے عقائد باطلہ کی تردید
 ہے۔ اس سورۃ میں تقریباً ۸۲ آیات بخوان کے عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں
 جو حضور علیہ السلام سے بحث مباحثہ کرنے کے لیے مدینہ طیبہ آئے تھے۔ مگر جب
 آپ نے مباہلہ کا چیلنج پیش کیا، تو انہوں نے قبول نہ کیا۔ بلکہ جزیہ ادا کرنے پر
 رضامند ہو کر صلح کر لی۔ اور واپس چلے گئے۔ اہل کتاب کے ان دونوں گروہوں
 کے عقائد باطلہ کی حرج گنی کی گئی ہے۔ اور دلائل کے ساتھ ان کا رد کیا گیا ہے
 کج کی آیت میں یہود و نصاریٰ دونوں کو مخاطب کر کے عقیدہ توحید کی دعوت
 دی گئی ہے۔ جو کہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے قُلْ لَا هِيَ إِلَّا كُفٌّ یعنی نبی (علیہ السلام) آپ عقیدہ توحید کو اپنی جگہ پر رکھتے ہیں اور کتاب (یعنی سُنّے قرأت کے تحت) قائلے یہود، نصاریٰ اور مجوسی کے ماننے والے عیسائیوں پر یہ دونوں گروہ کفر و شرک میں مبتلا ہو چکے تھے یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کر کے اور انہیں یزیدینچا کر کفر کا ارتکاب کیا جب کہ عیسائیوں نے طیسی علیہ السلام کو اوسیت کا درجہ دے کر شرک کو اختیار کیا۔ اُس زمانے میں اہل کتاب کے علاوہ بیان کے آتش پرست مجوسی تھے۔ اور وہ بھی مشرک عرب کے لوگ جو اپنے آپ کو ایزد بھی کہلاتے تھے، وہ بھی کفر و شرک میں غرق تھے۔ نزول قرآن کے زمانے میں کوئی لکا دکا آدمی ہی قیمتِ ابراہیمی پر چلنے والا ہوا۔ ورنہ سب کفر و شرک کی غلامت میں مبتلا رہے۔

ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر آخر الزماں علیہ السلام سے اِنْ كُنْتُمْ كُفْرًا فَاصْلَحُوا ایک ایسے حکم کی طرف اِنْ كُنْتُمْ كُفْرًا فَاصْلَحُوا اور تمہارے درمیان برابری ہے۔ یعنی مسئلہ ہے۔ اس بارے میں قرأت، انجیل اور قرآن کی بات ساری ہے۔ اور وہ ہے مسئلہ توحید یہ سب کا مشترک مسئلہ ہے یعنی اَنْ تَعْبُدُوْا اللّٰهَ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اس مسئلہ پر قرأت، انجیل اور قرآن پاک متفق ہیں بلکہ ہر نبی کی یہی تعلیم ہے۔ لہذا ہم سب اس پر کاربند ہو جائیں۔ قرآن پاک نے یہی مسئلہ دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا اَنْ تَعْبُدُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ السَّيِّئَاتِ پس اللہ کی عبادت کرو اپنے دین کو اسی کے لیے خاص کر کے ہر نبی نے اپنی قوم سے یہی کہا يَقُوْمُ اعْبُدُوْا اللّٰهَ عَمَّا كُفِّرْتُمْ وَلَا تَعْبُدُوْا اے قوم! صرف اسی ایک خدا کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔ وَلَا تَشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا اور اُس کے ساتھ نہ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں۔ امام ابن کثیر نے لفظ شَيْئًا کی تفسیر

میں کہتے ہیں لَا وَتَبَّ وَلَا صَلَیْبًا وَلَا صَنَمًا وَلَا طَعْنُوتًا وَلَا نَارَ وَلَا
 شَیْئًا یعنی آؤ ہم اس بات پر متفق ہو جائیں کہ ہم اللہ کے ساتھ نہایت کر تشریک
 بنائیں گے، نہ صلیب کو، نہ طاغوت کو، نہ آگ کو اور نہ کسی اور چیز کو۔ طاغوت
 کے متعلق قرآن پاک کی تعلیم موجودہ وَالْحَبَشَةُ الْأَعْوَجُ طاغوت سے
 بچو۔ شاہ عبدالقادر نے طاغوت کا معنی "بزرگ" کیا ہے۔ یعنی وہ شخص جو کسی کے
 بنانے سے نہیں بلکہ خود ہی چودھری بن جائے۔ اور یہ شیعہ طائفہ کی غصت ہے
 بلکہ ساری باطل طاقتیں اسی قبیل سے ہیں۔

مقصد یہ کہ اہل کتاب کو دعوت دی گئی ہے کہ آؤ ہم سب مل کر اپنی
 عبادت اللہ ہی کے لیے مخصوص کر دیں۔ چنانچہ ہر مومن، ہر نماز کی ہر رکعت
 میں اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اے مولا کریم إِنَّا لَا نَعْبُدُ إِلَّا بِكَ ہم تجھے ہی
 عبادت کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔ لَا نَعْبُدُ إِلَّا بِكَ ہم تیرے سوا
 کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ مگر
 عیسائیوں نے اقوام ثلاثہ کا عقیدہ گھڑ لیا یعنی باپ، بیٹا اور روح اللہ کس
 تین مل کر ایک خدا بنتے ہیں۔ پھر تینوں الگ الگ بھی خدا ہیں۔ عجیب مغرور ہے
 بالکل مضمر کا نہ عقیدہ۔ نہ قرین خدا ہیں اور نہ تینوں ایک ہیں۔ یہ سب بناوٹی
 عقیدے ہیں۔ یہ باتیں پورس نے عیسائیوں کے عقیدے میں داخل کیں۔ انجیل
 کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ نہ کوئی خدا کا اوتا رب ہے اور نہ کوئی اس کا مظهر
 ہے۔ یہ تو بتوہد کا عقیدہ ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ بھی ان کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔
 کہ خدا کسی انسان کے روپ میں آکر ظاہر ہوتا ہے۔ اس طرح وہ شخص اوتا رہا
 مظهر خدا کہلاتا ہے۔ کہیں مریم پرستی ہو رہی ہے۔ حضرت سریم کی تسویریں
 کو گھر گھر میں رکھ کر ان کی تعظیم کی جاتی ہے۔ ان کو مادر خدا کہتے ہیں۔ ان کے
 نام کی نذر و نیاز لیتے ہیں۔ مسیح پرستی کے علاوہ موجودہ عیسائیوں میں پاپائیت
 بھی پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے بڑے رہنماؤں کو الہیت کے درجے پر پہنچا

میتے ہیں مسلمانوں میں اولیاء پرستی بھی اسی مسئلے کی کڑی ہے۔ شہد پرستی اور
پیر پرستی مسلمانوں میں عام پائی جاتی ہے۔ ان کی ایسی تعظیم کرتے ہیں جیسی خدا کی
کرنی چاہیے۔ ان کی بات کو خدا اور رسول کی بات سے مقدم سمجھتے ہیں۔ ان کے
ساتھ سجدے کرتے ہیں۔ اور ان کا قریب حاصل کرنے کے لیے نذر و نیاز
میتے ہیں۔

قبر پرستی کی بیماری سیود و نصاریٰ میں بھی اور اب مسلمانوں میں بھی عام
ہے۔ حکومت خود اس معاملے میں پیش پیش ہے۔ چاندی چھڑھائی جا رہی
ہیں۔ قبروں کی بے جا تعظیم ہو رہی ہے۔ یہ سب شرکیہ رسوم اور اسراف ہے
بھائی! قبروں پر جا کر وہ کام کرو جو شریعت سے ثابت ہے اور جس کا حکم دیا گیا
ہے۔ وہاں جا کر فاتحہ پڑھو، اور فوت شدگان کے لیے دعا کرو۔ حضور علیہ السلام
نے خود اپنے متعلق فرمایا: **لَا تَجْعَلُوا قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ**
اِلَّا اللّٰهُ میری قبر کو صغیم یا بت نہ بنانا کہ لوگ اس کی پوجا کرنے لگیں۔ اس پر پیش
قبر پرستی کی بہت سی صورتیں رائج ہیں۔ یہ عرض کیا ہے، شرک و بدعت کے
از شکار کا ایک طریقہ ہے۔ قبر کو پختہ بنانا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے فرمایا: **لَا تَجْعَلُوْا قَبْرُوْنَ يَرْجُوْنَ نَكَوْا**۔ مگر اب چسپ ہو رہے ہیں۔
گنبد بناتے جا رہے ہیں، نقش و نگار ہوتا ہے۔ اللہ کے بندو! یہ ایڑنٹ،
مسا کسی غریب کو جسے دو، اس کے سر چھپانے کے لیے بھونپڑی بن جائے
اور تمہیں ثواب بھی حاصل ہو۔ کسی محتاج کی دعائیں لو، قبروں پر چڑھنا کھڑے
بلب لگانے اور پتھریں نصب کرنے سے کیا حاصل۔ یہ تو صریحاً قبر پرستی ہے۔
خواجہ عین الدین چشتی اجمیریؒ بہت بڑے ولی اللہ ہوئے ہیں۔ آپ کا
نقب سلطان اللہ ہے۔ تقریباً نو سو لاکھ انسانوں کو آپ کی رضا طاعت ایمان
کی دولت نصیب ہوئی، اسی طرح سید خواجہ علی اجمیریؒ اپنے پیر درمہ شہد حضرت
فنا کے حکم سے لاہور شریعت لائے اور تبلیغ کا کام کیا۔ جب آپ کو لاہور آنے

کا حکم بڑا، تو عرض کیا: حضرت! وہاں تو سید میرا حسین زنجانی، بدین دین میں حضور و فدائیں
 ہیں وہاں جا کر کیا کہہ دوں گا۔ فرمایا: جاؤ میرے حکم کی تعمیل کرو، چنانچہ آپ زبور و تفسیر
 لے آئے، جب آپ شہر میں داخل ہوئے تو ایک چنانہ زور و نظریہ دریافت کیا تو
 معلوم ہوا کہ سید میرا حسین زنجانی کا جنازہ ہمارے بسے، غرضیکہ خود جہاںگیر بنی نے
 ہندوستان میں دین کی بہت بڑی خدمت کی۔ ان کے متعلق شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے
 ہیں کہ جو کوئی شخص ان کی قبر پر پانچ سالہ مسحورہ غارتی کی قبر پر اس غرض سے جانا ہے
 کہ ان سے کوئی حاجت حاصل کرے، وہ قتل اور زندان سے زیادہ سنگین جرم کا
 مرتکب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح لاہور میں حضرت علی ہجویریؒ بہت بڑے عالم اور
 بزرگ تھے۔ ان کی ہندی درجہ است کے لیے دعا گو، تاہم نہ سب بھگتہ فوجی رہا
 کسی کی مراد پورہ ہی کہنا اور حاجت روائی کہنا تو صرف شاہانِ خداوندی ہے۔ یہ ان
 بزرگوں کی شان نہیں ہے۔ دعا گو کہ اللہ تعالیٰ ان کے طریقے پر چلنے و تفریق
 رکھتا فرمائے اور ان کے واسطے سے ہمارا خاتمہ بخیر ہو، جنت میں ان کی سعادت
 نصیب ہو۔ ایسا مال ثواب کہنا ہے۔ کہیں نہ گھر پر ہی مساکین کو کھانا کھلا دو
 کپڑے پہنا دو۔ دیگر ضروریات مہیا کر دو اور دعا گو کہ اللہ تعالیٰ اس کا اجر
 عوامِ محبین الیہ میں پیش فرمے، جو پانچ سو سالہ غارتی کو حضرت علی ہجویریؒ کی رشت
 مبارک کو پہنچائے، ان کے درجات بلند کرے۔ یہ سب کچھ پہنچنے تک ضرور
 بھی نہ جانتا تھا وہاں چل کر جانے کی کیا ضرورت ہے۔

لکاح پرستی اور ملوک پرستی بھی شائبہ میں شامل ہے اور شرک ہی کی
 قسم ہے۔ بپا پانی شہینہ زمرہ یعنی ملوک پرستی میں مبتلا تھے۔ وہ لوگ اپنے
 بادشاہ کو الہ کو درجہ دیتے تھے۔ بادشاہ کو کھلی تھیلہ تھیلے، جو چاہے کہے
 اس پر کوئی قدر نہیں نہ تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے فرمایا کہ
 آپ کہہ دیجئے کہ مسلمانانِ ہند یہ بت کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس
 کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں، نہ کسی کو جانوروں و خروں، نہ خدا کی

شرک کو
 لغت

نہ عیلم کل۔ نہ مشکل کش اور عاجزت روا۔ کسی کو پیر و پیغمبر اور غوث اعظم بھی تعلیم نہ کھڑی
یہ سب شرکیہ باتیں ہیں۔ صرف خدا تعالیٰ کے لیے لائق میں۔ مافوقی و اسباب عاجزت کی
اور مشکل کشائی صرف خدا کی ذات ہی کر سکتی ہے۔ جگر جگر باطنی اور باغوث نکھا ہوا ہے
یہ سب شرک کی نشانیاں۔ در غلط عقیدے کا اظہار ہے۔ پیروں کے سامنے رکوع
اور سجدہ کیا جاتا ہے۔ بلکہ قبضہ پر بھی سجدے ہوتے ہیں۔ یہ تو انجیل نے بھی منع
کیا ہے۔ وہاں یہ آیت موجود ہے۔ خداوند کو سجدہ کر اور معرفت کی عبادت
کو مگر عیسائی اس کی فطرت و رزق کر رہے ہیں۔ مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ یا
اللہ مانتے ہیں۔ مشکل کش اور عاجزت روا سمجھتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ وہی
معاملہ کرتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہیے۔

اگے فرما: وَذُرِّيَّتُهُ بَعْضُ مَا بَاعَ ابْنُ دَاوُدَ مِنَ اللَّهِ وَهُم مِّنْ
سے بعض بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنالیں۔ کسی کو رب بنانا بھی کفر اور شرک
میں داخل ہے۔ لَا رَبَّ سِوَاهُ خدا کے سوا کوئی رب نہیں۔ ہم دہ بار پڑھتے ہیں
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ پھر یہ بھی کہتے ہیں۔ قُلْ اَسْأَلُكَ
بِعِزَّتِ الْقُرْآنِ ۚ قُلْ اَسْأَلُكَ بِمَا كُنْتَ تَعْلَمُ ۚ کہ تو میری عبادت کا مالک۔ پھر عز
کرتے والا کسی چیز کو دینے کا مالک ہے۔ پائے والا اور تمام اسباب حسیا کرتے والا

بزرگان دین کے کلام میں پیر و پیغمبر اور غوث اعظم وغیرہ الفاظ بعض مقامات پر استعمال کیے
گئے ہیں۔ لیکن انہوں نے اس سے ہرگز وہ معانی مراد نہیں لیے جو اہل شرک مراد لیتے ہیں۔
بلکہ غوث سے مراد اسی مقبول کلمہ مستجاب دعوتِ حقیقی و عادل اور برکات سے اللہ تعالیٰ
لوگوں کو فیض پہنچاتا ہے اور یہ لوگوں کا فائدہ کیسے ہے۔ درودِ ربانی فیض پہنچاتے ہیں۔ اور لوگوں
کی طرح طرح کی مشکلات اور ضروریات کی مراد کشائی ان حضرات کی تعلیم و تہذیب۔ تعلیم
و تہذیب نقصان دہ اور توجہات وغیرہ کی درست بروقت رہتی ہے۔ ۱۲

حرف اور حرف خدا تعالیٰ ہی ہے۔ لہذا اُس کے سوا کسی کو رب نہ بنائیں۔
 شہاد ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ توحید کے دو درجے تو مشرک
 بھی مانتے ہیں یعنی واجب الوجود و خالق۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ خدا کی ذات
 واجب الوجود ہے اور وہی ہر چیز کا خالق ہے۔ لیکن نہ ربِ تمیز سے اور چوتھے بُنے
 میں جا کر پیدا ہوتی ہے۔ یہ ضرور جہتِ تدبیر کا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ ہی واجب ہے۔ وہی ہر
 چیز کی تدبیر کرتا ہے۔ لیکن مشرک لوگ یہاں تک پہنچ جاتے ہیں کہ وہی ستاروں کے
 بھی تدبیر کرتا ہے۔ سمجھتے ہیں۔ عیسائی ایک نسبت مسیح علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں
 یہودی عزیر علیہ السلام کی طرف اور باقی مشرک کسی اور طرف۔ اور اس طرح مشرک
 میں بٹلا ہو جاتے ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ توحید کو چوتھا درجہ عبادت ہے۔ اس کا مطلب
 یہ ہے کہ لوہے کا تلوخ کے ساتھ اتھائی درجے کی تعلیم حضرت خدا کی ہی ہو سکتی ہے
 کوئی دوسری جتنی مستحق عبادت نہیں ہے۔ لیکن مال یہ ہے کہ لوگ مادی اور
 مادی ہر قسم کی عبادتیں خدا کے علاوہ دوسروں کے سامنے انجام دیتے ہیں۔ اور
 اس طرح مشرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اہم ابو حنیفہؒ نے پٹ پڑوسر شہ نام
 جعفر صادقؑ سے عرض کیا۔ اے رسول اللہؐ کے فرزند! یہ فرمیں کیا اللہ تعالیٰ
 نے اپنی ربوبیت کی کسی کے سپرد کی ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا۔ محاذ اللہ! اللہ
 نے اپنی ربوبیت کسی کے سپرد نہیں کی۔ ربوبیت کے لیے وہ خود انجام دیتا ہے
 لوگوں کی عبادت پوری کرتا ہے کہ اس نے کسی کو اختیار نہیں دیا۔ اپنی ہر چیز فرماتے
 ہیں کہ گناہ کے کام میں کسی کی طاقت نہ ہو اور غیر اللہ کے آگے سجدہ نہ کرنا بھی نہیں کہ
 بعض کا رب بننا ہے۔

حضرت سیدنا محمد بن عباسؓ کے تہ گردن حضرت عکرمہؓ کا قول ہے کہ بنیادی
 طور پر کتاب اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام کے ساتھ ہے۔ اس کا
 پتہ خود حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک کے ایک واقعہ سے چلتا ہے۔ حاتم بنی

کی سخاوت و شہسازشیں بن چکی تھیں۔ مگر ابن قتیبہ نے اپنی کتاب "مغیرۃ الشریعہ" میں مذکور کیا ہے۔ مگر حاکم کی سخاوت کو شہرت کیلئے ہی حاصل نہیں ہوگی، اس شخص نے انیسویں مرتبہ اپنا گھر بار، ماں و مائیں، اہل دیار و عیال کی مذہب رکھتا تھا اور اسی پر اُسکی موت واقع ہوئی، اُس کا بیٹا عدی بن مہقر بھی عیسائی تھا اور اُس کا بیٹا اسلام کو سخت مخالفت کرتا تھا۔ مگر کسی نیک کردہ کے تصور و دستِ حضور علیہ السلام کی نہ مست فیس مانتا نہ کفر شرف پر اسلام ہوا۔ اُس کی بہن کو حبس ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ عدی خود بیان کرتے ہیں کہ جب یہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، تو اُس وقت **فِي حُجَّتِي صَدِيقٌ هُوَ ذَهَبٌ بِمِزِي** گورن میں سونے کی صلیب تاک رہی تھی، اس حضرت علیہ السلام نے دیکھتے ہی فرمایا **كُلُوا عِنْدَ هَذَا الْوَرَقِ لَسْ نَبَتْ كُوْا بِمِزِي** گورن سے آ رہی ہے۔ گویا آپ نے صلیب کو ورثہ بنا لیا اور ورثہ میں فرق یہ ہے کہ جو نبوت گھر آ رہا ہو اسے، وہ حصہ کھاتا ہے۔ اور جو ان گھر آ رہا ہو، اُسے ورثہ کہتے ہیں، اس کا خط سے صلیب کو ورثہ فرمایا، نیز حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا **يَا مَعْزُومُ احْبَبْ رَحْمَةً وَرَهْبًا فَهَؤُلَاءِ بَابَا مَنَافِئُ دُورِ اَنْ اَللّٰهُ اَنْ يَدُوْرِ اَوْ عِيسَا يُوْرِ** اپنے دو درویشوں و درویشوں کو رب بنا لیا ہے، حضرت عدی کہتے ہیں، اے مَعْزُومُ کیا حضرت! ہمارا کُتُافُ رَحْمَةً ہمارے ہم جن کی خدمت تو نہیں کہتے تھے۔ رب تو جب بناتے جب ان کی عبادت کرتے، اس پر حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا **اَلَيْسَ كَلِمَتُكُمْ كَلِمَتِي لِيُحْتَمِلَ لَهَا مَا حَتَّ اَللّٰهُ** کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ان کتاب کے مولوی اللہ کی حرام کردہ ستیا کو عدل قرار دیتے تھے اور وہ لوگ اسے عدل ہی سمجھتے تھے، نیز یہ کہ جس چیز کو اللہ نے حلال فرمایا وہ درویش اُس چیز کو حرام قرار دیتے تھے، اور وہ لوگ اسے حرام ہی سمجھتے تھے، حضرت عدی نے عرض کیا جتنورا اے اللہ تو سب، تو آپ نے فرمایا۔ یہی تو رب بنا لیا ہے، کیونکہ حلال و حرام ان کے اختیار میں نہیں تھا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ کسی چیز کو حلال یا حرام مقررنا اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ میں سے ہے۔ البتہ جب اس کی نسبت نبی کی طرف ہوتی ہے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کی حکمت یا حرمت کی قطعی علامت ہے۔ نبی خود حلال و حرام نہیں کرتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرتا ہے۔ جس چیز کو مجتہد حلال یا حرام سمجھتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ فیصلہ قرآن و سنت کی روشنی میں دیا ہے۔ انہیں خود ایسا کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کا نبی کو اختیار نہیں، مجتہد کو کیسے ہو سکتا ہے۔

شیخہ حضرت اپنے ائمہ کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ یحیون مایثادون و یحیون مایثادون یعنی ان کے امام معصوم ہیں وہ جس چیز کو چاہیں حلال قرار دیں اور جس کو چاہیں حرام کہہ دیں۔ یہ محض حقیقت یہ ہے کہ معصوم صرف نبی کی ذات ہے۔ یہ گارنٹی صرف اُسے حاصل ہے کہ اُس سے گناہ سزا نہیں ہونے دیا جائے گا، لہذا شیعوں کا عقیدہ اس معاملے میں درست نہیں ہے۔

حضور علیہ السلام نے مختلف ممالک کے فرمانروائوں کو بذریعہ خطوط و کتاب اسلام کی دعوت دی۔ ان خطوط میں ایک خط قیصر شاہ روم کے نام بھی تھا۔ یہ درخواست آپ نے سکھ میں وحید ابن علیہ کلثی کے ہاتھ گورنر شام کی معرفت بھیجا تھا اس خط کے الفاظ یہ ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ. لَنْ خُفِّنَ النَّجِیُّمُ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ سَیِّدِ الْوَحْدَانِ هَذَا قَوْلُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ عَزَّیْمُ الْوَحْدَانِ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى یہ خط اللہ کے رسول محمد علیہ السلام کی طرف سے رومیوں کے بادشاہ ہرقل جو عظیم مدیوں کا کی طرف ہے۔ سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی تابعداری کی مابعد قَسَّیْلُوْا نَسْلُوْا اِسْلَامَیْ اَوْ سَلَامَتِیْ یَا جَاوِدْگے۔ وَاسْئَلُوْا بَنَاتِ اللّٰهِ تَجْرِلْنَ مَسْرُکَیْنِ اِسْلَامَیْ سَبُولَ کُلُوْا اللّٰہُ دُوْہِرَ اَجْرَ دِیْگے۔ عِیَاسِیْت کے بعد آخر ایمان لے آؤ گے تو عیاسیت کا اجر بھی ملے گا اور اسلام لانے کا

اجر بھی یعنی دوہرا اجر ملے گا۔ فَإِنْ تَوَيْتَ اور اگر تم رگہ رگہ دانی کرو گے فَإِنْ
 عَلَيَّ لَأَتَنَّ لَيْلِي سَيِّئًا تو تمام رعیت کا گناہ بھی تم پر ہو گا۔ کیونکہ تمہاری وجہ
 سے سب لوگ ایمان سے محروم رہ جائیں گے۔ اس کے بعد یہ آیت بھی جو آج
 کے دوس میں آئی ہے۔ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَكْلُوْا الْخُبْرَ الَّذِيْ
 سَوَّاهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا تَعْبُدُوْا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهِ
 شَيْئًا وَلَا يَكُنْ لَّكُمْ بَعْضُكُمْ بِعَضًا رَّيْبًا يٰۤاِهْلَ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ
 تَوَلَّوْا فَقُلُوْا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

محضر علیٰ رحمہم رؤف الرحیم علی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کی سنتوں میں پہلی اس
 رکعت میں پے پے کی یہ آیت تلاوت فرمائی گئی۔ قَوْلًا اٰمَنًا
 بِاَللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اٰلَيْنَا وَمَا نَزَلَ الرَّسُوْلُ اٰهِيْعًا وَاسْمِعِيْلًا
 قَوْلًا سَمِيْعًا وَيَعْقُوْبًا قَوْلًا سَبَّاحًا وَمَا اُوْتِيَ مُؤْمِسِي وَعِيْنِي وَمَا
 اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا تُفَرِّقُ بَيْنَ
 اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَتَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ اور دوسری رکعت میں آج کی آیت
 يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَكْلُوْا الْخُبْرَ تلاوت فرمائی، بعض اوقات پہلی رکعت میں سورۃ کافرون
 اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص بھی تلاوت فرماتے ہیں۔ یہ آیات اور سورتیں بھیدہ
 توحید اور توحید شرک پر مشتمل ہیں۔ اس لیے پڑھی اہم ہیں۔ ان میں اسلام کی بنیادی باتیں
 اور اس کی دعوت ہے۔

الْإِسْمَٰئِيلِ

بَلَّغَ الرُّسُلَ

تہیت ۶۵-۶۸

درس بستہ ۲۱۲

يَا مَلِكُ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا
 نَزَّلَتِ السُّورَةُ وَلَا تُحِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ أَفَلَا
 تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾ مَا أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ حَاجِّجْتُمْ فِيمَا
 لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا آتَيْنَاكُمْ
 بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾
 مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ
 كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾
 إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لِلْذِّنِ اتَّبَعُوهُ وَ
 هَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٨﴾

ترجمہ: اے ابن کتاب! تم کیوں جھگڑا کرتے ہو ابراہیم علیہ السلام کے مسئلے میں
 حالانکہ ہمیں ان کی کوئی توجہ اور انہیں مکران کے بعد کیا تم عقل نہیں رکھتے ﴿٦٥﴾
 سوئے تو! جسگز کیا تم نے اس چیز میں جس کا تمہیں علم تھا اب کیوں جھگڑا کرتے
 ہو اسی چیز میں جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم
 نہیں جانتے ﴿٦٦﴾ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی سگروہ ضعیف
 (مسب طرف سے بہت کم ایک طرف سے تھے) اور مسلمان (اللہ کے فرمانبردار)
 تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں نہیں تھے ﴿٦٧﴾ بیشک لوگوں میں سے
 ابراہیم (علیہ السلام) کے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا اتباع کیا، اور
 یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا ولی (کارساز)

گزشتہ درس میں اہل کتاب کو اس کلمہ توحید کی دعوت دی گئی تھی، جو تمام انبیاء علیہم السلام، تمام کتب اور تمام شرائع کا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ یعنی خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ اور ہم ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے احبار اور ہر ایک کو رب بنالیا۔ اور رب بنانے سے مراد یہ ہے کہ جن چیز کو مولوی اور درویش حلال قرار دے دیں اسے حلال سمجھ لیا جائے اور جسے حرام کہیں اس کو حرام ہی سمجھ لیں۔ گزشتہ درس میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی تھی کہ تحلیل و تحریم اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے۔ اس کے سوا کسی کو حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار نہیں ہے۔ جب نبی کسی چیز کو حلال یا حرام کہتا ہے تو اس کو قطعی سمجھ لینا چاہیے۔ کیونکہ نبی وہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرتا ہے۔ کچھ کے درمیان میں بھی خطاب اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ دونوں سے ہے۔ اور ان کے آپس کے اس جھگڑے کے متعلق ہے، جو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کرتے تھے۔

حضرت حسن بصریؒ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ شتہ روایت ہے کہ جب بخران کے عیسائی حضور علیہ السلام کے ساتھ بحث و مناظرہ کرنے کے لیے مدینہ آئے تو مدینے کے یہودی بھی جمع ہو گئے۔ عیسائیوں کا لاٹ پادری بھی وفد میں شامل تھا، اور یہودیوں کے علماء بھی اکٹھے ہو گئے اور یہ دونوں گمراہ آپس میں جھگڑتے لگے۔ یہودی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے طریقے پر تھے۔ مگر نصاریٰ یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ ان کا دعویٰ تھا۔ ابراہیم علیہ السلام عیسائیوں کے طریقے پر تھے۔ مگر دوسرا گمراہ طے ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔ گویا دونوں گمراہ اپنی نسبت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے تھے۔ یہ معاملہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھی پیش ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات ازل فرما کر یہود و نصاریٰ دونوں گمراہوں کی تردید فرمائی کہ دونوں فریق ابراہیم علیہ السلام

کے طریقے سے ہر شے چمکے ہیں۔ لہذا ان کی خالی نسبت کا کچھ فائدہ نہیں۔

ارشاد ہوتا ہے **يَا أَهْلَ الْكِتَابِ** اے یہودی اور عیسائیو! لَقَدْ جَاءَكُمْ

فِرْعَانُ (ایسا ہیجہ) تم ابراہیم علیہ السلام کے ہائے میں کیوں جھجکاتے ہو یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔ حالانکہ آپ کو یہودیت سے کیا تعلق۔ یہودیت تو راسخ کو مسلح کر کے پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جس نور ان کو نازل فرمایا یہودیوں نے اس میں تحریف کی۔ اس میں قطع برید کر کے بعد کچھ چیزیں اپنی طرف سے ملائیں اور بعض اصلی احکام چھوڑ دیئے۔ اس طرح کہ آپ اپنی اصل حالت میں باقی نہ رہی۔ گویا یہودیت موسیٰ علیہ السلام کے جگر ٹسے ہوئے دین کا نام ہے۔

اسی طرح عیسائیت انجیل کو بگاڑنے سے پیدا ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں آپ کے حواری تو آپ کو مانتے تھے اور آپ کے دین کی تبلیغ بھی کرتے تھے۔ مگر جب آپ کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا تو انجیل میں رد و بدل شروع ہو گیا۔ روم کے مشرک بادشاہ نے عیسائیت قبول کر لی۔ اس کے ساتھ اس کی رعایا بھی اسی دین میں شامل ہو گئی پھر انہوں نے بہت سی مشرکانہ رسوم عیسائیت میں داخل کر دیں۔ حق مذہبی بدل دیے۔ پوسس کی تعلیم کے ذریعے عیسائیت کا عقیدہ وضع کیا گیا۔ یعنی مسیح علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے۔ اسی طرح تین خداؤں کا عقیدہ دیکھا دیا۔ غلط عقاید اور مشرکانہ رسوم نے اصل مذہب کو باقی نہ رہنے دیا اور اس طرح عیسائیت یا نصرانیت معرض وجود میں آئی۔ عیسائیوں کے مولیوں اور پادروں نے انجیل کی تعلیمات کو بگاڑ دیا۔ خنزیر کو حلال قرار دینے کا مسئلہ قسطنطین کے زمانے میں پیدا ہوا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جب رومیوں کا بادشاہ قسطنطین عیسائی ہو گیا تو خنزیر کو حلال قرار دے کر کھانا شروع کر دیا گیا حالانکہ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ حضرت نور علیہ السلام کے بعد آنے والے تمام انبیاء نے خنزیر کو حرام قرار دیا۔ اور یہ سب کچھ عیسیٰ علیہ السلام کے بہت

بعد کی بات ہے۔ الغرض! عیسائیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بگڑے ہوئے دین کا درست ہے۔

جہاں تک ملک میں بھی دین کے ساتھ کہہ رہی ہیں۔ آج کی جہیز
 رسوم ہندوؤں سے ماخوذ ہیں۔ خصوصاً موت کی رسوم جگہ تیسرا سا کہیں۔ دسواں۔
 چارہواں۔ برسی وغیرہ ہندوؤں کے ہیں۔ آریافوں کی آمد کے بعد بدھ صوفیوں نے بدھ مت
 اختیار کر لیا گیا۔ اور ان کی رسوم صدیوں تک اس ملک میں جاری رہیں۔ پھر جب
 اسلام آیا تو یہی رسوم اسلام میں داخل ہو گئیں۔ تباہی بیاہ کے سلسلہ میں گانا، سسر، بابا
 وغیرہ سب ہندوؤں کی سہیل ہیں۔ یہ چیزیں اسلام کے ساتھ عرب سے نہیں آئیں۔
 بلکہ میان پر دین میں داخل کر لی گئیں۔ شب معراج اور دیگر واقعہ پر چھڑاؤں کی بیماری
 جھوٹوں کے راستے سے آئی کینچہ وہ لگ کر مقدس منستے تھے۔ ہندو بھی اپنی
 دیوالی اور دوسرے کے موقع پر چھڑاؤں کر کے تھے۔ مسلمانوں میں بھی جاری ہو گیا
 الغرض! جس طرح عیسائیوں اور یہودیوں نے غلط عقیدے اور رسوم اپنے دین
 میں داخل کئے ہیں۔ اسی طرح مسلمان بھی اس کام میں اُن سے
 پیچھے نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تو رات کا نزول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک
 ہزار سال بعد ہوا۔ اور انجیل کے نزول کے وقت تو دوسرے سال سے بھی زیادہ عرصہ
 گزر چکا تھا۔ تو ابراہیم علیہ السلام اپنے ہزاروں سال بعد پیدا ہونے والی بیوریت یا نصرت
 کیسے پہچان کی جا سکتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ابنِ کتاب! قیام
 ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ مَا أَكْذَرُ لَكُمْ انْشُرَاةَ وَافِئِجِلِ
 الْاَمِنْ يَكْفِدُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ تو راست اور انجیل تو ابراہیم علیہ السلام کے
 ہزاروں سال بعد نازل ہوئی۔ تو جو کتابیں ان کے بعد نازل ہوئیں تم ان کی نسبت
 ان کتابوں کی طرف کیسے کرتے ہو عقل کی بات کہو۔ پھر تنبیہ کے طور پر مسند
 عَلَامَتِہُمْ لَآ اِجْرَ حَاجِبُہُمْ فِیْمَا لَکُمْ بِہِ عَلَمٌ

ہندو
 رسوم

تہیں اس چیز میں تو جھگڑا کیا جس کا تمہیں کچھ علم تھا۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تو تمہیں کچھ بخیر بہت علم تھا۔ کہ ان پر نازل شدہ
 کتابیں کسی نہ کسی شکل میں تمہارے پاس موجود تھیں۔ ہذا میں نے متعلق تمہارا اختلاف
 اسے کسی حد تک دور کیا جاسکتا ہے۔ قُلْ لَّكُمْ الْحُجُوجُ فِيْهَا لَبَسَ
لَكُمْ فِيْہِ بَلَدٌ مگر تم اس چیز کے متعلق کیوں جھگڑا کر رہے ہو۔ جس کا
 تمہیں میرے سے علم ہی نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی صحیح حقیقہ تمہارے
 پاس نہیں۔ ان کی کسی تعلیم پر تمہارا عمل نہیں۔ لہذا ان کی طرف غلط باتیں کیوں شوب
 کر رہے ہو۔ کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی تھے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ لَا یَعْلَمُ
وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اس بات میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور تم نہیں جانتے
 فرمایا کہ اِنْ اِیْبَادِیْہِمْ کَیْفَ یُعْزِیْہُمْ وَلَا تَخْشَیْہُمْ اِبْرٰہِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ
 یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے۔ وَالْکَیْنُ کہ ان حقیقتاً مسلمان بلکہ وہ تو حقیقت
 اور مسلمان تھے۔ حقیقت اس کو کہتے ہیں۔ جو سب طرف سے ہر طرف کی
 طرف لگ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تعلیم دی حُتُّفَاوْرَ لِلّٰہِ اللّٰہ
 کیسے حنیف بن ہاؤ۔ ہر طرف سے کٹ کر صرف اس کی عادت میں آجاؤ اور
 مشرک نہ بنو۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام تو حنیف میں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے
 سامنے عرض کیا رَبِّیْ اَنْجِہْہُ وَاجْعَلْہُ وَیْلَی لِّیْ ذِی الْقُرْبٰی
وَالْاَقْرَبٰی حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ میں نے ہر طرف سے منہ
 مڑ کر اپنا رشتہ اس اللہ جل جلالہ سے جوڑ لیا ہے۔ جو آسمان و زمین کا خالق
 ہے۔ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

شاد ولی اللہ فرماتے ہیں کہ حنیف سے مراد وہ شخص ہے جو ابراہیم
 کو اپنے والا ہے۔ فارسی تفسیر فتح الرحمن کے حاشیے پر لکھا ہے کہ حنیف وہ
 شخص ہے۔ جو کعبے کی طرف نہ گھر کے منہ نہ چھتا ہے۔ جو بیت اللہ کا حج کرتا
 ہے۔ جو ختنہ کرتا ہے۔ جو شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے۔ اور نہ تعالیٰ کی مناد

کو تسلیم کرتا ہے۔ یہ سب نصیحت کی علامتیں ہیں، تو کوئی مشرک آدمی نصیحت کیجے ہو سکتا ہے، مشرک اور نصیحت تو متضاد صفات ہیں۔

فرمایا ابراہیم علیہ السلام نصیحت بھی کئے اور مسلمان بھی۔ دراصل نصیحت اور مسلمان ہونا ایک ہی چیز ہے۔ اسلام کا معنی اعلیٰ نعمت، اور فرمانبرداری ہے جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا اَسْلِمُوا فرمایا وہ جو باطن اسلام سے قبول کر لے۔ قَالَ اَسْلَمْتُ لِسَبِّطِ الْعَالَمِینَ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا ہاں مولا کو یہ ایمان سنئے میری فرمانبرداری قبول کر لی۔ میری قطعہ حیات جی تیری اعلیٰ نعمت ہے۔ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی یا نصرانی تھے۔ یہ اپنی نسبت غلط طور پر ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں۔ وہ کائناتِ ہوائِ اُمتِ محمدیہ میں ابراہیم علیہ السلام مشرکوں میں سے ہیں تھے۔

بزرگوں کی طرف خالی نسبت کی وہ مسلمانوں میں بلی پائی جاتی ہے۔ اپنے آپ کو سلفی کہلانے والے کیا واقعی اسلام کے طریقے پر چل رہے ہیں۔ شخص عوامی ہے، کام الٹ ہیں، اسی طرح آج کل حنفیوں کی اکثریت امام ابوحنیفہؒ کے عقیدے سے بالکل مختلف عقیدہ رکھتی ہے۔ قادری اپنی نسبت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی طرف کرتے ہیں مگر ان کا معاملہ آپس کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسے یہود و نصاریٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ شیخ جیلانیؒ کا عقیدہ پاک تھا، ان کو عمالِ پاکیزہ تھا، اعلیٰ درجے کی روحانیت کے مالک تھے مگر ان کی طرف نسبت رکھنے والے مشرک و بدعت کے متحرک ہو رہے ہیں۔ یہی حال نقشبندیوں اور چشتیوں کا ہے۔ آج کل چشتی گانے بجانے لگے کہ سمجھا جاتا ہے۔ کیا خود یہیں ابراہیمؑ کی پیروی ہے۔ خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کا درویشوں کے بعد کچھ لاکھ دو لاکھ آدمی اس میں سے گذر گئے تو چشتی اور جنئی ہو گئے۔ العباد باللہ یہ بزرگ اعلیٰ درجے کی روحانیت کے مالک تھے۔ بچے تو حیر پرست اور متبعِ سنت تھے۔ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ چشتیوں کی طرف

بزرگوں کی
حرفِ نسبت

یہ منسوب کرنا کہ وہ گانے بجانے کے قائل تھے، بالکل غلط ہے۔ اس پر بغیر
 میں جس قدر اہل سنت چشتیوں میں پایا گیا ہے، کسی اور مسلک میں نہیں ملتا۔
 اسی سلسلے میں حضرت علی ہجویریؒ کا عرس منایا جا رہا ہے۔ مزار کو عرق گلاب سے
 غسل دیا جاتا ہے۔ حکومت کے نمائندے چار دیواریں چڑھاتے ہیں۔ اب ان
 مزاروں پر گنبد بن گئے ہیں۔ چپس لگ گئے ہیں۔ عرس ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ
 کیا ہے۔ چوں کہ مزار کعبہ پر خیزد کجا ماند مسلمان

اوقات میں آنے کا مقصد تو یہ تھا کہ لوگوں کی اصلاح کی جائے۔ شرک و بدعات
 سے منع کیا جائے۔ مگر اب خود مسلمان ہی یہ کام انجام دے رہے ہیں۔ ان کو اس
 بُرائی سے کون روک سکے گا۔ یہاں تو آمدنی سے غرض ہے۔ چڑھانے کی آمدنی
 کھانے پینے اور طہارتموں کی تنخواہوں پر خرچ ہوتی ہے۔ جو شخص اپنی نسبت
 حضرت علی ہجویریؒ کی طرف کرتا ہے اور پھر شرک و بدعت کا ارتکاب بھی
 کرتا ہے۔ وہ خود بھی جھوٹا ہے اور اس کی نسبت بھی غلط ہے۔

خواجہ گیسو درازہ گلمرگر دکن میں رہنے والے بڑے اعلیٰ پایہ کے بزرگ تھے
 ان کی کلمہ و شیش سوکتائیں ہیں۔ ان میں قرآن پاک کی تفسیر بھی ہے۔ تصوف پر
 کتابیں ہیں۔ بہت کجائیات بھی ہیں۔ ان کتابوں میں شرک کی واضح تردید موجود ہے
 کہتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک جوگی کوئی عمل بتانے کے لیے آیا مگر ہزار
 سنت کے باوجود آپ نے وہ عمل نہیں کیا۔ فرمایا مجھے تہلے کے عمل کی کوئی ضرورت
 نہیں۔ ہمارے پاس اللہ کا قرب دلانے والے عمل موجود ہیں۔ ہم سنا بتانے کا
 عمل سیکھ کر کیا کریں گے آپ متوکل علی اللہ اور معلّم تھے، خواجہ بختیار کاکیؒ
 عبادت و ریاضت کے شہید تھے۔ دو رکعت میں پورا قرآن کریم اور
 چار پائے تلاوت فرماتے تھے۔ خواجہ بختیار کاکیؒ کا مجاہدہ تھا کہ شیش برس
 تک زمین پر پشت لگا کر نہیں سوئے۔ نیند کا غلبہ ہوا تو بیٹھے بیٹھے ہی
 آرام کر لیا۔

حضرت مجاہد الصنف ثانی کا حال دیکھو۔ اُن کے اتنے دلوں نے جس منہ سے پر
 ہی اکتفا کر لیا ہے۔ اور سمجھتے ہیں کہ وہ دنیا میں مقید و مہیت کو ترقی دے سکتے ہیں۔ یہ
 سب غلط فہمیاں ہیں۔ امتداف نے فرمایا کہ یہودیت یا نصرانیت کی محض ابراہیم علیہ
 السلام کی طرف نسبت کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ ان تمام ہزرگوں کی طرف نسبت اُمی وقت
 مفید ہو سکتی ہے۔ جب اُن کا عقیدہ اور عمل بھی اپنا یا جیسے۔ آجکل کے محض مزار بن
 لینا اس پر عمارت بنا کر قوالی کو لینا اور عرس منگینا ہی کافی سمجھ لیا گیا ہے۔
 عقیدہ سے اور عمل کو کون جانچتا ہے۔ یہاں گوجر انوالہ میں یکس بائیس یا فائر عقل کا
 مزار بنا دیا گیا ہے۔ کسی نے نہیں دیکھا کہ کیا کر سکتے ہو۔ اتنے منہوں شرم میں اُس
 دیوانے کی قبر پر چڑھ کر چلے گئے ہیں۔ وہ سپرد کھجور تھایا مجنوں تھا۔
 بہر حال غیر محکمت تھا۔ اُس کو خدا کا مرنے بنا کہہ لو چاہا پست شروع کر دی۔ کیا ایمان
 اور توحید اسی چیز کا نام ہے؟

حضرت بلال
 کے متبعین

فرمایا اور کھو! اِن اَفْطَحْ اَسْأَلِ بِرَبِّهِمْ لَكَ سَبْعُونَ
 تَبَعُوهُ بِشَاكٍ اِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ کے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنہوں نے
 اُن کے دور میں اُن کا پیچھا کیا۔ ایسے ہی لوگوں کی نسبت آپ کے ساتھ
 درست ہے۔ اُن کے علاوہ وَهَذَا النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ
 یہ خاتم النبیین اور آپ پر ایمان لانے والے جو در حقیقت ابراہیم علیہ السلام کے
 متبع ہیں۔ یہ بھی اُن سے مناسبت رکھتے ہیں۔ ان کو یہ حق پہنچا ہے کہ اپنی نسبت
 ابراہیم علیہ السلام کی طرف کریں۔ یہود و نصاریٰ کو یہ حق تو قلعہ نہیں پہنچا۔ حضرت
 قَالَ اللَّهُ وَلَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ اَللَّهُ فِي السَّمٰوٰتِ اَعْلٰی کالآر سازه ہے۔ ولی کا معنی
 خالق، مہر پرست، دوست اور کار ساز ہے۔ جو کوئی اللہ پر ایمان لائے پھر وہ
 اُس کا کار ساز بن جاتا ہے۔ پھر اُسے کسی دوسرے دروازے پر جانے کی ضرورت
 باقی نہیں رہتی۔

الْغَصْنِ ۳

قُلْ الرُّسُلُ

آیت ۶۹ تا ۷۱

درس سبت و سورہ ۲۳

وَدَّتْ هَآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوكُمْ
 وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٩﴾
 يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ
 تَسْهَدُونَ ﴿٧٠﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَقُولُونَ الْحَقَّ
 بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَكْذِبُونَ ﴿٧١﴾

۸/۱۵

ترجمہ :- اہل کتاب میں سے ایک گروہ پھیل رہا ہے کہ وہ تم کو گمراہ کریں اور وہ
 نہیں گمراہ کرتے مگر اپنی جانوں کو اور وہ نہیں سمجھتے ﴿۶۹﴾ اے اہل کتاب! تم
 اللہ کی آیتوں کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو۔ اور تم گواہ ہو ﴿۷۰﴾ اے اہل کتاب!
 کیوں لاتعلیٰ ہو تم حق کو باطل کے ساتھ۔ اور تم حق کو چھپاتے ہو، اور تم جانتے ہو ﴿۷۱﴾
 گمراہ شدہ دس میں تذکرہ ہو چکا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا آپس میں جھگڑا یہ تھا
 کہ یہود کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور نصاریٰ کہتے تھے کہ
 حضرت ابراہیم علیہ السلام نصرانی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں کی تردید
 فرمائی۔ اور فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے بلکہ وہ توحید
 اور سکین تھے۔ یہودیت اور نصاریت ہم کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ یہ

مذمت اور بخیل کی گنجائی ہوئی شکل کا نمبر ہے۔ اہل کتاب نے قرأت و بخیل میں تحریرت
کر کے اصل دین کو بگاڑ دیا۔ کفر اور شرک دونوں گروہوں میں قدر مشترک ہے۔

دوسری غرت مشرکین بھی اپنا تعلق حضرت بڑا تم علیہ السلام سے جوڑتے کہ دعویٰ
کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے مختلف مقامات پر ان کے دشمنی
کی بھی تردید فرمائی ہے۔ نعرہ یہی واضح فرمایا کہ ابوہریرہ علیہ السلام کے ساتھ مذمت
وہ لوگ کہتے ہیں جنہوں نے آپ کے دور میں آپ کا اتباع کیا۔ اور اس دور
میں خاتم النبیین علیہ السلام کا اتباع کیا۔ اور جو حقیقی معنوں میں اسلام میں داخل ہوئے۔

اب اہل کتاب کے سب سے بڑے قول کی گنجائی کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ لوگ بھٹکے
کہ ایسے دور نکل گئے ہیں اور ان کے دل غفلت میں اس قدر سخت ہو چکے ہیں

کہ اب یہ گھر کے دہرائے ہوئے ہیں۔ یعنی جو شخص ایمان قبول کر کے صحیح
راستے پر چلتا ہے۔ یہ لوگ اسے گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَكَذَّبُوا عَنْ آلِهَتِهِمْ كَمَا كَذَّبُوا عَنْ آلِهَتِهِمْ كَمَا كَذَّبُوا عَنْ آلِهَتِهِمْ كَمَا كَذَّبُوا عَنْ آلِهَتِهِمْ
کا ایک گروہ آرزو کرتا ہے۔ گوئی یہ بتائیں کہ وہ کسی کسی طرح تم کو
گمراہ کریں۔ گزشتہ چودہ سو سال کے عرصہ میں اہل کتاب یہی کچھ کرتے آئے
ہیں۔ کہ کسی عرصہ میں ان کو ان کے دین سے متنفر کر دیں۔ دوسرے مقام پر

فرمایا کہ یہ لوگ خواہش کرتے ہیں کہ تم گمراہ ہو کر ان کے ساتھ رہو جو جاؤ۔
فَتَكُونُوا مِمَّنْ يَتَّبِعُونَ آلِهَتَهُمْ كَمَا كَذَّبُوا عَنْ آلِهَتِهِمْ كَمَا كَذَّبُوا عَنْ آلِهَتِهِمْ
ہیں۔ کہ عیسائیوں نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کو ان کے
مרכזی نقطہ سے ہٹا دیا جائے۔ تاکہ وہ بھی گمراہ ہو کر ان ہی کے ساتھ آئیں۔ اگرچہ

ان کو عجز و ی کا میابی ہوئی ہے۔ مگر جو بخوبی طور پر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں
ہو سکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں وعدہ کر رکھا ہے کہ سچا دین ہمیشہ
فاتح رہے گا۔ اور یہ نئی صورت میں ممکن ہے جب مسلمان قرآن پاک کی تعلیمات
پر عمل پیرا ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک مسلمان اپنے دین پر بالکل متفق

سے اور ایک نقطہ پر قائم ہے۔ آپ کے زمانے میں یہودی سازشیں کھینچ گئے۔ جبہ ملت انجیل سے بائیسویں یہودی قتلا جو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ مگر مسلمانوں میں فرقہ بندی کی دہا پڑ کر دی شیعہ کسی کو ماننے ہیں۔

نصاری بھی مسلمانوں کے ساتھ برابر ٹکرتے رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا وَرُؤْمُ دَوَاتِ الْفَسَادِ یعنی رومی عیسائی قرین باقرآن کہ قائم رہیں گے حتیٰ کہ مسیح ابن مریم نازل ہو جائیں۔ کبھی عیسائیوں کو غلبہ ہو گا۔ اور کبھی مسلمانوں کو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان صلہ جی چلیں صدیوں جاری رہیں۔ گزشتہ دو سو سال میں بھی عیسائیت کا بڑا عروج رہا ہے۔ اس عرصہ میں برصغیر دنیا کی سب سے بڑی طاقت تسلیم کی جاتی تھی اور برطانیہ کو برطانیہ غفلت کی جا آتا تھا۔ یہ سب عیسائی ہی تھے۔ آج اگرچہ امریکہ بڑی طاقت ہے۔ مگر یہ تو کل کا کچھ ہے۔ یہ بھی برطانیہ سے جہاں گئے ہوتے انگریز ہیں جنہوں نے نیا بڑا عظیم دریا وقت کیا۔ اور پھر وہیں آباد ہو گئے۔ مگر مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے برعاری عیسائی ہی تھے۔ جن کی سازش کافی حد تک کامیاب ہوئی۔

مستشرقین کی مدد سے

امیر شکیب اسد خان غلام کے باشندے تھے۔ روپوں کے جاگیر دار تھے جنگ عظیم میں سلطنتِ ترکیہ کے سپہ سالاروں کے انتحار ج تھے۔ آپ انگریزوں کے خلاف جہاد میں بافضل شریک ہوئے۔ جب انگریزوں نے ان کے علاقوں پر قبضہ کیا تو ان کی جاگیریں بھی ضبط کر لیں۔ آپ میں سال تک یورپ میں پناہ لیں رہے ہیں۔ جنگ عظیم کے بعد ایک امریکی سٹے مسلمانوں کی حمایت دار پناہ دہری زبان میں کتاب لکھی۔ اس کا عربی ترجمہ کسی مصری عالم نے کیا۔ یہ کتاب امیر شکیب کے پاس پہنچی تو انہوں نے اس کا مقدمہ لکھا۔ اصل کتاب ایک جلد میں ہے۔ مگر اس کا مقدمہ تین جلدوں پر پھیل گیا۔ امیر شکیب نے دیکھا کہ اس کتاب میں جہاں مسلمانوں کے متعلق بعض صحیح باتیں بھی لکھی گئی ہیں۔ وہاں کچھ غلط چیزیں بھی

شامل ہو گئی ہیں۔ اس لیے آپ کو اتنا لمبا مقدمہ لکھنا پڑا۔ آپ نے پورے عالم اسلام کی سیاسی، اقتصادی، تمدنی حالت پر سیر حاصل بحث کی۔ اور تمام ممالک اسلامیہ کی مردم شماری بھی پیش کی۔ پہلی اور دوسری جنگِ عظیمِ کریمانی عرصہ میں یہ بڑی اہم کتاب تصور کی جاتی تھی۔ مجموعی حالات کے لحاظ سے عالم اسلام پر اس سے بہتر اور کوئی کتاب نہ تھی۔ آپ نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ یورپ کے یہودی اور عیسائیوں نے گزشتہ زمانے میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کھم و بیش چھوٹی بڑی چھڑا کھڑا کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کتابوں میں ان لوگوں نے مسلمانوں اور اُن کے پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کس قدر طوفان مٹایا ہوگا۔

مشرقِ علوم کے ماہرِ محترم اور یورپین لوگ متشرقین کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام کے ہر ردین کو اسلامی علوم کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور پھر اسے بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جنرل ایوب کے زمانے میں فضل الرحمن اسی قبیل سے تھا۔ وہ بھی متشرقین کا شاگرد ہی تھا جس نے کہا تھا کہ قرآن پاک کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کچھ حصہ میں حضور علیہ السلام کے اقوال بھی ہیں۔ اُس نے بظاہر مذمتِ اسلام کے جذبہ سے کتاب بھی لکھی مگر اس میں اس قسم کا طوفان باندھا۔ پاکستان میں اس کے خلاف شور برپا ہوا تو فضل الرحمن کو اس کے حملہ سے ہٹا دیا گیا۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے لوگ مسلمانوں کو دین سے بظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ یہود و نصاریٰ اور متشرقین کا مشترکہ نصب العین ہے ان کی خواہش اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح مسلمان اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور قرآن پاک سے متنفر ہو جائیں۔ یہ لوگ ایسے ایسے اعتراضات اٹھاتے ہیں کہ بعض لوگ شک میں پڑ جاتے ہیں۔ ان کے حملہ سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ مسلمان اپنے سرکھنی تختیہ اور قرآن کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط رکھیں۔ اگر مسلمان ان دو چیزوں کا دامن چھوڑ دیتے تو پھر گمراہی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ مخالفین اسلام کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ پورے عالم اسلام میں کہیں بھی مسلمان اپنے دین پر قائم نہیں رہ سکے ان کے عقیدے بگڑ چکے ہیں اور نظریات فاسد ہو گئے ہیں۔ آج کی دنیا میں مسلمانوں نے بھی اپنی نظریات کو اپنایا ہے، جو غیر مسلمانوں نے اختیار کر رکھے ہیں۔ آج کے اکثر نام نہاد اعلیٰ تعلیم یافتہ فاسد خیالات کا شکار ہیں۔ انگریزی تعلیم کے پروردہ ہونے کی بنا پر قرآن پاک کی تعلیمات کو توڑ مود کر پیش کر رہے ہیں۔

آج کھیل مٹائے، عمر بانی افحاشی اور ایسی ہی دیگر قباحت کو فن کا نام دے دیا گیا ہے۔ اور پھر دعویٰ یہ ہے کہ اسلام ان کی مخالفت نہیں کرتا۔ گانا بجانا، راک ڈنس، فلم اور ڈرامہ فن ہے اور اس میں حصہ لینے والے فنکار ہیں۔ یہ لوگ اپنے نام نہاد فن کے ذریعے ملک کی بہت بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ ان کا دھوئے ہے کہ وہ عوام ان س کو سستی تفریح دیا کرتے ہیں۔ بلکہ بگڑنے کے مظاہرے ہوتے ہیں۔ بلکہ غیر ممالک کے طالب علموں سے تبادلوں سے ہے۔ اور اس طرح دنیا بھر کی قباحتیں تبادلہ میں ملتی رہتی ہیں۔ اب یہ چیزیں ہر گھر میں اس کثرت سے جاری ہیں کہ ان کی قباحت کا احساس تک باقی نہیں رہا۔ یہ سب سیودہ نصاریٰ کا اثر ہے۔

تصویر سازی کا فن بھی حیاتیوں کا ایجاد کردہ ہے۔ اور اب مسلمانوں کی زندگی کا بھی لازمی حصہ ہے، حالانکہ اسلام میں تصویر کشی بالکل حرام ہے۔ **لَعَنَ اللَّهُ لِمَصْصُورِیْنَ** والوں پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہے آج دنیا کے کسی ملک میں بھی مسلمان اسلام پر کھل طور پر کاربند نہیں ہیں۔ اہل کتاب نے انہیں شوکر شہادت میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان کے عقیدے بگاڑ دیے ہیں اور نظریات فاسد کر دیے ہیں سب فحش چیزیں ہیں۔ **”قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ السَّاءَ“** اللہ تعالیٰ تو ہمیں سبے حیائی اور فواحش کا حکم نہیں دیتا۔ مگر آج انہی فحش چیزوں کو فن کا نام دیکر جائز قرار دے دیا گیا ہے۔ ان تمام فحاشیوں

فن اور
فحاشی

کا علاج قرآن و سنت پر استقامت میں ہے۔ مگر اس دور میں دنیا بھر کے مسلمان
یہودیت اور نصرانیت کا شکار ہیں۔

مشرقی
اداروں
کا جال

دنیا بھر میں پھیلے ہوئے عیسائیوں کے مشنری ادارے بھی مسلمانوں کو ان
کے دین سے گمراہ کرنے کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ مگر جسے، سکول، ہسپتال سب
گمراہی کے اڈے ہیں۔ ہسپتالوں میں مریضوں کو انجیل کا سبق پڑھایا جاتا ہے۔ جب
مریض تندرست ہو کر باہر نکلتا ہے۔ تو اوصا عیسائی ہو چکا ہوتا ہے۔ یہی حال مشنری
سکولوں کا ہے۔ جہاں بائبل کی تعلیم لازمی ہے۔ ان مشنری اداروں کو چلانے والے
امریکی، کینیڈا، برطانیہ اور جرمنی کے عیسائی ہیں۔ انہوں نے مشنری ممالک پر یغارت کی
ہوتی ہے تاکہ مسلمان اپنے اسلام سے یگانہ ہو کر ان کے مشن کو اپنائیں۔ آج کی
دنیا میں عالمی خبریں تمام کی تمام یہود و نصاریٰ کے واسطے آتی ہیں اور وہ انہیں
اپنی سرمنی کے مطابق توڑ موڑ کر اظہارِ است میں پیش کرتے ہیں۔ تاکہ مسلمانوں کے
خلافتِ یہود و نصاریٰ کو تقویت حاصل ہو۔ پوری دنیا میں کوئی مسلمان خبر ایجنسی
نہیں جو ان ایک صحیح خبریں پہنچائے۔ لوگ غلط خبریں پڑھ کر یقین کر لیتے ہیں
حالانکہ ان میں بیشتر من گھڑت ہوتی ہیں، ان کا مقصد محض یہ ہے کہ تمہیں اپنے
اصل نظریات سے متفقہ کر کے باطل نظریات کی طرف راغب کریں تاکہ قرآن
کے ساتھ تمہارا تعلق منقطع کر دیں۔

فرمایا حقیقت یہ ہے کہ اگر مسلمان اپنے مرکزی عقیدہ اور قرآن پر قائم رہیں
گے تو وہ مَایُضِلُّونَ۔ نَفْسُہُمْ نہیں گمراہ کر سکیں گے مگر اپنی ہی
جانوں کو۔ ان کی پھیلائی ہوئی گمراہی کا وبال انہیں لچ پڑے گا بشرطیکہ مسلمان اپنے
صحیح عقیدہ پر قائم رہیں۔ آگے قیامت کا محاسبہ آنیوالا ہے۔ زن کو معلوم ہو
جائے گا کہ گمراہی پھیلانے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ وَمَا یَشْعُرُونَ وہ اس
وقت نہیں سمجھتے۔

تفصیل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یَا ہٰمْدُ الْمِکْشِبِ لِمَ تَسْکَعُونَ

بَابُ الْقَوْلِ فِي الْكِتَابِ! الشُّرْكِ كَيْفَ كُفِّرَ عَنْهُمْ - معنی
 اُن کو کیوں جھٹلاتے ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا سچا نبی کیوں نہیں
 مانتے۔ قرآن پاک کے حکام پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ وَأَن تَشْهَدُوا
 حَاضِرًا تَمَّ كِبَارُهُ - یعنی تم جانتے ہو کہ قرآن پاک اللہ کی سچی کتاب ہے۔ اور اس
 کے لانے والے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے نبی ہیں جن کے
 متعلق اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ بنی اسرائیل
 میں سے تمہارے جیسا نبی بہا کر دوں گا۔ اور اُس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا۔ قرآن
 پاک وہی کلام ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہی نبی ہیں يَعْرِضُونَ كَمَا
يَعْرِضُونَ اُن کو بھیجنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ اعراف میں فرمایا ہے يُحْدِثُ ذُنُوبًا
مَّا كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ فَاعْتَدُوا اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ اعراف میں فرمایا ہے يُحْدِثُ ذُنُوبًا
 حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے متعلق تورات و انجیل میں
 لکھا ہوا پایا ہے۔ مگر اپنی ضد، عناد، حسد اور ذہنی فساد کی وجہ سے اُن پر ایمان
 لانے کے لیے تیار نہیں۔

الشُّرْكَاءُ الْمَلَائِكَةُ فَرِيضَةُ الْكَفَرِ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ شُرَكَاءُ
 لِحُكْمٍ بِأَنْبَاءِ طَلِيسٍ! حَقٌّ كَوْبِطُ كَيْفَ كُفِّرَ عَنْهُمْ - معنی
 ہو۔ اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں تحریف کے مرتکب کیوں ہوتے ہو؟
 کے حکام کو کیوں بدستور ہو۔ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ تمہاری کتابوں
 میں نبی آخر الزمان کی کیا علامتیں ہیں تو اصل علامت کی بجائے غلط علامتیں
 بتا دیتے ہو۔ وَأَن تَشْهَدُوا اُن کو چھپا جاتے ہو۔
وَأَن تَشْهَدُوا اُن کو چھپا جاتے ہو۔ یہود و نصاریٰ کو
 حق و باطل کے امتیاز میں کوئی شبہ نہیں مگر یہ لوگ ذلت و کتمان حق اور کذب بیانی
 کرتے ہیں۔ مشرکین تو لاعلمی اور ہستیا کی وجہ سے گمراہی میں پھنسے ہوئے

تھے۔ ان کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی، مگر تم جان بوجھ کر گمراہی میں پڑے ہوئے
 ہو تمہارا کوئی مصلحت ممکن نہیں، جب یہ لوگ سکے میں آتے تو مشرکین ان سے
 دریافت کرتے کہ جارا غریب اچھا ہے یا سکیوں کا تو کہتے تمہارا دین صحیح ہے
 اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ یہ جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں
 کے خلاف نفرت پیدا ہو۔ یہ اہل کتاب ہیں۔ ایسا کی تاریخ سے واقف ہیں
 مگر اپنی ہسٹ دھرمی کی وجہ سے مسلمانوں کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتے
 ہیں۔ اس وقت ساری دنیا میں یہود و نصاریٰ کی سازش پھیلی ہوئی ہے۔ مگر
 بہت جلد حق پرے مسلمان اس سازش کو پہچانتے ہیں۔ اور اپنے دین پر قائم ہیں۔
 ورنہ کفریت ان کے جال میں پھنس چکی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ ترقی یافتہ لوگ ہیں
 جو کچھ کہتے ہیں، درست کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حق و باطل کی پہچان کی توفیق
 عطا فرمائے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۲

اِلٰ عَمْرٍۙ

درس ہست و چہا ۲۲

آیت ۴۲ تا ۴۴

وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكَثِيبِ آمَنُوا بِالَّذِي
 أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجَهَ النَّهَارِ وَكُفِرُوا
 الْآخِرَ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۲﴾ وَلَا تَوَدُّونَا إِلَّا مَنَ
 تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ
 أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيْتُمْ أَوْ يُحَاجُّكُمْ
 عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ
 مَنْ يَّشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۴۳﴾ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ
 مَنْ يَّشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۴۴﴾

تو جبکہ اہل کتاب میں سے ایک کروہ کے کہا کہ ایمان لاؤ اس چیز پر جو
 نازل کی گئی ہے تو لوگوں پر جو ایمان لاتے ہیں، جن کے پیٹھے حصے میں اور کفر کو
 اس کے ساتھ دن کے آخری حصے میں، شاید یہ لوگ پھر جائیں ﴿۴۲﴾ ورنہ نہ تصدیق
 کرو مگر اسکی جو تمہارے دین کی پیروی کرتا ہے، آپ کہہ دیجئے بیشک ہر ایت تو
 اللہ کی ہر ایت ہے۔ تصدیق نہ کرو اس وجہ سے کہ دیا جائے کوئی مثل اس کے جو
 تمہیں دے گا۔ یا دو چیزیں کہیں تمہارے ساتھ تمہارے لب کے پاس، آپ کہہ
 دیجئے، بیشک فضیلت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے دیتا ہے۔ اور
 اللہ تعالیٰ بڑی رحمت والا اور سب کچھ جانتے والا ہے ﴿۴۳﴾ وہ خاص کرتا
 ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ﴿۴۴﴾
 گزشتہ درس کی طرح آج کے درس میں بھی اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ

درجہ اولیٰ

کے رہنے دشمنان کا تذکرہ ہے۔ یہ آیات کا عمداً حق دہینے کے اور غمزدہ
 ہونے والے یہودی غاص طور پر ہیں۔ اب تک اہل کتاب کی دینی حیثیت کو بیکار
 ہو رہا ہے۔ آج کا درس بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ تاہم آئندہ اسے نئے درس
 سننے اہل کتاب کی مذہبی خیانت کا بیان ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ دینی طور
 پر بے وفائی کرتے ہیں اور دینی طور پر بھی جانتے ہی ہیں۔ گزشتہ سے پیوستہ درس میں یہ
 بیان ہوا تھا کہ اہل کتاب کی غرض اور کوشش یہ ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کو
 ان کے دین سے پھیر دیں۔ اس سلسلہ میں وہ ہر حربہ اختیار کرتے ہیں۔ گزشتہ سے
 آج کے درس میں ان کی ایک تدبیر کا ذکر ہے۔ ”وہ یہ کہ ان میں سے کچھ
 لوگ مسیح کے وقت ایمان لائے آئیں۔ درنام کو انکار کر دیں۔ تاکہ اس ظریفیت
 ان لوگوں کو دین سے بڑھ کر سکھیں جو پہلے ہی ایمان لے چکے ہیں۔“

سورۃ البقرہ میں سورۃ قبلہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہ دو آیات اہل جوئی
 ”هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الَّذِي فِيهِ
 بَيَّعْتُ اللَّهَ نَبِيِّنَآ اُولَٰئِكَ لَعَنَآ اُولَٰئِكَ ۚ فَاصْبِرْ ۚ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝“
 میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں مشورہ کیا کہ کسی طرح اسلام کے بڑھتے ہوئے
 مذہب کے سامنے بند باندھ جائے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے یہ تدبیر
 بنائی کہ ان میں سے کچھ لوگ قرآن کے پتے پتے میں اوپر سے دل سے اسلام
 قبول کر لیں اور آخری حصے میں اسلام سے باہر جائیں۔ اس طرح کفر و ایمان کا
 موازنہ لوگ یہ سوچتے ہوئے ہو جائیں گے کہ اگر اسلام سے فخر ہو تو قرآن
 پر شے بھی یہودی اسے قبول کر کے متحرک کیوں ہو جاتے ہیں۔ اس تسلسل
 اسلام میں نہ آنے والے لوگ جائیں گے۔ اور جو ایمان نہ چھوڑیں، ان کے
 ایمان مسترد کر دیا جائے گا۔

یہودی اسی تدبیر کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے
 ”وَقَالَتْ صَٰلِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْيَمَنِ اِنَّا نُرِي رَبَّنَا اِنَّا نُرِي رَبَّنَا“

عاجزی طور پر دین کے اتوال حصہ میں بظاہر ایمان بھی لے آؤ کہ تصدیق صرف ایسی چیز کی کرنا جو تمہارے دین میں شامل ہے۔ کسی دوسری بات کی تصدیق نہ کرنا، کیونکہ سچا دین صرف تمہارا ہی ہے، اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں اُن کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔ وَقَالُوا لَنْ نَبْدُخَ الْجَنَّةَ اِنَّآ عَنْ حِصْنٍ لَّهُمْ اَوْ نَصْرٍ یعنی جنت کا وہ غلہ صرف یہودیوں اور نصاریٰوں کے لیے مخصوص ہے۔ کوئی دوسرا شخص جنت میں نہیں جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ رَغِيْبًا (اعلیٰ علیہ وسلم) وَقُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَنَافِیْهُدٰی اللہ ان سے کہہ دیں، ہدایت تو وہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ کسی پارٹی کا باطل پر پختہ ہونا حق کی دلیل نہیں بن سکتا۔ ہدیت یافتہ وہ ہے جو ہدایت میں جانب اللہ پر عمل کرتا ہے۔ یہود دینت اللہ کی جانب سے نہیں ہے۔ یہ اصل دین کی مسخ شدہ صورت ہے اور اس میں کفر اور شرک کی آمیزش ہے۔ مگر صحیح ہدایت کی تلاش ہے، تو وہ ہدایت ایسی ہے جو اللہ کے نبیوں پر نازل ہوئی، اور جس کی آخری کڑی قرآن پاک ہے اَنْ یَّخْلُقَ مَا یَشَآءُ اَوْ یَتَّبِعْ یہ کہ کسی دوسرے کو بھی ایسی ہی چیز دی گئی ہے جو تم کو دی گئی ہے۔ یہ خسرین کو افسوس دیتے ہیں کہ آیت کے اس حصے کا تعلق گزشتہ ہے۔ حَتّٰی وَفّٰی تَوَّصَّوْا اِلَیْہِ یَتَّبِعْ دِیْنَکُمْ کے ساتھ ہے۔ یعنی یہودی اپنے ہی دینی بھائی ہندوؤں کو کہہ رہے ہیں کہ اپنے سوا کسی دوسرے کی تصدیق نہ کرنا، کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے کو بھی ایسی ہی فضیلت، برتری یا کتب دے دی جائے جیسی تم کو دی گئی ہے تمہارا دین ہی برتر اور افضل ہے، لہذا اسی پر قائم رہنا۔ اور اختیار کی عدم تصدیق کی دوسری حکمت یہ ہے کہ اَوْ یُحْیِیْکُمْ حَیْثُ دَیْتُمْ وہ تمہارے ساتھ تمہارے دھب کے پاس جھجکے اٹھیں۔ اس کے وہ مطلب ہو سکتے ہیں کہ اگر تم نے اپنا ایمان کی تصدیق نہ کر دی تو پھر بحث مباحثہ میں تم پر غالب

آجائیں گے اور یہ بیہودیت کی ناکامی کا باعث ہو گا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اگر تمہارے ان کی تصدیق نہ کر دی تو وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہارے خلاف حجت قائم کریں گے کہ مولا کہیم ! ان لوگوں نے سچے دین کی تصدیق نہ کرنے کے باوجود تیسرے آخری نبی اور تیسری آخری کتاب قرآن پاک کو تسلیم نہ کیا۔ اس طرح اہل اسلام قیامت کے دن اللہ کے حضور بھی تم پر غالب آجائیں گے، لہذا سلامتی اسی بات میں ہے۔ کہ صرف اسی کی تصدیق نہ کر دو تمہارے دین کا منہ بچ ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے کی تصدیق مت نہ کرو۔

نبی اسرائیل
کی عاصی
فضیلت

نبی اسرائیل کا دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو باقی تمام اقوام پر فضیلت بخشی ہے۔ قرآن پاک میں بھی آتا ہے۔ اے بنی اسرائیل! میری نصیحتوں کو یاد کرو اور میرے تم کو دین۔ وَاَنْتُمْ قَضَلْتُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ اور میں نے تم کو تمام میان والوں پر فضیلت دی۔ مگر یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا۔ اس وقت بنی اسرائیل ہی اللہ کے نزدیک برتر تھے۔ چنانچہ انہیں فرعون سے نجات دلائی اور انہیں طرح طرح کی نعمتیں عطا کیں۔ پھر جب انہوں نے اپنے دین کو بگاڑ لیا۔ تعصب، حسد، غمہ اور عناد کا شکار ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل و خوار کر دیا۔ ان کی فضیلت اور برتری ختم ہو گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ فرمان کہ نبوت ہمیشہ ان کے خاندان میں رہیگا، اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک خاص مدت تک نبوت ان کے خاندان میں رہیگا، نہ کہ قیامت تک، مگر یہودیوں نے اپنی نبوت، حکومت اور برتری کو دائمی خیال کر لیا۔ حالانکہ جب وہ احکام الہی سے روگردان ہو گئے، تو نہ ان کے پاس حکومت رہی اور نہ برتری۔ بلکہ نبوت بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کی طرف منتقل کر دی اور آخری نبی کے طور پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ لہذا بنی اسرائیل کی پشت کے بعد فضیلت اور برتری بھی آخری امت کو منتقل ہو گئی۔ قرآن نے

بَنَادِيَا جَعَلْنَاكُمْ مَثَّةً وَسَطًا اُنہم نے تم کو نادل اور افضل امت بنایا۔ نیز یہ بھی فرمایا كُنْتُمْ خَيْرَ مَثَّةٍ تَمَّ سَبْ اَمْتُوں سے بہترین امت ہو۔ گویا، آخری امت کو اللہ تعالیٰ نے تمام سابقہ ائمہ پر برتری عطا کر دی۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا، کہ قیامت کے روز سب سے پہلے میری امت کا فیصلہ ہوگا اور جنت میں بھی سب سے پہلے یہ آخری امت ہی جائے گی۔ لہذا اہل کتاب کی دشمنی برتری کا دعویٰ باطل ہے۔

ترجمہ فضائل
کا مالک
اللہ ہے

فَرَمَا قُلْ اِنَّ اَنْفَضِلَّ بِسَيِّدِ اللّٰهِ اَيْ جَعِيْر عَلِيٍّ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَيْ
کہ وہی کہ افضل تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی اس کا مالک ہے۔ یٰٰ اَيُّهَا النَّبِيُّ
مَنْ يَشَاءُ وَهٖ جِبْرِیْلُ كُوْچَاہَا ہے، افضل عطا کر دیتا ہے۔ جب تک
بنی اسرائیل اس کے احکام پر عمل پیرا ہے، اللہ نے اُن کو فضیلت عطا کی۔
پھر جب اُن کی صلاحیت ختم ہو گئی تو اللہ نے فضیلت والی نعمت بھی اُن
سے واپس لے لی۔ اور دوسری امت کو شے دی۔ وَ لِلّٰهِ وَ سَبَّحْ عَلَیْہِمْ
اللہ تعالیٰ بڑی رحمت وال اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ ہر امت کی
صلاحیت کو جانتا ہے اور پھر اُن کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔
مسلمانوں کے متعلق حضور علیہ السلام کا اشارہ تھا۔ کہ میری امت کے عروج کا زمانہ
نصفِ بَرّ سے کم کا نہیں ہوگا۔ اور نصفِ دَرّ پارِ پنج سیماں کو ہوتا ہے۔
پانچ تھوڑے چھ سو سال تک دنیا میں مسلمانوں کو مکمل عروج حاصل ہوگا۔ پھر جو
جوں ان کی صلاحیت ختم ہوتی گئی، اُقتدار بھی ان سے چھینا گیا۔ اب گذشتہ
آٹھ سو سال سے پستی میں جا رہے ہیں۔ اور دوسری اقوام مادی لحاظ سے
ترقی پر ہیں۔ یہی حال بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا۔ جب تک صلاحیت موجود رہی
برتری حاصل رہی، جب صلاحیت ختم ہو گئی، تو فضیلت بھی چھین گئی۔

فَرَمَا فُضِّلَتْ کَا مالک وہ ہے یَحْنُظُّ بَیْنَ حَمَیْمَتِہِم مِّنْ یَّشَاءُ
وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتا ہے۔ اپنے پسندے وقت

پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاص کیا ۔
 اور پھر آٹھویں دور میں اپنے آخری پیغمبر در آخری امت کو اپنی رحمت کے ساتھ
 خاص کیا ۔ اُن کو فضیلت اور بہتری عطا فرمائی ۔ کیونکہ وَمَنْ شَرَّ لِّدَوَائِقِ نَفْسِهِ لِيُعَلِّمَهُ
اللَّهُ تَعَالَى عَظِيمَ فَضْلٍ وَرَحْمَةٍ كَمَا كُنْتَ ۔ اس کی رحمت و ہر آن موجود ہے مگر
 انسان عدم صلاحیت کی بنا پر اس سے محروم ہو جاتا ہے ۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

لِإِعْمَانِ

درس بہت واضح ۲۵

آیت ۵، ۶

وَمَنْ أَهْلُ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِقِطَارٍ
يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَهُمْهُ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِرِدِيَّةٍ
لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ فَإِنَّمَا ذَلِكَ
يَا نَفْسُ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّينَ سَبِيلٌ
وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكِذْبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٥﴾
بَلَى مَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ وَفَّى فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٦﴾

نیز صبا، پ اور اہل کتاب میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس ایک خزانہ
امانت رکھیں۔ تو وہ اس کو تمہاری طرف لوٹائے گا۔ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں
کہ اگر آپ ان کے پاس ایک دینار امانت رکھیں، تو اُسے آپ کی طرف واپس
نہیں کرے گا۔ جب تک کہ آپ اس پر قائم نہ رہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں
کہ جیسے تو پرانی لوگوں کے حق میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور یہ لوگ اللہ پر جھوٹ
کہتے ہیں۔ اور وہ جانتے ہیں ﴿۵﴾ کیوں نہیں۔ جو شخص اپنے عہد کو پورا نہ کرے گا
اور ذرا سا سہہ گا۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ پسند نہ کرے گا۔ اور نہ وہ اللہ تعالیٰ
اعتبار کرنے والوں کو ﴿۶﴾

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی دینی حیانت کا ربط آیات
ذکر فرمایا تھا کہ اہل اسلام کو گمراہ کرنے کے لیے کیسی کیسی تدبیریں اختیار کرتے
ہیں۔ اس کے علاوہ بلیس کا ذکر تھا۔ کہ یہ لوگ حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر
دیتے ہیں اور حق کو چھپاتے ہیں۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اہل کتاب باطل

غزوہ میں مبتلا تھے۔ باقی لوگوں پر اپنے آپ کو برتر سمجھتے تھے۔ بعض اور حصہ میں مبتلا
تھے۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی مالی خیانت کا ذکر کیا ہے کہ
وہ دنیا کے مال و دولت کے سلسلے میں کس قدر خائن ہیں۔

اور شاو بار ہی تعالیٰ ہے۔ وَمِمَّا آتَاكُمُ الرَّسُولُ خُذُوهُ اور آپ اُن کے پاس ڈھیر مال و بڑا
خود امانت رکھیں لِيُؤْذِمَهُ إِلَيْكُمُ اللَّهُ تو وہ اُس کو واپس لوٹائے گا۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ
أُوتِيَ مِنْهُ بَعْضُ مِمَّا يَشَاءُ میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن اُن کا ہونا بِإِذْنِ اللَّهِ اگر آپ اُن کے
پاس ایک دینار ایک اشرفی یا ایک یونٹ ہی امانت رکھیں لَا يُؤْذِمُهُمُ اللَّهُ تو وہ
اس کو بھی واپس نہیں کرے گا۔

بعض سے مراد اگر وہ اہل کتاب ایسے جائیں، جو ایمان لے گئے، تو ظاہر
ہے کہ اُن کی امانت داری تو ایمان کی برکت کی وجہ سے ہوگی، اور اگر بعض سے مراد
عام اہل کتاب ایسے جائیں، تو یہ بھی ممکن ہے، کیونکہ سب لوگ ایک جیسے نہیں
ہوئے۔ کچھ اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں اور کچھ بُرے بھی ہوتے ہیں۔ خود قرآن
میں آگے آگے کا لَا يَسُوؤُكُمْ سُوَاؤُهُمْ وہ سارے برابر نہیں ہیں۔ دوسرے عالم
بابت بھی ہے کہ قرآن کریم کو ماننے والے عام مسلمان متعصب نہیں ہیں۔ اگر
کسی باطل دین والے میں بھی کوئی اچھی صفت ہوگی، تو وہ اس کی تعریف کریں گے
تعصب کا اظہار نہیں کریں گے، کیونکہ یہ تو مشرکین اور اہل کتاب کا شیوہ ہے۔
چنانچہ قرآن پاک میں جہاں بھی اہل کتاب کی کسی اچھی بات کا ذکر ہے، وہاں اس کی
تعریف کی گئی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے کہ اچھی چیز کو چھپانا نہیں چاہیے۔
کہ یہ بددینائی ہیں داخل ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دینے میں دس دسے عالم یہودی تھے، اُن
میں سے عبداللہ بن مسعود واحد علم ہیں، جنہیں اللہ نے اسلام کی دولت نصیب
فرمائی، باقی تو علماء اس نصرت سے محروم تھے۔ کسی شخص نے عبداللہ بن مسعود

مالی جنت

کے پاس ۱۲ سو اونس چاندی امانت رکھی۔ ایک
 اونس چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے۔ وجیب اس شخص نے اپنی امانت طلب
 کی تو عبداللہ نے کوئی پس و پیش نہ کی اور امانت اس کے حوالے کر دی۔ ایک
 دوسرا یہودی عام فقہا بن عازور تھا، اس کا حال یہ تھا کہ قریش خانہ ان کا کوئی سفر
 دیکھنے آیا۔ تو فحاشی کو شکل و صورت سے بڑا بزرگ شخص خیال کر کے ایک دینار
 اس کے پاس امانت رکھ دیا۔ مگر جب اپنی امانت واپس لینا چاہی تو فحاشی نے
 انکار کر دیا کہ میں نے تمہاری کوئی امانت نہیں رکھی۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ پاس ہی
 اس کا شاگرد تھا۔ اس نے کہا کہ حضرت اس شخص کی امانت آپ کے پاس موجود ہے
 اُسے واپس کر دیں۔ کہنے لگا، ٹھیک ہے۔ میں نے ایک دینار اس سے لیا تھا۔
 مگر یہ اُمّی (ان پڑھ) لوگ ہیں ان کا مال بضم کہ جاننے میں کوئی گنہ نہیں۔ یہ ہمارے
 سے جائز ہے۔ کیونکہ ہم اللہ کے محبوب ہیں اَبْتَغُوا اللہَ وَحِبَّ رُوحَہ
 یہ لوگ ہمارے مرید ہیں۔ ان کا مال ہمارے لیے حلال ہے۔ آخر ہم نے علم حاصل کیا
 ہے۔ اس کے لیے محنت کی ہے، خرچ کیا ہے، وہ ان سے پورا نہیں کرے گا۔
 تو اور کس سے کریں گے۔ جب وہ مسافر یوں ہو گیا۔ تو ایک درہم یہودی نے
 اُسے یہ ترکیب بتائی کہ تم امانت دار سے لین کو کہہ کر میں نے تمیں نیک آدمی سمجھ کر تیار
 پاس امانت رکھی تھی۔ اگر میری امانت واپس نہ کی تو میں مدینے میں یہ اعدا کروں
 گا کہ فلاں شخص میری امانت کھا گیا ہے اور تم پر نام ہو جاوے گا، چنانچہ اس بدنامی کے
 ڈرتے ہوئے فحاشی نے وہ ایک دینار واپس کر دیا۔ غرض کہ ان واقعات کے
 پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اہل کتاب میں سے بعض ایسے
 ہیں کہ ڈھیسروں مال امانت کے طور پر ان کے پاس رکھو، تو وہ عند الطلب لوٹا
 دیتے ہیں۔ اور اس میں ذرہ بھر خیانت نہیں کرتے اور بعض ایسے بھی ہیں کہ ایک
 دینار امانت رکھ کر بھگتے ہیں۔

اس زمانے میں دینار سونے کا تھا جس کا وزن چارٹھ ہوتا تھا۔ اور دینار محمدیہ

وہ ہم چاندی کا سکہ تھا، جو سٹشے میں ملنے لگا ہوتا تھا۔ قصہ کسری کی سلطنتوں اور دینی
 دنیا میں بھی سکہ رائج تھا۔ تابعی میں ایک بزرگ عبداللہ بن دینار امی ہوئے ہیں۔ اہم
 ابن کثیر فرماتے ہیں کہ دینار کا لفظ بے مثل ہے، دین اور ناز۔ دین کا معنی تو دانش ہے
 مذہب، عقیدہ وغیرہ اور ناز کا معنی آگ ہے۔ اہم ابن کثیر فرماتے ہیں۔ مَنْ
 اخَذَهُ بِحَقِّهِ فَقَدْ بَيَّنَّ جُودِيَّاهُ كَوْحِيٍّ اور جائز طریقے سے حاصل کیا
 ہے، وہ اس کے لیے دین بن جاتا ہے، اور جو اس کو باطل طریقے سے حاصل کرتا
 ہے۔ وہ اس کیلئے آگ بن جاتا ہے۔ گویا دینار کے غلط میں حق و باطل دونوں پیدا
 مضمحل ہیں۔ اگر کوئی باطل طریقے سے کیسے۔ اور جائز ضرورت پر طرح کیا ہے۔
 تو یہ اس کے لیے دین بن گیا۔ اور اگر اس کا الٹ ہے، تو یہی مال اس کے لیے
 دوزخ کا باعث بن گیا۔

فرماتے ہیں۔ کہ جس طرح دینار کو الفاظ کا مجموعہ ہے۔ اسی طرح وہ ہم بھی الفاظ
 سے بنسبت یعنی وہ اہم۔ در کا معنی بہا یا زیادتی ہے۔ اور ہم کا معنی غم ہے
 اس طرح در ہم کا معنی اہم ہو گا، غم کا باعث یا غم کو زیادہ کرنے والا ہے۔ یعنی مال و
 دولت بظاہر بڑی پرکشش چیز ہے۔ مگر حقیقت میں یہ غم کا باعث بنتی ہے
 اس کی وجہ سے اکثر مصائب آتے ہیں یا مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے۔ حضرت
 شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ کہ وہ ہم یعنی مال و دولت ایسی چیز ہے۔ کہ اگر میرزا ہو
 تو بھی البان غم میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور اگر مل جائے۔ تب بھی ہر وقت غم و فکر میں
 لگا رہتا ہے کہ فلاں کام کرنا ہے، فلاں رو گیا ہے۔

ہم غم میں عرض یہ کہ رہا تھا۔ کہ یہودیوں نے ایک باطل فلسفہ قائم رکھا تھا۔ کہ
 انہوں نے غم حاصل کرنے میں بڑی محنت کی ہے۔ مال صرف کیا ہے۔ تو اس کے
 عرصے کے طور پر ان پڑھ لوگوں کا مال ان پر حلال ہے۔ جب یہ فلسفہ حضور ﷺ
 کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ کہ یہودیوں نے یہ عقیدہ بنا رکھا ہے۔ تو آپ نے فرمایا
 كَذَبَ اَعْدَاؤُكَ وَاَنْتَ دُشْمَانُ خَدَا جَعَلُوْهُ لَوْ سَلْتَهُمْ اَللّٰهُ تَعَالٰی نے انہیں ایسا

کوئی حق نہیں دیا۔ اللہ جل جلالہ اسے جاہلیت کی تمام باتیں دروہات، میرے پاؤں کے نیچے روند دی ہیں، ابن کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تَحِبُّونَ السَّكِينَةَ فَارْجِعُوْا اِلَیْہِمْ قَوْلَہُمْ اَمَّا اَمَانَتُہُمْ فَہُمْ اَوْفَوْا بِہَا۔ اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اس میں دوستی اور دشمنی کو کوئی دخل نہیں۔ کوئی شخص کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، جاہل ہو، یا عالم، امانت بہر حال واجب الادا ہوتی ہے۔ دھوکہ دہی، چوری، خیانت وغیرہ کا مال قطعاً حرام ہے۔ ہاں اگر کوئی اپنی خوشی سے کسی کو کچھ عٹے دے تو لینے والے کے لیے جائز ہے۔ دگر نہ امانت کی ادائیگی ہر ایک کے لیے لازم ہے۔

تقسیم ہند کے موقع پر لوگوں نے ایک دوست کا مال کھسے عام کھانا خوب لوٹ مار کی۔ یہ قطعاً حرام ہے۔ اس کا حساب قیامت کو دینا پڑے گا۔ ہندو تو شیے ہی کافر ہے۔ اگر کسی مسلمان نے ہندو کا مال کھا یا سہا، تو وہ بھی معاف نہیں ہوگا۔ کئی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ ہم جہاد کے لیے جاتے ہیں۔ ذبیہوں کے عداوت سے گزرتے ہوئے کوئی بھیڑ بکری یا مرغی وغیرہ مل جائے، تو ہم کھا لیتے ہیں۔ آخر ہم غازی ہیں۔ فرسوں کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ حضرت ابن عباسؓ فرمادیں: جو سب سے اور فریاد یہ تو وہی بات ہے۔ ہم جہادوں کے لیے جاتے ہیں۔ کھانا کھا لیتے ہیں۔ فرمایا جیب ذمی لوگ مسلمانوں کو جزیرہ ادا کیا کرتے ہیں تو پھر ان کے مال و جان کی حفاظت ہم پر لازم آتی ہے۔ ان کے مال کو ان کی رضا مندی کے بغیر کھانا حرام ہے۔

فرمایا بعض اہل کتاب، ایسے ہیں کہ اگر آپ اس کے پاس کثیر مال بطور امانت رکھیں، تو وہ لوٹا دے گا۔ اور بعض ایسے ہیں کہ اگر ایک دینار بھی امانت رکھیں، تو وہ واپس نہیں کرے گا۔ ہاں امانت کی واپسی کی ایک صورت ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تَحِبُّونَ السَّكِينَةَ فَارْجِعُوْا اِلَیْہِمْ قَوْلَہُمْ اَمَّا اَمَانَتُہُمْ فَہُمْ اَوْفَوْا بِہَا۔ یعنی وقتاً فوقتاً مہاجر کرنا ہے۔ اہم ابو حنیفہ وغیرہ ای سے یہ اخذ کیا ہے۔ کہ قرض خواہ اپنے قرض کا پیچھا کر سکتا ہے۔

سچی کر سکتے ہیں یا نہیں۔ مگر اکثر اہل کتاب ایک دینا بھی دالیں کرتے کہ یہ نہیں

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ عَرَفُوا لَيْسَ بِعِبَادِي زُكْرًا سَيِّئًا كَيْفَ يُنْفَخُ انْكَافُفْ

یہ ہے کہ ان پڑھ لوگوں کا حال کھانے میں ان پر کچھ گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ یہ لوگ اللہ پر

مجبور ہو کر کہتے ہیں۔ ان کے اس باطل عقیدہ کی نسبت ان کے دین اذرا کی

کتاب کی طرف ہوگی۔ اور کتاب کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے۔ جس کا

مطلب یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے ان کے لیے ایسوں کا مال مباح قرار دیا ہے۔ یا

مہرگز نہیں۔ یہ لوگ دیدہ دانستہ اللہ پر مجبور ہوتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے فرمایا كَذِبُ مَنْ خَانَكَ خَوْضٌ تَرَىٰ سَاحِلَهُ مَعَهُ خِيَانَةٌ كَمَا هِيَ۔ تو

اس کے ساتھ ایسا نہ کر۔ پسندہ جرم کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ مگر تم اس گناہ کا انکار کیا کرتے

اللہ نے فرمایا۔ مَبْلَىٰ مَوْتٌ قَطْبٌ بَعِيدٌ جو شخص پسندہ کہہ کر پورے

کمرے گا۔ اگر کسی نے امانت رکھی ہے تو اس کو ادا کرے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

گا۔ کفر شرک نفاق اور مصیبت سے بچنا ہے گا۔ امانت میں خیانت نہیں کر گیا۔

بلکہ پرہیزگاری اختیار کرے گا۔ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ یا رکھو اللہ تعالیٰ

متقیوں کو ہی پسند فرماتا ہے۔ وَدُوسَرَىٰ جَلَدٌ مَوْجِدٌ هَـ۔ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُنَافِقِينَ

اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ وہ ایسے لوگوں سے نفرت

کرتا ہے۔ کفار، مشرکین، منافقین، پیغمبرین اور خائنین اس کی نظر میں بہت بڑے

مجرم ہیں۔

عرض! ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی گندی زمینیت کا ذکر کیا

ہے کہ انہوں نے ایک باطل فلسفہ خود ہی وضع کر رکھا ہے جس کی کوئی اصلیت

نہیں۔ والی حقوق تو تو بہ سے بھی معاف نہیں ہوتے جب تک کہ صاحبِ حق

خود معاف نہ کرے۔ حقوق العباد بڑی اہم چیز ہے۔

خدی
پابندی

تِلْكَ الرُّسُلُ ۲

الْإِعْمَارِ ۳

درس بہت دشوار ۲۶

آیت ۸۱

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا
 قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يَكُونُ لَهُمُ
 اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ
 وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۸۱﴾ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا
 يَلُوفُونَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ
 الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنْ لَكُتٍ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا
 هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: ہر ایک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے میں خود اپنی قیمت خریدتے
 ہیں۔ میں لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور اللہ ان سے کلام نہیں کرے
 گا۔ اور نہ ان کی طرف نگاہ کرے گا قیامت کے دن۔ اور نہ ان کو پاک کرے گا۔
 اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۸۱﴾ اور ایک بن ابن کتاب میں سے ایک گروہ
 ایسا ہے جو موڑتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ تاکہ تم اسے کتاب سے
 سمجھو کہ وہ اللہ کی کتاب سے نہیں ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے
 لیکن یہ سب نہیں ہے اور یہ اللہ پر جھوٹے کہتے ہیں اور یہ جانتے ہیں

اس سے بیشتر اہل کتاب کی دینی اور مالی خیانت کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ آج کی
 تہذیب بھی اسی سلسلہ کی گڑھی میں اور ان میں اہل کتاب کی تیسری بڑی خیانت کا ذکر ہے
 یہ لوگ ان پیش گوئیوں کو چھپا لیتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے سابقہ کتب میں قرآن مجید اور
 حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے شمع نازل فرمائی تھیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے

اہل کتاب کی
 تیسری خیانت

آن پاک میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ اس نے اہل کتاب سے جو عہد لیا تھا کہ ان کے پاس جو نبی آئے گا اس پر ایمان لائیں گے اور اس کا ساتھ دیں گے۔ یہ نبی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

اور قرآن اکرنا شروع ہوا، تو ان لوگوں نے اپنے عہد کا کچھ پاس نہ کیا۔ آگے اس سورۃ میں مختلف قسم کے عہدوں کا ذکر آ رہا ہے۔ بنی اسرائیل کے عہد کا ذکر تو سورۃ بقرہ میں بھی گذر چکا ہے۔ اور بعض دوسری سورتوں میں بھی آئے گا۔ مگر یہ ان کی بہت بڑی قیامت تھی کہ اپنے عہد کو بھول گئے اور نہ قرآن پر ایمان لائے اور نہ نبی آخر الزمان علیہ السلام کو تسلیم کیا۔ حالانکہ ان کے عہد کا ذکر خود تورات میں بھی موجود ہے۔ مگر انہوں نے تحریف کر کے تورات کے احکام کو بھی بدل دیا۔ اور قرآن پاک کو بھی تسلیم نہ کیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صحابی اشعث بن قیسؓ کی کچھ زمین ایک یہودی کے قبضے میں تھی۔ جسے وہ چھوڑ دینا نہیں تھا۔ اس کی شکایت اس نے آپ علیہ السلام کی خدمت میں کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اسے پاس کوئی گواہ ہے جو گواہی دے کہ زمین واقعی تمہاری ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اَلْبَيْتَةُ الْحَلٰلُ الْمَسْكُونَةُ جو گواہ پیش کرنا ملے گا پر لازم ہے۔ لہذا تم اپنے دعوے کے ثبوت میں گواہ پیش کرو۔ صحابی رسولؐ نے عرض کیا حضور میرے پاس گواہ تو کوئی نہیں آپ نے فرمایا پھر عاتکہؓ کی قسم پڑھ لے کر گواہی مانگے۔ لگا کہ حضرت! یہ شخص تو فاجر ہے۔ یہ تو بھڑائی قسم بھی لکھا جائیگا۔ اس کا کیا اعتبار ہے۔ آپ نے فرمایا اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں جس پر فیصلہ کیا جائے۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا

مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَحَبْرَةٌ يَنْفُطُ بِهَا مَالُ امْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ يَتَّقِي اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ عَلَى عَهْدِ عَصَبَانٍ مِنْ شَخْصٍ كَسَّ سُلْمَانَ كَمَا لَمْ يَكُنْ يَكْفُرُ بِمَا كَفَرَتْ بِهِ قَوْمُهُ

سلمانؓ کے لیے جو بھڑائی قسم اٹھاتا ہے۔ قیامت کے دن

جنان
نزد

وَاللّٰهُ تَعَالٰی سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔ آپ
 نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی: وَالَّذِينَ تَسْتَغْفِرُونَ لِمَعْصِدِ اللَّهِ وَلِأَنفُسِهِمْ
 حضرت اشعث بن قیس فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے پاس ہے جس میں ہی نازل ہوئی ہے۔

اہل کتاب
 کی پڑھنا

ارشاد ربانی ہے: وَالَّذِينَ تَسْتَغْفِرُونَ لِمَعْصِدِ اللَّهِ وَلِأَنفُسِهِمْ
لَقَدْ قَدْ بَدَلُوا جَزَاءَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ۔
 آپ نے دنیا کا حقیر مال خریدتے
 ہیں اور اپنی ذات کو خلاق لہو میں ڈال دیا۔ ان کے سینے آخرت میں کچھ
 نہیں۔ دنیا کا مال جس قدر بھی زیادہ ہو۔ آخرت کے مقابلے میں بالکل حقیر ہے۔
عَالِ حَيٰوَةِ الدُّنْيَا لَا تَصْلٰحُ شَيْءٌ یہ دنیا کی زندگی تو غصہ اسامہ بنے کا سامان
 ہے فَقُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ آپ کہ دیں دنیا کا سارا مال اسباب
 آخرت کے مقابلے میں بالکل قلیل ہے۔ لہذا دنیا کے حقیر مال کو ناجائز ذرائع سے
 حاصل کرنے والوں کو آخرت میں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وَلَا يَكْفُلُهُمْ اللَّهُ اور
 اللہ ان سے شفقت و مہربانی کے ساتھ کلام نہیں کرے گا۔ غصے اور باز پرس کی
 صورت میں تو ضرور کلام کرے گا۔ مگر لطف و محرم کے ساتھ گفتگو نہیں کرے گا۔
وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور نہ نگاہ شفقت سے ایسے لوگوں
 کی طرف دیکھے گا۔ وَلَا يَرْحَمُهُمْ اور ان کو پاک بھی نہیں کرے گا۔ یہ
 ہمیشہ سجاستوں میں مبتلا رہیں گے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ اور
 وہ عذاب الیم کا شکار ہوں گے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے عہد لیا تھا کہ ہر نبی برحق کی حمایت
 کرنا اس پر ایمان لانا اور اس طرح خدا تعالیٰ کے عہد کی پابندی کرنا۔ مگر ان لوگوں
 نے عہد کو توڑ دیا۔ انبیاء کی تکذیب کی اور اللہ کے احکام کو چھپایا۔ کلام الہی میں
 تخریفات کی۔ جمعہ بی قسم کھا کر دنیا کا مال حاصل کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عہد کی پابندی
 کی سخت تاکید کی تھی، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَدْ كُنَّا أَنفُسَهُ
اللَّهِ مَسْمُومَاتٍ اللہ کے عہد کے متعلق انہیں پس ہوگی۔ اس سلسلے پر اللہ تعالیٰ

سے عام حکم بھی دیا تو ﴿وَإِن تَوَلَّوْاْ بِالْعُقُودِ﴾ اپنے عہد پر بیان کو پورا کرو۔ عہد سے روگردانی
ممانعت کی نشانی ہے۔ اللہ کی نظر میں ایسے لوگ معذور ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت
کے دن ان کے ساتھ کلام شفقت نیک کرے گا، ان کی طرف سے شرفقت سے نہیں
دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین قسم کے
لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ ان کے ساتھ کلام شفقت کرے گا۔ نہ بغیر رحمت سے
دیکھے گا۔ اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ ان میں سے ایک آدمی وہ ہے منیع بن اسبیل
فرض المساء جو کسی مسافر کو زائد پانی سے مستفید نہیں ہونے دیتا۔ کنواں یا چشمہ ہے
پانی بھی اپنی ضرورت سے زیادہ ہے مگر وہ مسافر کو پانی استعمال کرنے کی عازت
نہیں دیتا۔ روکتا ہے۔ فرمایا ایسا شخص اللہ کی نگاہ میں معذور ہے۔ اس گروہ کا دوسرا
آدمی وہ ہے۔ جو نماز عصر کے بعد چھوٹی قسم کا ٹھکانا کر گا کہ کو سودا خریدا کرنے پر آمادہ کرنا
ہے۔ اور قیسر آدمی وہ ہے۔ جو خلیفۃ المسیح اور امام کے ہتھ پر بیعت کرتا ہے۔
پھر اگر اس کا دوسری مقصد پورا ہوتا ہے، تو عہد کی پاسداری کرتا ہے۔ اور یہ مقصد پورا
نہ ہو تو بیعت کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ یہ تین قسم کے آدمی، اللہ کی نگاہ میں معذور
ہوں گے۔

ایک اور حدیث میں یوں بھی آتا ہے۔ کہ وہ شخص بھی معذور ہوگا جس نے
﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا جَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ سے ہزار گنا اظہار کرتا ہے۔ ان کی خدمت کر نیکی
بجائے، ان کے ساتھ احسان کرنے کی بجائے، ان سے نفرت کرتا ہے۔ فرمایا
وہ شخص بھی معذور ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا جَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ جو اپنی اولاد سے نفرت کرتا
ہے۔ انہیں ان کی مطلوبہ شفقت و رحمت مہیا نہیں کرتا۔ اور قیسر آدمی وہ ہے کہ
﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا جَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اس کی قوم نے اس پر احسان کیا۔ مگر وہ ان کی ناشکری اور
ناقصی کرتا ہے۔ فرمایا یہ تین قسم کے لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے نہ کلام کرے گا۔
نہ نظر شفقت سے دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔

یہی امارت میں آتا ہے۔ کہ تین قسم کے آدمی اس زمرہ میں آتے ہیں: **الْمُسْبِلُ** وہ شخص جو اپنے پیچھے یا تہ بند۔ پتلون کو ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے۔ مردوں کے لیے مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ عورتیں مستثنیٰ ہیں۔

دوسرا شخص **وَالْمُنْفِقُ** سلعۃ جو مجموعی قسم کا مکروہ سوا سیمپا ہے۔ لاکھب کو جمہور یقین دلاتا ہے۔ اور قیصر شخص **الْإِنَانِ** ہے۔ جو کبھی پراسان کر کے جلتا ہے اس کا نہ صرف احسان ضائع ہوا۔ بلکہ وہ بھی مخصوص گروہ میں شامل ہو گیا۔ ایک حدیث میں حضور نبی کریم کا ارشاد ہے: **مَنْ تَخَفَّ مِنْ شَخْصٍ أَيْسَ مِنْ جَنِّ** جن سے اللہ تعالیٰ بچنا چاہتا ہے۔ **أَلَا تَجِدُ الْإِنْفَاقَ بَيْنَ قَسَمَيْنِ**

کھانے والا تاجر ہے۔ **وَالْفَقِيرُ الْمُحْتَاحُ** دوسرا شخص وہ ہے جو محتاج ہو کر غرور کرے۔ **وَالْجَنِيلُ لِمَنْ كَانَ** اور قیصر شخص احسان جملہ نے والا نیل ہے ان تینوں اقسام کے آدمیوں سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتا ہے۔

پھر فرمایا تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پہلا محبوب لوگ شخص وہ ہے جو دشمن کے مقابلے میں جہاد کرتا ہے۔ پھر یا تو فتح ملک پہنچاتا ہے یا شہید ہو جاتا ہے۔ فرمایا دوسرا محبوب آدمی وہ ہے۔ جو کسی قافلے میں شامل ہو کر ضرر پہناتا ہے۔ پڑاؤ کے مقام پر قافلے دے سوجاتے ہیں اور وہ خدا کے حضور کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے اللہ کے سامنے اپنی مناجات پیش کرے۔ پھر جب نماز فجر کا وقت ہو جاتا ہے۔ تو اپنے ساتھیوں کو بیدار کر دیتا ہے۔ قرہ یا قیصر محبوب خدا وہ شخص ہے۔ جو پڑوسی کی تکلیف پر صبر کرتا ہے۔ یاں تک کہ اسے موت آجائے یا وہاں سے علیحدگی اختیار کرے۔ ان اقسام کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔

ابیت زیر دریں میں یہودیوں کا ذکر اس گروہ میں کیا گیا ہے۔ جن سے اللہ تعالیٰ انصرت کرتا ہے۔ وہ بنو نض لوگ ہیں۔ انہوں نے اپنے عہد کو توڑا اور محبوبی قسمیں کھینچیں

قسم تو پہی بھی نہیں کھائی چاہیے۔ سوائے اس کے کہ برأت کے لیے ہو۔ بعض
دین کا حقیر مال حاصل کرنے کے لیے قسم اٹھانا ہمارے دیاں ہے۔

تحریف لفظی
اگلی آیت میں یہودیوں کی ایک اللہ جہی فصلت کا تذکرہ ہے۔ وہ جان بوجھ
کہ زبان کے ہیر پھیر سے اصل غلط کہجہ کر کے بولتے تھے۔ جس سے سننے والا کچھ
اور مطلب سمجھ سکتا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا
اللَّهُ شَتَّىٰ یا کتب ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو اللہ کی کتاب زبان

کو مردہ کر پڑھتا ہے۔ لَيَحْسَبُنَّوْهُ مِنَ الْكُتُبِ تاکہ تم گمان کرو کہ یہ اللہ
کی کتاب میں سے ہے۔ وَمَا هُوَ مِنَ الْكُتُبِ حالانکہ وہ کتاب اللہ
میں سے نہیں ہے۔ اہل کتاب کی اس قبیح حرکت کی مثال سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔
جب یہ لوگ حضور کی مجلس میں آتے تھے۔ تو لفظ رَاعِيْنَا کی بجائے زبان کو گھما
کر رَاعِيْنَا کہتے تھے حالانکہ دونوں لفظوں کے معانی میں زمین و آسمان کا فرق ہے
رَاعِيْنَا کا معنی ہے کہ حضور! ہماری طرف توجہ فرمائیں، اور رَاعِيْنَا کا معنی پھر دانا
یا احمق ہے۔ اس طرح وہ لوگ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب کرتے
تھے، یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ یہ کہنے خائن لوگ
ہیں۔ جو اللہ کی کتاب اور نبی کے ساتھ بھی خیانت کرتے ہیں۔ اس قسم کی تحریف
لفظی کی مثال تو راست میں بھی موجود ہے۔ دہاں لکھا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
پہنچے جیسے کو ذبح کرنے کے لیے مردہ کے مقام پر پہنچے گئے۔ مردہ چونکہ مردہ مفلح
میں ہے۔ اس لیے یہاں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی ثابت ہوتی ہے۔
جبکہ یہودی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ تو اسحاق علیہ السلام کو ذبح اللہ کہتے ہیں۔
چنانچہ اس حقیقت سے بچنے کے لیے وہ غلط مردہ کو مویہ کہہ کر بولتے تھے تاکہ
ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں انجام پانے والی قربانی مکہ میں ثابت نہ ہو سکے۔ مقصد
یہ کہ یہ لوگ اللہ کی کتاب میں تحریف کے مرتکب ہو رہے تھے۔ اور اصل لفظ کو بگاڑ
کر کچھ اور ہی بنا دیتے تھے۔

انجیل میں موجود لفظ فار قیط کی جگہ مرد کا ریا تیفع لکھ دیا۔ اور دس ہزار کی بجائے
 لاکھوں لکھ دیا۔ اور اس طرح قطعی تحریف کی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے
 کہ اُس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا۔ آگے فرمایا مَا مَسَّتْ اَرْضٌ مِّنْ غُيُوبٍ
 یہ اس سے فرمایا کہ ان بدعتوں نے قرأت میں بھی رد و بدل کیا۔ قرأت میں بھی
 موجود ہے کہ اللہ نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔ مگر ان لوگوں نے آگے
 لکھ دیا فَاسْتَوٰح رَیْجُہٗ اِسْمُہٗ اَمَیْہٗ اللہ نے فرمایا تو کفر کا کلمہ ہے کیا خدا تعالیٰ
 تعجب کیا تھا جو آرام کی ضرورت نہ پڑی۔ اللہ کے ساتھ ایسی بات منسوب کرنا صریح
 کفر ہے۔ مگر ان لوگوں نے محض ساتویں دن کی چھٹی ثابت کرنے کے لیے یہ
 لفظ بجا دیا۔ یہ بھی تحریف لغتی کی ایک مثال ہے۔ انہوں نے نہ صرف الفاظ کو
 تبدیل کیا، بلکہ معنوی طور پر بھی مطلب کچھ کا کچھ کر دیا۔

مشکلات میں سے اہل بدعت بھی اس بیماری کا شکار ہیں۔ یہ قرآن پاک کے
 الفاظ تو تبدیل نہیں کر سکتے مگر مطلب سارا الٹ پلٹ کر دیا ہے جس آیت
 سے چاہتے ہیں اپنے مطلب کی بات نکال لیتے ہیں۔ دیکھیے "میداد کا موسم"
 آتا ہے۔ پہاڑیاں بنائی جاتی ہیں۔ پوچھو بھائی یہ پہاڑیاں کیسے ہیں۔ کہتے ہیں قرآن میں
 صفا و مروت پہاڑیوں کا ذکر ہے لَا الْفَصَّ وَلَا الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَابِ الْمَدِیْنَةِ
 کہ یہ پہاڑیاں اللہ کی نشانیں ہیں سے ہیں۔ اس قسم کی باتیں قرآن پاک میں صریح تحریف
 ہے۔ قطعاً ناجائز اور گمراہی کا باعث ہے۔

بہت سے واعظین اور خود ساختہ مفسرین بھی ایسی ڈگری پر چل رہے ہیں۔
 ایک صاحب نے اسم اللہ کی تفسیر لکھی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اسم اللہ سے مراد
 حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے۔ علامہ احمد اتر سے، سید کا نام ہزار
 ہے۔ اور اللہ کا نام لیکر ہی شروع کرنا چاہیے۔ مگر انہوں نے اس کو معنی تبدیل
 کر دیا۔ خود پر وضیر ہیں، بسلم ہیں، مگر تفسیر یہ کی ہے مرزا قادیانی نے بھی تو یہی کیا کہ میر
 نام سورۃ فتح میں نکر لکھا گیا ہے اور رسول اللہ بھی لکھا ہے (یعنی اللہ) یعنی لفظ

تحریر معنی

تو مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ سے منکر اس نے کہا کہ اس سے مراد میری ذات ہے۔ اسی لہذا حاتمہ التیمیہ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ حضور علیہ السلام میری لگا کر نبی بنا ہے ہیں۔ آپ کے بعد جو بھی نبی آئے گا وہ آپ کی میری جگہ پر آئے۔ سب سے پہلے مرزا نے اپنے آپ کو اس قسم کا نبی شمار کیا۔ اسی کو تحریف معنوی کہتے ہیں جو کفر ہے۔

فرمایا اس قسم کی نفسی و معنوی تحریف کر کے وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عَشِيرَةِ آلِ اِبْرٰهٖمَ کہتے ہیں کہ میرا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا وَمَنْ هُوَ مِنْ عَشِيرَةِ الْاَنْبِیَآءِ نہ انکے اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ غلط معانی اور الفاظ کو اللہ کی طرف منسوب کرنا بہترین قسم کی خیانت ہے۔ اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ اسی لیے فرمایا وَيَقُولُونَ عَلٰی اللّٰهِ الْكُذِبُ وہ اللہ پر افتراء باندھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں حق بھی کہتے ہیں۔ آگے سورۃ مائدہ میں آئے گا کہ انہوں نے زمانہ کے حکم کو کورات میں چھپا دیا تھا مَنْذُورٌ تَعَالٰی نے حضور علیہ السلام کے ذریعے نقل فرمادیا۔ مطلب بدست کا کہ یہاں پر فاضل الرحمن اور پرویز نے بھی کیا ہے۔ منازکہ معنی کچھ کر دیا۔ حج کا حنی عالمی کا نفس کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح یہ لوگ الفاظ تَوْرٰتِ نہیں بدل سکتے مگر مفہوم بدل کر تحریف معنوی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وَكُلُّهُمْ قٰلَٰتُومٌ جالاکہ وہ سب اچھی طرح جانتے ہیں۔

بعض باطنی فرق بھی اس قسم کی تحریف میں غوث ہیں۔ انہوں نے حج سے مراد پیر کی زیارت کیا ہے۔ روزہ کا مطلب یہ ہے کہ پیر کا حب جو رزق باریک سے چھپا کر رکھا جائے۔ یہ سربا تحریف ہے۔ الفاظ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ ان الفاظ کا مفہوم بھی دہی لینا چاہیے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ اور جس کی وجہ سے اللہ کے نبی آئے۔ یا نبی کے صحابہ یا ائمہ دین کے لیے جنہوں نے حقیقت اس کا مطلب سمجھا ہے۔ اگر آیات قرآنی کو مطلب وہ دیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے تو درست ہے، ورنہ نہ مر کر رہی ہوگی۔ اللہ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہو گا۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

اَلْاِعْمَارُ ۳

درس بیست و ہفتم ۲۲

آیت ۷۹، ۸۰

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ
وَالنَّبُوءَةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي
مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ بِمَا
كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ
تَدْرُسُونَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا
الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ
بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۸۰﴾

۷۹، ۸۰

ترجمہ: کسی انسان کے لیے یہ بات (مناسب) نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائے۔ پھر وہ شخص لوگوں سے کہے کہ جو جاذبِ تم میرے بندے اللہ کے سوا۔ لیکن وہ یوں کہے گا کہ جو جاذبِ تم ہے۔ اس و سب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو، اور اس و سب سے تم اس کو پڑھتے ہو ﴿۷۹﴾ اور وہ تم کو اس بات کا حکم نہیں دے گا، کہ تم اللہ کے فرشتوں اور نبیوں کو رب بناؤ۔ کیا وہ تم کو کفر کا حکم دے گا، بعد اس کے کہ تم فرمانبردار ہو چکے ہو ﴿۸۰﴾

اہل کتاب کی مختلف خیانتوں کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ یہ لوگ دینی اور دنیوی اربابِ رِیاضاتِ محاذ سے خالص تھے۔ جھوٹ بولتے تھے۔ اللہ کی کتاب کے احکام کو تبدیل کرتے اور بتی کو چھپاتے تھے۔ الفاظ و معانی میں تحریف کے مرتکب ہوتے تھے، خود مسائل گھڑ کر انہیں اللہ کی طرف منسوب کرتے اور کہتے کہ یہ کتاب کا حصہ ہے حالانکہ یہ انہیں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہر صحیح جھوٹ بولتے افسوس

نبی علیہ السلام کے متعلق پیشین گوئیوں کو چھپا جاتے۔ حقیقہً باطل کو غلط طے کرتے تھے اور دنیا کا حقیر مال حاصل کرنے کی خاطر اپنے عہد و پیمان کا کچھ لحاظ نہ رکھتے۔ ان کی بن بھصلتوں کی وجہ سے اللہ نے ان کی سزا بھی تجویز فرمادی کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ نرمی سے کلام نہیں کرے گا، نہ ان کی طرف نگاہ شفقت سے دیکھے گا۔ اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کرے گا۔ وہ ہمیشہ عذاب الیم میں مبتلا رہیں گے۔

شانِ نزول

گدشتہ دروس میں وفدِ بخران کا تفصیل ذکر ہو چکا ہے کہ یہ وفد حضور علیہ السلام سے بحث و مباحثہ کے لیے مدینہ عتیقہ آیا تھا۔ جب بائست حیثیت کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا تو نبی علیہ السلام نے ان کو مبالغہ کا چیلنج دیا۔ مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ اور جزیہ دینا قبول کر کے مجبوتہ کر لیا۔ ان کے قیام مدینہ کے دوران حضور علیہ السلام کی مجالس ہوتی رہتی تھیں جن میں ان کا رکن وفد کے علاوہ صحابہ کرام بھی شامل ہوتے۔ ایسی ہی ایک مجلس میں بخران کے نصاریٰ نبی علیہ السلام کے ساتھ مصروف گفتگو تھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سوالات کے جوابات دے رہے تھے۔ اس مجلس میں بنو قریظہ کا یہودی مولوی البراق بھی موجود تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام ہر بات میں عیسائیوں کو الجواب دے رہے ہیں، تو وہ کہنے لگا کہ اے محمد! کیا تم چاہتے ہو کہ ہم تمہاری پوجا کرنے لگیں جیسا کہ نصاریٰ مسیح علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے البراق کے اس سوال کے جواب میں یہ آیت نازل فرما کر واضح کر دیا کہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ کا نبی لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلائے بلکہ وہ تو ہمیشہ ایک اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی ہی دعوت دے گا۔

بشریتِ انبیاء

کلام کا آغاز اس طرح ہوتا ہے مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يَّشِيرَ بِشَرِّ الْاِنْسَانِ كِيَرِ شَانِ نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلائے۔ بشر سے مراد انسان، آدمی یا آدم کی اولاد ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام بوالبشر یعنی تمام انسانوں کے باپ ہیں اس لحاظ سے تمام انبیاء و کرام بھی انسان ہیں مشرکین کا یہ بالکل غلط عقیدہ ہے کہ نبی بشر

نہیں ہوا۔ جازنکہ حدیث شریفہ میں صریح الفاظ آئے ہیں کہ کسی نے امام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضور علیہ السلام کے خدق کے متعلق سوال کیا۔ تو انہوں نے کہا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ یعنی حضور علیہ السلام انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ پوچھنے والے نے دریافت کیا تھا کہ حضور علیہ السلام کی گھر طوئیلگی کیسی ہے۔ آپ کا خلاق کیسا ہے۔ آپ گھر میں کیا کیا کام کرتے ہیں تو جواب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں سے ایک انسان ہیں۔ جو کام عام آدمی گھر میں کرتے ہیں وہ کام اللہ کو نبی بھی کرتا ہے۔ حدیث طریفہ میں بَشَرٌ مِّنَ الْبَشَرِ کا لفظ آتا ہے۔ ثَوْبٌ مِّنَ ثَوْبِ النَّاسِ نہیں آتا۔ یہ تو علیائوں والا عقیدہ ہے۔ انہوں نے بھی مسیح علیہ السلام کو خدا کا جزو بنا دیا۔ اور آج کے مسلمان بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ الغرض! حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا! انحضرت علیہ السلام گھر میں بکری کا دودھ دوہ لیتے، اپنے کپڑے صاف کر لیتے۔ جوتے کاٹا نکالتا لگتا لیتے، گودا اپنا کام اپنے دست مبارک سے انجام دے سیتے تھے۔

بخاری، مسلم، ترمذی اور دیگر کتب احادیث میں یہ حدیث موجود ہے۔ کہ کچھ لوگ آپ کی خدمت میں ایک مقدمہ لے آئے کہ آپ! اس کا فیصلہ فرمائیں۔ حضور علیہ السلام نے اُن سے فرمایا اِنَّهَا كَمَا بَشَرٌ بَعَالٍ! میں ایک انسان ہوں اور انسان عالم الغیب نہیں ہوتا۔ میں ظاہر میں تھا را معاملہ سنوں گا۔ اور اس کے مطابق فیصلہ دوں گا۔ ہو مکتا ہے ایک فریق اپنا مقدمہ پیش کرنے میں بڑا حرب زبان ہو اور دوسرا فریق بنا نصیح نہ ہو۔ فرمایا فَلَعَلَّكُمْ بَعْضُكُمْ لَعَنَ بَعْضًا کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس کی دلیل سن کر اس کے حق میں فیصلہ دے دوں۔ یاد رکھو! جو شخص کسی چیز کا مستحق نہیں ہے۔ وہ اس چیز کو مست لے۔ کیونکہ اس کے حق میں وہ دوزخ کی آگ کا کٹہر ہو گا۔ فرمایا میں انسان ہوں۔ باطنی حالات تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ جب دینی ہمارا ہو جاتی ہے۔ مالک الملک کی جانب سے علم دیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہو جاتا ہے۔ فرمایا تمام انبیاء علیہم السلام انسان ہیں اور انسانیت کے بندہ تہیٰ مقام پر فائز ہیں۔

انسان یا بشر ہونا کوئی عجیب کی بات نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بطور احسان کے فرمایا ہے مَرَجْنَاكَ خَالِيًا بَشَرًا (ص) فرشتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا میں مٹی سے بشر کو پیدا کر رہا ہوں والا ہوں اِنَّكَ اِنْ شِئْتَ بَشَرٌ مِّنْ عَلَنٍ پھر تم یقیناً انسان بن رہے ہو زمین پر پھیل گئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے كَفَدْنَا خَلْقَ الْاِنْسَانِ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت و درجہ و اعزاز کے ساتھ پیدا کیا۔ اِنَّ شَرَّ رِجَالٍ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ پھر اگر اس انسان کی فکھ فاسد ہو جائے۔ عقیدہ بگڑ جائے اقبال و اخلاق خراب ہو جائیں تو اس انسان سے زیادہ ذلیل چیز کوئی نہیں ہوگی۔ ایسی صورت میں گھڑے مکوڑے، جانور، درندے وغیرہ انسان سے بہتر رہیں۔ مگر انسان ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بہترین مخلوق پیدا کیا۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ كَانَ لِبَشَرٍ مِّمَّنْ اِنْسَانٍ کسی انسان کی پریشان نہیں ہے اِنَّ كِبٰرِيْئِيْنَ لِلّٰهِ الْكِتٰبِ کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب عطا کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کتاب اس کو دیتا ہے جس کو منصب نبوت عطا کر رہا ہے اور یہ سب کے بلند مرتبہ بہت جو کسی انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ رفہ و تعینت والی اور کوئی چیز نہیں تمام اولیاء عابد و زاہد سب نبی سے کم تو درجہ میں ہیں۔ نبوت کا مقام سب سے اعلیٰ ہے اور یہ مقام اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام کو عطا فرمایا اور آپ کو قرآن پاک، عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا کی۔

فرمایا جس انسان کو اللہ کتاب عطا کرے وَلِحُكْمٍ اور حکم عطا کرے۔ حکم کا معنی فیصلہ بھی ہوتا ہے اور علم بھی۔ جیسے فرمایا فَاَحْكُمْ بَيْنَهُمْ یعنی ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ نیز فرمایا اَتَيْنَاهُمْ حُكْمًا وَعِلْمًا ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا نیز حکم کا معنی انہم بھی دیتا ہے اور

منصب نبوت

نبی کا فہم عقل اور دکاوت تمام انسانوں سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ نبی عقل رکھتا ہو تا ہے۔ وہ سب سے زیادہ ذکی ہو تا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں کمال درجے کی صلاحیت اور بصیرت کر تا ہے۔ آگے فرمایا وَلَسْتُ بِشَيْءٍ مُّشْبِهٍ یعنی ایسا شخص جسے اللہ تعالیٰ کتاب اور حکم کے علاوہ نبوت بھی عطا فرما دے۔ اس کی یہ شان نہیں ہے ثُمَّ لِيَقُولَنَّ لِلْمَلَائِكَةِ کہ وہ لوگوں سے کہے کہ كُونُوا عِبَادًا لِّيَ مِنْ دُونِ اللَّهِ اللہ کے علاوہ میرے بند بن جاؤ۔ یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تو نبوت اور رسالت عطا فرمائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف جھٹکنے کی بجائے اپنی بندگی کی طرف دعوت دے۔ یا کسی دوسرے انسان یا کسی بھی مخلوق کی عبادت کی تلقین کرے۔ یہ نہیں ہو سکتا اگر ایسی بات ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ خوف باللہ اللہ کا انتخاب ہی درست نہیں تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پر جہالت لازم آئے گی (خود باللہ) کہ اس نے اپنے شخص کو نبی بنایا جو اس نبوت کا اہل نہیں تھا۔ نبی کا منصب تو یہ ہے کہ وہ خود بھی اللہ ہی کی وحدانیت پر کار بند ہو اور دوسروں کو بھی ایسی کی دعوت دے۔ دنیا کے معاملات میں بھی جیسے کسی شخص کو وزارت یا گورنری کے عہدہ پر فائز کیا جاتا ہے۔ تو اس سے توقع ہوتی ہے کہ وہ حکومت کی پالیسی کے مطابق کام کرے گا۔ اگر کوئی شخص خلافت کو ملے تو اسے ایک منسلک کے لیے کسی اعلیٰ عہدے پر مبادشت نہیں کیا جاتا۔ اللہ کا نبی تو اللہ کا کامل و قادر ہوتا ہے۔ دنیا میں منشاء سے ایندلی کی تکمیل اس کا فرض ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے علاوہ اپنی یا کسی دوسری مخلوق کی عبادت کی دعوت دے نہیں سکتا ہے۔

انبیاء کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ ان میں موجود بشریت کے تمام تعلقات بہترین طور پر نمود جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تربیت ہی ایسی کر تا ہے جس سے ان کے تمام فرائض درجہ کمال کو پہنچ جاتے ہیں، ان سے ایسی بات کا سر نہ ہوا جو منشاء الہی کے خلاف ہو، ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ساری علیہ السلام کے متعلق فرمایا، ہم نے تم پر احسان کیا۔ تمہاری پرورش ہماری آغوشوں کے سامنے ہوتی

وہی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا **يَا مُوسَىٰ إِنِّي اصْخَرْتُكَ مِنْ نَارٍ** اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق **وَجَعَلْتَنِي نَارًا** کچھ جہانے حکم اور وحی کے مطابق ہو رہا ہے۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بند کی برکت و نبوت اعلیٰ درجے میں کرتا ہے۔ لہذا ان کی شان کے خلاف نہ بنے کہ وہ غیر المتکبر کی طرف رجوع کریں۔

اللہ تعالیٰ ہر خلاف اس کے اللہ کے نبی تو کہیں گے اے لوگو! **وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ**
رَبَّنَا رَبَّنَا رب اے بن جاؤ یعنی ربانی ہو جاؤ۔ شیخ الفند نے یہ ترجمہ کیا ہے
التر اے ہو جاؤ۔ رَبَّنَا رَبَّنَا رب سے مشتق ہے۔ جس میں ن اور ہی مبالغہ کے
 لیے آئے ہیں بعض روایات بھی کہتے ہیں۔ اس کا معنی بھی وہی ہے۔ دوسرے
 مقام پر **رَبَّنَا رَبَّنَا** کے الفاظ آئے ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں
 کہ یہ قرابت کے واسطے سے ہے۔ اور معنی یہ ہے۔ کہ تم دوسروں کی تربیت
 کرتے ہو۔ اور دوسروں کو خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلانے والے ہو۔
 یعنی ایسے اللہ تعالیٰ بن جاؤ جو علم و عقیدے اور عمل میں درجہ کامل پہ ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اقرآن کے بڑے عالم ہوئے ہیں۔ حضرت علیؓ کے
 زمانہ میں کچھ عرصہ گورنر بھی رہے ہیں۔ تاہم انہوں نے زندگی کا بیشتر حصہ لوگوں کی تعلیم و
 تربیت میں گزارا۔ جس دن آپ کی وفات طائف میں ہوئی تو حضرت علیؓ کے
 ضابطہ نماز محمد بن حنفیہؓ جو آپ کی بیوی خولہؓ کے بطن سے تھے (وہ بھی بڑے
 عالم فاضل ہوئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا **أَنْتُمْ مَاتَ كَذَابِي هَذِهِ الْأُمَّةُ**
 آج حضور کی امت کا ایک بہت بڑا ربانی عالم دنیا سے رخصت ہو گیا۔ ربانی وہ
 شخص ہے جس کے دل کی اصطلاح اس طرح ہو جائے کہ اس کے اندر قاسم خیالات
 باقی نہ رہیں۔ یہ کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔ اے اللہ! میں تیری ذات
 کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔ اے دل سے جس میں تیری خشیت رہے۔ اصطلاح یافتہ
 رہے۔ یہ لوگ جس میں خشیت الہی موجود ہوگی۔ اسی لیے اللہ نے قرآن کریم میں مٹا دی
 کی یہ نشان دہی فرمائی ہے **إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ** جو حق پرست

ہوں گے وہ خدا سے ڈرتے واسے ہوں گے۔

فرید اللہ کا بنی تو کہے گا، اللہ واسے جو جائز اور حرام دیکھا کہ نہ کرے
تَحَرِّصُونَ الْكِتَابَ اس وجہ سے کہ تم کتاب سے بچنا چاہتے ہو۔ اور کتاب سے بچنا چاہنے والے
کی لائق اصلاح ہوتی چاہیے۔ اس میں خالص توحید اور جذبہ محبت ہونا چاہیے نہ
بلکہ تم سے دوسروں کی اصلاح بھی کرنی چاہیے۔ دیکھا کہ تم سے متدلسون
اور اس وجہ سے کہ تم خدا کی کتاب پڑھتے ہو۔ اس کا بھی تقاضا ہے کہ تم اللہ سے
بن جائو۔

عبید کی
غلط نسبت

مکن ذکر کیا تھا کہ کتاب اللہ میں لفظی یا معنوی تحریف کرنا اہل کتاب کا کام تھا
مگر اس نہ مانے میں یہ کام خود مسلمان بھی نبھانے لگے ہیں۔ بلکہ یہ تو ان سے بھی
بڑا کام کہہ سکتے ہیں۔ کلام اللہ کے لیے غلط معانی و مطالب بیان کر سکتے ہیں جو نہ
اللہ کی عزت ہے اور نہ رسول اللہ کی تشریف ہے نہ خلفائے راشدین سے نیلے معنی
کیے اور نہ ائمہ دین لے یہ مطلب سمجھا مگر آج کا پرویز اور مرزا قادیانی عجیب و غریب
تاویلات کرتے ہیں۔ اب چیکھتے مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اس
بیت فَنَدَّ لِيكَ دُحَى الْيَذِينَ سَوَّوْهُ عَلَى أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ كَيْفَ يَسْأَلُ
سے۔ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہے ہیں آپ اپنی طرف سے کہہ دیں
میں میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ گویا حضور علیہ السلام اپنی امت
کو میرے بند کہہ کر مخاطب کر رہے ہیں (نعوذ باللہ) اسی سے مولوی احمد رضا خاں
یہ نکالتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے نام رکھنا جائز ہے۔
جیسے عبد اللہ رسول، عبد اللہ غطفانی، عبد اللہ بنی وغیرہ۔ حالانکہ یہ مطلب ہرگز نہیں نکلتا۔ بیت کا
مطلب یہ ہے کہ میں نبی! آپ! اللہ کی طرف سے کہہ دیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے
ہے کہ میں میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ان کی سہی، اللہ کی رحمت
سے دیوس نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہرگز نہ کو معاف فرمائے گا، اس کی مثال سورۃ ص میں مذکور
ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ آیت سننے کی بھیجا:

مترادف ہے کسی کو سجدہ کیا جائے، اندر نیاز پیش کی جائے، حاضر و غاظر سمجھائے
 عین کل سمجھا جائے، مافوق الایباب، حاجت روا اور شکل کش سمجھا جائے، یہی شرک
 ہے۔ اس قسم کا جو بھی تھنیدہ اللہ کے علاوہ غیر کی طرف منسوب کیا جائے گاشرک ہوگا
 فرمایا عین کبریٰ یہ حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں یا انبیاء کو رب بناؤ۔ يَا هٰدِیْہُ
یٰ اٰیْمٰہُ کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے سکتا ہے؟ اَلَا اَنْتُمْ
مُحْسِنُوْنَ باز جو اس کے کہ تم فرماؤ رومی، اختیار کر چکے ہو۔ اللہ کی وحدانیت
 کو پناہ چکے ہو۔ جب تم اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آچکے ہو تو پھر وہ تمہیں
 اب حکم کیسے دیگا۔ جس سے تم پھر کفر و شرک کی نارنجیوں میں غرق ہو جاؤ ایسا نہیں ہو
 سکتا۔ اللہ کے نبی سے یہ توقع ہرگز نہیں ہو سکتی۔

اہل کتاب نے نبی علیہ السلام سے کہا تھا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ
 آپ کی عبادت کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ قانون بتلادیا
 کہ اللہ کا نبی یا اپنی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہے اور نہ کسی غیر اللہ کی۔
 مسیح علیہ السلام نے بھی رومیہیت کی نسبت اللہ ہی کی طرف کہتے ہوئے
 فرمایا تھا اِنَّ اللہَ رَبِّیْ۔ وَرَبُّکُمْ تمہارا اور تمہارا سب کا رب

اللہ ہے۔ میں بھی اسی کی عبادت کرتا ہوں تم بھی اُسی کی عبادت کرو اللہ کا ہر نبی
 یہی دعوت دے گا کہ اللہ نے بن جاؤ۔ رب بنے بن جاؤ۔ اس کے سوا کسی
 انسان کی پوجا نہ کرو۔

کہ ہم لوگ آپ کی پرستش شروع کریں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آیت
 نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ جس انسان کو نبوت سے سرفراز فرمائے، اس کی پرستان نہیں
 ہے۔ کہ وہ اللہ کی بجائے لوگوں کو اپنی عبارت کی طرف بلائے یہ مثل بات ہے
 کہ نبی ہمیشہ خدا تعالیٰ کی عبارت کی دعوت دیتا ہے۔ وہ تو کہتا ہے کہ اللہ واسے
 ہو جاؤ۔ وہ ملائکہ یا انبیاء کی عبارت کا حکم نہیں دیتا۔ اس معاملہ میں انبیاء کی بہت
 واضح کمرے کے بعد آمد آیت میں اللہ تعالیٰ نے میثاق البیعت کا تذکرہ فرمایا
 ہے۔ یعنی اس حمد کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی جماعت سے لیا تھا۔ کہ
 جب تمہارے پاس اللہ کا رسول آجائے۔ جو تمہارے پاس ہو اور چیز کی تصریق کیے،
 تو اس پر ایمان لانا اور اس کی ہر گتہ نافرمانی نہ کرنا۔

میثاق البیت

قرآن پاک میں مختلف میثاقوں کا ذکر ہے۔ مثلاً ان کے میثاق البیت ہے
 یہ وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان سے لیا تھا۔ اس کا ذکر سورۃ اعراف
 میں موجود ہے۔ قَدْ أَخَذْنَا مِنْ ابْنِ آدَمَ مِنْ ضَعُفِهِمْ
 ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ سَمْعًا عَلَىٰ آلِهِمْ هُمْ السَّمْعُ بِرَبِّكُمْ فَقَوْمًا
 اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا ہونے والی نسل آدم کو عالم ارواح میں متمثل فرما کر ان
 سب کے رسول کیا تھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، گویا یہ عہد اللہ نے اپنی الوہیت
 اور ربوبیت کے اقرار کے لیے اس دنیا میں آنے سے پہلے لیا تھا۔ پھر جن جن
 بنی آدم کو پیدا فرمایا اس عہد کی یاد دہانی کے لیے انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ اور کتابیں نازل فرمائی۔

تمام انبیاء
 سے میثاق

دوسرا عہد میثاق انبیاء ہے جس کا ذکر آیت پروردگار میں آیا ہے۔ یہ عہد اللہ تعالیٰ
 نے تمام اقبیہ سے لیا۔ اس میثاق کی تشریح میں دو قول ہیں۔ پہلا قول حضرت علیؑ کا ہے
 جسے امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں درستیہ محمود لوسی نے روح المعانی میں نقل
 کیا ہے۔ دوسرا قول امام طائس کا ہے۔ آپ تابعین میں سے ہیں اور مفسر قرآن حضرت
 عبد اللہ بن عباسؓ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ بلند پایہ فقیہ اور محدث تھے۔
 امام صاحب کا یہ قول مصنف عبد اللہ بن راق میں درج ہے۔ جو کہ علم حدیث کی معتبر کتاب

ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ موجود تھا۔ اب زمانہ جاں میں یہ عظیم کتاب زیورِ طبع سے
آراستہ ہوئی ہے۔ اس میں بائیس ہزار احادیث اور آثار مذکور ہیں۔ بعد از مذاق امام بخاری
کے، مستند الزائد اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے۔ مولانا محمد فیض بنوری کی کوششوں
سے ایک مسمان نے چار لاکھ روپیہ صرف کر کے اسے بیروت سے طبع کرایا ہے
اس کا حاشیہ ہندوستان کے ایک بہت بڑے عالم اور بزرگ حبیب الرحمن عثمانی
بصرہ ۱۳۵۰ سال بقیہ حیات ہیں نے لکھا ہے اور کتاب کی تصحیح بھی کی ہے۔

ثبوتی عظیم کتاب ہے۔ اس میں امام طائفس کا یہ قول مذکور ہے کہ اس آیت میں جس
میشاقی البینین کا ذکر ہے، یہ حمد اللہ تعالیٰ سے ہر نبی سے یہ تھا اَنْ يُّصَدِّقَ
نَعَضَهُمْ بَعْضُنا یعنی ہر نبی دوسرے نبی کی تصدیق کرے گا۔ چنانچہ ہر نبی نے اس
نبی کی تصدیق ہی کی ہے کسی نے کسی کی تکذیب نہیں کی۔ مفسرین کلام بیان فرماتے
ہیں کہ سورۃ احزاب کی آیت "وَاِذَا خِذْنَا مِنْكُمْ نَبِيًّا قَدْ خَلَفْنَا مِنْكُمْ خَلْفًا
وَمِنْكُمْ رَا حِزَابٍ اَيْت" یعنی میں واقف کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمام
انبیاء اور آپ سے بھی بددیا۔ وَهِيَ تَوَجُّعٌ وَابْدَاهِيكُمْ وَمُؤْمِنِي
وَرَحْمَتِي اَيْنِ مَسْرِيَةٍ اور نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام
اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے بھی پہنچے۔ عہد کیا۔ یہ آیت بھی امام طائفس کے
قول کی تشریح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے اس بات کا پختہ وعدہ دیا
تھا کہ وہ دوسرے نبی کی تصدیق کرے گا۔ یہ قول بھی درست ہے۔

حضرت علیؓ کا قول ہے صاحبِ روح، عالمی اور امام ابن جریرؒ نے نقل
کیا ہے، وہ یہ ہے کہ میشاقی انبیاء عام نہیں ہے کہ ہر نبی دوسرے کی تصدیق
کرے گا۔ بلکہ یہ میشاقی خاص ہے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام سے حضورِ عالم انبیین
صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھا۔ اِنَّهُ يَبْعَثُ اللّٰهُ نَبِيًّا اَدَمَ وَصَفَ بَعْدَ
اِلَّا أَخَذَ كَيْسَهُ اَحْمَدُ فِيْ مَحْفَلِهِ صَلَّيْ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو آپ کے بعد کوئی نبی بعثت نہیں فرمایا
کہ اب وفات پا چکے ہیں (فیاض)

مگر حضور علیہ السلام کے متعلق اس سے عہد یا یث بُعِثَ وَهُوَ حَيٌّ لَيَكُونُ مَعَهُ وَلَيَنْتَصِفُ لَهُ كَمَا كُنْتَ تَمَارِي زَنْدِگِی میں نبی آخر الزمان آجائیں تو ان پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے۔ لہذا یہ خود خاص طور پر حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھا۔ یہ قول بھی صحیح ہے۔

حضور علیہ السلام کے متعلق اس خاص عہد سے آپ کی ضم نبوت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ بات تو واضح ہے کہ کسی نبی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ نہیں پایا، جو اس میناق کی رو سے آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی مدد کرتے۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب قرب قیامت میں نازل ہوں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں گے۔ اُس وقت وہ حضور علیہ السلام کے نائب کی حیثیت سے جلوہ افروز ہوں گے اور آپ کی شریعت کے مطابق دنیا میں قرآن و سنت کا نظام جاری کریں گے۔ اس عہد سے حضور علیہ السلام کی خاص فضیلت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ اسی بنا پر مفسرین کریم فرماتے ہیں کہ شیبہ حرج میں اللہ نے تمام انبیاء کو بیت المقدس میں جمع کیا۔ فَهَذَا هُوَ حَضْرَتِ هَارِئِلَ عَلِيهِ السَّلَامُ نَعْنِیْ اَیْہِہٖ السَّلَامُ کا ہاتھ پکڑ کر آگے کھدایا اور آپ نے تمام انبیاء کو نماز پڑھائی۔

سید اوسی بغدادی جنہوں نے حضرت علیؑ کا یہ قول نقل کیا ہے، ہنہ پایہ مفسر قرآن ہوئے ہیں۔ آپ تیرہویں صدی ہجری میں ہوئے ہیں مسئلہ ۱۲۷۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ جنفی مسلک سمجھتے تھے۔ آپ نے بیسٹں جلدوں میں قرآن کی تفسیر لکھی ہے۔ ہر پائے کی الگ جلد ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ یہ تفسیر آپ نے آقاؐ جلالی میں لکھی۔ اس تفسیر میں تمام علوم منجملہ صرفہ، نحو، علم حجاز اور قرأت وغیرہ موجود ہیں۔

دیگر مفسرین کی طرح آپ نے بھی اپنے زمانے کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے قرآن پاک کی عظیم تفسیر کی ہے۔

میشاق انبیاء کا تذکرہ کر کے مثنویا کو بات سمجھائی جا رہی ہے کہ جس چیز سے

ملک کا سب سے بڑا رسول اعجازِ پریم مجبوراً چیل کرنا چاہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرے
اور میرے بزرگوں کے طریقے کے خلاف ہے۔ اس کو اپنے پاس رکھو۔ ہم نے
انگوڑے دل کے خلاف جو جدوجہد احمد کی رضا اور انسانیت کی بہتری کے سیکے کی تھی۔
کوئی متغیر جاگیر لینے کے لیے نہیں کی تھی۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ لوگوں کے
مابین انصاف کرو۔ مسلمانوں کو تنگ نہ کرو۔

الفرغ من الامر تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ
اِئْتِ بِكُمْ كِتَابًا اور کیا وہ جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے پختہ عہد کیا۔ ثُمَّ
أَتَيْنَاهُم بِالْكِتَابِ اور حکمت جب میں نے تمہیں کتاب اور حکمت
یعنی علم و دانش اور فہم عطا کیا۔ ثُمَّ جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِكِتَابٍ پھر آگیا تھا۔
پاس رسول سے مراد بر رسول بھی ہے۔ اور بزر رسول بھی بحکمہ تعظیم کے لیے ہوتا ہے۔
جب رسول عظیم شان رسول آگیا۔ فَصَدَّقَ لِقَامًا وہ ان کتابوں
کی تصدیق کرنے والا ہوا۔ جو تمہارے پاس ہیں۔ تو اس وقت تمہارا فرعون ہے۔
لَتَشُوْهُنَّ یہ ضرور اس پر ایمان لانا۔ وَلَتَنْصُرُنَّهُ اور ضرور اس کی مدد کرنا
قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لَمَ يُدْرِكْ لَمَ دریافت کیا۔ أَفَرَأَيْتُمْ كَذِبَ لَمَ
عَلَى ذُنُوبِهِمْ اصرار اور تم نے اس بات پر یہ سیکھنا نہ لیا، دوسری توبہ کو
کہتے ہیں اور اس سے مراد پختہ عہد ہے۔ اس کو ميثاق غریبہ بھی کہتے ہیں
جس طرح بوجہ کو ایمان ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح عہد کی پاسداری بھی ضروری ہوتی ہے
نکریہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد کیا کہ جب میرا نبی آخراں آجائے گا۔ تم
اس پر ایمان لانا اور اس کی اعانت کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں
قَالُوا أَفَرَأَيْتُمْ سَبَّ انبیاء علیہم السلام نے کہا، ہم نے اقرار کیا۔ کہ ہم اس عہد
کو پختہ کریں گے اور ہر آنے والے نبی پر اور خصوصاً حضرت المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم
پر ایمان لائیں گے۔

حدیث شریفین میں آتا ہے کہ بنی قریظہ کا ایک یہودی حضرت عمرؓ کا درست

تھا۔ اس نے قرأت میں سے کچھ اچھی اچھی باتیں سکھ کر آپ کو دین حضرت عمرؓ سے
 وہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اور عرض کیا کہ میرے ایک بھائی
 دوست قرأت کی بعض اچھی چیزیں سکھ کر دی ہیں۔ کیا میں ان کو پڑھ لیا کروں۔ یہ
 سن کر نادمی کی وجہ سے حضور علیہ السلام کا چہرہ مبارک مٹخ ہو گیا۔ فرمایا اَللّٰهُمَّ
 حَكِّمْنَا تَهْمًا كَتَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ کیا تم بھی اسی طرح سرگردان ہونا چاہتے
 ہو جس طرح یہود و نصاریٰ ہوئے ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا، قسم ہے اس ذات
 پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ یہ تو تم سحر طیف شدہ کلمات کا ورق
 لائے ہو اگر موسیٰ علیہ السلام بنفس نفیس آجائے اور تم مجھے چھوڑ کر ان کا اتباع کرتے
 تو تم گمراہ ہو جاتے اِنَّا اَخُو الْمُتَّبِعِينَ میں آخری نبی ہوں جو تمہارے حصے میں
 آیا ہوں۔ لہذا تم پر میری ہی اطاعت لازم ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا۔
 وَصَلَّىٰ بِاللهِ رَبِّا وَبِاَنْدُسْ كَرَمِ دِيْنٍ وَبِعَمَلِ حَتِّدِ سَبِيْتًا
 وَدَسُوْرًا میں راضی ہو گیا اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر
 اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی اور رسول ہونے پر۔ اس پر حضور علیہ السلام کا غصہ
 مٹتا ہوا گیا۔

الغرض! جب تمام انبیاء نے اپنے وعدہ کا اقرار کر لیا۔ فَاتَّوَلَّوْا الشِّرْكَ
 نے فرمایا فَاتَّشَقَّقُوْا وَاَنْتَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّهِيْدِيْنَ گو دین ہوا۔
 کہ تم نے یہ اقرار کر لیا ہے۔ تمہارے وعدہ کیا ہے۔ کہ جب نبی آخر الزمان علیہ السلام
 آئے گا تو اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی تائید کرو گے۔ اور و جھوٹ میں بھی تمہارے
 ساتھ اس بات پر گواہ ہوں۔

فرمایا کہ پختہ محمدؐ کرنے کے بعد فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَلِكَ جَسْتِ اعراض
 کیا اس کے بعد یعنی محمدؐ کی پابندی نہ کی۔ فَاتَّوَلَّوْا الشِّرْكَ اَلْفِیْقُوْنَ تو ایسے
 لوگ فاسق اور نافرمان ہوں گے۔ فاسق نافرمان، منافق اور کافر کو بھی کہا گیا ہے۔
 اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار ہی۔ ہے تو یہ بیاری فسق ہے۔ اِنَّا اِنَّا کافر

ہو جائے گا، ورنہ معصیت کا مرتبہ مخصوصاً کبیر و گنہگار مرتکب فاسق ہوتا ہے
فرمایا اس عہد کو توڑنے والا فاسقوں میں شمار ہوگا۔

مفسرین کرم فرماتے ہیں کہ اگرچہ یہ بات پیشایا ر کے ضمن میں کہی جا
رہی ہے کہ عہد شکنی کرنے والا فاسق ہو جائے گا مگر اس سے مراد امت کو
سمجھنا ہے کہ انبیاء کے لئے عہد کو توڑنے دینا ورنہ تمہارا نام فاسقوں کا
فہرست میں لکھ دیا جائے گا۔ اور اس سے مراد اہل کتاب خاص طور پر ہیں۔ کیونکہ
انبیاء علیہم السلام سے عہد شکنی کو تو گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ کا نبی ایسا کام نہیں کر
سکتا۔ بلکہ نبی کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لَنْ تَنفِي عَنْهُ اَمْرًا لَّيْسَ بِمَا نَسَىٰ ۚ لَعَلَّكَ
اگر آپ نے بھی شرک کا ارتکاب کیا۔ تو آپ کے تمام اعمال ضائع کر دیئے جائیں
گئے۔ لہذا نبی سے عہد شکنی کا گمان نہیں کیا جاسکتا۔ یہ امت کو سمجھاؤ قطعاً ہے کہ
انبیاء کے عہد کو توڑ کر فاسقوں کے گروہ میں شامل نہ ہو جائے۔ اہل کتاب تو بیشک
عہد شکن ہیں۔ مگر آج کا مسلمان بھی اس معصیت سے محفوظ نہیں رہ سکا۔
اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔

عَلَّمَ الْقُرْآنَ

لِزَيْنِ

آیت ۱۳: ۸۵

دوسری سورتہ ۲۵

أَفْتَرِيزِينَ لِلَّهِ لِيُبْعَثُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ
 فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَالَّذِينَ يَرْجِعُونَ ⑧۲
 قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَى
 الرُّسُلِ مِن رَّبِّهِمْ وَرُسُلُكُمْ وَإِخْلَاقٌ وَيَقْضُونَ
 وَالْأَسْبَاطُ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَالنَّبِيُّونَ
 مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ
 وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ⑧۳ وَمَنْ يَبْتَغِ
 غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ
 فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ⑧۴

ترجمہ: پکایا یہ لوگ اللہ کے دین کے واسطے ڈرویں کہ کون کون سے ہیں، حالانکہ اسی اللہ
 کے لیے فرمانبرداری کرتے ہیں وہ جو آسمانوں میں ہیں، اور جو زمین میں ہیں خوشی و خوش
 سے، اور اسی کی طرف سب لوگ جائیں گے ⑧۲ اسے پیغمبر زین علیہ السلام آپ
 کہہ دیجئے، ہم ایمان لائے ہیں کہ ہر اور اس چیز پر جو ہماری گئی ہے، جیسے وہ پر اور
 اس چیز پر جو ہماری گئی ہے، حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام
 اور ان کی اولاد پر اور جو چیز دی گئی ہے، موسیٰ و علی علیہم السلام اور جو چیز دی گئی
 ہے سب نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے، ہم تفریق نہیں کرتے کسی ایک
 کے درمیان، اور ہم انہی لشکر کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں ⑧۳ اور جو شخص
 اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا، پس اس سے ہرگز نہ قبول کیا جائیگا
 اور وہ شخص آخرت میں نقصان اٹھائے گا۔ نہ دوزخ میں سے ہوگا۔ ⑧۴

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ جو اس نے عام لوگوں اور انبیاء علیہم السلام سے لیا۔ اور پھر اس عہد کو گھڑنے والوں کی سزا کا بیان بھی چکا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ نے ڈانٹ پائی ہے۔ اس کے بعد دین کی صداقت اور حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان فرمایا کہ اگر یہ لوگ جس دین طاعت فرمانبرداری کو قبول نہیں کرتے جس کا ان سے عہد لیا گیا تھا، تو پھر کیا اس کے علاوہ کسی اور دین کے متلاشی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عہد و پیمان تو دین توحید کے متعلق لیا تھا۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام اسی دین کی تعلیم دیتے تھے، ہذا وہ کسی منشا کی تعلیم نہیں دیتے کہ اللہ کے علاوہ مخلوق میں سے کسی کو رب بنا کر اس کی عبادت کی جائے۔ یا کسی کو ملائکہ و ملائک کا حق سمجھا جائے۔ وہ تو ہمیشہ ہی تعلیم دیتے تھے میں کوئی اور بت میں سے نہیں اللہ کے علاوہ رب واحد رب واسے ہو جاؤ۔ صرف اس کی عبادت کرو اور اسی کو عبادت رواں رکھو۔

سچا دین

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب یہ لوگ سچے دین کو قبول نہیں کرتے۔ انھیں دین نذیہ سبغوا کیا وہ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کے متلاشی ہیں۔ حالانکہ اللہ کا سچا دین تو صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے اسلام۔ پہلی آیتوں میں مگر یہ چکا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا ائیکو یعنی اسلام سے، تو اللہ کے سچے دین کو قبول کر لو، اس کی طاعت کے آگے ہر تعلیم خرچ کر دو۔ تو اسوں نے جواب میں کہا ائیکو لکنا انفسنا میں نے تمام جانوں کے رب کا نازل کرو دین قبول کر لیا۔ جس کا فرمانبردار ہو گیا میں نے اسلام قبول کر لیا کیوں کہ انا اللہ کے ساتھ ہوں۔ اللہ کے کلام اللہ کے نزدیک سچا دین صرف اسلام ہی ہے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی دین کی تعلیم دی ہے۔ مگر یہ لوگ اس دین کو قبول کرنے کی بجائے کسی دوسرے دین کو تلاش کرتے ہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے جو جھوٹے دین بندھے ہیں، کیا ان کے پاس میں انہیں اللہ نے اجازت دی ہے کہ جھوٹے

مسموم و شرک والے دین کو تسلیم کریں۔ اللہ کے علاوہ کوئی ذات ہے جس کی ان خصلت تمام مخلوق پر لازم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَا اَنْتُمْ مَرْفُوعٌ فِي السَّمٰوٰتِ اَوَّلُ ذٰلِكَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالدَّارِیْنِ اَسْمٰوِیِّ وَدُنِیِّیْنَ کی ہر مخلوق جسی خدا سے وحدۃ الشریک کی فرما بے دردی کُرت ہے۔ اَلَا اَنْتُمْ عَاوِلُ کُرتے ہیں کچھ لوگ اس کی اطاعت خوشی سے کرتے ہیں اور بعض دوسرے مجبوری اور لا چاری کی بنا پر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے احکام دو قسم کے ہیں۔ تکوینی احکام وہ احکام ہیں جو انسان کو اپنی خواہش اور اختیار کے بغیر کر سکتے پڑتے ہیں۔ جیسے زندگی، موت، بیماری، حادثات، بارش، خشک سالی، سیلاب، زلزلہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو انسان پر بغیر خواہش اور بغیر اختیار کے وارد ہوتی ہیں۔ ان کو ان احکام کو مجبوراً عمل پیرا ہونا پڑتا ہے۔ یہ تکوینی احکام ہیں۔ دوسری قسم کے احکام شرعی احکام کہلاتے ہیں۔ یہ احکام اللہ تعالیٰ انبیاء کے ذریعے انسان کو پہنچاتا ہے۔ ان پر عمل انسان اپنی خواہش اور اختیار سے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کئی مخلوق ہے۔ جو ان احکام کو احکام الہی سمجھ کر خوشی سے تسلیم کرتی ہے۔ اور بعض بد بخت ایسے بھی ہیں جو انہیں ماننے کے لیے تیار نہیں۔ تو فرمایا کھڑی ایسی ہستی جس کے تمام تکوینی اور شرعی احکام ماننے جائیں وہ صرف خدا کی ذات ہے۔ اور ماننے والے آسمان میں بھی ہیں۔ اور زمین میں بھی ہیں۔ آسمانی مخلوق میں فرشتے ہیں۔ یہ اللہ کی مطیع اور فرمانبردار مخلوق ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے آسمان میں چار بالشت بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ اپنے مالک کی عبادت میں مصروف نہ ہو۔ زمینی مخلوق میں انسانوں کے علاوہ شجر، جگر، چنڈ، پرند، نباتات، حیوانات سب اللہ کے تکوینی احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ یہ انسان تو زمین میں بہت سے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شرعی احکام قبول کرتے ہیں۔ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرتے ہیں فَکَیْسَیْلٌ حَقٌّ عَلَیْہِ الْعَذَابُ اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ثابت ہو چکی ہے۔ تکوینی احکام تو وہ بھی مجبوراً ماننے ہیں مگر شرعی

اختیار پر عمل کرنے کے سینہ تیار نہیں ہوتے ایسے لوگ اللہ کی گرفت سے بچ کر کہاں جائیں گے وہ تو فرماتا ہے وَالَّذِينَ هُمْ يُرْجَوْنَ انہیں بہر صورت اُس کا اللہ کی طرف ہی نوٹ کر جانا ہے۔ سب اُس کے سامنے پیش ہوں گے اور ہر ایک سے اُس کے عقیدے اور عمل کے متعلق باز پرس ہوگی۔ تو یاد رکھنا چاہیے کہ کافر، مشرک، یہودی اور عیسائی اگر اللہ کے پہنچے دین کو نہیں مانتے تو پھر کس دین کو نہیں لگے کیا کوئی ایسی ذات ہے جو اللہ کے علاوہ شیں کوئی سپا دین مہیا کرے۔ یہ کس دین کے متعلق ہے۔ وہین عطا کر دینے والی ذات تو فقط ذات واحد ہے۔ جس سپت دین کا تذکرہ ہوتا ہے وہ وہی دین ہے جسے تعلیم حضرت ابو عبد اللہ نے دی اور جس کی تعلیم حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ اور اس کو خلاصہ یہ ہے كُفِّرَتْ بِلِلّٰهِ عَنِ كُلِّ مَشْرِكٍ یا کہ ضعیفین ہاؤ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ چنانچہ اسی دین حنیف کی تشریح میں فرمایا كُلُّ ایسے غیر علیہ السلام سے کہہ دیجئے اَمَّا بِلِلّٰهِ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ جنی پٹے خدا تعالیٰ کی اسی کو واجب اور پستیم کہہ ہم نے اس کی توجیہ کرنا۔ اس کے کمال صفات کے ساتھ متصف ہونے کو مانا، اُس ذات کو نقص و عیب سے پاک کرنا۔ اس کو انہی اور اہل تسلیم کیا۔ ہم اس بات پر ایمان لائے کہ وہی ذات کے ہمارے مکمل ہے۔ وہی عظیم کل ہے۔ وہ خالق کل اور رب کل ہے۔ وہ ہر جگہ پر حاضر و ناظر ہے وہی حلول مشکلات ہے۔ وہی دفع ارجاء ہے۔ یہی ایمان باللہ ہے۔ یہی عقیدہ سبحان اللہ و بحمدہ میں سمجھنا چاہیے۔

ایمان باللہ کے بعد فرمایا وَمَا تَشْرِكْ اَلَيْكَ درہم اس چیز پر ایمان نہ جو ہماری طرف تیری گئی۔ ظاہر ہے کہ ہماری طرف اللہ تعالیٰ نے قرین پاک نازل فرمایا ہے۔ جس پر ہم ایمان لائے۔ اس کی تشریح میں فرمایا تَحْرٰ اَلَيْكَ ہیکلہ؟ چہرے کا بیان کرنا ہی ہم سے ذمہ ہے۔ نیز فرمایا کہ پیغمبر کا ایک کام یہ بھی بِنَا لِّلّٰہِ دُئْنَ دِلْسَاسٍ مَّا سُبِّلَ اَلَيْکَ جو تو کتاب اس پر

نازل کی جی سب لوگوں کے سامنے اس کی تشریح بیان کر دے۔ تاہم یہ تشریح بھی
مجانب اللہ ہوتی ہے۔ قرآن پاک وحی علی سبب اور جو تشریح پیغمبر کی زبان سے
ہوتی ہے۔ وہ وحی ثانی ہے مسلم شریف کی روایت میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے فرمایا کہ ایمان وہ چیز ہے حاجتِ عالم جو کچھ میں سے کہہ آیا ہوں۔ یعنی جو بھی
پیغمبر اللہ کی طرف سے نبی لایا ہے۔ اس پر ہم ایمان لائے ہیں۔

فرمایا وَمَا آتَيْنَاكَ إِلَّا عَلَىٰ رَأْيِ لَهْمِمْ اُس چیز پر بھی ایمان لائے
ابراہیم علیہ السلام پر اتاری گئی سب سے قرآن میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت
ابراہیم علیہ السلام پر بھیجے نازل فرمائے۔ جیسا کہ سورۃ اعلیٰ میں آتا ہے صُفِّیٰ اِبْرٰہِیْمَ
وَمُوسٰی اَللّٰہُ تَعَالٰی نے ان کو دین دیا، طریقت دی، احکام دیے اور تمام مخلوق کا امام
بنایا۔ فرمایا قَدْ اَسْمَعٰی لَیْ قَدْ اَسْمَعٰی وَیَحْفٰوٰی وَالْاَسْبَاحُ اَم اَس
چمپر یہ بھی ایمان لائے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام،
حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد پر اتاری گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے
دو بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ پہلے حضرت
حاجرؑ کے بطن سے اور دوسرے حضرت سارہؑ سے۔ دونوں اللہ کے نبی اور رسول
ہیں۔ اللہ نے ان کو مستقل شریعت دی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم
کے پوتے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ وہ بھی اللہ کے صاحبِ شریعت
نبی ہیں۔ اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کی اسباط یعنی اولاد ہے۔ اس میں سے
اللہ نے جس کو نبوت دی، ان پر وحی نازل فرمائی اور ان کو شریعت بھی دی۔

مفسرین کو لازم فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے اللہ نے
چار بزرگ نبی اور رسول بعوث فرمائے۔ یہ اتنا عظیم خاندان ہے، اساطیر سے ہی
انبیاء اور رسول مراد ہیں جن میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام بیٹے
عظیم پیغمبر بعوث ہوئے۔ حضرت الیاس علیہ السلام بھی آپ کی اولاد میں سے ہیں
ناجی بعض انبیاء کا ذکر قرآن میں موجود ہے، اکثر کا نام ذکر نہیں کیا گیا، ان تمام

انبیاء علیہم السلام پر جو چیز نازل کی گئی۔ اس پر ہمارا ایمان ہے۔

اس کے علاوہ وہ کتاب اَوَّلٰی مَوْسٰی وَعِصٰی جو چیز موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی اس پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تو رات جیسی عظیم کتاب نازل کی گئی۔ اس کے علاوہ کچھ صحیفے بھی ہیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ نے انجیل نازل فرمائی۔ جسے بگاڑ کر اہل کتاب نے ایک سو سیسٹس انجیل بنائیں۔ ان میں سے متی، لوقا، یوحنا اور مرقس تو بائبل میں موجود ہیں۔ جن کے مضامین ایک دوسری سے مختلف ہیں۔ پانچویں انجیل برناباس ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اپنی اصل حالت پر موجود نہیں رہی۔ تاہم ہمارا ایمان اس اصلی انجیل پر ہے۔ جو سریانی زبان میں نازل ہوئی۔

آخر میں مَسَرَّایَ وَالتَّابُوتِ و رُجُومِ خَلَامَہِ یہ ہے۔
 تمام انبیاء علیہم السلام پر ان کے رب کی طرف سے جو کچھ بھی نازل کیا ہے۔ اس پر ہمارا ایمان ہے۔ جیسا کہ ان کی صداقت کی یہی نشانی ہے۔ کہ وہ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی تمام کتاب کو مانتے ہیں۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ بِالْاِنْسَانِ جبکہ انہوں نے سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہوئے۔ مگر یہ پیرو و نصاریٰ اللہ کی سب سے عظیم اور آخری کتاب قرآن پاک کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ محرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی طرف سے بنا کر لائے ہیں (العیاذ باللہ) اس قدر متعصب لوگ ہیں۔ اور یہی ان کے کدرب کے دلیل ہے۔ یہ تو ایک دوسٹر کے بھی مخالف ہیں۔ مگر ہم تو تمام انبیاء کی رسالت پر یقین رکھتے ہیں یہی حقیقت ہے۔ اور یہی سچا دین اسلام ہے۔ ہر نبی دوسٹر نبی کی تصدیق کرتا ہے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ اور خدا کی بارگاہ میں آپ کی نصرت کا وعدہ کیا۔

یہ آیت قریب قریب انہی الفاظ کے ساتھ پہلے پائے میں بھی گزری ہے وہاں پر لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ بِالْاِنْسَانِ کی تشریح الفاظ کے معنی اختلاف کے ساتھ بیان

کی گئی ہے۔ وہاں پر عَلَيْكُمْ تَاكِ جُكْرًا لَيْسْنَا اور وَاللَّسِيَّوْنَ سے پہلے وَمَا
أَفْوَكُ کے الفاظ زیادہ ہیں۔ مقصد یہی ہے کہ جو کچھ اللہ نے پیغمبروں پر نازل
 کیا ہے وہ حق ہے اور ان سب پر ہمارا ایمان ہے۔ گویا۔ اس اصل ہدایت
 پر ہمارا مکمل ایمان ہے اگرچہ بعد میں آئے والوں نے اس میں تغیر و تبدل کر دیا
 تاہم اس کے لئے وہ خود ذمہ دار ہیں اور اللہ کے ہاں جواب دہ ہیں۔

ایمان
باللہ

اور آخر میں تمام انبیاء پر ایمان لاسنے کی وضاحت اس طرح فرمائی
لَقَدْ فَكَّرْتُ فِي سَبِيْنِ أَحَبِّ مَنَّهُمْ ہم انبیاء اور رسول میں کسی کے
 درمیان تفریق نہیں کرتے، تفریق کرنے کا معنی یہ ہے کہ یہودیوں کی طرح
 بعض انبیاء پر ایمان لائے اور بعض پر نہ لائے۔ اس قسم کی تفریق صرف کافر ہے
 کیونکہ تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے
 کر حضرت خاتم النبیین علیہ السلام تک جتنے بھی نبی اور رسول آئے ہیں۔ وہ سب
 اللہ کے کامل بندے اور برحق نبی ہیں۔ انہوں نے اپنے اپنے دلد میں مخلوق خدا
 کو حق کا پیغام پہنچایا۔ اللہ نے اپنے انبیاء کو کہا میں اور شرائع عطا فرمائیں۔ ان سب
 پر ہمارا ایمان ہے۔ مگر یہود و نصاریٰ اللہ کے تمام انبیاء پر ایمان نہیں رکھتے۔
 مثال کے طور پر دونوں گروہ حضرت خاتم المرسلین علیہ السلام پر ایمان نہیں رکھتے۔
 لہذا یہ تفریق بین المرسل کے مرتکب ہو کر کافر ٹھہرتے۔ اسی طرح یہودی مسیحی
 کو نہیں مانتے۔ بلکہ انہیں دجال کہتے ہیں اور ان کی تزیل و تحقیر کرتے ہیں۔ مگر ہم
 بحیثیت مسلمان کسی نبی کے درمیان تفریق نہیں کرتے وَلَمْ نَكُنْ لَكُم مَّشِيقُونَ
 ہم اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔ یہی اسلام ہے۔ یہی تعلیفیت ہے اور
 یہی مستوا براہمی ہے جسکی تعلیم سائے نبی جیسے آئے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے۔ يَا رُكُوعًا وَمَنْ يَكْبِتْ عَنَّا ذِيْنَ اِلٰهِنَا
 جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین تلاش کرے گا۔ اور یہ سمجھے گا کہ الہا
 کے وہ کامیابی حاصل کر سکتا ہے فَاَنْ يَّقْبَلَ وَنَدَّ اس۔

ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیوں کہ اللہ کے نزدیک سچا دین صرف اسلام ہے۔ لہذا وہی مقبول ہوگا۔ یہود و نصاریٰ نے یہودیت اور عیسائیت کی تبلیغ کے لیے بین الاقوامی طور پر بڑی بڑی سازشیں کی ہیں۔ باطنی قریب تک سلطنت برطانیہ بڑی وسیع سلطنت اور عظیم طاقت تھی۔ اس نے ساری دنیا کی ناکہ بندی کی ہوئی تھی۔ دو سو سال تک اس طاقت نے دنیا میں اور ہم چاہتے رکھا تھا۔ خصوصاً اہل اسلام کی تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ مخالفت کو اسی نے ختم کیا۔ یہ صغیر کی آزادی کے بعد افریقی ممالک یکے بعد دیگرے آزاد ہونا شروع ہوئے۔ تو وہاں کے لوگ دھڑا دھڑا مسلمان ہونے لگے۔ کہتے ہیں کہ ایک ایک مجلس میں سینکڑوں لوگ اسلام لاتے تھے۔ یہ چیز انگریزوں کو ہرگز گوارا نہ تھی۔ انہوں نے دہلی پر طرح طرح کے فتنے کھڑے کئے۔ احمد بیگ مسلمان مبلغ تھے ان کے علاوہ ناچھیرا کے صدر اور فزدار کو مراد آباد جب لوگوں نے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا۔ تو انہوں نے تحریف فی القرآن کو ایک کتاب کی تحریف قرآن پاک کے لئے بڑے خوبصورت ادا میں طبع کرا کے مفت تقسیم کیے مثال کے طور پر آیت نہ پر مطالعہ میں سے لفظ غیر کو حذف کر دیا اور باقی صرف وَمَنْ يَسْتَبِخِ الزَّيْلَامِ دینا رہ گیا جس کا معنی بالکل الٹ ہو گیا۔ جب یہ بات کوئل ناہر مرجوم کے فوش میں آئی تو اس نے اس کا سختی سے لوٹ لیا۔ اس نے ان اعمت کے لیے ایک خصوصی کمیٹی بنائی جس نے پوری محنت کے ساتھ بہت بڑی تعداد میں قرآن پاک طبع کر کے تقسیم کیے۔ اور ساتھ کر دیا کہ اس نسخے کے علاوہ کسی دوسرے نسخے کا اعتبار نہ کر دو۔ یہ نسخہ حال کے پاس بھی موجود ہے انہوں نے اشاعت اسلام کے لیے صورت الاسلام کے نام سے ایک مستقل ریڈیویشن بھی قائم کیا تاکہ قرآن پاک کی نشر و اشاعت ہوتی رہے۔ یہ تاہم کہ بہت بڑا کارنامہ ہے اگرچہ اس نے اپنے زمانے میں غلطیوں بھی کیں۔ بہر حال یہود و نصاریٰ کی سازش کا کامیاب جواب دیا گیا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا لَا تَسْتَعِجِزُوا لِي يَهُودَ وَنَصَارَىٰ وَلِيَ آتٍ يَهُودُ وَنَصَارَىٰ کو اپنا درست نرینا ڈر بہ عازمی لوگ ہیں، ہر وقت اسلام کو نقصان

پہنپانے کی فکر میں سہتے ہیں۔ لہذا اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کی تلاش نہ کرو۔ جو دنیا کرے گا، اس کا دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ یہ شخص آخرت میں نقصان میں پڑے گا۔ اسلام کے علاوہ کوئی دین بھی کامیابی کی طرف نہیں لے جائے گا۔ بلکہ اس کے متبعین سزا صرف دے گا۔ سو داکھیں گے۔

مسلمانوں کی
پہنچتی

یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی تو قابل فہم ہے، وہ تو دوسرے دین ہی تلاش کر رہے ہیں۔ مگر بدقسمتی یہ ہے کہ آج کا مسلمان بھی اپنے دین پر اعتماد نہیں کرتا۔ آج کے مسلمان بھی یہی سمجھتے ہیں کہ جب تک غیر اقوام کی شاگردی اختیار نہیں کریں گے، ترقی نصیب نہیں ہوگی۔ مگر یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جب مسلمان اپنے دین پر یقین کر لیں گے، تو ہر مروج کی بلندوں پر تھے۔ کوئی قوم ان کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ مگر اب خود مسلمان انگریزوں سے مرعوب ہیں۔ ان کی تہذیب اختیار کر رہے ہیں۔ انہی کے ہوجو لعب میں مشغول ہیں اور اسی میں اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ پیر و ان اسلام کے سوا کسی کو فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔ آخرت میں تو نعمت نقصان اٹھانے والوں میں ہوں گے۔

اسلامی
قانون

تہذیب و تمدن کے علاوہ آج کا مسلمان اسلامی قوانین سے بھی مطمئن نہیں رہتا۔ آنا۔ اسی لیے وہ غیر اسلامی قوانین کی طرف دیکھ رہا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اسلام ایک فرسودہ دین بن چکا ہے۔ لہذا وہ اقتصادی نظام کے لیے روس، امریکا اور فرانس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ حالانکہ ان کے پاس تعزیرات کا کوئی قانون موجود نہیں، ان کے تمام قوانین بناوٹی ہیں۔ برخلاف اس کے کہ اسلام کے پاس اپنے قوانین موجود ہیں۔ صحابہ کرامؓ کا دستور العمل مشعل راہ ہے۔ مگر اب قوانین اس مجلس شوریٰ سے بنائے جاتے ہیں جس میں مندر اور عیسائی بھی شامل ہیں۔ کیا اسلام کا قانون یہ لوگ بنائیں گے؟ مجلس شوریٰ کے لیے تو خصوصی اہمیت مقرر ہونی چاہیے تھی۔ جس سے پتہ چلے کہ واقعی یہ لوگ اسلامی قانون سازی کے قابل ہیں۔ حضرت علیؓ

کی شہرانی کے ممبر وہ لوگ جو تھے۔ جو قرآن پاک کو زیادہ جاننے لگے ہوئے۔
 آج بھی اسلامی شہرانی میں جاننے کے اہل وہ لوگ ہیں۔ جو قرآن و سنت اور تعامل
 صحابہؓ کے عالم ہوں۔ جب تک اہل لوگ اکٹھے نہیں ہوں گے، اسلامی قانون کی
 تدوین نہیں ہو سکتی۔ جب فاسق، فاجر، ہندو، مرزائی، رافضی وغیرہ ممبران شہرانی ہوں
 گے۔ تو اسلامی قانون کیسے بن سکتا ہے؟ وہ تو اپنی اغراض پر مبنی کریں گے۔ یہ سب
 عقائدِ کفریہ و بدعتی وائی ہارت ہے۔ اگر فلاح کی ضرورت ہے تو اسلامی قوانین
 کو من و عن جاری کرنا ہو گا۔ اگر کچھ غیر اقوام کا اپنا ہے، اقتصادیات و سیاست
 ان سے یہی ہے، مطلقاً ان سے اخذ کرنا ہے۔ تو پھر مسلمانوں کا اللہ ہی حافظ
 ہے۔ آؤ! آج بھی راہِ راست پر آ جاؤ۔ اور دینِ اسلام کو سیدھے لگاؤ۔ تو
 کامیابی و کامرانی نصیب ہو جائیگی۔

تِلْكَ الرُّسُلُ

الْاِمْرَانِ ۳

درس سی ۳۰

آیت ۸۶ تا ۹۱

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ
وَشَهِدُوا أَنَّ الرُّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۷﴾ أُولَٰئِكَ
جَزَاءُهُمْ أَنَّهُمْ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۸۸﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ
السَّابُّ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۸۹﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا
مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۹۰﴾
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ أَزَادُوا

كُفْرًا لَّنْ تَقْبَلَ تَوْبَتَهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿۹۱﴾
لََّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا فَلَن يَاقْبَلَ
مِنْ أَحَدٍ مِّمَّنْ أَلَّارِضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَى
بِهِمُ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ
مِّنْ نَّاصِرِينَ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: اور جس طرح راہنمائی کے اس قوم کو جنہوں نے کفر کیا ایمان کے پیچھے۔

اور انہوں نے گواہی دی کہ بیشک رسولِ برحق ہے۔ اور ان کے پاس کھنڈیاں

آئیں اور اللہ نہیں روکھاتا اس قوم کو جو ظلم کرنے والی ہو ﴿۸۷﴾ یہی لوگ ہیں جن کا بدلہ

یہ ہے کہ بیشک ان پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی ﴿۸۸﴾

اُس میں بیعتہ رہیں گے اور اُن سے عذاب ہلکا نہ کیا جائیگا اور نہ اُن کو مصلحت دی جائے گی (۸۸) اِس آیت کو لوگ جنہوں نے اِس کے بعد توبہ کی اور اچھے کام کیے تو اللہ تعالیٰ بخششِ کمالات والا اور مہربان ہے (۸۹) جن تک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے ایمان لانے کے بعد اور پھر وہ کفر میں پڑے ہیں اُن کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور یہی لوگ گمراہ ہیں (۹۰) بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اِس حالت میں مر گئے کہ وہ کفر کرتے ہوئے ہی ہیں اُن میں سے کسی ایک سے ہرگز قبول نہیں کی جائے گی سونے سے بھری ہوئی زمین، خمد چرود اس کا فائدہ ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے اور اُن کے لیے کوئی بھی مددگار نہ ہوگا (۹۱)

رابطہ ایات

گدشتہ درس میں اللہ تعالیٰ اپنے جلیقہ نیست کی تشریح بیان فرمائی تھی۔ اور اسلام کی حقانیت کا تذکرہ کیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ اللہ کے دین اسلام کے سوا کوئی دین قابل قبول نہیں ہے۔ ہر کوئی اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کا طالب ہوگا، اس سے وہ چیز قبول نہیں کی جائے گی اور ایسے شخص پر گنہ گامیاب نہیں ہوگا۔ خاص طور پر آخرت میں تو وہ ہمہ کما حق ہو کر سرفراز ہوں گے۔ ان کے گناہ سب آج کے دوس میں سلام کے بعد کفر کرنے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ اور واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دے گا۔ اور نہ ہی اللہ کی توبہ قبول کی جائیگی وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں اس شعر کے الفاظ آتے ہیں کہ قیامت کے دن منکشف ٹیکیاں اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گی، مثلاً نماز کا ہو کر جس کو جتنی پروردگار! میں نماز ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اُمّت غفلہ خبیثہ تم بہترین پر ہو۔ یعنی تم بارگاہ! چھپاؤ کار پھر حدیث آئے ہو اور عرض کرتے ہو کہ یہ! میں حدیث ہوں۔ اللہ علی شانہ فرمائیں گے۔ تم بارگاہ! چھپاؤ کار پھر حدیث بہترین پر ہو۔ جس شخص نے دنیا میں حدیث یاد کر لیا، جسے یقین اس کا تھا

آخری
اسلوب ہے

بدلے گا۔ اس کے بعد روزہ آنے گا۔ اور عرض کرے گا۔ اَنَا عَسْتُ مِلَّةَ اللّٰهِ
 میں روزہ ہوں۔ اللہ فرمائے گا۔ تم بھی بہتری پہ ہو۔ پھر اسلام آئے گا اور عرض کرے گا۔
 اے پروردگار! اَنْتَ الْاِسْلَامُ وَاَنَا الْاِسْلَامُ تو اسلام یعنی سلامتی و نایا سلامتی میں
 والا ہے (یہ اللہ تعالیٰ کا اسم پاک ہے) اور میں اسلام ہوں یعنی مجھ پر نبرہ درمی ہوں
 میں اطاعت ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ہاں ٹھیک ہے۔ بِكَ عَطِیْتُ وَبِكَ اُحْذَرُ
 آج میں تیری وجہ سے ہی دوں گا اور تیری وجہ سے موانعہ کر دوں گا۔ آج سارا
 دار و مدار اس بات پر ہے کہ جس نے اسلام قبول کیا ہے، اس کو اچھا بدلہ ملیگا۔ اور
 جس نے اسلام سے روگردانی کی، اس کا مواخذہ ہوگا۔ کہ تم نے اسلام کی کیوں تردید کیا
 رہی آیات کی شان نزول میں مختلف روایات آتی ہیں حضرت عبداللہ بن
 عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انصار مدینہ میں سے کوئی شخص اسلام قبول کرنے
 کے بعد پھر گیا۔ مگر بعد میں اس پر نادم ہوا، ہم بعض شخص ایسے بھی تھے جو اسلام کو
 ترک کر کے بعد گھر پر آئے تھے، مثلاً ان کے بیشک منافق کا ذکر آتا ہے
 جو مرتد ہو کر مشرکین کے ساتھ جا ملا۔ یہ شخص اسلام اور اہل اسلام کی سخت مخالفت کرتا رہا
 اسی طرح ابن خطل کے متعلق آتا ہے کہ اسلام لانے کے بعد اس کو حضور علیہ السلام
 نے صداقت کی وصولی کے لیے کسی جگہ بھیجا۔ راستے میں خدمت کے لیے ایک
 خادم بھی بھرا بھیجا۔ دوران سفر اس خادم نے کھانا تیار کرنے میں دیر کر دی تو اس
 ظالم نے اس کو قتل کر دیا۔ ظاہر ہے کہ قتل ناحق کے جرم میں اس کے خلاف مقدمہ
 قائم ہوتا، پھر اگر وہ قصاص میں قتل کیا جاتا یا دیت پر فیصلہ ہو جاتا اور آخرت کی
 سزا سے بچ جاتا مگر اس نے دنیا کی سزا قبول کرنے کی بجائے اسلام کو ترک کر دیا اور
 مرتد ہو کر کفار کے ساتھ جا ملا۔ وہاں پر اس نے عشر و عشرت کی زندگی گزارنا شروع کر
 دی۔ اس کے پاس لڑکیاں تھیں۔ رقص و سرود کی محفلیں گرم ہوتیں جن میں اسلام
 کی توہین اور اللہ کے رسول کی شان میں گستاخی کی جاتی۔ حضور علیہ السلام نے ابن خطل
 سمیت چار آدمیوں کے متعلق حکم دیا کہ قتل کر دیں جہاں بھی ملیں قتل کر دیں جائیں۔

شان نزول

سلسلہ میں جنصور علیہ السلام اس مزار قدسیوں کی جماعت کے سامنے پیش ہو کر
 کے لیے تشریف لائے۔ تو بہن قتل نے بیت اللہ شریف کے پرچے پیرا کر اہل
 چاہی جنصور علیہ السلام کو خبر دی تو اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا چنانچہ اس پر بدعت کہ
 مقام برائیم اور حجر اسود کے درمیان قتل کر دیا گیا غرضیکہ یہ ان لوگوں میں سے تھا
 جو مرتد ہونے کے بعد کفر میں اور زیادہ بڑھ گئے۔ ان آیات میں ایسے ہی لوگوں کا
 تذکرہ فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ مدینہ حبشہ کے اطراف میں بہتے حوض دس یہودی اسلام میں داخل ہوئے مگر بعد میں مرتد ہو گئے یہ آیات اُن کے متعلق نازل ہوئیں۔ یہودیوں کی سازش کا تذکرہ، اسی سورۃ میں آچکا ہے۔ کہ وہ آپس میں مشغوبہ بناتے تھے۔ کہ دین کے پہلے حصے میں مسلمان ہو جاؤ۔ اور پھر آخری حصے میں اسلام کو ترک کر دو۔ اس طرح وہ لوگ بھی اسلام سے بدظن ہو جائیں گے جو اسلام لائے ہیں۔ دوسری طرف یہود کا تعصب بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ حضور بنی ہاشم بن علی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہ لوگ آخری نبی کے منتظر تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہم بنی ہاشم کے ساتھ دیں گے اور اس کے ساتھ مل کر کفار و مشرکین کا مقابلہ کریں گے اور اُن پر غلبہ حاصل کریں گے۔ سورۃ بقرہ میں گزرا چکا ہے تو کائنات میں قَبْلُ يَسْتَفِئِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ابْنِ آخِرِ الزَّمَانِ کے آنے سے پہلے کافروں کے مقابلے میں فتح کی دعائیں کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! اپنے آخری نبی کو مبعوث فرما کہ ہم اُس کے ساتھ مل کر کافروں پر فتح حاصل کریں۔ بقرہ اللہ نے فرمایا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا حَقَرُوْا بِآيَاتِهِ فَلَقْنَاهُ ۗ عَلَى الْكَافِرِينَ جب وہ بنی ہاشم آگیا، اور ان پر ہتھوں نے اُسے پہچان بھی لیا۔ تو انکار کر دیا۔ پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہو۔

نبی آخر الزمان علیہ السلام کی بعثت کے متعلق سابقہ کتب میں پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ بائبل میں اعمارِ رسل کے باب میں یہ آیت موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

بہشتِ رسولی
کی پہلی گھڑیاں

بنی اسرائیل کے باپ دُوروں سے کہا: خداوند جو تمہارا خدا ہے، وہ تمہارے بھائیوں
 میں تمہارے لیے ایک بنی میری مانند اٹھ لیگا۔ جو کچھ وہ تمہیں کہے، تم سب اس کو
 سنو۔ یہ آیت شیخ الاسلام نے تاشیر میں نقل کی ہے۔ حضور علیہ السلام کے
 متعلق عیسیٰ علیہ السلام نے تو نہایت تاکید کے ساتھ کہا تھا کہ وہ مسیح بعد از نوح ہے
 مگر جب وہ آگیا، اور انہوں نے پہچان بھی لیا تو صاف انکار کر گئے۔ اس کی وجہ
 یہ ہے کہ یہود سمجھتے تھے کہ آسمانی ہدایت صرف ان کے لیے مخصوص ہے
 قرآن پاک میں موجود ہے۔ قَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ هَكَانَ
هَهُودًا وَنَصْرًا وہ کہتے تھے کہ یہودیوں اور نصاریوں کے علاوہ دوسرے
 کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ وہ اس زعم میں مبتلا تھے کہ دنیا و آخرت
 کی تمام بھلائیاں انہی کے لیے مخصوص ہیں۔ مگر جب وہ بنی آخر زمان تشریف
 لے آئے اور اعلان فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ ارْجِعُوا دَعْوَا اللّٰهَ اِلَيْكُمْ
جَمِيعًا اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، تو اب اپنی کتب
 خدا اور حسد میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے خدا اور کفر کا اظہار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے متعلق انہوں نے کہا: اِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ انہوں نے کہا: اِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ انہوں نے کہا: اِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ
 خطا عطا کر دیا، اس طرح یہ لوگ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار میں آگے
 ہی بڑھتے چلے گئے۔

ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا: كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ
قَوْمًا اَللّٰهُ تَعَالٰی اِیْسٰی قَوْمٌ كَرِهَیْہُمْ۔ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا اَللّٰهُ تَعَالٰی اِیْسٰی قَوْمٌ كَرِهَیْہُمْ
 جنہوں نے اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کیا و شہدوا ان لا اله الا اللہ اور کہیں
 بھی دی کہ بیشک خدا کا رسول برحق ہے۔ وَجَاءَهُمْ الْبَيِّنَاتُ اور ان کے
 پاس واضح اور کھلی نشانیاں بھی آگئیں۔ يَا دَاوُدُ اِذَا رَجَعْتَ اِلٰی قَوْمِكَ
 کرتی ہے گی۔ وَاللّٰهُ زَكِيٌّ يَهْدِي الْقَوْمَ الطَّائِفِينَ اللہ ایسی قوم کو ہدایت
 نصیب نہیں کریں گے۔ زیادہ راست کے لیے تو شرط ہے کہ ان اپنی غلطی اعلم

نکاح پرست
 محرم ہیں

کو ترک کر دے اور غوصِ دل سے ہدایت کا طلب ہو، تو اللہ تعالیٰ اُن کے لیے ہدایت راستہ موصول دیکھا۔ مگر یہ لوگ تو چہیت اور ہکر دار ہیں۔ اَوَّلَکَ جَزَاءُ هُمْ اَنْ عَذِّبَهُمُ اللّٰهُ اَنْ کَاہِلَہُ تَرۡہِہُ۔ کہ اُن پر خدا کی پھٹکار ہے اور عنت ہے۔ لعنت کا معنی خدا کی رحمت سے دوری ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ اور پھر یہ کہ وَ اَمَلَّکَ اللّٰہُ کَے فرستے بھی اُن پر عنت اور پھٹکار کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ رسول کی آمد سے پہلے اُن کو مانتے تھے۔ مگر جب وہ آگئے تو انہوں نے خدا اور عباد کی وجہ سے اُن کا انکار کر دیا۔ اور جن لوگوں کا غمناک کفر یہ ہوتا ہے فَ نَسَّ اَجْمَعِیۡنَ اُن پر ساری مخلوق بھی لعنت بھیجتی ہے۔ اور اس لعنت کا ثمرہ یہ ہوگا خَلِدَیۡنَ رِیقَہَا وہ اس لعنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گرفتار رہیں گے۔ لَا یُحَقِّقُ عَنْہُمُ لُحَدَّثٌ نہ اُن کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ وَلَا هُمْ یُنصَرَفُ۔ اور نہ انہیں ملت لیگی۔ اُن کو اپنی اصلاح کرنے سے اللہ تعالیٰ کو ملنے کا کوئی موقع نہیں دیا جائے گا۔

قبولیت ہے

فَرَمَاۤ اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا مِنْۢ کُفْرٍ وَّ ذَلٰلٍۭتٍ اِس کے بعد بھی اگر کوئی توبہ کرے گا تو بابِ التَّوْبَةِ مفتوح اس کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے مطلب یہ کہ مرتد ہونے کے بعد بھی اگر کوئی اپنے دل سے توبہ کرے گا تو وہ قبول ہو سکتی ہے۔ جب تک سورج مشرق کی بجائے مغرب کی طرف سے طلعت نہیں ہوتا، توبہ قبول ہوگی۔ انسان جو کہ کتنا بھی گنہگار ہو۔ پھر یہ ہے کہ توبہ کرنے کے ساتھ ساتھ وَ صَبَحَ یَسۡتَیۡقِیۡ اَصۡلَاحَہِیۡ بھی کر لیں اور نیک اعمال انجام دیں۔ سورۃ النہج میں فرماتے ہیں کہ اَصۡلَاحُہِیۡں یہ بات بھی شامل ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو لوہا کیا جائے۔ اگر اللہ کے حقوق یعنی فرائض، منجملہ نماز، روزہ وغیرہ قضا ہوا ہے۔ تو اس کو ادا کیا جائے اور اگر بندوں کے حقوق ضائع ہوئے ہیں تو پہلے انہیں ادا کیا جائے یا بندوں سے عافیت کر لیا جائے۔ اس کے بغیر توبہ قبول

تیں ہوتی۔ اور پھر یہ بھی ضروری ہے جو غلطی ہوئی ہے اس کا اعادہ نہ کیا جائے۔ اور
ان سرسبز پہ پورا اثر تو تو یہ قبول ہوئی۔ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ جس کے پاس شکستہ سوال
نہیں تھا۔ اور امر ان سے ہے۔ اس کی تہمت بند ہی وسیع ہے۔ جب اس کی تہمت حسن
نہیں آتی ہے۔ تو پہلے دل سے اس سب کی سابقہ برائیاں نیکوئیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔

مردم قریب
توبہ

فَرَادَى الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ جَنَّاتٍ مِنْ جَنَّاتٍ
وَسَعَىٰ كَعْبٌ بِهَا۔ تَعْرِفُ رُذُلًا ذُو كَعْبٍ۔ پھر وہ غریب بڑھتے چلے گئے
لَنْ تَقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ۔ ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہے
کہ نہیں توبہ کی توفیق ہی نصیب نہیں ہوئی۔ ورنہ توبہ کا عالم حصول یہ ہے۔ کہ
جب تک انسان کے ہوش و حواس قائم ہیں اور اس پر غفلت کی حالت طاری
نہیں ہوتی۔ اس کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ اِنْ تَدْنِ يَكْمُلُونَ رَحْمَتًا
بِئْسَ مَا يَكْمُلُونَ۔ اگر آپ کر سکتے ہوتے ہیں۔ جتنی کہ موت نظر آجانی ہے۔ ان کی
توبہ قبول نہیں ہوئی۔ جب موت کے فرشتے نظر آئے ہیں۔ غیب کا پردہ اٹھ
پائے تو پھر توبہ کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے۔ توبہ کی عدم قبولیت کو بتاتی ہے۔
فَرَادَىٰ تَوْبَتُهُمْ اَلَمْ يَكْمُلُوا۔ یہی لوگ گمراہ ہیں۔ انہیں توبہ ہی توفیق ہی
نصیب نہیں ہوئی۔

فردہ کما
نہاے

فَرَادَى الَّذِينَ كَفَرُوا قَوْمًا تَوَّابًا۔
جن لوگوں نے انکار کیا اور پھر توبہ کی حالت میں ہی ان کی موت واقع ہوئی تو پھر انکی
نہاے ہوگی۔ فَلَنْ يَقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مَسْأَلَةً تَرْغِبُ فِيهَا
وَلَوْ اِفْتَدَىٰ بِهَا۔ کہ ان میں سے اگر کوئی شخص موت سے بھری ہوئی زمین
یعنی فردہ میں دینا چاہے گا۔ تو اس سے قبول نہیں کی جائے گی۔ اقول توبہ راستہ
سیاہی ہی محال ہے۔ کہ قیامت کے دن کسی شخص کی کمیست میں زمین بہر ہونا ہو
اور وہ اسے اپنی جان کی ٹوٹاس کے لیے دینا چاہے۔ تاہم اگر دیا ہو بھی جائے۔
تو اللہ تعالیٰ فرمائے ہیں کہ اُس کو کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

حریف شریف میں آتا ہے۔ قیامت کے روز ایک شیعہ شخص کو اس کی بڑگاہ میں پیش کیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ تمہارا ٹھکانا کیا ہے۔ عرض کریں گا۔ مولانا محمد حسین! بہت ہی بہترین ٹھکانا ہے۔

-- اللہ فرمائے گا۔ کوئی اور خواہش ہے تو بتاؤ۔ وہ عرض کرے گا۔ اے اللہ! مجھے دوبارہ دنیا میں جانے کی اجازت دی جائے تاکہ میں پھر تیرے راستے میں لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں۔ اللہ فرمائے گا۔ اس بات کی اجازت نہیں۔ پھر ایک کا فر کو لایا جائے گا۔ اُس سے بھی وہی سوال ہوگا کہ تمہارا ٹھکانا کیا ہے۔ عرض کرے گا۔ شیطان کا۔ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ اللہ فرمائے گا۔ اگر ساری زمین تیرے سے بھری جوئی تیرے قبیلے میں ہو تو کیا تو اپنی جان کا فدیہ تیرے کے لیے تیار ہو کر عرض کر دے گا۔ پروردگار میں بالکل تیار ہوں، اللہ فرمائیگا، تو جیو! اب میں نے تم سے ایک معمولی سامان طلب کیا تھا کہ مجھے وہ دروازہ شریک مان لو، اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کر دو، یہ کوئی ہی مشکل بات تھی۔ مگر تم نے نہ مانا اور نہ کھرا کا راستہ اختیار کیا۔ آج زمین بھر مونا خدیو دنیا چاہتے ہو مگر مجھے بھی قبریں نہیں ہوگا۔ فرمایا اُو سَیِّئَاتُ لَکُمْ عَذَابٌ اَلِیْسُ فَرِیْسُ اِیْسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے عذاب کے تمام ذمہ داریں دے پئے اندر جمع کر رکھے ہیں۔ نہیں نہایت ہی دکھ دینے والا عذاب پہنچا ہے گا۔ وَمَا لَکُمْ حِیثُ تَصْرِیْحُ اُن کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ دنیا میں تو انسان لاکھوں جیلے ہمارے اختیار کر دیتا ہے۔ کہیں افرامی قوت میسر آجاتی ہے۔ کہیں رشوت و سفارش کام کر دیتی ہے۔ مگر قیامت کے دن اس قسم کا کوئی حیلہ کارگر نہ ہوگا۔ کفر کرنے والے سپاہ میں جو جاؤں گے۔ اور آدمی سزا کے مستحق بھریں گے۔

لَنْ تَنَالُوا

الاعوان ۳

درس ہی دیگا ۳

آیت ۹۲

وَمَا تَنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۹۲﴾

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ
وَمَا تَنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: یہ ہرگز حاصل نہ کر سکو گے یہی بیان کہ تم ترجیح کر دو اس چیز میں سے جس سے تم پسند کر سکتے ہو۔ اور جو چیز کو بھی تم خرچ کر دو گے۔ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا والا ہے ﴿۹۲﴾

تفسیر

سورۃ آل عمران کے ابتدائی حصے میں زیادہ تر تساری کی تردید کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے غلط عقائد کو تفسیر فرمایا ہے۔ اور انہیں مسلمانوں کی دعوت دینی ہے۔ ہمارے اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے یہودیوں کا ذکر بھی آگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی بھی غزبیاں بیان کی ہیں، اور ان کے غلط عقائد کی تردید کی ہے اللہ تعالیٰ نے قتلت ابراہیم کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ دین اسلام کے برحق ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ دین اسلام کی پیروی اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ نیز وضع فرمایا ہے کہ اسلام کے سوا اللہ تعالیٰ کسی چیز کو قبول نہیں کرے گا۔ اور اسلام کے علاوہ کسی دین پر ایمان نہیں دے سکتے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہدایت اختیار کرنے کے بعد دوبارہ تمہارا حکم دیا ہے کہ اس سے پہلے نکلنے والوں کا رد فرمایا ہے۔ اور ان کی منکر کا تذکرہ کیا ہے اس سے پہلے بیان کیا تھا کہ جو لوگ کفر کی حالت میں رہے اور اللہ وہ زمین بھر سوتا بھی غیب کے طور پر قیامت کو دینا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ کہ فراموشی ہو جائے۔ مگر ہم نہیں۔ جس کی طرف سے دنیا میں فرستے گئے کسی کو ہم نہ مانیں۔

تقریباً

ایمان پر ہے

آج کی آیت میں اہل ایمان سے خطاب ہے۔ نہیں یاد دہانی کرانی جا رہی ہے کہ کافر کو کتنی بھی مال خرچ کریں۔ شرعاً قبولیت حاصل نہیں کر سکتے

البتہ، اہل ایمان مقرر ہی یہی چیز بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا تو اگر خلیفہ کا مستحق نہ ہو گا۔
مقتصد یہ کہ قبولیت کا مدار اسلام اور ایمان پر ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آتا ہے
اَخْلَصَ دِينُكَ يَكْفِيكَ قَلِيلًا مِّنْ لَّعَمَلٍ لَّيْسَ فِيهِ اَخْلَاصٌ بِمَا كَرِهَ
مَقُولٌ اَعْلَمُ بِمَنْ تَهْتَكُ عَلَيْهِ كَفَايَتُكَ كَمَا - اخلاص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے
مخالفہ کی اصلاح فراہم داری اور نیت کی درستگی سے پیدا ہوتا ہے۔ لہذا جب اللہ کی
راہ میں خرچ کرنا چاہو تو اپنی محبوب اور پسندیدہ چیز خرچ کرو تا کہ تمہیں اعلیٰ درجے
کی نیکی حاصل ہو جائے۔

نوٹ اور ترجمہ کی اصطلاحیں قرآن و سنت میں کثرت سے استعمال ہوتی ہیں۔ مگر
پر سے مراد جنت بھی ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اعلیٰ درجے کی نیکی ہی کے ذریعے
کوئی شخص جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔ یا مصلحتاً برائے مزاحمتی ہے جس کی دلیلی
کے بعد انسان کو اچھا بد مل سکتا ہے۔ مگر جب تک وہ اپنی محبوب چیز کو خرچ
نہیں کرے گا۔ اعلیٰ درجے کا معیار حاصل نہیں ہو سکتا۔ ان معانی میں پہلی آیتوں کے
ساتھ ربط بھی پیدا ہو جائے گا۔ اس میں کتاب اس سے ایمان نہیں لاتے کہ انہیں اپنی
محبوب چیز دھار ہٹ کر قربان کرنا پڑتا ہے۔ بخران کے نصاریٰ نے یہی تو کہا تھا
کہ اگر ہم ایمان قبول کر لیں تو ان کی جاگیر اور استراذ حتم ہو جائے گا۔ مقتصد یہ کہ
اگر اعلیٰ درجے کی نیکی چاہتے ہو تو ان سب چیزوں کو قربان کرنا پڑے گا۔ محبوب
چیز غزوہ مال و دولت ہو یا جاہ و حشمت ان قربانی دینا پڑے گی۔ مگر اہل کتاب
اس کے لیے تیار نہ تھے۔

بکہ اللہ تعالیٰ کا اسم پاک بھی ہے اَلْبَرُّ اَلْاِحْسَانُ بہت احسان دینے
واللہ تعالیٰ ہی ہے۔ بار نیچو کار آدمی کو کہتے ہیں۔ اور سن کی جمع ابرار کہتے۔
اللہ تعالیٰ نے ابرار یعنی نیچو کار بندوں کی تعریف فرمائی ہے۔ حدیث شریف
میں آتا ہے کسی نے حنفیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا۔ حضرت!
یہ کس کو کہتے ہیں قرآن اَلْبَرُّ مَا طَعَمَ سَرَّ لَيْسَ اَلنَّفْسُ یعنی پردہ ہے جس

سے نفس کو اطمینان حاصل ہو۔ اور اٹم دہ ہے۔ مَا كَانَ فِيْهِ الْمَثْدُوْرُ
كَرِهَتْ اَنْ يَّطْلَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ جِسْمٌ مِنْ كَثْمِكَ بِهٖ اَمْرٌ۔ اور تم
بہ پسند نہ کرو کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔ ایسی چیز کو ترک کرنا چاہیئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ ہر ایسا کام ہے جو اللہ تعالیٰ کی
اطاعت اور فرمانبرداری اور اس کی طرف سے الامام پاکر اس کی مراد میں قائم ہو کر
کیا جائے۔ نیز ہر ایسا کام پر مگر تعریف میں آتا ہے جس کی وجہ سے ارتقاات میں
اصلاح پیدا ہوتی ہے۔ رد و مرد و زندگی میں اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ عبادت
سبقتے ہیں۔ اور ایسے اعمال کی بدولت دنیا اور آخرت میں اچھا نتیجہ ملتا ہے۔ بدولت
اس کے اٹم ایسا فعل ہے۔ جو شیطان کی اطاعت کے جذبے سے انجام دینا
جاتا ہے اس سے ارتقاات میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اور دنیا کے طعہ طریقوں میں
فساد برپا ہوتا ہے۔ ایسا فعل انسان میں عبادت پیدا کرتا ہے۔ اور نافرمانی کے
جذبے کو ابھارتا ہے۔ یہ اٹم ہے۔ اور اس کا نتیجہ دنیا و آخرت ہر دو مقامات پر
بڑا ہی مرتب ہوتا ہے۔

نیکی کی مثالیں

ارشاد ربانی ہے۔ اَنْ تَتَّالُوْا لِيَّ حَتّٰى تَنْفِقُوْا مِنْ مَّا
تَحِبُّوْنَ اَمَّا مَن مَّا يَكُنْ لَهُ رِجْوٰى مِّنَ الْمَالِ فَلْيَرْجُ الْخَرْجَ مِمَّا رَزَقْنَاهُ
وَلْيَسَّرْ لَهَا مِثْلَ الْبُلْبُلِ الَّذِي يَنْفِقُ مِمَّا رَزَقْنَاهُ وَاَنْ يَّسَّرَ لَهَا
مِثْلَ الْبُلْبُلِ الَّذِي يَنْفِقُ مِمَّا رَزَقْنَاهُ۔ جب حضرت ابو طلحہ نے
یہ آیت سنی تو حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضور
میرے باغات میں سے۔ میرا سبک بہت محبوب ہے میں اسے اللہ
کی راہ میں دینا چاہتا ہوں۔ آپ اس کو مناسب جگہ پر صرف فرمائیں۔ فرمایا۔
نہیں یہ مال بڑا فائدہ دینے والا ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ اسے اپنے غریب
رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ چنانچہ ابو طلحہ نے وہ باغ اپنے تین چار اقرباء میں تقسیم
کر دیے اس میں میٹھا پانی بھی تھا۔ حضور علیہ السلام کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے

جاتے اور اس کے انہیں کا پانی نوش فرماتے۔ حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ جو زمین مجھے خیمبر میں ملی ہے وہ مجھے اپنا مال میں سے زیادہ زیادہ میاں ہے میں چاہتا ہوں کہ اسے اللہ کی راہ میں دے دوں۔ آپؐ نے فرمایا اسے وقف کرو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

حضور علیہ السلام کے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میرے پاس بڑی اچھی چال والا ایک گھوڑا ہے اور وہ مجھے بڑا محبوب ہے، میں نے اللہ کی راہ میں دنیا چاہتا ہوں سرور کائنات نے فرمایا: بہت اچھی بات ہے مگر وہ عرض کیا: حضور! جسے آپؐ مناسب سمجھیں دے دیں۔ آپؐ نے وہ گھوڑا زیدؓ ہی کے بیٹے حضرت اسامہؓ کو دے دیا تاکہ وہ اسے ہمارے استعمال کر سکیں۔ اس پر زیدؓ کو کچھ تردد ہوا کہ میں تو اللہ کی راہ میں دنیا چاہتا تھا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اپنے بیٹے کو ہی عنایت کر دیا۔ حضور علیہ السلام کو پتہ چلا، تو فرمایا: تم وہ خدمت کرو۔ جب تم نے اللہ کی راہ میں دے دیا تو اللہ نے اسے قبول کر لیا۔ تمہارا بیٹا اس کا مستحق تھا، لہذا تمہارے صدقے میں کوئی کمی نہیں آئی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک بڑی اچھی روٹی بوڑھی تھی جو آپؐ کو بڑی عزیز تھی۔ آپؐ اس کو اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا۔ خود فرمایا کرتے تھے: کہ اگر میں اپنی بی بی کو بی بیوں میں سے واپس لینا چاہتا تو یقیناً اس سے نکاح کرتا۔ مگر میں اس کو فی سبیل اللہ آزاد کر چکا ہوں۔ پھر آپؐ نے مشورہ کر کے اپنے شاگردانے سے اس کو لڑھی کا نکاح کر دیا۔ یہ تصدیق کہ اپنی محبوب چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بلاشبہ اعلیٰ درجے کی نیکی ہے۔

پچھلی سورۃ میں گزرتا ہے کہ: اللہ کی راہ میں اچھی چیز خرچ کرنے کی چاہیئے نہ کہ برائی چیز جب تم ٹھونکیں چیز پسند نہیں کرتے تو ایسی چیز اللہ کی راہ میں کیے جیتے ہو۔ حکم آمیز ہے۔ اَلْفَقُّوْا مِنْ حَبِیْبَتِ مَا كَسَبْتُمْ

فَعَمَّا أَحَسَّ جَنَّا لَكُم مِّنَ الْآثَرِ مِنْ بَيْنِ أَيْمَانِنَا إِلَى بَيْنِ أَيْمَانِنَا مِمَّا يَسْتَعِينُ بِهِ
 اور پاکیزہ سے پاکیزہ چیز خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ کسی نے حضور علیہ السلام سے دریافت
 کیا: حضور! کونسا عظام آؤ کرنا زیادہ بہتر ہے۔ فرمایا: ہاتھ کے نزدیک زیادہ
 پیارا ہو۔ جیسا کہ قربانی کے ضمن میں آئے ہیں کہ اچھے سے اچھا، خوب موٹا تازہ، پارا
 ہوا جانور اللہ کی راہ میں قربان کرو۔ اس سے اجر بھی زیادہ ملے گا۔

یہ چند مثالیں میں نے عرض کر دیں، صحابہ کرامؓ عام طور پر عقی سے اعلیٰ چیز
 خدا کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ تاہم یہ ضروری ہے۔ بلکہ انفاق فی سبیل اللہ حضورؐ کی قربانی
 یا زیادہ ایمان، اسلام اور اطاعت کے جذبہ سے ہوگا، تو قبولیت کے درجہ
 کو پہنچے گا۔ اور اس کا اجر بھی اعلیٰ درجے کا ہوگا۔ یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ
 ہے۔ کہ خرچ کا تعلق صرف مال کے ساتھ ہی نہیں بلکہ جو بھی کسی کے پاس محبوب
 چیز ہے، اس کی قربانی سے کمالی مرتبہ حاصل کر سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کو جاہ اور
 حکومت پیاری ہے تو اس کو قربان کرنا ہوگا۔ اور اس کی صورت یہ ہے۔ کہ اپنے
 عہدہ اور منصب کے ذریعے مخلوق خدا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔ اور
 اپنے ذہن سے ظالم اور جابر حاکم کا زعم نکال دے۔ یہی اس کی قربانی ہے۔ اگر
 کوئی حاکم کسی کا جائز کام نہیں کرتا، ناجائز ذرائع سے مال اکٹھا کرتا ہے، اپنے
 آرام و آسائش کی فکر میں رہتا ہے، جو کوئی کو بھی، کارہ خادم اور دیگر آرام و آسائش
 کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ تو اسے اعلیٰ درجے کی نیکی کہاں حاصل ہو سکتی ہے، اسے
 تو یہ چیزیں قربان کرنا ہوں گی۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کہہ ہے۔

بیچ خیر انہ شک در کشش محمد

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا

سونا کیے بیچنے والی نگاہوں سے کبھی نیکی کی امید نہ رکھو، جو شخص مال اکٹھا کرنے
 کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ وہ نیکی کو کیسے پہنچ سکتا ہے۔ نیکی تو جب
 حاصل ہوگی جب اپنی محبوب چیز کی قربانی کر دے۔

سرمایہ داری نظام میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنے نجس مجلس کی تحریکیں رہتا ہے۔
 کچھ کمزور و ناتواں، حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں۔ مان آنا چاہیے خود کسی راستے سے آئے
 مگر دوسرے کے ساتھ نیکی کی توقع، تعجب نہیں ہوتی۔ جو شخص خود دوسروں کا خون چرتا
 ہے۔ حرام کھاتا ہے، سود خور ہے، لوگوں کی حق تلفی کرتا ہے، اس سے نیکی کی کیا امید
 ہو سکتی ہے۔ اسی لیے قرآن نے سرمایہ دارانہ نظام کو معنی نظام قرار دیا ہے۔ اس کے
 برعکس، فرانس سب معنی نظام معیشت کو اپنا لئے ہوئے ہیں۔ دسائی معیشت اکثر
 ناکام ہیں۔ مال اکٹھا کرنے کی دہائی ہوئی ہے، دوسری طرف الحادی نظام ہے۔
 یہ سراسر خدا تعالیٰ اور شریع الہیہ کا انکار ہے۔ دوس اور مین وغیرہ میں ہی نظام ہے
 مگر سرمایہ دارانہ نظام کی طرح یہ اکثر کی تمام بھی معنوں ہے۔ مگر جو نظام معیشت
 انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا ہے۔ یہی صحیح اسلامی نظام ہے۔ اس کے ذرائع آمدن
 بھی جائز ہیں اور یہ حرام چیزوں پر خرچ بھی نہیں ہوتا۔ اس میں تعلیش اور حرام خوردنی
 ہے۔ یہ نظام نادرہوں اور غریبوں کی مدد کرتا ہے، مظلوم کو اس کا حق دلاتا ہے۔
 تیوں کے سر پر دست شفقت رکھتا ہے۔ اور بیواؤں کا سارا بقا ہے۔ اس
 نظام کے پانے والے مال اکٹھا نہیں کرتے، انہیں جاہ و ثروت کی کوئی خواہش
 نہیں ہوتی، بلکہ ان میں قربانی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے۔

کسی قدم اور ملک کی معیشت میں تاجر حضرات مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر
 ان کا رویہ مثبت ہوگا، حرام کی کچھ سے بچیں گے، اگر دنیا و آخرت دونوں جگہ
 کامیاب ہوں گے، ورنہ خوار ہوں گے، حضور علیہ السلام نے تاجروں کو مخاطب
 کر کے فرمایا: اے تاجروں کے گروہ! یاد رکھو، قیامت کے دن اکثر تاجر فاجر
 اٹھائے جائیں گے۔ اِلَّا صَافٍ اَعْطٰی وَبِذَّ وَصَدَقَ سوائے اُس کے جو
 نیکی والا ہوگا، سچائی والا ہوگا، اور تقویٰ والا ہوگا، ایسے ہی لوگ نبیوں، صدیقوں،
 شہیدوں اور نیک کاروں کی تقاریر میں گھسٹے ہوں گے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام
 بازار میں تشریف لے گئے اور فرمایا: اے تجارا! میں تم کو ایک بات کہتا ہوں، تم

دو چیزوں کے دلی بنائے گئے ہو۔ انہی دو چیزوں کی وجہ سے پہلی کئی امتیں تباہ ہوئیں۔ فرمایا وہ دو چیزیں الحکیل والوزن ترازو اور پیمانہ ہیں۔ ان میں کمی بیشی کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بہت سی قوموں کو ہلاک کیا، عذاب میں مبتلا کیا، یہ لوگوں کی حق تلفی کرتے تھے۔ **وَيْسَ الَّذِیْ جُعِلَ فِیْہِیْنَ** میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ آپ ترازو میں کمی بیشی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ **یَوْمَ تَرٰہُمْ وَالْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ** ترازو میں کمی نہ کرتے، بلکہ پورا پورا ترازو۔ انصاف کرو، نا انصافی نہ کرو۔

بہر حال اسلام کے علاوہ جو بھی نظام معیشت ہے، سب نامعین ہے۔ **ایمان و تہذیب**
یہ انسانیت کے خلاف ہے۔ البتہ اسلام کا نظام اور انبیاء کا نظام بالکل الگ ہے۔ اس میں عدل و حاکم کی پابندیاں، اسراف و تبذیر کی پابندیاں ہیں۔ اسی سے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اَلْکُفْرُ بِحَقِّ الْحَقِیْقَاتِ** یہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے۔ مومن جب کلمہ پڑھ لیتا ہے۔ تو پھر اس پر بہت سی پابندیاں عائد ہوجاتی ہیں۔ مذہب حرام مال حاصل کر سکتا ہے اور نہ حرام معاش پر خرچ کر سکتا ہے۔ آج کل فضول رسوائی میں بے دریغ روپیہ صرف کیا جا رہا ہے اور ایسے بڑی عزت سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ سراسر سرفراہ ہے۔ قرآن پاک نے فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا ہے۔ **اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَالْاِخْوَانِ لِبَشَرِطَیْنِ** حضرت، شاہ محمد یعقوب، مہربانی فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان اسراف کو بڑی عزت سمجھتے ہیں۔ خدا نکر یہ صریحاً خلاف شرع ہے۔ مثال کے طور پر فرماتے ہیں کہ مسلمان کی عادت بن چکی ہے کہ شادی میں مستام رشتہ داروں کو بلایا جاتا ہے۔ صاحب خانہ کی خواہش ہوتی ہے کہ اس موقع پر کوئی رشتہ دار ناراض نہیں رہنا چاہیے۔ سب کو منست سماجیت کر کے راضی کیا جاتا ہے اور تقریب میں بلایا جاتا ہے۔ البتہ اپنی غلط رسوم اور اسراف کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کو رخصت کر دیا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ آپ جائیں، ہمارے لیے ہمارے

بیشتر وار کافی ہیں۔ اس طرح اللہ کے احکام کی کچھ برداشتیں کی جاتی رہیں۔ اب دیکھیے
 بیع الاولیٰ آرٹیکل ہے۔ مسلمان جھنڈیاں لٹا کر حضور علیہ السلام کی اتباع کا دعویٰ کر رہا ہے۔
 مگر یہ نہیں سوچتا کہ وہ اسراف کا ارتکاب کر کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کی مخالفت کر رہا ہے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ہرگز نہ پاسکو گئے اعلیٰ درجے کی نیچیاں تک
 کہ تم اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ کرو۔ وَمَا اسْتَفِضُوا مِنْ شَيْءٍ دَرْتُمْ حِجْرًا عَمَّی
 کرو، اَقْرَبَ اللّٰهُ بِہٖ عَلَیْہِمْ اللّٰهُ تعالیٰ اس کو خوب جانتے والا ہے
 اُسے علم ہے کہ تم کس نیت اور جذبے کے تحت خرچ کر رہے ہو۔ لہذا اس
 کا بدلہ بھی نیت اور جذبے کے مطابق ہی ملے گا۔

لَنْ تَنَالُوا

آل عمران ۴

دیس ہی دور ۲۲

آیت ۱۹۳ تا ۲۵

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ إِلَّا مَا
 حَرَّمَ إِسْرَءِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ
 تُنَزَّلَ التَّوْرَةُ قُلْ فَأَتُوا بِالتَّوْرَةِ
 فَأَتْلُومَا إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۳﴾
 افْتَرَى عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِنْ بَدْدِ ذَلِكَ
 فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللَّهُ
 فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ
 مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۹۵﴾

وہ جس نے یہاں تک کہ اسلام

ترجمہ: یہ بنی اسرائیل کے لیے ہر قسم کی کھانسی کی چیزیں حلال تھیں سوائے ان کے
 جن کو اسرائیل (علیہ السلام) نے خود اپنے آپ پر حرام قرار دیا تھا، اس سے قبل کہ تورات
 نازل ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ پیغمبر علیہ السلام! تورات لاؤ اور اس کو پڑھو، مگر تم
 سچے ہو۔ ﴿۹۳﴾ جو شخص اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے، اس کے بدلہ میں ہی وہ بڑے
 بے نصافت ہیں۔ ﴿۹۴﴾ اے پیغمبر (علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے
 سچ فرمایا ہے۔ پس تابعداری کرو امت! ابراہیم علیہ السلام کی جو عفت تھی۔ اور وہ
 شرک کرنے والوں میں نہیں تھے۔ ﴿۹۵﴾

گزشتہ رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ملتِ ابراہیمی کے اصول بیان کر کے واضح شانِ نزول
 کیا تھا کہ ملتِ ابراہیم حنیفیت یا اسلام کا محاسب ایک ہی ہے۔ لہذا
 حضور علیہ السلام نے اہل کتاب کو اسی ملتِ ابراہیمی کی طرف دعوت دی۔ اور فرمایا

کہ ملتِ ابراہیمی کے اصل پیروکار اہلِ اسلام ہیں۔ لہذا اہلِ کتاب کو چاہیے کہ وہ بھی
 عملیوں کے طریقے کے مطابق ملتِ ابراہیمی کی پیروی کریں۔ اس کے برخلاف
 یہودیوں کا دعویٰ یہ تھا کہ اصل ابراہیمی وہ ہیں۔ انہوں نے جواباً کہا کہ اگر مسلمانوں کو
 ملتِ ابراہیمی کے پیروکار ہونے کا دعویٰ سہے تو پھر ملتِ ابراہیمی میں حرام کردہ چیزوں
 کو وہ کیوں حلال سمجھتے ہیں۔ ان کی مراد اونٹ کے گوشت اور اونٹنی کے دودھ
 سے عقی، جسے اہلِ کتاب حرام سمجھتے تھے مگر مسلمان اس کو حلال جانتے ہوئے
 استعمال کرتے تھے۔ یہودیوں کا دوسرا سوال یہ تھا کہ اگر مسلمان ملتِ ابراہیمی پر قائم
 ہیں، تو پھر اس ملت کے قائم کردہ بیت المقدس کو قید کیوں نہیں کرتے۔
 چنانچہ پہلے سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آیاتِ ذریعہ درج ذیل فرمیں
 اور واضح کیا کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل کے لیے اللہ تعالیٰ
 نے حرام قرار نہیں دیا بلکہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے نذر کی تکمیل میں خود اپنے
 پیغمبر کو قربان کیا تھا۔ اور پھر ان کے اتباع میں ان کی اولاد نے بھی ان چیزوں کو حلال
 نہ سمجھا۔ اہلِ کتاب کے دوسرے سوال یعنی تحویل قبلہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے
 انکو آیت سورہ بکرات میں وضاحت فرمادی ہے۔

یہودیوں کے چار سوال
 صدر کہ حاکم اور ترمذی شریفین میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سوال کیا تھا کہ
 کی صحیح حدیث موجود ہے کہ یہودیوں نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ
 یعقوب علیہ السلام نے اس چیز کو اپنے پیغمبر کو قربان دیا تھا۔ اس کے جواب میں
 نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ عقیدہ سب علیہ السلام جن کا لقب اسرائیل یعنی اللہ کا
 بندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شریعت دی تھی کہ تم کو بیٹا
 دوں گا یعنی اسحاق علیہ السلام و مومن و قنآن و سحقی یعقوب اور بیٹے کے
 بعد لو تو یعقوب علیہ السلام بھی دوں گا۔ بیٹے آپ اپنی زندگی میں دیکھ لیں گے۔
 یعقوب عقیب کے مادہ سے ہے اور اس کا حنی پیچھے آنے والا ہے چنانچہ
 اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور پھر آپ کے بار

یہوں کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی جن کی تعداد لاکھوں محروروں تک پہنچ گئی۔
 حضور بنی کریم علیہ السلام نے یہودیوں کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ
 حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی بیماری لاحق ہو گئی تھی جس کو لفظ کی کا
 درد بھی کہتے ہیں۔ نہ کہ کے متعلق مشہور ہے کہ یہ رگ ہے۔ مگر حقیقت میں یہ
 پتھر ہوتا ہے۔ جو کہ پیسے سے شروع ہو کر ران سے ہوتا ہوا انگوٹھے تک جاتا ہے
 یہ درد عرق النساء کہلاتا ہے۔ یہ درد کبھی ٹانگ کے ایک طرف ہوتا ہے اور کبھی
 دونوں طرف۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہی عارضہ تھا۔ انہوں نے نذرانی
 کہ اللہ نے صحت عطا، فرمائی تو میں اپنی خوراک میں سے مرغوب چیز کھانا ترک
 کر دوں گا۔ آپ کے نزدیک مرغوب اشیا میں اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا
 درد دور تھا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت عطا فرمائی، تو آپ نے ان چیزوں
 کو ترک کر کے اپنی مرضی کی مہر یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام میں تھیں۔
 بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خود اپنے اوپر حرام کھانے کو بھی یہودی اس جواب سے
 تسلیم ہو گئے۔

ایک دوسری روایت میں یوں آتا ہے کہ یہودیوں نے بنی اکرم سے کہا کہ
 ہم آپ سے بعض ایسی باتیں پوچھنا چاہتے ہیں جن کا جواب بنی کے علاوہ کوئی
 نہیں دے سکتا۔ آپ نے فرمایا، اگر میں نے ان باتوں کا ٹھیکہ ٹھیکہ جواب دیا
 تو پھر تمہیں ایمان لانا ہو گا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ
 یہودیوں کا پہلا سوال یہی تھا جس کا ذکر آچکا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام
 نے کون سی چیز اپنے اوپر حرام قرار دی تھی۔ مذکورہ جواب سن کر یہودیوں نے
 اس کی تصدیق کی۔

یہودیوں کا دوسرا سوال یہ تھا کہ ماں کے پیٹ میں تفریق جنس کی ظہور
 واقع ہوتی ہے۔ یعنی بچہ یا بچی کیسے بنتے ہیں آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ
 مرد کا مادہ تولید رنگت میں سفید اور قوام میں گاڑھا ہوتا ہے، بہر خلافت اس

کے عورتوں کا، اور نکاح میں نہ رہنے پر رقیق یا پتلہ ہوتا ہے۔ غرض اوروں کا وہ ہونے
تولید میں جس مادہ کو غلبہ ہوتا ہے وہی جنس پیدا ہوتی ہے۔ حدیث میں علیؑ کا لفظ آتا ہے
یعنی جو مادہ غالب رہا ہے۔ وہی جنس کہ غالب کس طرح آتا ہے۔ نوس کی کئی
صورتیں ہوتی ہیں مثلاً خالصت میں، و صحت میں یا مقدمہ میں غلبہ ہو سکتا ہے پھر
جس مادہ کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے تو لہجہ ہونے والا ہر اسی جنس میں داخل جاتا ہے۔
یہودیوں نے کہا کہ جواب درست ہے۔

یہودیوں کا تیسرا سوال یہ تھا کہ نبی آخر الزمان کی نشانی کیا ہے، انجیل حضرت
علیہ السلام نے رشاد فرمادیا ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام قذیبہ اس کی آنکھ
سوتی ہے۔ مگر دل بیدار رہنا ہے۔ یہودیوں نے اس جواب کی کبھی تصدیق کی۔
حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ ان سوالوں کے جواب مجھے معلوم نہ تھے، حتیٰ کہ امت
کی جانب سے میری علیہ السلام نے آکر یہ جواب مجھے بتائے تو میں نے یہودیوں
کو بتا دیا۔

یہودیوں نے چوتھے سوال یہ کیا کہ فرشتوں میں سے ہی امی کی دوست فرشتہ
کون سا ہے۔ تو نبی علیہ السلام نے جواب دیا، اُن کا دوست جبرائیل فرشتہ ہے
اس سوال پر یہودی بدگمانے کہ جبرائیل کو تم تسلیم نہیں کرتے۔ اس فرشتہ نے ہاتھ
آباد کردیا کہ کالیٹ دی ہیں۔ ہم اُس کو نبی آخر الزمان علیہ السلام کا دوست تسلیم کرنے
کے لیے تیار نہیں۔ اس طرح یہودیوں نے چوتھے سوال کے جواب کا انکار کرنے کے
ایمان لانے سے انکار کر دیا حالانکہ پہلے اس کا وعدہ کر چکے تھے۔

حضرت
الفرحان! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کُلْ لَطْعًا بِكُلِّ نَجَسٍ بِيَّتِي نَسِي مِيل
اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرمؐ کے لیے کھانے کی تمام چیزیں جن کو تم نہیں
طعام سے مل کر کھاتے پینے کی چیزیں ہیں۔ وہ تمہاری فرمائش کی کُل لَطْعًا بِكُلِّ نَجَسٍ
وہ چیزیں صرف وہی جو کھانے پینے کے کام آتی ہیں۔ وہ سب حلال ہیں۔ سو اس نے
اُن کے بن کو ان کے سورہ نام کے پینے کو بتایا۔ چاہے وہ کچھ بھی نہ ہو کہ

ذکر سورۃ اطراف میں بھی آتا ہے۔ اس کے علاوہ وحی الہی کے ذریعے حرام کردہ چیزیں
 مثلاً مہر، خون، خنزیر کا گوشت اور نذر غیر اللہ بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال نہیں تھیں۔
 البتہ کھانے پینے کی عام چیزیں اور ہیئتہ الانعام یعنی بھیڑ بکری یا اسی قسم کے دیگر جانوروں
 کا گوشت، دال، ہنتری، اردنی وغیرہ تمام چیزیں بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں۔ اِن
 اَلْاَمَّا حَرَّمَ اَشْرَکًا مِثْلَ عَلٰی لَفْظِہِ ہر چیزیں حضرت یعقوب علیہ السلام
 نے بذریعہ نذر خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں اور خاص انہی کے واسطے حرام تھیں۔
 اور وہ بھی **قَبْلَ اَنْ تَنْزِلَ التَّوْرَۃُ** تو رات کے
 نازل ہونے سے پہلے کچھ دنوں سال پہلے۔ مگر اُن کی دیکھا دیکھی اُن کی اول و سنے بھی
 لوٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ استعمال کرنا ترک کر دیا حالانکہ یہ اُن کے
 لیے بالکل جائز تھا۔ اور تو رات میں ان چیزوں کی حرمت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔
 یہودیوں نے یہ غلط تصور کر دیا تھا کہ یہ چیزیں تو رات کے حکم سے حرام ہوئی ہیں۔
 یہاں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا حلال چیزوں
 کو اپنے اوپر حرام قرار دینا اللہ کے حکم سے تھا یا اُن کے ذاتی اجتہاد کی وجہ
 سے۔ مفسرین کو کام فرماتے ہیں کہ یہ حرمت دونوں طرح سے جائز ہے سابقہ
 شرائع میں کوئی چیز اللہ کے حکم سے بھی حرام ہو سکتی تھی اور بنی کے اجتہاد سے بھی
 ایسا ہو سکتا تھا۔ اور مثلاً زیر بحث میں دونوں ذرائع کا امکان موجود ہے البتہ
 ہماری شریعت میں کبھی حلال چیز کو حرام قرار دینا درست نہیں ہے۔ ہماری شریعت
 کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نذر کے طور پر کبھی حلال چیز کو اپنے آپ پر حرام کر لیا ہے
 تو ایسی نذر کو لپٹ کر نافروری نہیں بلکہ ایسی نذر کا توڑنا ضروری ہے۔ اور ایسی نذر کے
 کھانے کا ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے بعض یہودیوں کی خوشنودی
 کی خاطر ایک لڑائی کو اپنے آپ پر حرام قرار دے لیا تھا۔ یا سلم شریف کی روایت کے
 مطابق شدہ پیسے کو حرام کر لیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ تحریم میں حکم نازل فرمایا
لَا يَنْهٰا اَنْتَبٰی لِمَ تَحْذَرُوْہَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمُہَا یعنی: آپ اس

مختلف شرائع
 کے احکام
 میں تشریح

چیز کو اپنے اوپر کیوں عزم کرتے ہیں۔ جو اللہ نے آپ کے لیے حلال قرار دی ہے۔ پھر
 اُسے فرمایا: **قَدْ قَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحْلَةً أَيْضًا إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى سَمِيعٌ عَلِيمٌ**۔
 رہا ہے کہ قسموں کو توڑ دی جائیں۔ جہاں شریعت میں یہ حکم ہے۔ کہ اگر کوئی شخص کسی مال
 چیز کو خود اپنے آپ پر عزم کر لے لیتا ہے۔ تو قسم واقع ہو جاتی ہے، جسے توڑنا مندرجہ
 ہو جاتا ہے۔ مگر یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں یہ ضروری نہیں تھا۔ لہذا انہوں نے
 اپنی قسم کو پورا کرتے ہوئے اپنے آپ پر دو چیزیں حرام کر لی تھیں۔

اور یہ تو اُرت کے نزل سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ تو اُرت تو حضرت
 موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اور یعقوب علیہ السلام نے آپ کے سینکڑوں سال پہلے
 ایسا کیا تھا۔ اور وہ صحت یابی پر نذر کی صورت میں، ان کے نسب اور انہی کے حکم کی حیثیت
 سے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود اونٹ کا گوشت کھاتے تھے، آپ کے لئے اپنی
 اولاد کے لیے عزم بھی قرار نہیں دیا۔ نیز اسماعیل پر اونٹ کے گوشت اور دودھ کے
 ترک کی بھی نوبت نہیں آئی، البتہ بخراست میں سے صرف حضرت یعقوب علیہ السلام
 نے قسم کی تکمیل میں یہ چیزیں چھوڑ دیں تھیں۔ انہوں نے اپنی اولاد کو بھی ان کے استعمال
 سے منع نہیں کیا تھا۔ یہ تو آپ کی اولاد کی محض اپنی صوابدید ہی کہ انہوں نے بھی ان
 چیزوں کا استعمال ترک کر دیا۔

ہاں! تو اُرت نے بعض دوسری چیزوں کو بنی اسرائیل کی سرکشی کی وجہ سے ان
 پر حرام کر دیا تھا۔ اسی اشیاء کا ذکر سورہ ف کے آخر میں اور بعض دوسری چیزوں میں بھی
 آئے گا۔ **فَرِغْلُمْ مِنْ آلِ ذِينَ هَادٍ وَآخَرَاتٍ عَلَيْهِمْ سَئِرٌ**
طَبَقَاتٍ أَجَلَتْ لَهُمْ نَبِيٌّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كِىْ شَرَّاءِ قَوْمٍ كِىْ وَبَسَّحَ لَهُمْ
حُلَالَ چیزیں ان پر حرام کر دیں۔ ان پہ گائے کا گوشت حلال تھا مگر جہاں حرام تھی
 انہیں ایک ایک بولٹی سے چربی علیحدہ کرنے کی مشققت ہو داشت کرنا پڑتی تھی۔
 صرف آنت کی چربی حلال تھی۔ ان کے لیے بعض دیگر جانور بھی حرام قرار دیے گئے
 تھے۔ حالانکہ تم نے ابراہیم میں یہ تمام چیزیں جائز تھیں۔

چوتھے یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ۔۔۔ اونٹ کے گوشت اور دودھ کی حرمت کا حکم تو رات میں موجود ہے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **قُلْ اِنَّ رِباَ النُّسُوْدِ لَیْ سَیِّئٌ عَلَی السَّلامِ** آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو رات سے آؤ، **فَاَنلَوْكُم اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ** اس کو ٹھہرو، تو معلوم ہو جائے گا کہ تم اپنے دعوے میں کہاں تک سچے ہو۔ ظاہر ہے کہ تو رات میں ان چیزوں کی حرمت کا حکم نہیں نکلے گا۔ کیونکہ یہ چیزیں تو یقیناً علیہ السلام نے سینکڑوں سال پہلے خوردہ اور پیر علم کی ہتھیں، لہذا تو رات میں ان کا حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔

یہودیوں نے اس چیلنج کو قبول نہ کیا۔ اگر وہ تو رات لا کر پڑھتے تو یہ حکم ثابت نہ کر سکتے اور جھوٹے ثابت ہو جاتے۔ اس سے قبل زمانہ کی سرسے متعلق بھی اُن کی کذب بیانی ہر جگہ تھی۔ اس کا ذکر سورہ مائدہ میں آئے گا۔ واقعہ یہ ہوا کہ خیر کے ایک راۓ اور عورت زمانہ کے جرم میں طوطا ہوئے، جب یہ معتمد آنحضرت علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تو رات میں اس جرم کی کیا سزا مقرر ہے۔ تو وہ کہنے لگے کہ تو رات کا حکم یہ ہے کہ زانی اور زانیہ کو کوڑے مارے جائیں اور اُن کا منہ کاٹ کر کے گھر سے پرانے رُخ بٹھایا جائے۔ اس پر آپ نے فرمایا، نہیں بلکہ تو رات میں زانیہ کے رجم کا حکم ہے تو رات لا کر پڑھو۔ جب تو رات لائی گئی تو یہودیوں نے اصل حکم پر اٹھ کر رکھ لی۔ مگر حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے ذریعے اصل حکم واضح ہو گیا کہ زانی اور زانیہ شادی شدہ کو بیشک جان سے مارا جائے۔ چنانچہ اس حکم کے مطابق نبی کریمؐ کے بدکاروں کو سنگسار کر دیا گیا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے اونٹ کے گوشت اور اونٹنی کے دودھ کے متعلق بھی یہودیوں سے فرمایا کہ اگر ان کی حرمت کا حکم تو رات میں موجود ہے تو تو رات لاؤ اور پڑھ کر دیکھو۔ مگر یہودی چونکہ جھوٹے تھے، انہوں نے تو رات لانے کی جرأت نہ کی۔ اگر تو رات لے آتے تو حرمت کا حکم ثابت ہو جاتے۔

یہودیوں کی
کذب بیانی

چنانچہ اسی واقعہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَمَنْ أَفْزَىٰ عَلَى اللَّهِ
لُكْذِبٍ مِّنْ أَكْثَرِ ذَلِكَ إِيَّائِي جَوَ كُنِّي عَنِّي واضح ہو جانے کے بعد اللہ پر جھوٹ
بننا سب سے - فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ تو جان لو کہ یہی لوگ ظالم ہیں۔

تمہیں پڑھنی
کا اتباع

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نصیحت کے طور پر فرمایا: فَلْيَصِدَّقُوا اللَّهَ
نے نبی علیہ السلام آپ کو دیں کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔ اور اُمتِ ابراہیمی کے
اصول واضح کر دیئے ہیں۔ اور آپ ان کی دعوتِ نبیّانہ سے دلے ہیں۔ اور اُنس پر قائم ہیں۔
البتہ خود سیوری گت ابراہیمی کہ چھوڑ چکے ہیں۔ انہوں نے خدا کی کتابوں میں تحریریت کہ بت
اور علمِ احیوت بولا ہے۔ اب جب کہ حق واضح ہو گیا ہے۔ فَاَتُحِبُّونَ مَلَأَ
رَبُّنَا هَيْمًا حَنِيفًا پس ابراہیم علیہ السلام کی گت کا اتباع کر دو۔ یہی
دینِ اسلام ہے۔ اور یہی حنیفیت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود حنیف
تھے، حنیف وہ ہے جو اللہ کی توحید پر ایمان لاتا ہے۔ جسے کی طرف رخ کر کے
نماز پڑھتا ہے۔ ختم کرتا ہے درمیت اللہ جان کہ تہا ہے۔ لہذا تم بھی حنیف
بن جاؤ۔ ہر طرف سے کٹ کر ایک خدا وحدہ لا شریک پر ایمان لے آؤ۔ اور
گتِ ابراہیم کا اتباع کر دو۔ پتہ گم نہ چکا ہے۔ إِنَّ أَوْلَىٰ النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ
الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالْكَافِرِينَ اُنہوں اپنے دور میں
حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قریب تر وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی۔ اور
اس دور میں یہ نبی آخر الزماں علیہ السلام اور اس پر ایمان لائے لوگ ہیں۔ یہی لوگ
آپ کی گت کے پیروکار ہیں۔ سیوری تو گتِ ابراہیمی کہتے مارک ہیں۔ انہوں نے
گت کو مسخ کر دیا۔ تو راست کے احکام میں تحریریت کے مرتکب ہوئے۔ اصولوں
کو بچا ڈر دیا اور شرک میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ وہاں كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ
ابراہیم علیہ السلام تو نفوذِ باطنِ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ لہذا تم بھی حنیف بن
جاؤ کیونکہ حنیف کہ شرک نہیں ہو سکتا۔ لَا تَتَّبِعُوا مَنَاسِكَ الْغَیْرِ حَتَّىٰ يَكُونَ مِنكُمْ
لے اہل کتاب تم بھی شرک کو چھوڑ کر اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آؤ۔ تم گتِ ابراہیمی

کے پیروکار ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ البتہ اقلان سے یہودیوں کے پہلے سوالی
 کا جواب دیا۔ میں میں انہوں نے مصلیٰ نوں سے کہا تھا کہ جب تم ملکیت ہر ایسی
 کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کر رہے ہو تو پھر انٹ کاکوشت اور دودھ کیوں
 استعمال کرتے ہو۔

لَنْ تَنَالُوْا

اِلٰى عَمَدٍۙ

درس سی و سہ ۲۳

بیت ۹۶، ۹۷

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَرَّكًَا وَهُدًىٰ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ لِّمَقَامِ الْاِبْرٰهِيْمَ ؕ وَهُوَ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا ۚ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

ترجمہ: بیشک اللہ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے تعمیر کیا گیا ہے البتہ وہ ہے جو بکرہ یعنی مکہ مکرمہ میں ہے۔ بکرہ وہ ہے۔ اور تمام جہانوں کے لئے ہدایت ہے ﴿۹۶﴾ اس میں واضح نشانیاں ہیں، جیسا کہ مقام ابراہیم علیہ السلام پر اور جو شخص اس میں داخل ہوگا۔ وہ امن والا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے لوگوں پر حج ہے اس گھر کا حفاظت رکھنا ہے اس کی طرف راستے پر جانے کی۔ اور جس شخص نے انکار کیا تو بیشک اللہ تعالیٰ سب جہان والوں سے بہتر پر را ہے ﴿۹۷﴾

یہودیوں نے گتہ ابراہیمی کی نسبت سے مسانوں پر دو سوال کیے تھے کہ کیا اگر اہل اسلام ملت ابراہیمی پر ہونے کے دعویدار ہیں تو پھر وہ اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ کیوں استعمال کرتے ہیں۔ جب کہ ملت ابراہیمی میں یہ چیزیں حرام تھیں۔ اس سوال کا جواب گذشتہ آیات میں آچکا ہے کہ یہ چیزیں ملت ابراہیمی میں حلال تھیں۔ صرف یعقوب علیہ السلام نے اپنی نذر کی تکمیل میں ان خود دین استمیا کو اپنے دوبرہامہ کر دیا تھا۔ باقی سب لوگوں کے لیے حلال تھیں مگر آپ کی اولاد نے بھی شخص آپ کے اتباع میں ان چیزوں کا استعمال ترک کر دیا۔ یہ تو نذر ال کورست سے سینکڑوں سال پہلے کا بات ہے۔ البتہ کورست کے نذر ال ہونے

گذشتہ سے
پرست

کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بعض چیزیں اُن کی نافرمانی اور شرارت کی وجہ سے حرام قرار دیں، جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔

یہودیوں کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اگر اہل اسلام طہارۃ اہل بیہمی پر کاربند ہیں۔ قبل ازل تو پھر انہوں نے بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ شریف کو اپنا قبلہ کیوں مقرر کر لیا ہے اُن کا دعویٰ تھا کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل سب لوگوں کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ مگر آپ نے اس کو ہر آلِ محمد بیت شریف کو قبلہ کیوں مقرر کیا۔ یہ تو امتِ اہل بیہمی کی نافرمانی ہو رہی ہے۔ آج کے دس میں اسی اعتراض کا جواب ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا سُبْحًا ۚ وَهُوَ الْاَشْرَفُ ۚ وَلَئِنْ سَأَلْتُمْ عَنِ السَّاعَةِ لَوَافِتٌ ۖ وَسَبَّحْتَ بِحَمْدِ رَبِّكَ لَمَلَأَ السَّمٰوٰتِ ۚ وَلَئِنْ سَأَلْتُمْ لَسَاطِئُ النَّارِ ۚ وَلَئِنْ سَأَلْتُمْ لَسَاطِئُ النَّارِ ۚ وَلَئِنْ سَأَلْتُمْ لَسَاطِئُ النَّارِ ۚ وَلَئِنْ سَأَلْتُمْ لَسَاطِئُ النَّارِ ۚ

سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے، وہ مکہ میں ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر لفظ بیت سے مراد مطلق گھر نہیں، بلکہ عبادت خانہ ہے اس بات کی تشریح سلم شریف کی حدیث میں موجود ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا، حضور: زمین پر سب سے پہلے کون عبادت خانہ یا مسجد بنائی گئی تھی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا مسجد حرام جس میں بیت اللہ شریف واقع ہے۔ پھر ابوذرؓ نے دریافت کیا، حضور! دو کعبہ پر کونسی مسجد تعمیر ہوئی۔ ارشاد ہوا مسجد اقصیٰ جو بیت المقدس ہے۔ پھر عرض کیا، ان دونوں کے درمیان کتنا وقفہ ہے فرمایا پچاسین سال۔

یہ بات تو واضح ہے کہ بیت اللہ شریف کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی، اور بیت المقدس حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں تعمیر ہوا۔ اور ان دو انبیاء کے درمیان ایک ہزار سال کا وقفہ ہے۔ لہذا حضور علیہ السلام کا چالیسویں وقفہ بتانا مکہ ہوا، حقیقت یہ ہے کہ دوستِ زمین پر سب سے پہلا عبادت خانہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے ہاتھوں سے بیت اللہ شریف کو تعمیر کرایا جبکہ آدم علیہ السلام زمین پر اترے، تو نہیں دشتِ مرقی اور وہ پریشان

سبت ستھے۔ آپ کی اس وحشت کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ جس طرح فرشتے آسمانوں پر بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اور وہیں پر عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ بھی زمین پر عبادت خانہ بنائیں، جس کا رنگ طواف کریں۔ چنانچہ درمیانہ علیہ السلام نے زمین پر سب سے پہلے بیت اللہ شریف تعمیر کیا۔ اس کے چالیس سال بعد آپ نے شام کا سفر کیا تو وہاں پر بیت المقدس تعمیر کیا۔ اس طرح بیت اللہ شریف اور بیت المقدس کی تعمیرات میں چالیس سال کا وقفہ ہے۔

اس کے بعد حادثہ اور طوفان آسمانی سے۔ دوسرے دونوں مقدس مقامات ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ دونوں عبادت مندرجہ ہو گئیں۔ اس کے ہزاروں سال بعد بیت اللہ شریف کی دوبارہ تعمیر حضرات ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوئی۔ سورۃ حج میں موجود ہے: "وَإِذْ بَنَوا بُنَاؤَ اللَّهِ هَيْسَمَ مَكَانَ الْبَيْتِ حَبِيبُ هَمْنُ اِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَيْلَ بَيْتِ اللَّهِ شَرِيفِ كِي جُكُ حَبِيبُ كَرْدِي۔ چنانچہ چاروں وقت سے آباد ہے۔ لہذا اولین عبادت خانہ بیت اللہ شریف ہی ہے۔ تاہم انہی علیہم السلام نے اس کا حج کیا ہے۔ اور یہی ملت ابراہیمی کا قبلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن پر فرمایا کہ صرف بیت اللہ شریف کی طرف ہی اپنا رخ کرو۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ کے نزدیک حقیقت وہ شخص ہے۔ جو نماز میں بیت شریف کی طرف رخ کرے۔ فقہ حنفی کے نزدیک یہ ایمان رکھتا ہے، اور بیت اللہ شریف کا حج کرے۔ چنانچہ قبلہ اقل بیت اللہ شریف ہی ہے۔ یہی ملت ابراہیمی کا قبلہ ہے۔ بیت المقدس بھی قبلہ ہے۔ اب نہیں۔ ترتیب کے لحاظ سے وہ قبلہ ثانی تھا۔ وہ مکہ و محترم ہے۔ حضور علیہ السلام کی حدیث پاک میں تین تین مقدس مقامات کا ذکر ہے، وہی ہیں مسجد الحرام، مسجد نبوی اور بیت المقدس یعنی مسجد اقصیٰ۔ یہ تینوں مقامات ہر امت کے مہاجرین ہیں، تاہم ان میں سے سب سے زیادہ محترم بیت اللہ شریف ہے۔

بگڑاؤ اور

بیت المقدس شریف جس شہر میں واقع ہے۔ وہ عرب نام میں مکہ کہلاتا ہے۔ جبکہ اس آیت کرمہ میں لفظ بجہ استعمال ہوا ہے۔ یہ دونوں نام ایسی ایک ہی مقام کے ہیں۔ اس شہر پاک کو اسم القرنی، بلدہ طیبہ، بلدہ امین، بلدہ المامون اور مدینہ بھی کہتے ہیں۔ عربی زبان میں بجہ کے دو معانی آتے ہیں۔ اس کا ایک معنی اجتماع ہے چونکہ یہاں پر لوگوں کا کثرت سے آنا جانا ہے، خصوصاً ایام حج میں بہت بڑا ہجوم ہوتا ہے، اس لیے اس کو بجہ کہتے ہیں۔ اس کا دوسرا معنی اجتماع ہے، یا توڑنا ہے۔ اہم ہندوؤں اور بعض دیگر مشرکین کو اہم فرماتے ہیں کہ یہ شریف بجہ اَعْتَقَ الْجَبَّارِیْنَ یعنی بیادوں کی گردنوں کو چھینکالے والا ہے اور گردنوں کا چھینکا، دو طریقوں سے ہوا ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ یہاں پر بڑے بڑے ملوک اور جبار اپنی گردنوں کو چھینکا کر سجدہ دینے ہو جاتے ہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ جو کوئی اس مقدس مقام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی گردن کو توڑ دیتا ہے۔ اصحاب فیل کا واقعہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ اہل عرب نے باغیوں کے ساتھ بیت المقدس پر چڑھائی کی، اس کو توڑنے کی کوشش کی، تو اللہ تعالیٰ نے اسے وادی شریف سے آگے تیس جہنم دیا۔ مگر سے تین میل باہر مٹی کے قریب اس شہر کو بربک کیا۔ گویا بھگوان معنی میں بھی ہے کہ جو کوئی اس کو نقصان پہنچانا چاہے اللہ تعالیٰ اس کی گردن توڑ دیں گے۔

سناری طریق کی روایت میں آتا ہے کہ حبشہ کا ایک ظالم بادشاہ جو سیاد رنگ موٹی نیند میں مبتلا تھا، قہار بڑا استبداد ہو گا، خانہ کعبہ کی عمارت کو گرا دینا۔ اس کے بعد پوری دنیا کا نظام درجہ بدرجہ جو جائے گا اور وہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہے گی۔ اس کے بعد صورِ اسرافیل چوٹا جائے گا۔ گویا اندامِ کعبہ دنیا کے آخری دور کی علامت ہو گا۔ قرآن میں کعبہ شریف کی ایک خصوصیت یہ بھی بیان کی گئی ہے۔ جَعَلَ اللّٰهُ الْكُتُبَةَ الْحَرَامَ قِبْلَةً لِلنَّاسِ اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کو دنیا میں لوگوں کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔ حبيب تک خانہ کعبہ قائم ہے، اس میں

خدا تعالیٰ کی عبادت نہ کرتی ہے گی، دنیا قائم ہے گی۔ اور حدیث شریف میں آتا ہے
 حضور علی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بسبب زمین میں اللہ اللہ کرنے والا کوئی نہیں ہے گا
 یقیناً قیامت، پہنچا ہوا جائے گی۔

فضائلِ شریف
 فرمایا زمین پر سب سے پہلا عبادت خانہ مکہ مکرمہ میں ہے اور اس کے فضائل ہیں
 سے ایک ہے **مَنْ بَارَكَ فِي بَيْتِنَا** وہ بڑا ہی بابرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں غلہ بری
 اور باطنی تمام برکات رکھی ہیں، برکت کا معنی ایسی زیادتی ہے جس میں تقدس پایا جائے
 حرم پاک میں ہر وقت خدا تعالیٰ کی تجدید کا نزول ہوتا ہے۔ اور ہر عابد کو اس میں
 سے حصہ ملتا رہتا ہے۔ وہاں پر ادا کی جانے والی عبادت کا اجر و ثواب دوسرے
 مقامات کی نسبت بے حد حساب بڑھ جاتا ہے ابن ماجہ کی روایت کے مطابق
 وہاں پر ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوتا ہے۔ صحیحین کی روایت
 کے مطابق ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ اسی بات
 سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باطنی طور پر اس مقام کو کتنی فضیلت
 بخشی ہے۔ لہذا یہودیوں کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ مسجدِ قعۃ کی فضیلت مسجدِ حرام سے
 زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ ظاہری طور پر بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو بڑا بابرکت رکھا
 ہے۔ یہ مقام کثیر الخیر والمنفعت ہے۔ اس کے یکن خوش نصیب ہیں جن
 کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی **رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا
 آمِنًا وَدُنِّقْ أَهْلَكَ مِنْ لَشَعَرَاتِ الْعِمَامِ** اس شہر کو امن
 والا بنائے اور اس کے سیکھوں کو بچوں سے روزی عطا فرما۔ اس دعا کی قبولیت
 کا ثمرہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ غیر فری زرع وادی میں ہر چیز کی کتنی
 بہتات ہے۔

فرمایا مکہ مکرمہ بابرکت بھی ہے۔ **قَدْ دُعِيَ لِبَلَدِکُمَا** اور تمام جہازوں
 کے لیے ذریعہ ہدایت بھی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔
لَا تَدْنُو مِنَ الرَّجَالِ إِلَّا ثَلَاثَ مَسَاجِدَ کجاوے نہ کے جائیں
 مکہ محمدی ص ۷۱ (فیاض)

یعنی سفر اختیار نہ کیا جائے مگر ان تین مساجد کی طرف۔ اور وہ ہیں مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔ اس کا مطلب یہی ہے۔ کہ یہ تینوں مقامات مرکز ہدایت ہیں۔ تاہم ان میں خانہ کعبہ کو سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ اسی لیے وہاں پر عبادت کا ثواب بھی زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا کہ کیا: قرآن پاک کو وہاں لال کیا اور مسلمانوں کی، تہذیبی جماعت وہیں تہذیبی جو اللہ کے دین کو پوری دنیا میں جاری ہری کرنے والی تھی۔

مکہ مکرمہ کے مرکز ہدایت ہونے کی مثال ایسی ہے۔ جیسے انسان کے پیٹ میں بچے کو ناف سے ذریعہ خوراک بہہ پہنچانی باقی ہے، ناف جسم انسانی کا مرکز ہوتا ہے تو اس کے ذریعے بچے کو خوراک پہنچا کر اس کی نشوونما کی جاتی ہے۔ اسی طرح بیت اللہ پوری دنیا کا مرکز ہے۔ اور اس کے ذریعے تمام بنی نوع انسان کو روحانی غذا پہنچانی جاتی ہے۔

دنیا کی بیت اللہ شریعت میں سے ایک یہ بھی کہ یہ وسط البلد ہے مکہ یا مکہ کا ایک مہم وسط بھی ہے۔ یہ پوری دنیا کا وسط ہے۔ محدث تیسویں فرماتے ہیں کہ جس آدمی کو تکبیر پڑھتی ہو۔ اسی تکبیر کا خون سے کر اس کی پیشانی پر بکھ دیا جائے۔ مکہ و وسط البلد و اللہ و وقت یا تو بیدار تو اللہ اس کی تکبیر روک دیگا۔ یہ مقام اس لحاظ سے بھی وسط البلد ہے کہ زمین کی پیدائش سے پہلے ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ پھر بیت اللہ شریعت کے مقام پر ایک بجلبہ پیدا ہوا اور اسی سے اللہ نے ساری زمین کو پیدا دیا، تو گویا زمین کی پیدائش میں مکہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اور یہ پوری دنیا کا سنٹر ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے بیت اللہ شریعت کی تعمیر کی۔ اور اس کی تجدید حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے ہوئی۔ اس کے بعد تبدیلہ جبرائیل نے تعمیر کی۔ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سرال کا زمانہ ہے۔ پھر قوم عارفہ کا ذکر ملتا ہے۔ اور اس کے بعد قریش نے حضور علیہ السلام

تاریخ
تعمیر کعبہ

کے اعلانِ نبوت سے پانچ سال قبل ہریت اللہ شریعت کی تعمیر کی جب کہ اس کی
چھت گھنڈہ تو چھٹی تھی، یہ وہی تعمیر ہے جس کے دورانِ حلیم کا حصہ خانہ کعبہ سے
باہر نکال گیا تھا، جو آج بھی اسی حالت میں ہے اس کے بعد عبداللہ بن زبیر نے خانہ کعبہ
کی تعمیر کی۔ پھر عبدالملک بن مروان کے زمانے میں حجاج بن یوسف نے بیت اللہ کو گرا
کر نئے سرے سے تعمیر کیا، اور پھر آخری تعمیر ترکی عہد حکومت میں سلطانِ مرہ کے
زمانے میں ہوئی، جو اب تک قائم ہے۔ البتہ موجودہ سعودی حکومت نے حرم شریعت
کی تعمیر میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ خانہ کعبہ کے گرد و گردن کی حد کے باوجود
کے پیچھے بڑے وسیع برآمدے اور چاروں طرف سے بلند اور خوبصورت عمارتیں تعمیر
کیے ہیں۔ اب صفا و مردہ کا پورا حصہ ساتھ شامل ہو چکا ہے۔ اس دورِ مہرکہ عمارت۔
کافر شنگ مرمر کا ہے جس پر دبیز قالین بچھائے گئے ہیں۔ اب زم زم کی فضا بھی
کے لیے جدید نظام قائم کیا ہے۔ حرم پاک میں روشنی کے لیے خوب ٹیبلٹس
اور فلوس روشن ہیں۔ بہت سی پینکے ہمد وقت چلتے سہتے ہیں۔ اور لاؤڈ سپیکر کا ملبور
نظام قائم ہے۔

اہل کتاب نے اس مقدس مقام کی فضیلت کو کم کرنے کی غرض سے اپنی
ہی کتابوں میں تحریک کی ہے۔ زبور میں موجود ہے کہ خدا کے مقدس بندے
داویٰ بکھ میں گزریں گے۔ وطن پر پانی کے پٹے کا بھی ذکر ہے۔ اس سے مراد
حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اور چشمہ سے مراد اب زم زم ہے
مگر انہوں نے جبکہ کو بکا بنا دیا کہ کاکہ یہ داویٰ مکر کا نہیں بلکہ داویٰ بکا کا ذکر ہے
عربی زبان میں بکھ سے مراد رونا ہے اسی طرح ان کی کہانوں میں مرہ کا ذکر بھی ملتا
ہے کہ اس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی قربانی دی۔ مرہ
سے مراد تو وہی صفا و مردہ پناہیں ہیں۔ مگر انہوں نے اس لفظ کو بگاڑ کر مہر یا
بنا دیا۔ یہ بھی ان کی تحریک کا ایک شاہکار ہے۔

فرمایا بیت اللہ شریعت وہ مقدس مقام ہے فیہ ایستائت

جو شخص اس میں داخل ہوگا، اُسے خانِ محفل ہوگی۔ اس سے مراد ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے: اس میں ہیں۔ ظاہری اس کو یہ سب کہ اگر کوئی شخص قاتل ہو۔ یا کسی دوسری جانیات میں ملوث ہو اور وہ حرمِ شریف میں پناوے لے، تو اس کو مائے کی اجازت نہیں البتہ محدثین فرماتے ہیں کہ یہ شخص سے میل جول اور اس کی خوراک پانی وغیرہ بند کر کے گیسے باہر نکلے یہ مجبور کیا جاسکتا ہے۔ اور پھر حرم سے باہر لے جا کر اس پر حد جاری کی جاسکتی ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دکان پر بالفعل فساد کرے، تو اس کا دفع جائز ہے مگر اس سے بھی حتی الامکان گریز کرنا چاہیے، بلکہ اس میں حرمِ شریف میں جو عادیہ پیش آئے، اس کی وجہ سے حرم پر پاک کی بڑی بے حرمتی ہوئی۔ عام حالات میں اگر کوئی زیادتی کرتا ہے۔ تو حرمِ شریف کے تقدس کو ممکن حد تک بحال رکھنا چاہیے۔ یہ ہمچو بچو ان فادلوں نے حرم کے اندر اسلحہ جمع کیا، دیناروں پر چڑھ کر گویاں چلائیں، اور پھر حکومت کو بھی ضروری کارروائی کرنا پڑی، علمائے کرام نے توبہ دیا کہ حرمِ شریف کے اندر قتال کر سنے والوں کا قلع قمع ضروری ہو گیا ہے چنانچہ حکومت محمودیہ کو مجبوراً ان کے خلاف کارروائی کرنا پڑی جس سے حرم پاک کا تقدس بہر حال مجروح ہوا۔ کیونکہ یہ جائے امن ہے۔

امن کی دوسری صورت باطنی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص وہاں داخل ہو گیا، وہ دوزخ کی آگ سے مامون ہو گیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو شخص سکے یا دینے کے حرم میں فوت ہو گیا، کُنْتُمْ تَرْفِيعًا لِّمَنْ قِيَامَتُ كَعَنْ دَنِ اس کی سفارش کروں گا بشرطیکہ ایسا شخص ایمانہ رہو۔

فرضیت حج بیت اللہ شریف کے مختصر تعارف کے بعد فرمایا وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِنَّ كُنْتُمْ سَاءَ فِىْ رِخَا كِى خَا طَرِ ہر اس شخص پر اس گھر کا حج فرض ہے جو اس کی طرف جانے کی استطاعت رکھتا ہو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا گیا، استطاعت سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: الْمَرْادُ دَانِ طَرِ حِلَّةٌ یعنی سواری اور توشہ اس سفر پر جانے کے لیے سواری میسر ہو،

اپنے اور اپنے ہاں چرس کے سینے تناسب میں موجود ہو، جو اس سفر معزز کے عمر صمد کے لیے کافی ہو۔ تو ایسے شخص پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ البتہ بعض فروعات میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس مال موجود ہے اس پر حج لازم ہے، خواہ وہ ذاتی طور پر معذور ہو یعنی پانچ، اندھ یا بیمار ہے۔ اگر وہ خود چل کر حج نہیں کر سکتا۔ تو اسے لازم ہے کہ کسی دوسرے شخص کو حج بدل کے لیے بھیجے۔ امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ مال کے علاوہ آدمی کا تندرست ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر وہ خود خواہ اختیار کرنے سے معذور ہے، تو حج ساقط ہو جائیگا۔ خواہ اس کے پاس کتنا مال موجود ہو۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ حج کی فرضیت کے لیے مال اور جان دونوں لوازمات کا ہونا ضروری ہے۔ انسان صاحب مال بھی ہو اور تندرست و توانا بھی ہو، تب حج فرض ہوتا ہے۔ کیونکہ حج مال اور بنی دونوں قسم کی عبادات کا مرکب ہے۔ لہذا استطاعت میں دونوں چیزیں شامل ہیں۔ اسی طرح عورت کے ساتھ مرد کا ہونا ضروری ہے اگر محرم نہیں ہے تو عورت، پر حج فرض نہیں رہتا۔ کیونکہ محرم کا ہونا حج کی شرائط میں داخل ہے۔

حضور علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص کی بیوی حج پر چلی گئی۔ خاوند کا نام مجاہدین کی فہرست میں شامل ہو چکا تھا اور وہ جب دیکھ لیا کہ وہ بیوی علیہ السلام کو خبر ہوئی تو اس شخص کو فرمایا حج صلیح لاہل بیت جہاد کو ترک کر دے اور اپنی بیوی کے ساتھ حج پر جا ایک دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مذکور ہے۔ جو عورت اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے اور اپنے خاوند یا محرم کے بغیر تین دن سے زیادہ کا سفر اختیار نہیں کر سکتی، اور محرم وہ شخص ہوتا ہے جس کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لیے حلال ہو، جیسے: باپ، بیٹا، بھتیجا، بھانجا، بھائی، چچا، تایا، خسر وغیرہ۔

فرمایا وَحَدَّثَ عَنْكَ جَدُّكَ كُنْ كَرِيمًا۔ اکثر مفسرین کرام نے یہی کے لیے دہرہ تہذیب کیا ہے۔ کہ جو شخص استطاعت کے باوجود حج کرنے سے کفر کر گیا

فَإِنَّ اللَّهَ ظَنِّي بِكَ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى جہان والوں سے یہ تیار ہے کہ کفران سے مراد مطلق کفرانِ نعمت بھی ہے۔ خدا کے کسی حکم کی نافرمانی اور انکارِ شریعت پر بھی دلالت کرتا ہے تاہم یہاں مراد یہ ہے کہ حج فرض ہو چکا ہے مگر اذ نہیں کرتا، تو اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کی کوئی پروا نہیں ہے۔ ایسے شخص کی عبادت کی اللہ کو ضرورت نہیں ہے۔ عبادت و ریاضت تو انسان اپنی ذات کی تکمیل کے لیے کرتا ہے۔ اللہ تو ہر حالت میں حمید ہے۔ تعریفوں والو ہے، وہ محمود اور غنی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہے۔ اور وہ اس کے لیے کوشش نہیں کرتا، اور خدا مست نہیں دیتا، تو ہماری طرف سے ایسا شخص یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ ایسے شخص کو کوئی حادثہ پیش آجائے، مال میں کمی ہو جائے یا کسی اور تکلیف میں مبتلا ہو جائے ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

لَنْ تَنَالُوا ۝

اِلٰ عِمْرَانَ ۝

درس سی و چہارم ۲۴

آیت ۹۸ تا ۱۰۱

قَدْ يَاهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ
وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يَٰٓأَهْلَ
الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مِمَّنْ
تَبْغُونَهَا عِوَجًا ۖ وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ ۚ وَمَا اللَّهُ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۹﴾ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ
آمَنُوا إِنِ اطَّيَعُوا قَرِيبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
يَرُدُّوكُم بِكُفْرِكُمْ كَافِرِينَ ﴿۱۰۰﴾
وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُثَلِّىٰ عَلَيْهِكُمْ
آيَاتِ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۚ وَمَنْ يَعْتَصِرْ بِاللَّهِ فَقَدْ
هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو دیکھنے نے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں
کے ساتھ کفر کر رہے ہو۔ اور اندگاہ ہے۔ ان چیزوں پر جو تم کہتے ہو ﴿۹۸﴾
آپ کو دیکھنے نے اہل کتاب! تم اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو، جس شخص
کو جبراً ایمان لانا ہے۔ تم اس راستے میں کجی تلاش کرتے ہو، اور تم گواہ ہو۔ درحقیقت
ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کہتے ہو ﴿۹۹﴾ اے یہ لوگو! اگر تم ان
لوگوں میں سے ایک فریق کی بات مانو گے جنہیں کتاب دی گئی ہے۔ تو وہ تمہیں
پٹا دیں گے تمہارے ایمانوں کے بعد کفر کی طرف ﴿۱۰۰﴾ اور تم کفر کو جس طرح کرتے
علاحدہ یہ اللہ کی آیتیں پڑھ رہے ہو، اور تمہارے درمیان اللہ کا رسول ہے اور جو
شخص اللہ تعالیٰ کو معبود ہی سے پہچانے گا تو اس کو سیدھے راستے کی ہدایت دی گئی ﴿۱۰۱﴾

پہچان

مگر نشد سابق میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے غلط طرز اعتقاد سے
جوابت فرمایا اور کتاب ابراہیمی کی وضاحت فرمائی۔ اور یہ بھی واضح کیا کہ حضور خاتم النبیین
صلی اللہ علیہ وسلم در آپ کے ساتھی ہی اصل حضرت ابراہیمی پر قائم ہیں۔ اس کے علاوہ
حضرت ابراہیمی کے مرکز کی قبلہ بیت اللہ شریف کا تذکرہ ہوا، اور اس کے فضائل
بھی بیان ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمی کے اتباع کا بطور خصوصی حکم دیا۔

اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بطور اہمیت اور تہذیب اہل کتاب سے خطاب
فرمایا ہے کہ جب حضور علیہ السلام کا کتاب ابراہیمی پر قائم ہوا آیت ہو چکا، تو خیر
اہل کتاب کو اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ اور انہیں جان لینا چاہیے۔
کہ ان کا اپنا طریقہ طور سادہ ہے۔ جسے حضرت ابراہیمی سے کوئی واسطہ نہیں۔

تجزیاتی

دعا ہوئے سے قُلْ يَا هَذِهِ السُّبُطُ الَّتِي مَنَعْنَاهُ الْإِسْلَامُ! آپ
اہل کتاب سے خطاب فرمیں۔ اور کہ دیں اہل کتاب، اہل کتاب سے
برادر ہو و نہاد ہی ہیں جو اپنے آپ کو اکثر کی کتابوں قرأت اور انجیل کی طرف
موسر کر رہے ہیں۔ یعنی غور پر تو اہل کتاب ہر وہ شخص ہے جو کسی بھی آسمانی کتاب
پر ایمان لاتا ہے یا اس کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے۔ مگر حضور علیہ السلام سے
پہلے تاہل جو نے ولی دیکھ کر کتاب و صحافت کے ماننے والوں نے اپنا مسئلہ منقطع
کر دیا تھا۔ لہذا اہل کتاب کا اطلاق ان دو گروہوں یعنی یہود و نصاریٰ پر ہوتا ہے۔
جو اپنی نسبت قرأت اور انجیل کی طرف کرتے تھے۔ قرآن پاک سے اہل کتاب
کا تعلق صرف ان دو اقوام کو رہا ہے۔ اور مگر جبکہ ان کو خطاب کیا ہے۔

فرمایا جسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ اہل کتاب سے کہہ دیں لَا تَكْفُرُوا
بِآيَاتِ اللَّهِ تم اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو۔ آیات میں اللہ کی توبہ یاد
اس کے احکام، دلائل و براہین اور محجرات، وغیرہ سب کچھ شامل ہے۔ مقصد
یہ ہے کہ جب یہ سب چیزیں تمہارے پاس پہنچ چکی ہیں، تو پھر تم انکار کیوں کرتے
ہو۔ ایمان کیوں نہیں لے آتے۔ یاد رکھو۔ وَلِلَّهِ سُبُطٌ غَنَى مَا تَعْمَلُونَ

تم جو کچھ کہہ رہے ہو، اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔ یعنی سب کچھ اس کے سامنے ہو رہا ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ لہذا تمہارا فرض ہے کہ حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد اس پر ایمان لے آؤ، اور اگر پھر بھی تم کو ضرر پہنچے گا تب تو پھر یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی سزا اسے پہنچ نہیں سکے گی۔ خدا تعالیٰ سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ مشہد گد کا یہی معنی ہے۔

ضرر مستقیم
میں رکاوٹ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے شکوے کے انداز میں فرمایا ہے۔ عَسَىٰ يَآ هَٰؤُلَاءِ لَٰكُم مِّنْ فَضْلِهِ سَاعَةٌ۔ آپ اہل کتاب سے کہ دیں لِمَ تَصُدُّونَ عَنِ الْبَيْتِ اللہ ہفت من تم اہل ایمان کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو۔ جو لوگ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو چکے ہیں تم چاہتے ہو کہ وہ پھر ایمان سے بھر جائیں۔ اور اپنی کہیں خواہش کی تکمیل کے لیے مختلف چیلے بنائے کر رہتے ہو۔ بمجالہ ان کے ایسے صورت یہ ہے، تَتَّبِعُوا ثَمَاقًا جو جاکہ تم ضرر مستقیم میں محیب، نقص اور گنجی تلاش کرتے ہو تاکہ اس کا نظام کے لوگوں میں دین حق کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کی جائیں اور وہ اس میں سے راستے کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اللہ نے فرمایا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو۔

مسلمانوں میں انفاق پیدا کرنے کے لیے یہودیوں نے قبیلہ اوس اور خزرج کی پڑائی دشمنی کو زندہ کرنے کی کوشش کی، مگر اُس میں بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اوس اور خزرج کے قابل مدینہ میں سینکڑوں سال سے آباد رہے۔ کافی بڑی تعداد ذات قبیلہ تھے۔ ان کا اصل تعلق مبنی فاخر ازل سے تھا مگر مدینہ میں آکر آباد ہو گئے۔ مشہور ہے کہ یہ دونوں قبیلے ایک معمولی سی بات پر لڑائی میں غوث ہوئے اور یہ لڑائی ایک سو بیس سال تک چلتی رہی حضور علیہ السلام کے دروہ مہینہ کے بعد یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور اپنی تمام پڑائی دشمنی ترک کر کے آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔ یہودی مسلمانوں کی صورت چلتا پھرتا نہیں دیکھ سکتے

تھے، کسی مجلس میں ان دونوں قبائل کے لوگ مل جل کر دستے، دلوں ٹاس این فیس بیرونی
 نے ایسے شہر ٹپڑے یا پڑھو آج سے ان دو قبیلوں کی پڑائی جمیعت جاہلیہ بھر بیدار ہو گئی
 قریب تھا کہ ان میں پھر فساد کی آگ بھڑک اٹھتی کہ حضور علیہ السلام دلوں تشریف سے
 آئے اور فرمایا، بڑے انوس کی بات ہے۔ کہ میں اللہ کا پیغمبر تھا اے درمیان موجود
 ہوں مگر تم پھر میری عصمت کی باتیں کرتے ہو۔ آپ نے ان لوگوں کو سخت
 تنبیہ فرمائی، تو وہ تائب ہو کر لڑائی سے باز آ گئے۔ تاہم یہودیوں نے ان مسلمان
 قبیلوں کو لڑانے کی پوری پوری کوشش کی تاکہ یہ اسلام سے بظن ہو کر دوبارہ کفر
 کا راستہ اختیار کریں، اللہ نے فرمایا، تم ایسا بڑا کام کیوں کرتے ہو۔

موجودہ زمانے کے یہودی بھی اسلام کے خلاف سازش کرنے کا کوئی موقع
 ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے، کہ انہوں نے مصر سے بحریہ
 قرآن پاک شائع کر کے پوری دنیا میں تقسیم کیا۔ آیت کریمہ **وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ**
الْإِسْلَامِ دِينًا فَبِمَا غَيْرِهِ كُوفِرَ کو اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ کبھی الفاظ
 بے کبھی معانی بے اور کبھی قرآن پاک میں موجود پیش گوئیوں کو جھٹلانے کی کوشش
 کی تاکہ مسلمانوں میں اشتباہ پیدا ہو جائے اور وہ اسلام سے بظن ہو جائیں۔ ان
 کا مقصد یہی ہے کہ اسلام میں کبھی تلاش کی جائے اور پھر اسے خوب مشہور کیا جائے
 مستشرقین نے اس ضمن میں بڑی کوشش کی ہے۔ وہ علوم شرقیہ پر عبور حاصل کیے
 قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح کرتے ہیں اور پھر ان میں نہایت جو شکاری کیا تھ
 باطل نظریات داخل کر دیتے ہیں تاکہ لوگ اسلام سے بیزار ہو جائیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کے ذریعے اہل کتاب سے فرمایا
 کہ تم ان لوگوں کو انٹر کے راستے سے کیوں روکتے ہو، جو ایمان لائے ہیں۔ تم
 اللہ کے راستے میں کبھی تلاش کرتے ہو۔ **وَأَمَّا تَشْرِيقُ شَهْدَاؤُكَ** حالانکہ تم گواہ
 ہو۔ مشہور شہید کی جمع ہے جس کا عام فہم معنی گواہ ہے۔ یعنی اے اہل کتاب
 تم گواہ ہو، البتہ جہاں منہ قرآن فرماتے ہیں۔ کہ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوا ہے

کہ اہل کتاب کی گواہی مسلمان پر کیجئے جسے ضروری ہوگی، جب کہ گواہی کے لئے دو مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونا قرآن پاک کی رو سے ضروری ہے اس کا جواب اہم صاحب یہ فرماتے ہیں کہ یہاں شہید سے مراد گواہ نہیں بلکہ اہل علم ہے۔ چنانچہ اَنْتُمْ شٰہِدُوْا کا معنی اَنْتُمْ عَلَیْہِیْنَا ہو گا یعنی تم جانتے ہو۔ اور جان بوجھ کر اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہو۔ فرماتے ہیں کہ اس کا دوسرا معنی اَنْتُمْ عَقَبْتُمْ کو رو بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی تم عقل و شعور رکھتے ہو مگر جان بوجھ کر اسلام کے راستے میں کاٹ کھٹری کرنے کی کوشش کرتے ہو۔

موجودہ زمانے کے یہودیوں نے ایک اور حربہ استعمال کیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب تک اہل اسلام کے دلوں میں نبی آخر الزمان علیہ السلام کی محبت موجزن ہے ہم ان پر غالب نہیں آسکے، لہذا ان کی یہ کوشش ہے کہ کسی طریقے سے اہل اسلام کے دل سے حضور علیہ السلام کی محبت کو نکال دیا جائے۔ مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ آج کے زمانے میں کتنا بھی گیا گزرا مسلمان ہے۔ اس کا دل بغیر اسلام کی محبت سے سرشار ہے۔ اہل کتاب کی ان تمام کارستانیوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا لَیْلَہُ دَعَا فِیْہِیْ عَصَا فَعَصٰوْا اَللّٰہُ تَعَالٰی تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔ وہ تمہاری نیتوں کو جانتا ہے۔ تم یقیناً سخت ترین سزا کے مستحق ہو جاؤ گے۔ اہل کتاب سے شکوہ کرنے کے بعد اب اہل ایمان سے خطاب ہے۔ اور

اہل اسلام
کو تنبیہ

انہیں تنبیہ کی جا رہی ہے۔ مگر کہیں یہود و نصاریٰ کی سازش کا فکار نہ ہو جائے۔ اگر تم ان کے حال میں پھنس گئے، تو وہ یقیناً تمہارے ایمان پر ڈاکہ ڈالیں گے اور تمہیں ہمیشہ کے لئے ناکام و نامراد بنا دیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَطِيعُوْا فِرٰیثَۃَ الَّذِیْنَ اُوْلُوْا اَلْسِنَہٗ فَکُمْ مِّنْہُمْ کَمَا کُنْتُمْ مِّنْہُمْ۔ اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی اطاعت کرو گے، ان کی بات مانو گے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ مِیْسُ دُوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کہ پھر چین یہ لوگ تمہیں تمہارے ایمان کے برخلاف پیچ دیں گے، اہل

بول ہیں یہ چیز بڑی طرح گھٹسک رہی ہے۔ کہ تم کہوں ایمان سے آئے ہو، لہذا ان کی سب سے بڑی گمشدہ ہے۔ کہ وہ تمہیں تمہارے دین سے بظن کر کے دوبارہ کفر کے اندھیروں میں دھکیل دیں۔ یہود و نصاریٰ کی اس خصلت پر کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا ہے: **وَلَكِنْ تَرْضَوْنَ عَسَاةَ الْيَهُودِ وَلَا النَّصْرِيَّ حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ** یہود و نصاریٰ آپ کو بھی راضی نہیں ہوں گے۔ جب تک آپ اپنا دین چھوڑ کر ان کا دین اختیار نہ کریں۔ **لُطِيفٌ خَفِیٌّ** یعنی اطاعت میں عقیدہ اور اعمال دونوں چیزیں شامل ہیں۔ اگر تم نے اہل کتاب کی اطاعت عقیدے میں کی، تو تمہارا عقیدہ بھی دیا ہی ہو جائیگا، جو کہ یقیناً باطل عقیدہ ہے۔ ان کے عقیدے میں کفر و شرک شامل ہے، لہذا ان کی بات مان کر بھی کفر میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم نے اعمال میں ان کی بات تسلیم کی، تو تمہارے اعمال بھی کافروں جیسے ہو جائیں گے، کفر بہر حال کفر ہے۔ خواہ وہ عقیدے میں پورا عمل میں ہو۔ اور یہ بہت بڑا نقصان ہے۔ کفر کے اعمال کی ایک مثال یہ ہے۔ کہ وہ آپس میں برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ اور اگرچہ مسلمان بھی جیسے ہی کام شروع کر دیں، تو دونوں میں کیا فرق رہ گیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ **سَبَابُ الصَّوْمِ فَسُوقٌ وَقِتْلَةُ الْكُفْرِ** یعنی مسلمانوں کو گالی دینا فسق ہے۔ اور اس سے لڑائی کفر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے۔ کہ اہل کتاب سے ہو کر شیاءِ کفر کا ان کی اطاعت نہ عقیدے میں نہ عمل میں۔ اگر ایسا نہ ہو گے تو ان کی خواہش کی تکمیل ہوگی اور وہ تمہیں ایمان کے نور سے نکالی کر کفر کے اندھیروں میں دھکیل دیں گے۔

اس کے بعد فرمایا: **وَكَيْفَ تَكْفُرُمْ** تم کس طرح کفر کر سکتے۔ **وَنَذَرَكُمْ فِي آلَتِكُمْ** اے اللہ! لا الہ الا انت تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔ یعنی قرآن کریم نازل ہو رہا ہے۔ اور تمہارے لیے ہدایت کا سامان ہم پہنچا رہا ہے۔ اس صورت حال میں تم کیسے کفر کر سکتے ہو۔ اکثر مفسرین کا اجماع ہے کہ

ہی نہ یہ آیت کو میری جگہ کرنا شک ہے جس میں ہے جو ایک زمانہ مہر کی ہی وجود تھے۔
چنانچہ انہیں منی طلب کر کے کہا جا رہا ہے کہ نزول قرآن کے اس بارگاہ تری میں
میں یہود و نصاریٰ کی طاعت اختیار کر لو تو یہ نہایت ہی افسوسناک بات ہوگی۔
اور اگر اس منی طلب کے مخالفین میں صحابہؓ کے بعد آئے کے مسلمان بھی کچھ جائیں
تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ لشکرِ قرآن تمہارے پاس موجود ہے جس کی طاقت تم پر مدد
کرتی ہو، اس کے احکام کو یہ سمجھتے ہو، تو پھر تم کس طرح کفر کرتے ہو۔

فرمایا ایک تو اللہ کی آیتیں تم پر پڑھی جاتی ہیں اور دوسری بات یہ ہے۔
وَرَفِيعَ كَوْنِ سُؤْلِهِ تَمَاسُکِ دَرْمِیَانِ اللہ کا کون موجود ہے۔ پھر یہیں آیات
پر کھڑا کرتا ہے۔ اور تمام حکام سے آگاہ کرتا ہے۔ تمہیں کہید اور ایمان کہا
دیں دیتا ہے، اور کفر و کفر کے بچاتا ہے۔ اس کے باوجود تم کیا کفر کرتے
آیت کے اس جہمہ کا بھی بعد ہر اللہ تعالیٰ تو صحت کہہ کر تم پر ہی ہوتا ہے جن کے درمیان
محمود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جنس انیس موجود تھے، تاہم اگر اس کا اطلاق بعد
میں آئے کے پہلے اسلام پر بھی کیا جاسکے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آخر چہ نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ تو موجود نہیں ہیں مگر آپ کی سنت، احادیث، آثار،
تعلیمات اور شریعت تو تمہارے درمیان موجود ہے۔ اور قیامت تک باقی ہے
گی۔ اس کے باوجود تم یہود و نصاریٰ کی بات مان کر گمراہی کا راستہ اختیار کر کے تو
کئے افسوس کا نشانہ بنے۔

بعض اہل بحث اس مقام پر سیدھے سادے مسلمانوں کو دھوکا دیتے
ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ وَرَفِيعَ كَوْنِ سُؤْلِهِ کہا مطلب یہ ہے۔ نبی علیہ السلام
جنس انیس ہر زمانے میں ہر مقام پر تمہارے درمیان موجود ہیں۔ لہذا آپ جاننے والا
ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے کہ ہر وقت ہر مقام پر حاضر نظر ہونا صرف امت کی
صفت ہے۔ پھر یہ سیدہ کی یہ صفت نہیں ہے۔ مگر یہ لوگ بھی یہودیوں
سے کم نہیں ہیں۔ جو صحیح عقیدہ مسلمانوں کے عقیدے کا سد کرنے پر لگے

عقیدہ
حاضر نظر

بیٹھے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے پہلے آیت گزر چکی ہے۔ وَمَنْ
 دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا جو حرم شریف میں داخل ہو گیا، اُسے اس نصیب ہو گیا
 ظاہری طور پر اُسے کسی حرم کی سڑائیاں دی جا سکتی۔ جب تک وہ حرم سے باہر نہ آجائے
 اور باطنی طور پر نہ دوزخ سے، مومن ہو گیا۔ گویا وہاں داخل ہو جانے والے کو امن حاصل
 ہو جاتا، بیت اللہ شریف کی خاص صفت ہے، اگرچہ لوگوں نے یہی بیت خواہ
 فرید الدین گنج شمس کے سوا کسی کے دروازے پر کھدی ہے جس کا منصب یہ ہے۔
 کہ جو اس دروازے میں داخل ہو گیا، ظاہری اور باطنی طور پر مومن ہو گیا۔ یہ کئی غلط بات
 ہے۔ جو چیز اللہ نے بیت اللہ شریف کے متعلق فرمائی ہے لوگوں نے اُسے
 بناوٹی دروازے پر چپائی کر دیا ہے۔ نتیجہ یہ کہ ہر سال لاکھوں کی تعداد لوگ
 اس دروازے سے گزرتے ہیں، حالانکہ خواجہ صاحب نے تو اپنی زندگی میں
 کبھی نہ فرمایا، کہ جو اس دروازے سے گزر گیا، وہ حقیقی ہو گیا، خداوند کفر شرک و
 بدعت میں ہی کیوں نہ محو ہو۔ اچھا تو بالآخر خواجہ فرید الدین تو ماندار اللہ شیخ اسلام
 تھے۔ نہایت صلح اور نیک انسان تھے، آپ کے ہاتھ پر رکھوں فرود نے اسلام
 قبول کیا، بہت سے راجپوت خاندان آپ کے ہاتھ پر مشرف ہو اسلام ہوئے۔ ان
 سے غلط بات نمونہ کس قدر اتنا فی سہ ہے۔ واقعی لوگ بدعت اور مشرک میں نہ گئے
 ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ بھگ کرے، یہ بہت بڑی نعمت ہے جسے میر
 آجائے۔ بکاری شریف کی حدیث ہے مَنْ شَرِبَ مِنْ لَدُنِ اللَّهِ بِإِذْنِهِ خَيْرٌ مِّنْ ثَمَرِ
 الْجَنَّةِ اللہ تعالیٰ جس شخص کے پاس میں بستی کا راہ فرماتا ہے، اُس کو دین
 کی سمجھ بھگ کر لے۔ یہ مذاق الی کا بہت بڑا انعام اور فضل ہے، اس نعمت پر ہم
 اللہ کا شکر ادا کرتے چاہیے۔ انور! وَفِي كُتُوبِهِمْ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ
 کہ اللہ کا نبی تمہارے درمیان فی انہم موجود ہے، بلکہ اس کی صفت اور شریعت
 موجود ہے۔ اس سے استفادہ کرتے رہو گے، تو گمراہ نہیں ہو گے۔

اختصاراً یہ فرمایا اہل کتاب تو تمہیں دین اسلام سے پھیر دینا چاہتے ہیں مگر وَمَنْ

بَعَثَ بِاللَّهِ حُرّاً لَمْ يَكُنْ مِنْهُ شَيْءٌ فَكَيْفَ يَكُونُ رَاقٍ مَوْطِئٌ مُسْتَقِيمٌ
 پس بیشک ایسے شخص کو ہدایت دی گئی یہ سے ایسے کی، گو یہ ایسا شخص مفلوج تھیں ہوگا۔
 واللہ کو مضبوطی سے پکڑنے کا معنی یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے، اُن کے دین کی باتوں
 پر غور و خوض سے جس نے اللہ کی ذات پر پورا پورا بھروسہ کیا، اُن سے
 اعتقاد باللہ کو پایا۔ نیز کہ ان دین فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اسباب
 پر بھی زیادہ اعتماد نہ کرے بلکہ بعض اللہ کی ذات پر ایمان رکھے، اس پر توکل
 رکھے تو شیطان بھی دفع ہوگا۔ اور یہود و نصاریٰ بھی اپنی مذہب میں ناکام ہوں گے
 پرستش ختم ہوگی یہ ان کی ہی تفسیر ہے۔ اسلام کی تعلیم یہی ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم
 شروع ہوتی ہے، ہر کام میں اللہ کے ساتھ شریعت کیا جاتا ہے۔ جو رحمن اور
 رحیم ہے اسی ذات پر ہمارا بھروسہ ہے وہ وحدہ لا شریک ہے۔ تمام قوتوں کا
 مالک ہے یہی اعتقاد باللہ ہے۔ لہذا جو کوئی اللہ پر ایمان رکھے اس کے احکام
 کو مضبوطی سے پکڑنے کا وہ بھی گمراہ نہیں ہوگا۔ یہاں یہی بات کی تعلیم دی گئی ہے۔

لَنْ تَنَالُوا

اِلٰ عَصٰی ۳

درس سی و پنج ۳۵

آیت ۱۰۲، ۱۰۳

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ
 إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ
 جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
 إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ
 فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلَى
 شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ۚ
 كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے جیسا کہ حق ہے اُس سے ڈرنے
 کا اور تم نہ مرنے تک اس حالت میں کہ تم فرمانبرداری کرنے سے ہر ﴿۱۰۲﴾ اور اللہ کی
 رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو سب ایک دوسرے کے ساتھ اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو
 جو اُس نے تم پر کی جب کہ تم آپس میں دشمن تھے، اُس نے تمہارے دلوں میں
 الفت ڈال دی۔ پس تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے، اور تم لوگ
 کے گڑھے کے کنارے پر تھے پس اللہ نے تم کو بچا لیا۔ اسی طرح اللہ کھول کہ
 بیان کرتا ہے۔ تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم ہدایت پا جاؤ ﴿۱۰۳﴾

رہنمائیات

گہر مشعر آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی بات ماننے سے منع فرمایا
 تھا۔ اہل کتاب کی گمراہی کا ذکر کرنے کے بعد اہل ایمان کو تفسیر فرمائی کہ اگر انہوں نے
 اہل کتاب کے کسی گروہ کی بات کو مان لیا تو وہ انہیں راہ ہدایت سے کفر کی طرف
 مائل کر دے۔ پھر وضاحت فرمائی کہ اگر عقیدے میں اُن کی بات مانی تو کافر ہو

ہاؤں کے اور گنہگاروں میں ان کا اتباع کی تہ نہر کی ناراضگی مول لہے کے و کفر و نعت کے مرتکب ہو گئے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی خاص طور پر اہمائی فرمائی ہے اور دین کے بنیادی اصولوں پر قائم رہنے اور ہر عقیدہ کی اور معصیت سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

ارشادِ بڑا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ خوفِ خدا لے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔
ظاہر ہے کہ خوفِ خدا بھی حاصل ہو گا۔ جب کسی انسان کی دین پر استقامت ہو یعنی اُس کا عقیدہ کفر، شرک اور انفاق سے پاک ہو اور اس کے اعمال بھی بالکل درست ہوں۔ صفائے اور کمال سے انتہا تک پہنچ جائے کہ ہر شے کو چیز سے پرہیز کرے اور اگر اُس میں یہ چیزیں پیدا ہو گئیں تو اس کو کمالِ تقویٰ حاصل ہو جائے گا اور حقِ تقویٰ کا یہی قصہ ہے۔

مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کے کئی درجات ہیں۔ ان میں سے سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان کفر، شرک اور بدعت کی سے بچ جائے۔ شیطان اور دیگر گمراہی پھیلانے والے عوامل سے محفوظ رہ سکے، اگر کوئی شخص تقویٰ کا یہ ادنیٰ درجہ بھی حاصل نہ کر سکے، تو پھر اُس کی نجات کی کوئی صورت نہیں کیونکہ اس معاملہ میں کوئی رعایت ممکن نہیں۔ اور تقویٰ کے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ انسان اعمالِ حسہ پر بھی کام بند ہو، اور ماحی سے بچتا ہو، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں، تقویٰ محافضات، برہد و شرع، یعنی کمال درجہ کا تقویٰ وہ ہے جو شریعت کے حدود کی پوری پوری حفاظت کرتا ہو۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ سورۃ کوبہ میں بیان فرمایا ہے۔ اللَّهُ تَعَالَىٰ سَمِعَ سَمْعًا یہ بھی بتاتی ہے وَلَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ یعنی وہ لوگ ہیں جو حدودِ اللہ کی حفاظت کرتے ہیں، ان سے آگے نہیں بڑھتے۔ کمال درجے کے متقین ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔

يُؤْتِي مِنَ الْبَلَدِ وَالْمَيْمِ الْخَيْرَ تَوَسَّعَتْ فِي حَالَتِهَا فِي حَالَتِهَا .
 کہ وہ اللہ کی نیت اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ وَیَأْتِي رُبِّيْ اَنْتَ مِنْ
 مَا يَخْبِي عَنْ يُّوْقِي الْاَلْبِيْهِ اور اسے چاہیے کہ وہ لوگوں کے ساتھ دینی سلوک
 کو سب سے جو وہ اپنے سے پسند کرنا سب سے متواضع کہ حق تعالیٰ میں ہی چیز
 بیان کی گئی ہے کہ وَلَا تَمُوتُنَّ دُنَا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ تماری موت
 اسلام کی حالت میں آئی چاہیے۔ اور یہ مقام بھی حاصل ہوگا۔ جب انسان ہمیشہ اس
 کی فکر میں لگا رہے گا۔ دو ہمیشہ اپنا ہی سبب رہا ہے کہ کہیں اس کی موت اسلام کے
 عداوت کسی اور چیز پر نہ آجائے۔

دوسرے مقام پر فرمایا هَاتِلُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ اللہ سے ڈرو
 جس قدر طاقت رکھتے ہو مفسرین و محدثین کہہ فرماتے ہیں کہ مَا اسْتَطَعْتُمْ
 کا تعلق تقویٰ کے اعمال والے درجے سے ہے۔ یعنی اپنی استطاعت کے
 مطابق اعمال حسنہ انجام دیتے رہو۔ اس میں ہر آدمی کی طاقت کے مطابق رعایت
 موجود ہے۔ بڑے اعمال سے بچتا ہے، آخر کوئی خامی رہ جائیگی تو اللہ تعالیٰ
 مہربانی فرما کہ معاف کر دیں گے مگر تقویٰ کے عہدے والے درجے میں معافی
 اور رعایت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر ایمان میں نقص آئیگا، کفر، شرک یا فساد میں سے
 کوئی شائبہ واقع ہوگا تو نجات کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔ عقائد میں تھوڑی سی
 گمراہی بھی ناقابلِ برداشت ہے۔

یہاں پر سوال پیدا ہوا ہے کہ کسی شخص کی موت تو غیر اختیار ہے۔ وہ خود
 چاہے بھی تو موت نہیں آسکتی پھر اس آیت کا کیا مطلب کہ "نذر و تم مگر اس حالت
 میں کہ تم فرمانبرداری کرنے والے ہو؟ مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے
 کہ تم اپنی زندگی اعمال صالحہ میں مشغول رہو حتیٰ کہ اپنی پرہیزگار خاتمہ ہو جائے۔ اگر
 ایسا ہو گیا، ایمان قائم رہا اور اسی پر خاتمہ ہو گیا، تو کاسرانی یعنی سب سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کا ارشاد گرامی ہے مَنْ مَاتَ بِكَ يَمِيْنٍ يُبْعَثْ عَلَيْهِ یعنی جو کمر لے

جس عقیدے اور عمل پر سر مٹا، اسی پر قیامت کو اٹھایا جائے گا۔ اس کا مطلب
 ہوا کہ انسان اس دنیا کی زندگی میں نیک اعمال انجام دیتا ہے حتیٰ کہ طے موت
 آجائے۔ سورۃ محمد میں ہے: **إِنَّ نَظْرًا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ فَهُوَ مُبَصِّرٌ يَبْذُلُ**
الْحَيٰثِيَةَ يُبَدِّلُ نَافِثًا فِيْهِ نَاسِيًا عبادت گاہ میں جو جہت کمر تھیں چھین
 یعنی موت آجائے الغرض! **وَرَدًا تَقْصُوْنَ لَكُمْ** **وَلَا تَأْتِيْكُمْ مِّنْهُ مَبْصُورٌ** کا
 مطلب یہ ہوا کہ تم زندگی بھر نیک کاموں میں لگے رہو، کیونکہ پتہ نہیں موت کس
 وقت آجائے۔ اور موت ہر صورت اسلام کی حالت میں آتی چاہیے۔ تاکہ حشر
 کو اسلام ہی کے عقیدے اور عمل پر دوبارہ اٹھایا جائے۔

اللہ

فرمایا **وَأَن تَصْبِرُواْ بِنَجْمِ اللّٰهِ جَمِيعًا** اللہ کی سی کہ سب مل کر مضبوطی
 سے پکڑ لو۔ جہل اللہ یعنی اللہ کی سی استوار و قرآن پاک ہے۔ تہذیبی شریف میں
 حضرت علیؓ سے روایت ہے، حضور نبیؐ کہ ہم علیہ السلام نے فرمایا لوگو! یاد رکھو
إِنَّكُمْ سَتَكُونُ جُنُودًا ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے
 ہیں۔ میں نے عرض کیا **مَا الْمَخْرُجُ مِنْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ** اس فتنہ سے
 بچ نکلنے کا کیا ذریعہ ہے۔ فرمایا **كِتَابُ اللّٰهِ** وہ ذریعہ اللہ کی کتاب ہے۔
فِيْهِ نَبَأُ مَنْ قَبْلُكُمْ جس میں تم سے پہلی امتوں کے
 واقعات ہیں **وَحَبَرُ مَنْ بَعْدَكُمْ** اور تمہارے بعد آنے والی اطلاعات
 ہیں۔ **وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ** اور اس زندگی میں پیش آنے والے معاملات
 کے متعلق واضح احکام و قواعد ہیں۔ فرمایا **وَهُوَ حَبِيبٌ إِلَيْهِ الْمَسْرِيْنَ**
 خدا کی مضبوطی سے لگا ہوا ہے۔ کہ یہ سب صفات، قرآن پاک میں موجود ہیں۔
 اس میں سابقہ اقوام کے عبرت ناک واقعات و وجود ہیں جس سے انسان نصیحت پکڑ
 سکتا ہے۔ **وَدَوَّ عَمْرٍ اَمْرًا يَّقْنُ كُنْ فِيْ قَلْبِهِ صَبْرٌ** جو
رَدَّوْنِيْ لَا تَلْبَسْ ان واقعات میں نہ صاحب عقل و بعیرت لوگوں کے لیے
 عبرت نہ کما سامان و جوہر ہے۔ اور بعد میں آنے والی اطلاعات میں موت، قبر،

ہر نسخہ، حشر، جنت، دوزخ وغیرہ کے متعلق قرآن پوری پوری اطلاعات ہم پہنچاتا ہے۔ اور دوسری چیز احکام ہیں جو پوری زندگی کے ہر گوشہ پر محیط ہیں اور انسان کی ہر مرحلہ پر رہنمائی کرتے ہیں۔ اور امر و نہی کی پوری تفصیل موجود ہے۔ جن کے مطابق زندگی بسر کر کے انسان دائمی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ الغرض! یہ قرآن پاک ہی ہے جسے جبل اللترک تعجب دیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کتاب اللہ جبل اللہ الحمدود من السماء والی الارض قرآن پاک اللہ کی کتاب ہے، جبل اللہ ہے جسے آسمان سے زمین تک دراز کیا گیا ہے۔ قرآن پاک لوح محفوظ بیت العزت سے دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہ نازل ہوا۔ اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا القرآن هو حبس اللہ۔ لصنین یہ قرآن اللہ کی مضبوط سی ہے۔ والشود للصبین یہ روشنی شیخ والا نور ہے، قرآن پاک میں بھی آتا ہے "وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ الثَّوْقَ الثَّقِينَا" ہم نے واضح طور پر بیان کر دینے والا نور تمہاری طرف اتار دیا قرآن پاک کے متعلق یہ بھی آتا ہے "مَوْثِقًا لِّلنَّاسِ" یہ نفع پہنچانے والی شفا ہے۔ "فِيهِ هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّمَن اتَّبَعَ" اور تمام روحانی مراض کی شفا ہے جو کوئی قرآن پاک پر عمل پیرا ہوگا روحانی طور پر صحت یاب ہوگا۔ قرآن پاک عصمة لمن فصل به جو اس کو مضبوطی سے تمام لے گا۔ یہ اس کے لیے گمراہی اور دوزخ سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائے گا۔ و غبات لمن تبع جو اس کا اتباع کرے گا۔ اس کو نجات نصیب ہوگی یہ سب جبل اللہ کی تشریح ہے۔

منہم شریفین کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت حضور علیہ السلام نے فرمایا "إِنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ لِّكُم تَلَاتَا اللَّهُ تَعَالَى تَهَا سَیِّئَاتُ بَنِیْزِلَ کو پسند فرماتا اور تین چیزوں کو ناپسند کرتا ہے۔ فرمایا اللہ کی پسندیدہ چیز یہ ہیں۔ اَلْ تَعَبُّدُ وہ کھتم اس کی عبادت کہ دو کلام شری کو ایہ شیئ

اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ تیسری پسندیدہ چیز فرمایا لَتَقْتَصِمُوا حَبْلَ اللَّهِ
جَمِيعًا وَلَا تَفْتَرُوا اللہ کی کسی کو مضبوطی کے ساتھ تمام لو۔ اور آپس میں تفرقہ نہ
 ڈالو۔ پھر فرمایا تَمِيزُوا بَيْنَ مَا يَنْدَبُہُ حَیْرُوں میں قیس مثال یعنی پیروی اور بلا مقصد
 بات پریت، کثرت حوال اور ضَاعَةُ الْمَالِ ہیں۔ کثرت سوال سے مراد یہ ہے
 کہ لوگ مسائل دریافت کر سنے میں تو بال کی کمال اناستے ہیں، مگر عمل مضرب ہے۔
 پھر مال کا ضیاع یہ ہے کہ فضول رسومات، بدعات اور جنم جنموں پر خرچ کیا جائے
 اللہ تعالیٰ کو یہ ہرگز پسند نہیں کہ اس کے ٹیلے ہوئے مال کو اس کی رضا کے خلاف
 خرچ کیا جائے۔ الْفَرْغُ مِنَ اللَّهِ سے مراد قرآن پاک ہے جسے مضبوطی کے ساتھ
 پکڑنے کی نصیحت کی گئی ہے۔

تفریق
 بین المسخین

ارشاد ہوتا ہے، سَبَّحَ سَبْحًا کہ اللہ کی سی کو مضبوطی سے تمام لو۔
وَلَا تَفْتَرُوا تفرقہ اور اختلاف نہ کرو۔ امام ابو حنیفہ صاف فرماتے ہیں کہ
 اس مقام پر جس اختلاف سے منع کیا گیا ہے، وہ اصول کا اختلاف ہے، کیونکہ
 فروعات میں اختلاف کرنا باج ہے فردعی، اختلافات کے ذریعے انسان کی
 عبادت درست ہوتی ہے۔ مختلف حالات میں احکام مختلف ہوتے ہیں۔
 مثلاً عاتقہ عورت اور عنبی کے لیے نماز حرام ہے، لیکن ایک عام تکلف کے
 لیے فرض ہے۔ صاف اور مریض کے لیے روزہ کھانا حلال ہے مگر مقیم اور ستر
 کے لیے حرام ہے۔ یہ فردعی اختلاف ہیں۔ ائمہ دین جیسے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی
 وغیرہم کا بعض فروعات میں آپس میں اختلاف ہے یہ واسطہ بشرطیکہ تعصب
 سے پرہیز کیا جائے، اکثر لوگ اوصیہ کام لیتے ہوئے اپنے مسئلہ پر اڑ جاتے
 ہیں۔ اسی کو درست سمجھتے ہوئے دوسرے مسلک والے کو جہمی قرار دے دیتے
 ہیں۔ یہ جہالت اور نادانی ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ اگر دین کے کسی
 اصول میں اختلاف کر لیا تو گمراہ ہو جائے گا۔

آگے فرمایا وَذَكَرُوا اِخْتَمَتِ اللّٰہِ عَلَیْكُمْ اللہ تعالیٰ کے اُن

تذکرہ

سمات کرنا کر دے۔ جو اس لئے تم پر کہے۔ ذُكِّنْتُمْ اَعْدَاءُ قَوْمِكُمْ میں
ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اور تمہارے اندر عصبیت جاہلیت پائی جاتی
تھی۔ خدا نے اسی بات پر لڑنے مارنے پر تیار ہو جاتے تھے، تمہارے سامنے کوئی
مشن نہیں تھا۔ اس حالات میں قَالَ لَقَدْ بَيْنَ فُتُوْبِكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی
نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے الفت ڈال دی۔ آگے بڑھنا
میں بھی آگے گا۔ وَقَالَ بَيْنَ فُتُوْبِهِمْ قُلُوْبُ الصَّقَاتِ مَا فِی
الْاَرْضِ حَمِیْمًا مَا اَلْفَتْ بَيْنَ فُتُوْبِهِمْ وَلَیْکِنَّ لِلّٰهِ اَلْفَتْ
بَیْنَهُمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کی۔ مگر نہ اگر آپ
پوری دنیا کے خزانے بھی خرچ کر دیتے تو ان کے درمیان پیار و محبت کی فضا
 قائم نہ کر سکتے۔ یہ تو ایمان اور اسلام کی الفت ہے جو اللہ نے اپنے احسنی
پیغمبر علیہ السلام کو مبعوث فرما کر ان کے درمیان پیدا کی۔ اپنی آخری کتاب نازل
فرمائی اسلام کے احکام سے آگاہ فرمایا چنانچہ اس کے تقاضوں کو سمجھ کر وہ لوگ
اپنے اختلافات نبھول گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا هَذَا صَبَحْتُوْ بِفَضْلِهِ
حَوْلًا تم اللہ کے فضل سے آپس میں بجائی بجائی بن گئے۔ تمہاری تمام
عدوتیں اور پرانی عصبیت دور ہو گئی اور تم آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔ حضور علیہ السلام
کا ارشاد ہے مَوْصِنٌ تَقِیٌّ وَفَاجِرٌ شَقِیٌّ یعنی مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ تقی ہو تب
لہ اور اس کے رسول کے احکام کا اتباع کرے۔ اور فاجر ان احکام کی نافرمانی کرے
گمراہی میں جا کر رہے۔ لہذا جب اسلام آگیا تو پھر الفت و محبت اسلام کی جو ہے
ہونے لگی۔ قبائل اور خاندانوں کا طمس ٹوٹ گیا اور عدلوں سے جاہلیت کی شکار
قوم تہذیب و تمدن کے بام عروج پہنچ گئی۔ یہ اسلام کی جو ہے بجائی بندی کا نتیجہ تھا۔
اللہ تعالیٰ نے اس جہل قوم کی عصبیت کا تذکرہ کیا، اور ان کو یاد کرایا وَلَقَدْ کُنْتُمْ
عَلٰی شَفَا حُمْرَةٍ مِّنَ الْمَنَارِ فَاَنْفَذَکُمْ وَنَهَاکُمْ دُوْرَکُمْ
کے گڑھے کے کنارے پہنچ گئے تھے۔ شفا صبح کے ساتھ ہو تو اس کا سعی بند

ہے۔ اور اگر کس نے اس کے ساتھ شفا ہو کر اس کا معنی تندرستی ہوتا ہے۔ یہاں پر شفا سے مراد کفارہ اور خیرہ کر ٹھہ کر سکتے ہیں۔ مقتصد یہ ہے کہ تم اپنی جاہلیت اور خبیثیت کی بنا پر روزِ حق کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے۔ موت آنے کی دیر تھی کہ اُس گڑھے میں گر جاتے مگر اللہ نے تمہیں اس گڑھے سے بچا لیا۔ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ تمہیں ایمان کی دولت نصیب ہو گئی اور تم جہنم کے گڑھے میں گرنے سے بچ گئے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

فَرِیَا کَذِبَتْ رُبُّیْنَ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ اِیْطٰرُ النِّعٰتِ
 تمہارے سامنے احکام اور اصول بیان فرماتا ہے۔ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔
 جن کے ذریعے تم فرمانبردار بن سکتے ہو۔ اور اس کا مفسد یہ ہے کہ لَکُمْ
 نَہَضْتُمْ دُونَ اَکْرَمِہٖ اٰیٰتِہٖ اِیْطٰرُ النِّعٰتِ کے تمام اہل
 دنیا کہ جیسے ہیں۔ اب ان سے فائدہ اٹھانا تمہارا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب
 چیزیں واضح فرمادی ہیں۔

لَنْ تَنَالُوا

اِلٰ عَصَاكَ

دریں میں شش ۳۶

آیت ۱۰۴

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ
وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: پس چاہیے کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہو جو خیر کی دعوت دے اور معروف
کا حکم کرے اور بُرائی کے کاموں سے منع کرے۔ (دریں لوگ کامیاب ہیں) ﴿۱۰۴﴾

گذشتہ دروس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اہل کتاب کی بات سننے سے منع فرمایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لے گا، اُس پر ایمان لاکر اس کے احکام کا اتباع کرے گا اور اُسی پر بھروسہ کرے گا، اُسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت نصیب ہوگی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اصلاح ڈرے، ربو جس طرح ڈرتے کو حق ہے۔ اور ساتھ ہی اللہ کی سی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کی عیبت فرمائی۔ اور آپس میں تفریق پیدا کرنے کی بجائے بھائی بھائی بن کر رہنے کی تلقین فرمائی۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ جہاں ہدایت پر عمل کرے گا، وہی کو مہیادہ، میزان ہوگا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اُس کی ذاتی اصلاح کے لیے ایک پروگرام دیا کہ اُس پر عمل پیرا ہو کر فلاح حاصل کر سکے۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے ذاتی اصلاح کے بعد دوسروں کی اصلاح کرنے اور ان کو راہِ ہدایت کی طرف لانے کی ضرورت اور اہمیت کو واضح کیا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتے تھے۔ وَجَعَلْنَا هٰذِهِ مُهْتَدٰیْنَ لِنُؤْمِنَ بِاٰیٰتِہٖمُ وَنُحٰیثِہٖمُ طَلَعِ اور ہدایت پانے کے لئے ہمارے مقصد یہ کہ ہر انسان گمیلے پیسے اپنی اصلاح ضروری ہے۔ اور پھر وہ دوسروں کو بھی ہدایت کی دعوت دے۔ اور اُن کی اصلاح کے لیے سامانِ حیا کرے۔

درس میں بھی اسی قسم کا حکم ہے۔ کہ قسم میں سے ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہئے جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دے۔

اصلاح کے
تین اصول

اس آیت کریمہ میں انسانی اصلاح کے تین اصول بیان کیے ہیں یہ تین اصول یہ ہیں۔
۱۔ الخیر ہر وقت خیر کی دعوت دیتے رہیں تاکہ انفرادی اور اجتماعی زندگی درست رہ سکے۔ اور اس جماعت کی دوسری ڈیوٹی یہ ہو کہ وَيَا مَعْشَرُ ذِي الْحُرُوفِ وہ نیکو کا حکم کرتی ہے۔ وَيَذِّكُّهُمْ عَنْ الْمُنْكَرِ اور بُرائی سے روکتی ہے۔
۲۔ اگر ہر قوم میں ایسی جماعت پیدا ہو جائے گی، تو تمام نظام درست ہو جائے گا اور قوم اصلاح یافتہ ہو جائے گی۔ اور اگر یہ فریضہ ادا نہیں ہو گا، تو اس پر سب قوم منتشر ہو کر بربادی کی طرف چلے جائے گی۔ بنی نوع انسان کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ پہلے ہی حکم دے چکے ہیں کہ تقویٰ اختیار کرو۔ قرآن پاک کو محبوبی کے ساتھ پکڑ لو۔ آپس میں اتفاق و اتحاد قائم رکھو۔ اور بھائی بھائی بن کر زندگی بسر کرو اور پست قول اور عمل سے کتاب اللہ اور سنت رسول پر عمل چلے جاؤ۔ اور اب یہاں دعوت الی الخیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا درس دے کر قوم درست کو بیدار رہنے اور اپنی خصوصیات کو باقی رکھنے کا ارشاد فرمایا ہے۔

ایمان کے تین درجات سے تعلق مسلم شرافت میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت موجود ہے۔ یہ تین درجات کی خلافت کے بعد کا واقعہ ہے۔ یہ یہ خود کو ناسخ فاجر بنی تھا۔ آپہم جس کے بعد اس کو دنیا مسند خلافت پر لٹا دیا۔ جو کہ نیک آدمی تھا۔ مگر وہ دو تین ماہ سے زیادہ یہ بار نہ اٹھ سکا اور فوت ہو گیا اس کے بعد ۶۵ھ میں مروان بن الحکم خلیفہ بنا۔ اس زمانہ میں ابھی سی یہ کہ تم موجود تھے۔ اربعین میں بھی بڑے بڑے اجل تم لوگ تھے۔ ہذا یہ کہ عید کا دن تھا۔ خلیفہ وقت مروان حضرت ابو سعید خدریؓ کو بلائے تھا کہ تم عید کے لیے جاؤ۔ عید گاہ پہنچے تو مروان پہنا ہوا تاج چھڑا کر منبر پر جانا چاہتا تھا۔ حضرت ابو سعید خدریؓ نے ہر چند روکا کہ عید کے دن میل نہ۔ اور اجداد میں شبہ برتا ہے۔ اس لیے آپہم بل از نماز عید کا شبہ نہ دیں مگر مروان نہ

مانا اور میری پہچان خطبہ شریعت کر دیا۔ سنتے ہیں حاضرین ہیں سے، کبھی شخص گھٹڑا ہٹا اور بلند آواز سے پکارا الصلوٰۃ قبل الخطبۃ یعنی خطبے سے پہلے نماز ہوئی چاہیے، مگر مردان پھر بھی نہ مانا اور اپنی ضد پر اڑا رہا۔ ابو سعید خدریؓ نے کہا اما ہذا فقد قضی ما علیہ یعنی اس شخص نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر دیا، کیونکہ میں نے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے۔
 مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، جَوْفًا لَمْ يَجِدْهُ يَكْفِيكَ تَوَلَّى بَاطِلًا مِنْ رُكُوعِهِ۔
 فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِيعْ فَلْيَسْأَلْهُ أَنْ يَدْرُسَ رُكُوعَهُ مِنْ رُكُوعِهِ، اِنْ لَمْ يَدْرُسْ رُكُوعَهُ فَلْيَسْأَلْهُ أَنْ يَدْرُسَ رُكُوعَهُ۔
 تو زبان سے ہی کہہ دے۔ اور اگر زبان سے روکنے کی طاقت بھی نہ پاتا ہو فقیہ ہے۔
 تو کم از کم دل سے ہی کہہ دے۔ فرمایا وَ ذَلِكَ أَضْعَافُ الْإِيمَانِ يَكْفُرُ دَرَجَاتٍ بِإِيمَانٍ هُوَ
 مُسْلِمٌ شَرِيفٌ وَأَبْنٌ مَجْدٍ شَرِيفٌ فِي رُكُوعِهِ، اِنْ لَمْ يَدْرُسْ رُكُوعَهُ فَلْيَسْأَلْهُ أَنْ يَدْرُسَ رُكُوعَهُ
 مِنْ الْإِيمَانِ حَتَّى يَدْرُسَ رُكُوعَهُ، اِنْ لَمْ يَدْرُسْ رُكُوعَهُ فَلْيَسْأَلْهُ أَنْ يَدْرُسَ رُكُوعَهُ
 اِنْ لَمْ يَدْرُسْ رُكُوعَهُ فَلْيَسْأَلْهُ أَنْ يَدْرُسَ رُكُوعَهُ، اِنْ لَمْ يَدْرُسْ رُكُوعَهُ فَلْيَسْأَلْهُ أَنْ يَدْرُسَ رُكُوعَهُ
 ایمان کا کوئی درجہ باقی نہیں ہے۔ کسی بڑی کو محض دل سے بڑا ماننا ایمان کا آخری درجہ ہے۔
 اور ظاہر ہے کہ اگر یہ درجہ بھی کسی کو حاصل نہ ہو سکے، تو پھر اس کا ایمان باقی نہ رہا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت عذیرؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔ وَالَّذِي
 لَفَّيْتُ بِهِ قَسَمٌ هُوَ اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے لَقَدْ مَوَّنَ
 بِالْعُسْرَةِ وَتَمَنَّهُوْنَ عَنِ الْمُسْكِرَةِ قَمْرُورِيٍّ كَالْكَامِ كَرْتِ رُوَادِرُ بُلْدَانِ
 سے روکتے رہو، اگر ایمان نہیں کر دے گے لَقَدْ مَوَّنَ اللَّهُ يَبْعَثُ عَلَيْكُمْ
 عَصَابًا تَوَسَّطُوهَا لَكُمْ قَمْرُورِيٍّ كَالْكَامِ كَرْتِ رُوَادِرُ بُلْدَانِ
 بِسَبْحَتِيبَ لَكُمْ قَمْرُورِيٍّ كَالْكَامِ كَرْتِ رُوَادِرُ بُلْدَانِ۔ مگر اللہ قبول نہیں کرے گا۔
 گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غفلت اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 سزا کے سختی محسوس ہو گئی۔

مفسر قرآن امام ابو جبر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ وَلَيْسَ كُنْ قَسَمٌ كَمُؤْمِنَةٍ
 کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تبلیغ دین کا کام فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ یہ کام ایک گروہ

یا جماعت کے سپرد کیا گیا ہے۔ سب کے سب مسلمانوں کو یہ حکم نہیں ہے۔ اگر یہ کام تمام اہل اسلام کے لیے ضروری ہوتا تو غدا، روزہ وغیرہ کی طرح فرض عین ہوتا۔ فرض کفایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر عامۃ المسلمین میں سے کچھ لوگ بھی اس کو ادا کر لیں، تو سب کی طرف سے ادا بھی ہو جائے گی اور اگر کوئی شخص بھی اس فرض کو پورا نہ کرے، تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔ جیسے جہاد کا فریضہ ہے۔ جب کوئی شخص بھی جہاد کرنے والا نہیں ہوگا تو ساری قوم قابلِ مواخذہ ہوگی اور اگر جہاد کے قابلِ بعض لوگ اس فرض کو ادا کرتے رہیں گے تو ساری قوم کی طرف سے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی ایسی طرح اسلامی تعلیم حاصل کرنے کا معاملہ ہے۔ نبی اسی حلیم کے متعلق تو حضور علیہ السلام نے فرمایا طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَةٍ کہ یہ ہر مسلمانی مرد و زن پر فرض ہے۔ یہ ضروریاتِ دین میں شامل ہے۔ اور اس کے ذریعے انسان اپنا عقیدہ اور عمل درست کرتا ہے، مگر مفصل تعلیم فرض بالکفایہ ہے۔ کچھ لوگ بھی اگر دین کی مفصل تعلیم حاصل کر لیں گے اور وہ طبعاً عام لوگوں تک پہنچانے کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے، تو یہ تمام لوگوں کی طرف سے کفایت کرے گا۔ اس طرح مردے کا غسل، کفن و دفن اور اس کی نماز جنازہ ہے۔ اگر بعض لوگوں نے یہ امور انجام دیے، تو سب لوگوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا ہو گیا۔ اور اگر کسی نے بھی نہیں کیا، تو سارے کے سارے بستی ٹٹے گنہگار ہوں گے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَا مِنْ قَوْمٍ يُفْعَلُ فِيهِمْ بِالْمَعْرِئَةِ جس قوم میں برائیوں کا ارتکاب ہو رہا ہو اور قوم کے لوگ قادر ہونے کے باوجود بدلی کو روکنے کی کوشش نہ کریں تو اللہ تعالیٰ اس کو سزا دے گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ برائی سے منع نہ کرنے کی بیماری سب سے پہلے نبی اسرائیل میں پیدا ہوئی۔ جب اس قوم کے لوگ معاصی میں مبتلا ہوئے تو ابتدا میں بعض لوگوں نے انہیں روکنے کی کوشش کی، جب وہ باز نہ آئے، تو باقی لوگ بھی ان کے ساتھ ہی شامل ہو گئے۔ ان کے ساتھ

اٹھ جیتنا، کھانا، پینا وغیرہ جاری رکھنا نہ بڑا کم ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے سب کاموں پر قادر و قادر
مستزاد ہے۔ ہر غرض اور ہر کام کو وہ بہترین طریقہ سے کر دیتا ہے۔ اور اگر ہم
میں سے کچھ لوگ بھی اس کا بار اٹھالیں، تو یہ فریضہ ادا ہو جائے گا۔

اس کے
مکلفین
اس غرض سے فرماتے ہیں کہ بُرائی کو بڑی طاقت رکھنا حکومتِ وقت کا کام ہے
کہ جو کچھ اُس کے پاس وسائل اور طاقت ہوتی ہے، وہ زبان سے نہ کہ عمل سے نہ
کا کام ہے۔ جب کہیں بُرائی دیکھیں تو اُن کا غرض ہے کہ وہ خاموشی سے ہٹ جائے
بلکہ اُس کے خلاف آواز اٹھائیں اور احتجاج کریں۔ فرماتے ہیں کہ ایمان کے آخری
درجے میں لوگ اس آواز سے نہیں چاہتے کہ وہ کم از کم بدل سے ہی بُرائی کو
بُرائی سمجھیں اور نیکی کی حوصلہ افزائی کریں۔ البتہ اگر شرعیہ کی روایت میں ہے کہ
سَتَّارٌ تَدْرِكُ حَسَنَاتَكَ وَكَأَنَّكَ سَيِّئَاتُكَ فَأَمَّا تَدْرِكُ حَسَنَاتِكَ
نیکی اچھے لگے اور بُرائی بُری محسوس ہو، تو سمجھ کے کرتیر سے۔ مگر ایمان باقی ہے وہ
اگر اس کے خلاف ہے۔ اگر آدمی ایمان سے خالی ہو گیا ہے۔

بعض مفسرین اور علما کہہ فرماتے ہیں کہ بُرائی کو طاقت سے روکنے کے
لیے حکومت کے علاوہ بعض دیگر لوگ بھی مصلحت میں۔ ان اپنے گھر میں یا
اپنے محل میں جہاں بھی بُرائی کو بڑی طاقت رکھتا ہے، وہاں وہ ایسا کرنے
کو پابند ہوتا ہے، کیونکہ ایسے شخص کو اپنے گھر میں یا محلہ اثر میں اختیار حاصل ہوتا
ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں موجود ہے کَلَّكُمْ مَرْعٍ وَكَلَّكُمْ
مَسْتَقُولٍ عَنْكَ يَعْصِيكُمْ فَمِنْكُمْ سَبْعُ شُخْصٍ يَنْتَهِئُ عَنْكُمْ أَشْرِينَ، کہ کم ہے
درقم سے اپنی رعیت کے متعلق باذہب سے ہوگی۔ لہذا ہر شخص کے لیے لازم ہے
کہ وہ جہاں بھی طاقت پاتا ہے، بُرائی کو روک سکنے کی کوشش کرے۔ اگر اس شخص
میں خلعت کا مظاہرہ کر لیا، تو مجرم سمجھے گا۔

مفسرین کہہ رہے ہیں کہ مراد معروف کے بھی مختلف درجات ہیں
جو کہ جس حد تک اس پہل کو نہا بھی اسی درجے میں داخل ہوگا۔ مثلاً ماریا زور

فرض ہے۔ تو وہاں نماز اور روزہ کا حکم کرنا بھی فرض ہو گا۔ اور تو اُٹھنا وغیرہ سب سے مستحب امور میں ان کا حکم کرنا بھی مستحب کے درجے میں ہو گا۔ فرض واجب نہیں ہو گا۔ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ کسی مسئلہ میں قدرت ہر وقت میں یہ شرط دینی فعل ہے کہ وہ مسائل دین سے واقف بھی ہو۔ اگر کوئی شخص دینی مسائل کو جانتا ہی نہیں تو مثل کیسے کرے گا۔ اسی سبب فرماتے ہیں کہ جاہل لوگوں کا وعظ سننا بھی درست نہیں۔ ایسا شخص تھوڑی رو تین بیان کر کے غلط سننے پر مشرک ہے کہ وہ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی علم نہیں بلکہ جاہل ہے۔ لہذا اس کے وعظ سے بھی اجتناب کرنا چاہیے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی بھی حدیث میں فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کے لیے انسان کے لیے صاحب علم ہونے کے ساتھ ساتھ ذہنی اور موقع شناس ہونا بھی ضروری ہے۔ ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنا دے یا منکرات کی اصلاح کے لیے ایسے وسائل استعمال کرے جن سے مزید منکرات پیدا ہونے کا احتمال ہو۔ بعض اوقات نرمی کی بجائے سختی یا سختی کی بجائے نرمی اختیار کرنے سے بھی اصلاح کی بجائے بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے۔ لہذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وسیع تر معنوں میں ایک آدمی کا کام نہیں ہے بلکہ اس کام کے لیے نہ کوہِ شہداء کا دیا جانا بھی ضروری ہے۔

آخر فرض افرمایا کہ تم میں سے ایک ایسا گروہ ضرور ہونا چاہیے۔ جو ہر وقت غیر کی طرف دعوت دے، اچھے کاموں کی تلقین کرے، درپڑے کاموں سے منع کرے۔ فرمایا وَاللّٰهُمَّ اَنْتَ اَعْلَمُ الْغُیُوبِ یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں۔ ایسا فریضہ ادا کرنے والے لوگ اللہ کے مقبول بندے ہوں گے اور انہیں جو کمال حاصل ہو گا۔ فرمایا یہ لوگ ملکی یا فتنہ ہو جائیں گے۔

لَنْ تَنَالُوا

الاعصرین ۳

درس سی و ہفتم ۳۷

آیت ۱۰۵، ۱۰۶

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَفَوْا مِنْ بَيْنِ
 مَا جَاءَهُمْ بِبَيِّنَاتٍ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۵﴾
 يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ
 اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ
 فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۰۶﴾
 وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ
 هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا
 عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۸﴾
 وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ
 الْأُمُورُ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹

ترجمہ :- ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنہوں نے تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا جبکہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آجکیں۔ اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے ﴿۱۰۵﴾ جنہوں نے کئی چہرے سفید کر دیے اور کئی چہرے سیاہ کر دیے، بہر حال وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہو گئے رُح سے کہا جائے گا، کیا تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا۔ پس عذاب چکھو یہ بدلہ ہے اس کا جو تم کفر کرتے تھے ﴿۱۰۶﴾ وہ بہر حال وہ لوگ جن کے چہرے سفید ہو گئے، وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اللہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿۱۰۷﴾ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جنہیں ہم آپ پر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ظلم کا ارادہ نہیں کرتا جان والی یہ ﴿۱۰۸﴾

اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور
 اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹائے جائیں گے (۱۹)

ربانیات

گزشتہ دروس میں اہل کتاب کی اطاعت کرنے سے منع فرمایا گیا تھا۔ پھر
 تقویٰ اختیار کرنے کا حکم ہوا اور اللہ کی رسی جتنی قرآن حکیم کو مضبوطی سے پکڑنے کی
 تحقیق کی گئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ امت مسلمہ میں سے ایک گمراہ ضرور ایسا ہونا چاہیے
 جو نیک کاموں کی طرف دعوت دے، اچھے کاموں کا حکم کرے۔ یہی گمراہی سے
 روکتے رہیں۔ اس طرح جماعت کا نظم بھی قائم رہے گا اور لوگ گمراہی سے بھی بچ
 جائیں گے اب اہل ایمان سے مزید خطاب ہو رہا ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح
 تم بھی آپس میں تفرقہ کشا نہ ہو جانا۔ اہل کتاب نے واضح احکام آجائے کے باوجود
 اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے تفرقہ ڈالا۔ ان کے الگ الگ گروہ بن
 گئے۔ خود ساختہ معتمدے وضع ہو گئے اور اس طرح وہ گمراہی میں مبتلا ہوئے
 اے اہل ایمان! تم ایسا نہ کرنا۔

تفرقہ
 فی الدین

ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا ان
 لوگ کی طرح نہ ہو جانا، جو متفرق ہو گئے، گمراہوں میں بٹ گئے اور انہوں نے
 اختلاف کیا۔ وَمَا بَعْدَ مَا جَاءَهُمْ عَزَايَ يُنْفِخُ فِيهِمْ وَ
 دلائل آجائے کے بعد یہ اختلاف کسی غلط فہمی کی بنا پر نہیں پیدا ہوئے۔ بلکہ انہوں
 نے اپنی خواہشات نفسانہ کی تکمیل کے لیے دیدہ دانستہ اختلاف کا راستہ
 اختیار کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ اسی لیے لوگ
 خدا کے نزدیک بڑے عذاب کے مستحق ہیں۔

قاضی شہار اللہ پانی پتی مفسر قرآن ہیں۔ آپ اویار اللہ میں سے تھے نقشبندی
 طریقہ کے بزرگ تھے۔ آپ نے شیخ جان جاناں کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور
 پھر انتی کے نام سے آپ نے تعمیر مظہری تھی۔ بڑے پائے کی تعمیر ہے۔ یہ تعمیر
 اس عرصہ تک تعلیمی لٹریچر کی شکل میں چلتا رہا۔ اب سے تقریباً چالیس سال پہلے

رس مبلوں میں زبرد طبع سے آراستہ ہوئی۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں عالم گیر کے خاکہ زبرد بھائی تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ہم عصر تھے۔ اور حضرت مرزا جان جاناں کو رافضیوں نے گولی مار کر شہید کر دیا تھا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی امام ولی اللہ کے شاگرد اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے مرید باصف تھے۔

اس آیت کے تعلق امام ابن کثیر، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں جس اختلاف کی ممانعت کی گئی ہے، وہ اصول دین کا اختلاف ہے۔ کیونکہ قطعی اصولوں میں اختلاف کرنا بالکل ناجائز ہے۔ ایسے اختلاف سے دین کا عقیدہ ہی جھٹھکتا ہے اور انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔ اصول دین میں توحید، رسالت اور قیامت وغیرہ کے مسائل آتے ہیں۔ فروعات میں اختلاف روا ہے۔ مگر ایسا اختلاف بھی اگر انسانی خواہشات کے تابع کیا جائے تو جائز نہیں ہوگا۔ ایسی چیزیں جو فروعات میں شمار ہوتی ہیں، مگر امت میں متفق علیہ ہیں، ان میں بھی اختلاف کرنا اصول دین میں اختلاف کے مترادف ہے۔ مثال کے طور پر فرماتے ہیں۔ کہ عوزہ یا موٹی جراب پر مسج کرنا تو جائز ہے۔ سخت صابنیں اسپر شفق ہیں۔ مگر خالی پاؤں پر بوقت وضو مسج درست نہیں ہے۔ یہ نہ تو حضور علیہ السلام سے ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ کرام سے۔ مگر مس متفقہ مسئلہ کے خلاف، وہ افضل نیچے پاؤں پر بھی مس کرتے ہیں۔ جو کہ درست نہیں ہے۔ ایسے مجمع علیہ مسائل میں اختلاف کرنا بذات خود گمراہی ہے۔ اہل بدعت بھی بعض متفقہ مسائل میں اختلاف کرتے ہیں۔ اس آیت کو یہ میں ایسے ہی اختلافات سے منع کیا گیا ہے۔

البتہ انسانیات سے مبرا فرقی اختلافات تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بھی بڑھتے، تحقیق تجسس کے لیے اختلاف فقہ دین میں بھی پایا جاتا ہے، لہذا متقدمین نے اختیار کرنا ہوتا ہے۔ لہذا اس قسم کا اختلاف روا ہے۔ بعض محدثین میں بھی فروعی اختلاف رہا ہے مگر یہ اختلاف تلاش حقیقت کے لیے ہوتا تھا، اس کو گمراہی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ صحابہ کرام کے متعلق دارقطنی اور ابن عبد البر وغیرہ یہ حدیث بیان کرتے ہیں۔

صحابہ کرام
نہیں

جلد تعالیٰ نے حضور بنی کرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب کرتے ہوئے فرمایا:
 يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اصْحَابَكَ عِنْدِي كَالنَّجْمِ اَيُّكُمْ اَبَدُكُمْ اَبَدُكُمْ اَبَدُكُمْ
 ستاروں کی مانند ہیں بعضہا فوقیٰ من بعض، ایک دوسری روایت آتا ہے
 بعضہا اضواء من بعض، یعنی بعض ستاروں کی روشنی بعض کی نسبت
 زیادہ ہے، مگر سب ہی روشن ہیں۔ کوئی ستارہ تاریک نہیں ہے۔ كُلُّ نَوْءٍ
اِنْ عَمَّا بَكَرِطْرُكْ کے متعلق فرمایا فَقُلْ اَتَّخَذَ بَشَرٌ مِّثْلًا عَلَيْنَہِ جس شخص نے
 کسی ایک صحابی کے طریقے کو اختیار کر لیا، وہ ہدایت پر ہے۔ مقصد یہ کہ صحابہ کے
 فروعی اختلاف کے باوجود جس نے کسی بھی طریقے کو اپنا لیا، تو وہ ہدایت پر ہی ہوگا۔
 اگر کسی دور سے شخص نے دور سے صحابی کی بات کو مان کر اس پر عمل شروع کر دیا، تو
 وہ بھی درست ہے ہوگا۔ اور ایسا شخص ہدایت یافتہ شمار ہوگا۔

امم ہدیہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے۔ مَنْ
وَتَّيَّنَ مَعَهُ حَيْثُ لَمْ يَكُنْ جِبْتًا جب تمہارے پاس کتاب اللہ سے کوئی چیز
 پیش کی جائے تو اس پر عمل کیا جائے لَا عُدْرَةَ لِمُحَدِّثٍ فِي شَيْءٍ اُس کو ترک
 کرنے میں کسی کا عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔ مقصد یہ کہ قرآن پاک کے حکم کو ہر حالت میں
 ماننا پڑے گا، اُس کے خلاف کوئی حیلہ باز نہیں چل سکے گا۔ اور اگر قرآن پاک میں
 کسی معاملہ کی وضاحت موجود نہ ہو، تو فرمایا فَلْيُتَّخَذْ رُبِّيَّ تو حضور علیہ السلام کی
 سنت مطہرہ میں تلاش کرو، وہاں سے حکم معلوم کر کے اُس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اور اگر
 وہاں پر بھی کوئی چیز رشذ ہے تو فرمایا فَمَا قَالِ اصْحَابِي میرے صحابہ کی بات
 کو مان لو، یہ بھی تمہارے لیے حجت ہوگی اَصْحَابُكَ كَالنَّجْمِ
 کیونکہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں فَيَقُولُوا قَدْ يَتَّبِعُونَ اَهْلَ بَيْتِہِ
 تم جس صحابی کی بات مان کر اُس پر عمل کر لو، ہدایت پا جاؤ گے۔ اور یاد رکھو!
اِحْتِلَافُ اصْحَابِي لَكُمْ اجماع میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے
 لیے باعث رحمت ہے جس مسئلہ میں راہنوں نے اختلاف کیا ہے۔ اُس میں

اللہ نے تمہارے لیے سہولت رکھ دی ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے محمدؓ کے فرزند امام قاسم ابن محمدؓ بڑے پستے
کے امام تھے۔ آپ تابعین کے دور کے فقہائے سنی (سات بڑے فقہاء) میں سے
ہیں۔ آپ فرماتے ہیں اَحَدِیْ لَآفٌ اَصْحَابُ مُصَحِّدٍ رَاحِلٌ لِّعِبَادِ اللّٰهِ
اصحابِ محمدؐ کا اختلاف اللہ کے بندوں کے لیے باعثِ رحمت ہے۔ لہذا اس قدر
کا اختلاف بالکل رواجِ امرت کے لیے سہولت کا باعث ہے۔ چاروں ائمہ دین
جن کے پیروکار پوری دنیا میں پائے جاتے ہیں، ان کا آپس میں اختلاف بھی جائز ہے
کیونکہ مذکورہ اصولِ دین میں سے اور نہ مبینائے نصائنت ہے۔ پانچواں طبقت
معدنِ ظاہر پر کا ہے۔ جو ظاہری طور پر کسی امام کی تقلید نہیں کرتے مگر یہ سب کے
مسائل حق ہیں۔ ان کا آپس میں اختلاف تحقیق و تجسس کی بنا پر ہے نہ کہ تعصب
اور صنف کی بنا پر۔

امام ابو حنیفہؒ کا مسلک بھی وہی ہے جو صحابہ کرامؓ کا ہے۔ امام طحاویؒ نے طحاوی
شرائع کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ وہ سب سے
پہلے کتاب اللہ سے رجوع کرتے ہیں، اگر وہاں پر مسئلہ کامل نہ ملے، تو سنت رسول
صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاش کرتے ہیں، اگر وہاں بھی نہ پائیں، تو جس مسئلہ پر صحابہ کرامؓ
کا اتفاق ہو، اُس کو بلا چون و چرا مان لیتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ اگر کسی
معاشرہ میں صحابہ کا اختلاف ہو، تو پھر امام صاحب زیادہ راجح پہلے کو اختیار کرتے ہیں۔
اگر صحابہ کے قول و عمل میں بھی کوئی چیز نہ ملے، تو پھر خود اجتہاد کرتے ہیں، آپ کے
نزدیک اجتہاد چوتھے درجہ پر آتا ہے۔ مگر انیسویں ہے کہ بعض لوگ اس معاملہ میں
امام صاحب کو بدنام کرتے ہیں، کہ آپ حدیث پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ
درست نہیں ہے۔ امام طحاویؒ لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نہ ضعیف حدیث پر بھی
عمل کرتے ہیں چہ جائیکہ وہ اعلیٰ درجہ کی حدیث کو نظر انداز کر دیں۔ ابن حزمؒ ظاہری
سنے اس کی مثال مقدمہ والی حدیث سے دی ہے۔ اس ضعیف حدیث میں آتا ہے

مسک
ابو حنیفہؒ

کہ اگر کوئی شخص نماز کی حالت میں ہنس پڑے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر امام ابو حنیفہؒ کا اسی پر عمل ہے۔ انہوں نے بلا وجہ قیاس نہیں کیا۔ ان کا اجتہاد ایسے مسائل میں واقع ہوا ہے، جہاں روایت میں اختلاف پایا گیا ہے۔ یا صحیح روایت ثابت ہی نہیں ہو سکی۔

اختلاف
رحمت

جائزہ فروری اختلاف تو باعث رحمت ہے مگر بعض ضدی اور متعصب قسم کے لوگ کسی معمولی اختلاف کو حنبلیہ بنا کر آپس میں بحث و مناظرہ کرتے ہیں۔ اور پھر حجاب ہٹ دھرمی کی وجہ سے کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ پاتے تو آپس میں سر پھٹک کر رہتے ہیں۔ بعض اوقات ایسے اختلاف قتال تک پہنچ جاتے ہیں۔ آثار یوں کے زمانہ میں حنفی اور شافعی مسلک کے لوگ ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے اور قتل و غارت گری تک نو بہت پہنچی۔ اس قسم کا اختلاف یقیناً یہودیوں والا اختلاف ہے۔ یہ وہ اختلاف نہیں جسے حضور علیہ السلامؐ اور تابعین کی زبان سے باعث رحمت کہا گیا ہے۔ بلکہ اس قسم کا اختلاف باعث رحمت ہے۔ جو مسلمانوں میں افتراق پیدا کرتا ہے۔ امیر معاویہؓ کی روایت میں ہے اِنَّ الْقُلَّ الْکُتْبَیْنَ افْتَرَقُوا وَکُنَّا بَیْنَهُمَا عِزٌّ وَتَوَارَتْ اَوْرَاقُیْلُ کِی طَرَفُ لِبَسْتِ کَرْنِے وَاَنُوں نَے پَیْیَ پَرِیَاں اَوْرَ گِردِہ بناسیے۔ یہ لوگ ثنئین و سبعین یعنی ہشت فریق بن گئے۔ نیز فرمایا وَفَتَرَقَ اصْحٰتِی عَلٰی ثَلٰثٍ وَسَبْعِیْنِ بِمِیْرَی اِس اَمّتِ کَکَ تَسْتَعْرِ فَرِیْقَہ بن جائیں گے۔ مگر یاد رکھو کَلَّمُ فُفُو فی التَّارِ اِلَّا وَاحِدَہ اَیْکَ فَرِیْقَہ کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے بعرض کی حضور! وہ ناجی فریقہ کون سا ہوگا، فرمایا وہ جماعت ہوگی جس کو اہل سنت و اجماعت کہا جاتا ہے یہ وہ لوگ ہوں گے جو حضور علیہ السلام کی سنت اور صحابہؓ کے طریقے پر چلیں گے ان کا عقیدہ اور عمل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے عمل کے مطابق ہوگا یہی لوگ ناجی ہیں۔

پیش
کی کثرت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے سیخو ج اقاوام مخرجه برب

امت میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جنہیں نبی مہرِ قلائد الہولہ اُن میں خواہتا اور بدعت اس طرح سرایت کر جائیگی کہ صاحبِ تجارتی الکلب بصلحہ میں طرح پانگل گئے کے کاٹنے سے بیلہ دی سائے جسم میں سرایت کر جاتی ہے۔ لایبقی عند عرف ولا مفصل الا دخلہ کوئی لگ اور جوڑا یا نہیں ہوگا۔ جس میں یہ سرایت نہ کر جائے۔ بدعت الیسی بڑی چیز ہے۔ کہ اس کے مقبض میں اللہ تعالیٰ اس کے رسول صحابہ کو لازم اور بڑے بڑے فقہاء کے اہل فیصلے نظر انداز کر دیتے جاتے ہیں کیونکہ وہ اُن کی خواہشات کے مطابق نہیں ہوتے۔

آج سپنے ارد گرد نظر اٹھا کر دیکھ لیں، سنت کا متلاشی کوئی خاص ہی اللہ کا بندہ نظر آئے گا۔ ورنہ ہر موقع پر لوگ بدعت کی پیروی کر رہے ہیں۔ بیاہ شادی کا موقع ہو، یا فریادگی کا، کوئی خوشی کا موقع ہو یا غمی کا ہر جگہ بدعت کی بھرا دہ بارہ ربیع الاول کے نام پر عوام سے لے کر حکومتی سطح تک جو کچھ گلی کوچوں اور ایوانوں تک کیا گیا ہے، کیا یہی اسلام ہے۔ صحابہ کو لازم اور لازم دین کے زمانے تک تو کسی کو جبرس نکالنے، چراغاں کرنے اور جھنڈیاں لگانے کی نہ سوجھی، یہ تمام بدعت تو ساتویں صدی میں شروع ہوئیں۔ خاص طور پر قابلِ غور بات یہ کہ نبی علیہ السلام کی ولادت کی تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ربیع الاول کی تہم، دو، چہر لی دس اور بارہ کی مختلف روایات ہیں۔ مؤرخین کسی ایک تاریخ پر متفق نہیں ہو سکے البتہ وفات کی تاریخ بارہ ربیع الاول متفق علیہ ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ لوگ وفات کی تاریخ کو متفق مانتے ہیں۔ اب تو حکومت بھی ان بدعت میں حصہ دار بن گئی ہے۔ سہ چوں کہ خزانہ کعبہ پر غیر دیکھا ماند مسلمانوں۔ جب محکمہ اوقاف نے مزاروں کو اپنی تحویل میں لیا، تو توقع پیدا ہوئی کہ شاید اصلاح کی کوئی صورت مکمل آئے گی، مگر حکومت کے خزانے میں تو صرف آمدنی کی ضرورت ہے۔ انہیں اس بات سے کچھ غرض نہیں کہ مزارات پر کیا کچھ ہو رہا ہے۔ عرس ہوتے ہیں، چادریں چڑھتی ہیں، پھول، امد پھولوں کی چادریں اڑھائی جاتی ہیں اور پھیر

غیر اللہ کی نذر ملتی ہے، سب کفر، شرک اور بدعت کی قبیح رسوم میں۔ جس چیز کو آج دین بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، نہ اس سے صحابہ کرامؓ واقف تھے، نہ تابعینؓ اور نہ چاروں امامؓ۔ پھر یہ بدعت نہیں تو اور کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نیکی کے کاموں پر اتفاق و اتحاد کی دعوت دی ہے۔ شرک، کفر اور بدعت پر اتفاق کا حکم نہیں دیا۔ اس معاملہ میں لَا اَعْبُدُ مَا اَعْبُدُوْنَ فرمایا ہے۔ کسی صحیح چیز پر اتفاق سے بہتر نتائج برآمد ہوں گے، بدعت پر عمل پیرا ہونے سے مزید ضرر یاں پیدا ہوں گی اور ملت مزید کمزور ہوگی۔

فرمایا اُن لوگوں میں نہ ہونا جنہوں نے تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا۔ حالانکہ اُن کے پاس کھلی کھلی اور واضح نشانیاں آچکی تھیں۔ آج توحید جیسے بنیادی مسئلہ میں جھگڑا کیا جا رہا ہے۔ غیر اللہ کو اللہ کا شریک بنایا جا رہا ہے۔ اُن کے نام کی دہرائی ہی جاتی ہے، اُن کو مصیبت میں پکارا جاتا ہے۔ قرآن و سنت کا واضح پیغام موجود ہے مگر اپنے چہرے کی خاطر اہل اسلام میں تفرقہ پیدا کیا جا رہا ہے، اگر وہ اور پارٹیاں بن رہی ہیں، یہ سب کچھ خواہشات

نفسانی کی پیروی میں ہو رہا ہے، اُن چیزوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسے لوگ یقیناً خدا کے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

فرمایا یَوْمَ تَجِیْضُ وُجُوْہٌ جس دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے۔ یقیناً اہل ایمان اور سنت پر عمل کرنے والوں کے چہرے قیامت کے دن سفید ہوں گے۔ سیاہ چہرے وُجُوْہٌ الْبَشَرِ کُفْرٍ وُجُوْہٌ الْبَشَرِ کُفْرٍ اور مصیبت میں لوٹ لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ فرمایا قَامَا الَّذِیْنَ اَسْوَدَتْ وُجُوْہُہُمْ

اُس دن جن کے چہرے سیاہ ہوں گے، اُن سے کہا جائے گا اَکْفَرْتُمْ بِسَدِّ اِیْمَانِکُمْ کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا، کفر اعتقاد میں بھی ہوتا ہے اور اعمال میں بھی۔ اگر عقیدہ بگاڑا گیا، تو ایمان ہی کفر پیدا ہوا اور اگر اعمال میں کفر کیا، تو اعمال کفار جیسے ہو گئے۔ فرمایا اس کی سزا یہ ہے

فَذُوْقُوا لَذَّابِهَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ اِسْ كُفْرًا بِالْحَقِّ، جس کا
از کتاب کرتے تھے۔

فرمایا وَمَا الَّذِيْنَ ابْتِغَتْ وَجُوهُهُمْ فِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ مِنْ كَسِ
پھر جسے سفید ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے، هُمْ فِيْهَا خَالِدُونَ
ایسے لوگ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہنے والے ہوں گے۔ پھر فرمایا تِلْكَ اٰیَةُ اللّٰهِ
تِلْكَ اٰیَةُ اللّٰهِ تِلْكَ اٰیَةُ اللّٰهِ تِلْكَ اٰیَةُ اللّٰهِ تِلْكَ اٰیَةُ اللّٰهِ تِلْكَ اٰیَةُ اللّٰهِ تِلْكَ اٰیَةُ اللّٰهِ
ہیں۔ یاد رکھو! وَمَا اللّٰهُ لِيْزِيْدَ ظُلْمًا لِّلْعٰظِمِيْنَ، اللہ تعالیٰ جہاں دامن

پر ذرہ بھر بھی ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔ جو کچھ میگا بندوں کے اپنے اعمال کا ثمرہ ہو گا اللہ تعالیٰ
کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ اب نہیں ہو گا۔ کہ بے عمل کو چھانہ لہو سے دیا جائے، یا کم حیرم
کے مجرم کو زیادہ سزا دی جائے۔ ہاں! اللہ کوئی شخص مجرم کے سزا سے بچ بھی نہیں سکیگا۔
۱۔ اپنے مجرم کی سزا بھگتا ہوگی۔

جہاں اللہ فرمایا وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے
سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ ہر چیز پر اسی کا تصرف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اور آسمان
ہوئے آسمان کے نیچے رہنے والے اس کی نعمتوں کو استعمال کرنے والے اس کے عذبات
یکے کچھ سیکے گا۔ اگر کوئی شخص اللہ کے ساتھ شریک بنائے گا، سنت کو ترک کرے گا، زمین
میں رخنہ اندازی کرے گا، تو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا۔ کیونکہ وَلِی اللّٰهُ مُرْجِعُ الْعَمَلِ
تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ سب اس کی عدالت میں پیش ہوں
ہے۔ تمام معاملات کا فیصلہ وہی ہو گا۔

لَنْ تَنَالُوا

ال عمران ۲

در روز موت ۳۸

بیت ۱۱۰ [۱۱۱]

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمْ
أَتُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمْ الْفٰسِقُونَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَصْرَوْكُمْ
إِلَّا أَذًى وَلَنْ يَفْزِلُوكُمْ يُولُوكُمْ لَأَدْبَارَهُمْ
لَا يَصْرُونَ ﴿۱۱۱﴾

ترجمہ: یا تم سب سے بہتر امت جو دنیا کو ظاہر کیا گیا ہے ان کو اس کے لئے اس کے
لیجے۔ تم نیک کاموں کو حکم دیتے ہو۔ اور مومن بائوں سے منع کرتے ہو۔ اور تم
اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر ان کتاب کے ایمان رکھتے تو اب بہتر ان کے یہ
بہتر ہوتا، ان میں سے بعض ایمان پر ہیں اور ان میں سے کچھ فاسق ہیں ﴿۱۱۰﴾
وہ کہہ کہ تم کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ ہم نہ ایمان سے سستہ۔ وہ اگر وہ تم سے
لڑیں گے۔ تو تمہاری طرف پھیر پھیر دیں گے۔ پھر تم کو مردہ کی جانچی ﴿۱۱۱﴾

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی باتوں کو مانتے سے منع فرمایا اور اس کے نقصان پہنچاتے
کا کہہ کہ تم بھی کبھی پھر اللہ سے کسی حد نہ سے کا کہہ دیا اور قرآن پاک کو تبصرہ کی حد نہ
کی وجہ سے کی۔ لہذا ہم باہمی کی ممانعت فرمائی اور لکھ دیا کہ تم مانتے درمیان بروقت
نیک ایسا کردہ ضرور ہونا چاہیے جو لڑوں کہ غیر کی معرفت دعوت جیتے رہیں، مہجرت
کا حکم کہ تم سے رہیں اور یہی باتوں سے منع کرتے رہیں۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے
سے اہل کتاب کی حالت یاد دل کر فرمایا کہ ان کی عروج نہ سونا جنہوں نے غرور و
جور و انصاف احکامات سے پہلے کے بعد اختلاف کیا۔ یہ لوگ ناکام رہیں اور خدا کے

مذاب کے مستحق بھی۔

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے رتوں کی چیزیں بیان فرمائیں۔ ابتدا میں خانہ کعبہ کا ذکر آیا۔ اہل کتاب اپنے قبلہ کو افضل قرار دیتے تھے تاہم اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی فضیلت کا ذکر فرمایا: **إِنَّ أَقْلَبَ بَيْتٍ وَضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ** لوگوں کی عبادت کے لیے اولین عبادت خانہ بیت اللہ شریف سب سے افضل ہے۔ اس کے بعد پیغمبر علیہ السلام کا ذکر آیا، کہ تم تاقرانی کس طرح کرو گے جب کہ تمہارے درمیان اللہ کا عظیم المہرت رتوں موجود ہے۔ پھر قرآن کریم کا ذکر ہوا، کہ تمہاری کتابوں میں یہ سب سے افضل کتاب ہے اور تمام لوگوں کو حکم دیا کہ اللہ کی اس کتاب کو مضبوطی سے ختم نہیں۔ اب حضور علیہ السلام کی امت کا ذکر ہوا جو رت ہے کہ آپ کی امت بھی تمام امتوں سے افضل ہے۔ یہ چاروں چیزیں یعنی بیت اللہ شریف، پیغمبر علیہ السلام، قرآن حکیم اور امت محمدیہ کا ذکر سورۃ بقرہ میں بھی ہو چکا ہے، اب پھر ان کو دہرایا جارہا ہے۔

رشاد ہوتا ہے: **رَضِيَ اللَّهُ عَنِ النَّبِيِّ وَالْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَالْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَالْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ**۔
 خیر اُممکم تم بہترین امت ہو۔ **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلْعَالَمِينَ** یعنی نبی کا صیغہ ہے اہم بیضاوی اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ اس بات کا ذکر نہ کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم باریق اور لوح محفوظ میں بھی یہ بات موجود ہے کہ اللہ کے پاس تم سب سے بہتر امت ہو، اس کا فیصلہ روزِ ازل سے ہو چکا ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے **يَخْنُ الْأَخْصَرُونَ النَّاسَ يَقُولُونَ يَوْمَهُمُ الْقِيَامَةِ هُمْ دُنْيَا فِي تَرْتِيبِهِمْ** آخر میں آسنے والے ہیں مگر جنت میں سب سے پہلے جانے والے ہوں گے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا بھی آتا ہے کہ جب تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں داخل نہیں ہوں گے، کوئی دوسرا نبی داخل نہیں ہو گا۔ اسی طرح جب تک حضور خاتم المرسلین کی امت بہشت میں نہیں جائے گی، کوئی دوسرا امت

بہتر امت

و مان نہیں جائے گی۔ البتہ کتاب پہلی سورتوں کو پہلے دی گئی اور ہم بعد میں کہتے ہیں لیکن ہم سبقت کرنے والے اور آگے بڑھنے والے ہیں قیامت کے دن ۔ سورۃ بقرہ میں بھی آچکا ہے وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَعْلَمُوْا فِرَاقُہِیں کہ اے امت محمدیہ! ہم نے تم کو امت وسط بنایا ہے۔ وسط کا معنی درمیان ہونا ہے۔ جو افراط و تفریط سے پاک ہو، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خیر الامم وسطہا بہترین کام وہ ہیں جو درمیان سے ہوں۔ غرضیکہ حضور علیہ السلام کی امت امت وسط ہونے کے لیے اس واسطے بھی بنائی

ہمیں سے افضل ہے۔

امیر المؤمنین

فرمایا یہ ایسی امت ہے، خیر جنت للثانیین جس کو لوگوں کے فائدے کے لیے نکالا گیا ہے، ظاہر کیا گیا ہے۔ اور یہ تین طریقوں سے لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے۔ پہلی بات یہ ہے تَاْفُرُوْنَ بِاَلْمَعْرُوفِ کہ تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو۔ یہاں پر مضارع کا عین استعمال ہوا ہے۔ یعنی تم شیئی کا حکم دیتے ہو، یہ نہیں فرمایا کہ نبی کا حکم دو، یہ گزشتہ دروس میں گزر چکا ہے۔ کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو نبی کا حکم کرے۔ اس مقام پر انداز بیان یہ ہے کہ تمہاری صفت ہی یہ ہے کہ تم اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو۔ اب یہی یہ بات کہ نبی کیا ہے۔ تو توحید سے لے کر ادنیٰ درجے کی اچھی چیزیں سب نبی میں آجاتی ہیں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنا سب سے افضل نبی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان بالشریعت اللہ پر ایمان لانا، توحید کو ماننا، اس کے بعد دو سکر اعمال غار، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ہیں۔ گویا لوگوں کو ایمان در توحید کی دعوت دینا سب سے بڑی نبی ہے۔ اس کے بعد چھوٹی چھوٹی نیکیاں ہیں۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی مومن اپنے ایمان کے تقاضے سے ایک روز یا پھر بھی راستے سے ہٹا کر کسی راہ گزر کو بھٹک نہ سکے، تو وہ بھی

تین شمار ہوگی، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے (الْحَقِيقَةُ
مِنَ الْمَعْرُوفِ مَشِيئَتُكَ) کسی چھوٹی چیز کو بھی حقیر نہ سمجھو۔ چھوٹی چھوٹی
نیکیاں مل کر قیامت کے دن پہاڑ بن جائیں گی۔ اسی طرح کسی برائی کو بھی حقیر اور
کم تر نہیں سمجھنا چاہیے، کیونکہ یہ اکٹھی ہو کر بہت بڑا ذخیرہ بن جائیں گی۔ غرض قرآن
کے اس آیت محمدیہ! تمہاری صفت یہ ہے کہ تم نیک کا حکم دیتے ہو۔

فرمایا تمہاری دوسری صفت یہ ہے وَتَهْتَفُونَ عَنْ الْمَعْنٰی الْكُبْرٰی
تم بڑی باتوں سے منح کھڑے ہو۔ بڑی چیزوں میں کھڑو شرک سے یکسر بدعات
رسومات قبیحہ، فسق و فجور، اہر قسم کی باغی و باغی اور ناقصوں باتیں شامل ہیں۔ ان سے
رد کرنے کی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔ کہ روکنا بھی ہاتھ سے ہوتا ہے، کبھی زبان
سے، کبھی قلم سے اور کبھی تلوار سے۔ البتہ اولاد و شریف کی روایت میں موجود ہے
جَاهِدُوا لِكُفَّارِ قَوْمٍ فَالْعَشِيرَةُ كُفَّارٌ بِأَمْرِ الْكُفْرِ وَالْعَشِيرَةُ كُفَّارٌ
وَأَلْبَسْتَكُمْ بُيُوتَكُمْ كَافِرُونَ اور شرکوں کے ساتھ مال جان اور زبانوں کے ساتھ
جہاد کرو۔ تبلیغ کا کام زبانی جہاد ہے۔ اگر توحید، ایمان اور دین گمراہی کی باتیں پھیلانے
کے لیے کوئی مضمون لکھا جائے، رسالہ جاری کیا جائے، کوئی دستاویز تیار کی
جائے یا کتاب لکھی جائے، یہ سب قلم کے ذریعے جہاد ہے

اگر صاحب استطاعت ہے کو طاقت کے ذریعے بھی برائی کو رد کر
سکتا ہے۔ اس کی تشریح پہلی آیت میں آچکی ہے۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے۔ کہ
امر بالمعروف و نہی عنکر میں فرض ہوتا ہے، واجب امور میں واجب، سفعت امور
میں سفعت اور مستحب امور میں مستحب کا درجہ رکھتا ہے۔ البتہ مفسرین فرماتے ہیں۔
کہ اگر آدمی یا لڑکے ہو تو زبانی جہاد کو ترک بھی کیا جاسکتا ہے۔ اگر کسی کو تجربہ کی بنا پر
یقین ہے کہ اس کی بات کوئی نہیں سنے گا، تو زبانی جہاد کو ترک کرنے کی بھی اجازت
ہے اس کے باوجود اگر وہ زبانی جہاد جاری رکھتا ہے۔ تو بہت بڑے اجر کا مستحق
ہوگا۔ البتہ جو صاحب اقتدار ہے، اس کا فرض ہے، کہ وہ بُرائی کو طاقت سے

روکے۔ اگر ایسا نہیں کرتا، تو مجرم ٹھہرے گا۔ اور قابل گرفتہ ہو گا۔

آج کے دور میں نئی نئی برائیوں نے جنم لیا ہے۔ نئی تہذیبیں گھڑنے لگی ہیں۔ نوٹو گزنی، مجسمہ سازی، سینما، وڈیو کیسٹ، ٹیلی ویژن، وی سی آر وغیرہ موجود دور کی پیداوار ہیں۔ اب کھیلوں کی نئی پیاری آئی ہے، کرکٹ، بالی وڈ وغیرہ کا قومی اور بین الاقوامی سطح پر خوب چرچا ہے۔ حکومت سرکس کی کرہ بھی ہے۔ انگریزوں اور یونانیوں کے جاری کردہ کھیل آئن لپدی دنیا میں چھاپ چکے ہیں، کئی کئی دن متواتر کھیل جاری رہتا ہے۔ وگ کام کاج چھوڑ کر میدان میں پہنچ جاتے ہیں یا پھر ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے گھر بیٹھ جاتے ہیں۔ کامیابی پر مبارک بادیں دی جاتی ہیں، ہتھکڑیاں تقسیم ہوتی ہیں۔ صدر اور وزیرِ عظم ٹیم کو مبارک باد کے پیغام بھیجتے ہیں۔ کھیلوں پر جاری رقم خرچ کی جاتی ہے، ذرا اندازہ لگائیں کہ اس سے کونسا بڑا مقصد حاصل ہوتا ہے۔ یہ محض موزوں اور فضول خرچی ہے۔ یہی وقت اور روپیہ تعلیم کی مدد کرنے، تہذیب تدارک کی تکلیف دہ کرنے پر خرچ کر دے۔ لوگوں کو قلعہ سومات اور کھڑو شرک سے باہر نکالنے پر خرچ کر دے۔ یہاں تو الٹ ہی ہو رہا ہے۔ قبریں پختہ بنائی جا رہی ہیں۔ ان پر بے دریغ رو رہے صرف کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ نبی علیہ السلام کا ارشاد تو یہ ہے لَا تَجْعَلُوا مَجْتَمِعَاتِ قُبُورٍ مِثْلَ بُنَادٍ، سنگ سادہ آئینہ علی سمندر، بھجری، اینٹ حرام کاموں میں صرف ہو رہا ہے۔ شریعت میں قبروں کو پختہ کرنا ہرگز جائز نہیں۔ یہی دولت کسی نیک کے کام میں لگتی تو امت کا فائدہ ہوتا، سینما، ٹیلی ویژن کی جتنی ہتکات ہوگی، اتنی ہی فحاشی پھیلے گی، قوم و ملت کو کیا فائدہ ہوگا۔ سب سینما دیکھ کر بھی تکی پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ سب شیعہ خانی کام ہیں جس کام کی بنیاد ہی لوسو و لوسب پر ہو، لوگوں کو غافل بنانے اور خدا اور رسول کے احکام سے ہرگز تہ کر دینے پر ہو، اس سے کیا تربیت حاصل ہو سکتی ہے۔ وہاں سے چوری، زنا، ڈاکہ، عریانی اور بے حیائی کی تعلیم ہی حاصل ہو گی۔ اگر تربیت حاصل کرنا ہے تو کسی نیک مجلس میں جاؤ، کسی خدا کے بندے کی بہت اختیار کرو۔ نیکی وہاں سے ملے گی، جس چیز کو آج ترقی کا نام دیا جا رہا ہے

مسئلہ انتہا کیا۔ ان کی بہتری اسی میں تھی کہ اللہ پر ایمان لے آتے۔

پھر فرمایا، الْبَتَّةَ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ ان میں سے بعض لوگ ایمان دار بھی ہیں حضور علیہ السلام کے زمانے میں دیکھ کے دس بڑے یہودی علماء میں سے صرف عبد اللہ بن سلمہ اور جن کے بعض ساتھی ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے مگر فَاَكْتَفَاهُمُ الْفَرِيقُونَ ان کی اکثریت ناسقوں پر مشتمل تھی۔ یہودیوں کی اکثریت آج بھی فاسق پر ہے۔ فہرست قرآن کو چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ مگر یہ لوگ ابھی تک کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ عیسائی مسیح علیہ السلام کو خدا کا خدا مانتے ہیں۔ اور ایک کی بجائے تین خدا مانتے ہیں۔ بنی اسرائیل پر ایمان کا ایمان ہے۔ یہودی ان سے بھی زیادہ خیانت میں مبتلا ہیں۔ ان میں بکھاری اور بے ایمانی پائی جاتی ہے۔ انہیں آج تک سمجھ نہیں آئی کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ لوگ قرآن پاک اور نبی، خیر الزمان کی مخالفت میں ہر وقت سرگرم رہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ اسلام کے قریب نہ آئیں۔ ان کی اکثریت فاسق کی ہے۔ ہر زمانے میں خال خال ہی ایسے لوگ ہرستے ہیں جو تعصب سے پاک ہوں۔ یہ لوگ مقنونی سی تو تیر کر رہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں ایمان کی دولت عطا فرمادیں۔

اہل کتاب کی خصالت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تسلی دی کہ لَنْ يَضُرَّكُمْ اگر اہل کتاب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے مگر زمانہ پیچیدہ چار باری رکھیں گے حضور علیہ السلام کے زمانے میں یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف بڑی سازشیں کیں مگر اللہ نے ہر سازش کو ناکام بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لیے بھی فرمادیا اَنْتُمْ حَرَامٌ اَلَا تَعْلَمُونَ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ حَيَاتَكُمْ اگر تم ایمان پر قائم رہو، تو غالب تم ہی ہو گے۔ اہل کتاب تم پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتے۔ ہاں تم خود ایمان کو چھوڑ بیٹھو۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں ہے اِنْ يَتَّخِذْ لَكُمْ قَمَرًا اَلَا تَعْلَمُونَ اَنْتُمْ حَرَامٌ تمہاری یہ اعمالیوں کی وجہ سے

اہل ایمان کو تسلی

مگر خدا تمہیں دہرا کر دے تو پھر کوئی تمہارا مددگار نہیں ہوگا۔

فرمایا وَإِنْ يَفْعَلْ لَكُمْ كُفْرًا كُفْرًا اگر بل کتاب تمہارے لڑائی کریں۔

يُؤْتِكُمْ أَلاَ دُبَارًا تمہاری طرف پیچھے پھیر دیں گے، تم سے بڑھنے کی سہولت نہیں پائیں گے۔ سورۃ شمس میں بھی آتا ہے تم ان کی طرف سے پریشان نہ ہو، یہ تمہارے ساتھ کھڑے ہیں جگہ نہیں لڑ سکتے۔ اور اگر نہ کیا کوئی وقت بھی جانے تو یہ عرب زبیل وغیرہ ہو کر رہ جائیں گے لَا يَخْصِيْ وَنَ چہرہ کی ہر گز مدد نہیں کی جائے گی۔ یہاں یہ نام لڑ ہوا ہے۔

لَنْ تَنَالُوا ۝

الاعصان ۳

درستی دہندہ ۳۹۔

آیت ۱۱۵ تا ۱۱۷

ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ اِنَّ مَا تَقِفُوْنَ اِلَّا بِحَبْلِ
مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءٌ وُّبِعْضِبَ مِّنَ

اللّٰهِ وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الْمَكْنَۃَ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ
يَفْتِرِ حَقُّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۵﴾
لَيْسُوْا سَوَآءٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ
يَتْلُوْنَ آيَاتِ اللّٰهِ اِنَّآ اِلَيْلٍ وَّهُمْ يَجْعَدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ
وَاولٰئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ
فَلَنْ يَكْفُرُوْهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: ان پر ذلت مسلط کی گئی ہے۔ جہاں بھی وہ پائے جائیں۔ مگر اللہ کی رسی کے
ساتھ اور لوگوں کی رسی کے ساتھ۔ اور وہ اللہ کا غضب سے گریز کرتے، اور مسلمانوں
کی گئی، ان پر مسکنت، یہ اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی رسیوں کے ساتھ کھڑے
رہتے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے افراتفری
کی، اور وہ حد سے بڑھتے واسے تھے ﴿۱۱۷﴾ یہ سب کے سب برابر نہیں

ہیں۔ اہل کتاب میں سے ایک امت ایسی بھی ہے، جو سیدھے راستے
پر قائم ہے۔ وہ اللہ کی رسیوں کو اللہ کی گھڑیوں میں پڑھتے ہیں، اور وہ سمجھتے

ہوتے ہیں (۱۲۳) وہ ایمان لکھنے میں التور پر اور قیامت کے نہی پر، اور اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔ ورنہ نیکی کے کاموں میں سبقت کرتے ہیں، اور یہی لوگ ایک نیکوئی میں ہیں (۱۲۴) اور جو بھی وہ نیکی کا کام کرے گئے، اس کی نافرمانی مگر نہیں ہوگی، اور اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر ہے ان لوگوں سے جو جنتی ہیں (۱۲۵)

ہست سے دوسرے مقامات پر بھی موجود ہے ان کی رسوائی کے متعلق پہلی بات
 قویہ ہے کہ یہودی سیاسی عروج اور اقتدار سے محروم کر دیے گئے ہیں۔ گذشتہ
 اٹھواں ہزار سالہ تاریخ سے ظاہر ہے کہ دنیا کے کسی خطے میں انہیں اقتدار حاصل نہیں
 ہوا۔ اس سے پہلے ان کی عظیم الشان عظمتیں تھیں مگر اب اس سے محروم ہیں۔ اور
 محکومی کی زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن اس کا تقاضا ایسی طلب ہے کہ یہ لوگ جہاں
 کہیں بھی ہیں ذلیل و خوار ہو کر ہی گذر اوقات کر رہے ہیں۔

یہودیوں کی ذلت کی دوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ عزت نفس سے
 محروم ہے ہیں۔ گمراہ پتی ہونے کے باوجود یہودیوں کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔
 مال سے محبت، ہر کام میں سادہ دلی اور ہر قوم سے مل کر رہی اور چالاک کی ان کی خصوصیت
 رہی ہے۔ ان کو کہیں بھی آرام سے بیٹھا نصیب نہیں ہوا۔ ایک جگہ شہرت کی
 تو دوسری جگہ چلے گئے وہاں سازش کی تو دہلیں سے نکالے گئے۔ گذشتہ تاریخ سے
 واضح ہے کہ دنیا کی کوئی قوم انہیں عزت کی نگاہ نہیں دیکھتی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے تک
 نصاریٰ سے بھی ان کی ایسی ہی آن بن تھی۔ جیسے مسلمانوں کے ساتھ۔ یہودی کبھی
 عیسائیوں کے تحت نہ رہے، کبھی مسلمانوں کے اور کبھی دیگر اقوام کے دست و پا رہے۔

جلال اللہ
 جل جلالہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ جہاں بھی پائے جائیں، ان پر ذلت و رسوائی مسلط ہو
 گی اِنْ يَجْعَلِ يَسْرًا لِّمَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۱۰۱
 تو رسوائی سے بچ جائیں گے، بعض مفسرین کو فرماتے ہیں کہ اللہ کی رسی سے
 مراد تورات کی وہ کچھ رسیں ہیں جن پر یہ لوگ حمل کر کے رہتے ہیں۔ گویا تورات
 سے کس حد تک وابستگی کی بناء پر یہ دنیا میں جیسی کسی زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر ان
 بھی نہ ہوتا، تو یہ لوگ صاف ہی سے مکمل طور پر مٹ چکے ہوتے، بعض دوسرے
 مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ کی رسی سے مراد اللہ کا حمد و ثناء ہے، لہذا اگر یہ
 ایمان قبول کر لیں، تو عزت کی زندگی گزار سکتے ہیں۔

فرمایا یہودیوں کے دنیا میں زندہ رہنے کی دوسری صورت یہ ہے۔

ہونے لگی ہیں کہ کیا قسطنطنیہ پاک کا دعویٰ معاذ اللہ غلط ثابت ہوا ہے۔ کہ یہودیوں پر ذلت
 مسلط کر دی گئی اور وہ اقتدار سے محروم ہیں۔ اس ضمن میں عرض ہے کہ یہودیوں کی موجودہ
 حکومت کی اپنی کوئی بنیاد نہیں، ان کا موجودہ اقتدار محض حبیل بن المثنیٰ کی ہمت
 ہے۔ اس سے مراد غیر مسلم طاقتیں ہیں، جن میں کچھ عیسائی ہیں اور کچھ دہریہ ہیں۔ آج
 یہودی اپنی کے دستاویز سے زندہ ہیں۔ بنظر غور دیکھا جائے تو اسرائیل کو چار ملکی
 طاقتوں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور روس کی پشت پناہی حاصل ہے۔ ان میں سے
 اول انگریز تین عیسائی ہیں اور چوتھی دہریہ ہے۔ اسرائیل ان سب کی مشترکہ چھاؤنی
 ہے۔ اچھے اور گمراہ کے مسلمان ملکوں کو تنگ کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے اسرائیل
 کا قیام ان چاروں عالمی طاقتوں کی مسلمانوں کے خلاف سازش کا نتیجہ ہے۔ اگر آج یہ
 قوتیں اسرائیل سے اپنا سایہ اٹھالیں، تو یہودی ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ امریکہ
 اس سازش میں مرکزی کردار ادا کر رہا ہے۔ اسرائیل اپنے اور دیگر مسلمانوں پر ظلم کر رہا
 ہے تل ابیب کی بجائے بیت المقدس کو دار الخلافہ بنایا گیا ہے، جو لان کی پہاڑیوں
 پر خاصانہ قبضہ کیا ہے، اور پھر انہیں اسرائیلی بمبلی کے ذریعے اسرائیل کا حصہ قرار
 دے لیا ہے، حالانکہ یہ شامی علاقہ ہے، مگر اس ساری کارروائی میں امریکہ خاموش
 تماشا کی بنا ہوا ہے۔ وہ اسرائیل کو زیادتی کرنے سے روک سکتا ہے مگر وائسٹ
 اس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ اسرائیلی حکومت قائم کرنے والے برطانیہ اور فرانس
 ہیں۔ امریکہ بھی اپنے مفاد میں ان کے ساتھ شامل ہو گیا ہے، اور ہر روس کا مفاد بھی
 اسی میں ہے کہ مسلمان ملکوں کے درمیان اسرائیل کا یہ شاخسانہ قائم ہے۔ پہلی تین
 طاقتیں عیسائی ہونے کے باوجود آپس میں بھی درپردہ ایک دوسرے کی مخالف ہیں
 مگر مسلمانوں کی مخالفت کے معاملہ میں سب اکٹھے ہیں، روس تو جیسے ہی دہریہ
 اور منکر خدا ہے، اُسے مسلمانوں سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ البتہ جہاں اس کا
 اپنا مفاد وابستہ ہو، وہاں وہ ہر کارروائی کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔
 بہر حال اسرائیلی حکومت کی قیام اور اس کی پشت پناہی میں سب شریک ہیں۔

مسلمانوں کی
زبردستی

زمن وقت دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ایک ارب کے لگ بھگ ہے پچاس
کے قریب ٹھوس و حکومتیں ہیں مگر ان عیسائی اور مشرک طاقتوں نے۔ نہیں اس قدر نہیں
کر رکھا ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی بددلی نہیں کر سکتے۔ قیام پاکستان
کے وقت مسلمان ممالک مدد کر سکتے تھے مگر نہیں کی گئی۔ آج کابل کے مجاہدین کو
کی جنگ لڑ رہے ہیں مگر ہماری پستی حکومت ہیں سرحد پار جا کر مجاہدین کی مدد کرنے
سے روکے گی، حقیقت یہی ہے کہ یہودی حبشی ملت الٹا میں کی جیسے
ذمہ صرف خود زندہ ہیں بلکہ دوسروں کی زندگیوں سے کھیل رہے ہیں۔ بیت المقدس
کی توہین ہو رہی ہے۔ سینٹس و کچھ فلسطینی مسلمانوں کو اس سرزمین سے نکال
گیا ہے۔ بہت سے ہلاک ہو چکے ہیں۔

کچھ اردن میں پڑے ہیں، کچھ لبنان میں ہیں، مگر وہاں
بھی آئے دن ان کے شیعوں پر بمباری ہوتی رہتی ہے۔ ان کی بچیاں جیلوں میں
لگی سڑ رہی ہیں، یتیم بچوں کو عیسائی مشنریاں لے گئی ہیں تاکہ انہیں عیسائی بنا جا
سکے، مگر دنیا بھر کے مسلمان بے بس ہیں۔ سپر پاورز مسلمانوں کے راستے میں حائل
ہیں، مگر یہ ہیں کہ پھر بھی انہی کے گن گاتے ہیں۔ انہی کے طور طریقے اختیار کر کے
ہیں اور تو مسلمانوں کو عیش و عشرت کے راستے پر ڈال رہے ہیں۔ سٹے سٹے
فیشن، ٹیلی ویژن، وی سی آر، بڑی بڑی کوٹھیاں اور کاریں، کھیل اور فٹ بال
کچھ مسلمانوں کو خواہش غفلت میں سلاسنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ تاکہ یہ اپنے
پاؤں پر کھڑے نہ ہو سکیں۔ اپنی مارکیٹ کی خاطر صنعتی ترقی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں
آج تک ہم ماباندوں کے سمیٹی پر نہ سہاے تاکہ درآمد کرنے پر مجبور رہیں مسلمان عرب
کا ہوا بھگ کا سبب ایک ہی ڈگمہ چل رہا ہے۔ غیر اقوام کے اس قدر دست نگر
ہو چکے ہیں، کہ انہی کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتے۔

غضب الہی

بہر حال امان الایمان ہے کہ یہودیوں پر ذلت ہمیشہ کے لیے مسلط کی گئی
ہے۔ اگرچہ اس وقت ان کو ایک پناہ گاہ میسر آگئی ہے مگر صحیح حدیث کے

باق ایک وقت آئے والاسبہ جب ان کو شجر و حجر بھی پناہ نہیں دیں گے
 اگھر کوئی یہودی کسی درخت کے نیچے چھپا ہوگا تو وہ درخت پکار کر کہیگا، اے
 سلطان! یہودی یہاں چھپا ہے، اس کو پکڑ کر مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نزول
 پر ایسا دور ضرور آئے والاسبہ۔ فرمایا ان پر ذلت و سوزانی مسقط کی گئی ہے۔

وَيَأْتِي وَبَغْضَبٍ عَنَّا اللَّهُ اذْ رَدَّ اللَّهُ كَاغْضَبَ لَكَ لَوْ لَمْ يَكُنْ فَرَنْيَا لَمْ تَكُنْ
 کہتے ان کی فرہیت سی بگڑ گئی وَحُزْنٍ يَتَّعِلُّهُمْ اَلْمُسْكَنَةُ وَرَأَى
 پر سکینی درد کر دی گئی۔ اکثر یہودی اپنے آپ کو مسکین ہی ظاہر کرتے ہیں جیسا کہ
 دن کا بی و ظہر وہ ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے ذَلْتَ بِأَنَّهُمْ كَاغْضَبَ لَكَ
 يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا ہے۔
 وَكَفَرُوا بِالْآيَاتِ بِغَيْرِ حَقِّ اور اللہ کے پیروں کو ناحق قتل
 کیا ہے۔ گزشتہ ادوار میں الیاسی ہوتا رہا ہے اور اس زمانے کے یہودی اس
 کا نام پر فخر کرتے ہیں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے آباء چارہ نے کوئی خط کام نہیں
 کیا جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے لگے اور خدا کے پیروں کے قاتل ہیں،
 ظاہر ہے، وہ غضب سی لے کر لوٹیں گے۔ ذَلْتَ بِمَا عَصَوْا بِهِ اسوج
 سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے رہے۔ فَكَانُوا يَحْتَدُونَ اور یہ حد سے
 بڑھنے والے لوگ تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہودیوں کی کفریت تو نافرمانی ہی ہے تاہم یہ سب
 کے سب برابر نہیں ہیں یَحْسُوا سَوَادَ اَنْ مِّنْ سَعْدٍ فِصْدٍ اِجْمَعِي
 ان میں نیک سجنٹ اور سعید رو میں بھی ہیں مِنْ اَهْلِ نَسَبِ امَّةٍ
 فَاجْمَعِ اهل کتاب میں سے ایک گروہ سیدھے راستے پر بھی قائم ہے۔
 ان اچھے لوگوں کا کام یہ ہے يَتَشَلُّونَ اَيُّتِ اللّٰهِ اَنَّا وَ السَّيْلُ وَه اللّٰهُ
 کی آیتوں کی راست کی گھڑیوں میں پڑھتے ہیں ایسے لوگ ایمان قبول کرتے ہیں۔
 اور حضور خاتم النبیین علیہ السلام کا اتباع کرتے ہیں چنانچہ نزول قرآن کے زمانے

میں سحران کے چالیس عربی النسل عیسائیوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ جسٹس کے
 بادشاہ سمجھائی نے اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر حضرت عثمانؓ اور حضرت جعفرؓ
 کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ وہاں کے کتیس مزید باشندے بھی ایمان لائے۔ اسی
 طرح روم میں آٹھ آدمی فوراً مسلمان ہو گئے۔ مدینہ کے حقیقت پسند لوگوں نے
 بھی اسلام کو بیک کہا، عبداللہ بن سلامؓ نے حضور علیہ السلام کی پہلی زیارت کرنے پر
 ہی اسلام سے مشرف ہو گیا۔ مدینے کی اکثریت مشرکوں کی تھی مگر بعض مشرک کو بڑا
 سمجھتے تھے۔ مدینے کے اطراف میں یہودی آباد تھے۔ ان میں کچھ معیدروہیں ضرور
 موجود تھیں، ان میں بلال بن مرہور کا نام آتا ہے۔ محمد بن مسلمہؓ وغیرہ جنابہت کا
 غل غل کرتے تھے اور توحید کا تصور بھی سمجھتے تھے۔ جب نبی آخر الزمان علیہ السلام کے
 متعلق سننا تو فوراً ایمان لے آئے۔ بعد کے دور میں بھی بعض پور بن عیسائیوں
 نے اسلام قبول کیا ہے۔ ان میں برطانیہ کا مسٹر کوٹیم ہے جس کا نام عبداللہ کوٹیم رکھا
 گیا۔ موجودہ زمانے میں بھارہ ہے۔ یہ جہڑی گا یہودی تھا، مگر اللہ نے سمجھ عطا کی۔
 اب وہ فرانس میں ہے۔ اور دین کی خدمت بھی کر رہا ہے۔ اسخ العقیدہ مسلمان
 ہے۔ پاکستان میں بھی رہ چکا ہے۔ اس نے کئی ایک کتابیں لکھی ہیں۔ موجودہ وہ
 کا کھچھ پچھال ترکی میں ملازم تھا۔ اس نے اسلام قبول کیا، اس نے قرآن پاک کا انگریزی
 میں ترجمہ کیا ہے۔ غرضیکہ سارے کے سارے اہل کتاب بدعت نہیں ہیں بلکہ ان
 میں کچھ سمجدار لوگ بھی ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کے علاوہ وَقُلْ كَيْفَ مَجْدُونَ
 یہ لوگ اللہ کے سامنے سجدہ ریز بھی ہوتے ہیں۔ فرمایا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَآيَاتِهِ
الْآخِرَةِ یہ لوگ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ جب حضور علیہ السلام
 کی سچائی کا علم ہوتا ہے۔ فوراً ایمان قبول کرتے ہیں۔ وَيَا قُرُونِ لَا تَعْلَمُونَهُ
 پھر نہ صرف خود ایمان لاتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی نیکی کا حکم کرتے ہیں۔
فَيَسْمَعُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور برائی سے روکتے ہیں یعنی تبلیغ دین کا کام

بھی کرتے ہیں۔ اور پھر ان کی حالت یہ ہو جاتی ہے وَيُسَارِعُونَ فِي الْآثَامِ
فِي الْآثَامِ وہ اپنی سبکدوشی کے کاموں میں بے رغبتی کرتے جاتے ہیں۔ وَأُولَٰئِكَ
مِنَ الضَّالِّينَ یہی لوگ ضال ہیں۔ یہ اچھے لوگوں کی تعریف بھی ہوگی۔
 فرمایا وَمَا يَنْفَعُ لَوْ هُمْ كَفُّوا عَنْ الْآثَامِ جو بھی نیکی کا
 کام کریں گے، انہی ناقہ رسی بنیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکی کو قبول کر کے بہتر
 اجر عطا فرمائیں گے۔ بلکہ وہ بہت شریف کے مطابق ایسے لوگوں کو دوسرا اجر ملے گا۔
 پہلے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے، ایک
 اجر اس ایمان کا ہوگا اور دوسرا اجر حضور خاتم النبیین علیہ السلام پر ایمان لانے کا ہوگا۔
 اس طرح وہ دوسرے اجر کے مستحق ہوں گے۔ فرمایا وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ
 اللہ تعالیٰ متقیوں یعنی اہل ایمان سے ڈرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ اس کے علم
 میں ہے کہ کون لوگ ایسے ہیں، جو کفر و شرک کی برائیوں سے بچ کر نکل جاتے ہیں۔

لَنْ تَنَالُوا ۚ

ال عمران ۳

درس چیل ۳۰

آیت ۱۱۶ تا ۱۱۷

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ
وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ
النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١٦﴾ مَثَلُ مَا
يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ
رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَضْرَتَ قَوْمٍ ظَلَمُوا
أَنفُسَهُمْ فَأَمْلَكَتْهُ ۖ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ
أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٧﴾

ترجمہ:۔ بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، ہرگز کام نہیں آئیں گے ان کے مال اور
شرائع کی اولادیں اللہ کے سامنے کچھ بھی، اور یہی لوگ روزِ قیامت کے دن اس میں
میشہ بننے والے ہوں گے ﴿۱۱۶﴾ مثال اس کی جو طرح کر رہے ہیں، اس دنیا کی زندگی
میں مال، جس پر ان کے بنے جس میں شریعت پر ہی سب سے اچھے سچے ہے ایسی قوم کے
کھیت کو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ پس اس کو ہلک کر دیا، اور اللہ
سے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے۔ ﴿۱۱۷﴾

دلیلیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی عداوت کا ذکر کئے ان
کی مذمت بیان فرمائی پھر فرمایا ان میں سے مائے کے مائے برابر نہیں ہیں، بلکہ
بعض اہل کتاب منصف مزاج بھی ہیں، جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان
رکھتے ہیں انہی کا حکم کرتے ہیں اور بڑائی سے روکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں
کی قدر کرتا ہے اور تمام شیعوں کی تیس، اور اوسے اور اعمال کو بھی جانتا ہے۔
اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے کفر کرنے والوں کی مذمت بیان کی ہے
پہلے اہل کتاب کی مذمت بیان ہوئی اور وہ جو عداوت بھی بیان ہوئی جس کی وجہ

ہے۔ منکر کشتی کرتے تھے۔ پھر ان میں سے بعض کی مدح کا تذکرہ ہوا، اور اس کا کفر
کمرے والوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے لَا تَزِدُ بِنِ كُفْرِهِمْ اور لوگ جنہوں نے کفر کیا، ایسے
لوگ خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے، سب کا ایک ہی عاقبت ہے
آہم اس آیت میں اہل کتاب کی بات چل رہی ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے
ایمان قبول نہ کیا، توحید کو اختیار نہ کیا، حضور خاتم النبیین علیہ السلام کی رسالت کا انکار
کیا اور ایمان کے دیگر اجزاء کی بھی تصدیق نہ کی، اُن کے متعلق فرمایا لَا تَزِدُ
عَنْهُمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا اَوْلَادَهُمْ مِنْ اللّٰهِ شَيْئًا ایسے لوگوں کے
مال اور اولاد اللہ کے ہاں کچھ بھی کام نہ آئیں گے۔ یہ چیزیں انہیں اللہ کے منصب
سے بچا نہ سکیں گی۔ دنیا میں انسان بعض اوقات مال کے ذریعہ بچ جاتے ہیں
اور بے اوقات اولاد بھی بچاؤ کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ مگر اللہ کی بارگاہ میں یہ دونوں
چیزیں بیکار کام نہ آئیں گی۔ عام طور پر یہ پر مشاہدہ ہیں کہ کثیر لوگ اپنی دو چیزوں
یعنی مال اور اولاد کی وجہ سے غمزدگی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں دوسرے نظام
پر موجود ہے اِنَّكُمْ مَمْلُوْا۟نَ كُفْرًا وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَآ
مال اور اولاد فتنہ ہیں۔ فتنہ سے مراد آزمائش ہے۔ انسان ان چیزوں کی محبت
میں مبتلا ہو کر ایمان اور آخرت کو فراموش کر جاتے ہیں، مثالاً جہنم کی حدود کو توڑ
دیں، اور اس طرح مال اور اولاد ان کے لیے ذریعہ آزمائش بن جاتے ہیں۔ پھر جب اس
آزمائش میں انہیں انہی سے تو ان پر وبال آجاتا ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا وَمَا اَمْوَالُ الْكَفْرِ وَلَا اَوْلَادُ كُفْرٍ وَالْاٰلِیٰہُ لْقُرْبٰی كُفْرًا
عِنْدَ نَارِ لَعْنٰی اِنَّہُمْ رُسُ مَالٍ وَرِ اَوْلَادُ وَتَمٰہِیْ خَدَا كَاقْرَبَ نَمٰہِیْ وَلَا سَكٰہِ قَرٰہِی
تو ایمان، توحید اور اعمال صالحہ سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر لوگ اس چیز کو بھول کر مال و اولاد
کی محبت میں جا کر اور ناجائز کی تمیز نہیں رکھتے۔ لہذا انہیں اللہ کا قرب حاصل نہیں
ہو سکتا۔ اس دلسطے یہ چیزیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی، حضور علیہ السلام کا ارشاد

مال اولاد
کا فتنہ

ہے کہ اولاد ان کے حق میں کھل اور بزدلی کا باعث ہے۔ اسی کی خاطر ان میں خرق نہیں کرتا اور جہان میں شریک نہیں ہوتا کہ اولاد کی حفاظت کو نہ کرے گا۔ اسی کی خاطر نبی کے دو سکر کاموں سے بھی محروم رہ جاتا ہے۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا لَيْلُ امَّةٍ فِتْنَةٌ ہر امت کے لیے ایک خاص فتنہ ہوتا ہے وَفِتْنَةُ امَّةٍ اِلْمَالُ۔ در میری امت کا فتنہ مال ہے، مال کی بخت کی وجہ سے بہت ہی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں صحیحین کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْفُقَرَاءِ أَخْلَىٰ عَلَيْهِمْ وَلَكِنَّ أَخْشَىٰ عَلَيْكُمْ
أَنْ تَبْسُطَ عَلَيْهِمُ الدُّنْيَا كَمَا بَسَّطَتْ عَلَىٰ مَنْ كَانَ
قَبْلَكُمْ فَتَنًا فُتِنُوا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتَهْلِكُ كُفُوكُمْ
كَمَا أَهْلَكْتَهُمْ

مجھے تم پر فقر کا خوف نہیں۔ مجھے تمہارے متعلق یہ ڈر ہے۔ کہ تم پر دنیا کو سیح کھڑی جائیگی، جس طرح تمہارے پیسے لوگوں پر کی گئی۔ پھر تم اس میں رغبت کرنے لگو گے جس طرح ان لوگوں نے کی، پھر وہ تم کو ہلاک کر دے گی جس طرح پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔

مقصود یہ کہ دنیا کے معاملے میں تم ایک دو سکر سے سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرو گے اور پھر وہ تم کو ہلاک کر دیگی۔ اسی لیے فرمایا کہ میری امت کے غلام فتنہ مال ہے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ مال ان کا اچھا ساتھی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس میں سے اللہ کا اس کے بندوں کا حق ادا کرے۔ اور اگر حق ادا نہیں کرتا تو میری مال اس کے لیے وکیل جان ہے۔ مال کی جتنی بہتاشت ہوگی، آزمائش بھی اتنی ہی بڑی ہوگی، فتنے بھی اتنے ہی زیادہ ہو جائیں گے۔ مال کے فتنہ کی وجہ سے ہی اسلام کے نام پر ایوانی اور عیاشی میں مبتلا ہیں۔ فضول امور میں حشر

کرنے میں دوسری اقوام سے آگے ہیں۔ دولت تو سبے مگر صحیح جگہ پر خرچ نہیں ہوتی غلط جگہ پر خرچ ہو کر نقصان بن جاتی ہے۔

اخلاق کے متعلق بھی حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے اِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا ^{یاداری} ہر دین کا کوئی مخصوص اخلاق ہوتا ہے وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَيَاةُ ^{یاداری} اور اسلام کا خلق حیات ہے۔ جب تک لوگوں میں حیا ^{یاداری} موجود ہے اخلاق موجود رہے۔ جب حیا ہی نہ رہی تو اخلاق کا جنازہ نکل گیا۔ صحیح بخاری اور موطا امام مالک وغیرہ میں پہلے انبیاء کی تعلیم سے یہ بات اخذ کی گئی ہے اِذَا كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْوَلَدَ فَاصْبِرُوا لِحَقِّهِ ^{یاداری} مائیت ^{یاداری} جب حیا کا دامن چھوڑ دیا جو چاہو کر تے پھر دو، کوئی پوچھنے والا نہیں۔

مصری شاعر شوقی نے کہا ہے۔

اِنَّمَا الْاَمْرُ بِالْاِخْلَاقِ مَا بَقِيَتْ

فَاِذَا ذَهَبَ الْاِخْلَاقُ ذَهَبُوا

اتنی اخلاق کی وجہ سے زندہ رہتی ہیں۔ جب ان میں اخلاق ختم ہو جائے تو ہمیں بھی مٹ جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں کسی امت کا زندہ رہنا یا ختم ہو جانا کچھ مفید نہیں رہتا۔ نبی آخر الزماں علیہ السلام اور آپ کے مائیتوں کا اخلاق نہایت اعلیٰ درجے کا تھا، یہی وجہ ہے کہ انہیں دنیا پر علیہ حاصل ہوا اور انہوں نے اس زمین پر نیکی کو رائج کیا۔

غرضیکہ اللہ نے فرمایا انسان کے حق میں مال اور اولاد دو بڑی آزمائشیں ہیں۔ لوگ انہی کی وجہ سے ایمان اور نیکی سے محروم ہوتے ہیں۔ مگر یہ دونوں چیزیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ فرمایا ان چیزوں سے حد سے زیادہ بھرت کر سنے والوں کا انجام یہ ہو گا وَ اُولَئِكَ اَصْحَابُ السَّارِ اِنَّ لَوْكُلِّ كَافٍ مِّنْهُمَا ^{یاداری} دوزخ میں ہو گا۔ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

اچھی آیت میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کفار اس دنیا میں جو مال خرچ کر رہے ہیں، انہی کی کیا حیثیت ہے۔ کیا اللہ کے ہاں اس قسم کے خرچ ^{یاداری} کفار کا ایک اتفاق

کا کوئی فائدہ ہو گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات ایک مثال کے ذریعے سمجھائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَثَلُ اُسْ كِي
بُوْضُرْجِ كَمْتِهِي، اہل ایمان اس مثال میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں، وہ اللہ کی رضا کے لیے کرتے
 ہیں، اور اس کا بدلہ اللہ کے ہاں یقیناً بہتر ہے گا۔ پیچھے کافروں کے ساتھ معاملہ کیسے ہو گا
 بھلے کاموں میں خرچ کرنے کے علاوہ وہ لوگ بعض اوقات اچھے کاموں پر بھی خرچ
 کرتے ہیں۔ عزیزوں کی امداد کرتے ہیں، سکول اور ہسپتال قائم کرتے ہیں، یتیم خانے
 تعمیر کرتے ہیں، پل اور سڑکیں بناتے ہیں، اور اپنے اپنے مذہب کے مطابق نیکی کے
 دوسرے کاموں میں روپیہ صرف کرتے ہیں۔ تو اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
كَذَلِكَ يُرِجِي فِيْهَا صِحْحًا
 جیسے ہوا جو جس میں سخت سردی ہو۔ آگیا بکھڑا ہو۔ آگیا بکھڑا ہو۔ آگیا بکھڑا ہو۔ آگیا
 یہ سرد ہوا ایسی قوم کی کھیتی پر آئی ہو، جس نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ کھیت پک کر
 تیار ہو رہی ہے، آج سے بھر اڑا ہے۔ خوب ابلہا رہا ہے۔ اتنے میں سخت ٹھنڈی
 ہوا آتی ہے هَآ هَآ هَآ كَثُتْ اس کو ہلاک کر رہی ہے۔ اچھی بجلی کھیتی رہی تھی
 تباہ و برباد ہو جاتی ہے اور اس کے اکسٹنڈیٹ رہ جاتے ہیں۔ فرمایا کھڑے کرنے
 والوں کے خرچ کی مثال ایسی ہی ہے۔ وہ اس دنیا میں رفا و عامہ کے کاموں پر خرچ
 کر کے خوش ہو رہے ہیں کہ ان کا خرچ کیا ہوا مال انہیں بہت فائدہ دے گا۔ مگر حقیقت
 میں اللہ کے ہاں اس خرچ کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ جس طرح کھیتی کا مالک آج کی
 آس لگانے بیٹھا تھا، مگر سب سے پہلے برباد کر کے رکھ دیا، اسی طرح مال خرچ
 کرنے والے کافر امید کریں گے کہ مال خرچ کرنے کے عوض ان کو اجر عظیم ملے گا،
 مگر ان کا یہ سارا کیا کیا حکم ضائع ہو جائے گا۔ اور ان کے لیے کچھ مفید نہ ہو گا۔

فرمایا وَصَ ظَلَمْتُمْ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ایسے لوگوں کو اجر
 آخرت سے محروم کر کے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی۔ بلکہ وَلَكِنْ كَفَسْتُمْ
 انہوں نے خود اپنے آپ کو ظلم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں عمل کی مقبولیت کے

دہلیس

حضرت

یہ ایمان، صحیح عقیدہ اور اجمالِ صالحہ کی شرط لگائی ہے۔ دوسرے مقام پر
 فرمایا فَمَنْ يَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ وَهُوَ مُؤْمِنٌ؟ اگر اس کو ملے گا
 جو ایمان لائے کے بعد اعمالِ صالحہ انجام دے گا جس کا ایمان ہی درست نہیں ہے
 جس کا عقیدہ ہی صحیح نہیں۔ جو توحید پر قائم نہیں۔ اس کے نیک اعمال بھی آخرت
 میں کچھ کام نہ آئیں گے۔ یہ لوگوں نے بد عقیدگی اختیار کر کے اپنے اندر مسلک
 مادہ پیدا کر لیا ہے، جو ان کے صحیح اعمال کو بھی ضائع کر رہا ہے البتہ ان کے
 دنیا میں اچھے کام ان کے لیے دنیا میں ہی عزت، شہرت، وجاہت اور وقار کا
 باعث بن سکتے ہیں، یہ چیزیں تو ان کو دنیا میں ہی حاصل ہو جاتی ہیں، لہذا آخرت
 میں ان کے لیے کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔ کافروں کے علاوہ منافقوں کا بھی
 یہی حال ہے۔ سورۃ توبہ میں موجود ہے کہ منافقوں کا خرچ کردہ مال ان کے
 لیے کیوں مفید نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اس کو کیوں قبول نہیں کرتا، اس واسطے
 کہ ان کے دل و دماغ ناپاک ہیں، ان کے دل لافانی سے بھرے ہوئے
 ہیں، میر ان کے اخلاق بگڑ چکے ہیں یہی حال کفر کرنے والوں کا ہے کہ ان کا
 عقیدہ فاسد ہے، اس لیے ان کے نیکی کے کام بھی آخرت میں بے سود ہونگے
 البتہ اس دنیا میں ان کا بردار اندیش عزت و شہرت کی صورت میں مل جائے گا۔
 کفر، شرک اور جہنم گناہیے بوسے ہیں، جن کا اثر انسان کی نیکیوں پر پڑتا
 ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص ایک دفعہ
 شراب پی لیا ہے، چالیس دن تک اس کی نیکیاں جی نماز وغیرہ قبول نہیں ہوتی
 اگرچہ اس کے ذمہ نماز ادا کر بھی جائے گی، مگر وہ بارگاہِ الہی میں اس وقت
 تک قبول نہیں ہوگی جب تک شرابی صدقِ دلی سے توبہ نہ کرے۔ ایک اور صحیح
 حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جو شخص حرام کا ایک نعمہ
 پیٹے میں ڈالتا ہے، چالیس دن تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی، حرام
 کا اتنا شدید اثر ہوتا ہے۔ ہاں اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے والا ہے۔

بڑی کا
 اثر ہے

بہر حال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کفر کرنے والوں پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے تو ان پر احسان کیا، جسم دیا، سمیت تو لٹائی دی، حواس ظاہرہ اور باطنیہ سے لہذا عقل و شعور جیسی نعمت دی، انبیاء معروض فرمائے، کتابیں نازل فرمائیں تاکہ انسان ہدایت کا راستہ اختیار کریں۔ ان تمام اسباب کی فراہمی کے بعد بھی اگر کوئی کفر کا راستہ اختیار کرتا ہے تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔ اللہ نے ان پر زیادتی نہیں کی۔ کیونکہ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ تَفْهِيمٍ اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا وَمَا اللَّهُ بِرَبٍّ مُدْهِمٍ لَّعَلَّ بَشَرًا لَّيْسَ لَهُ تَفْهِيمٌ پر زیادتی کرنے کا ارادہ بھی نہیں فرماتے۔ یہ تو خود انسان ہیں فَالَّذِينَ أَنْفُسُهُمْ كَظُلُمٍ لَّيْسَ لَهُمْ شَاءٌ يَعْقِلُونَ جو خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ اپنے ایمان اور عقیدے کو خراب کرتے ہیں بڑے اعمال انجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا یہ بڑے اعمال تمہاری اپنی کمائی ہے اب اس کا ثبوت ان کردہ اگر یہی انجام دی ہے۔ تو اللہ فرمائے گا شکر ادا کرو کہ میں نے تمہیں نیکی کی توفیق بخشی جس کا سبب الیہما بل لہ مل رہا ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے کافروں کے غرر کردہ ماں کی حیثیت کو ایک مثال کے ذریعے واضح کر کے بات سمجھا دی کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل اللہ کے پاس قابل قبول نہیں ہوگا۔

لَنْ تَنَالُوا

اِنْ عَمِلْتُمْ

دریں چل دیکھ ۴۱

آیت ۱۱۸

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّن دُونِكُمْ
لَا يَلُونَكُمْ خَبَالًا وَّ دُونُ مَا عِنتُمْ قَدْ بَدَأَ
الْبَغْضَاءُ مِن أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ
أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنْتُمْ
تَعْقِلُونَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! یہ غمخسروسہ، بناؤ اپنوں کے سوا دوسروں کو۔ وہ تمہارے
حق میں خرابی پیدا کرنے میں کمی نہیں کرتے۔ وہ اس چیز کو پسند کرتے ہیں جو تمہیں
مشقت میں مبتلا کرے۔ تحقیق دشمنی ان کے منوں سے ظاہر ہو چکی ہے،
اور جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں، وہ بہت زیادہ ہے تحقیق ہم نے
تمہارے لیے آیتیں بیان کر دی ہیں، اگر تم عقل رکھتے ہو ﴿۱۱۸﴾

اہل کتاب کی خرابی، دشمنی اور عداوت کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اور پھر یہ بھی بیاں
ہو چکا ہے کہ ان کے مال اور اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گے، جو مال وہ
اسلام دشمنی کے لیے یا نیکی سمجھ کر خرچ کرتے ہیں وہ بھی نہ لگاں جائے گا۔
اللہ تعالیٰ نے ایسے مال کی حدیث کو ایک مثال کے ذریعے واضح کیا۔ کہ
جس طرح کسی عہدہ فضل کو ٹھنڈی بڑا، تباہ کر دیتی ہے۔ اسی طرح کھنڈ کر نیوالوں کے
خرچ کھردہ مال بھی ضائع ہو جائیں گے۔ وجہ ظاہر ہے۔ کہ عقیدے کی خرابی
اور معاشی نیکیوں کو برا کر دیتے ہیں۔ اس کے نتیجے کے طور پر اللہ تعالیٰ
کسی پر زیادتی نہیں کرتے بلکہ وہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اب

جنگ کے درس ہیں، اہل ایمان کو تنبیہ کی جا رہی ہے، کہ دشمنان ہیں کتاب کی اسلام دشمنی کے
پیش نظر ان کو اپنا مخلص دوست نہ بنائیں۔

مخلص دوست

رشادِ ہر آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا
بِطَنَانِكُمْ دُؤْمِنًا کہ پھول کے سوا دوسروں کو اپنا مخلص دوست
نہ بناؤ۔ یہاں پر بِطَنَانِكُمْ کا لفظ آیا ہے جو کہ خاص انخاص راز داران دوست کے لیے
استعمال ہوتا ہے۔ اس کے لیے بِطَنَانُ الرجل بھی بولا جاتا ہے عربی
زبان میں بِطَنَانُ استرعتی کوٹ کے اندر لگائے جانے والے کپڑے کو بھی
کہتے ہیں، اگر یہ پرانی چیز ہے، جو عقلی طور پر استعمال ہوتی ہے۔ حدیث شریفہ
میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار مدینہ کے متعلق فرمایا الانصار
شعاب ولسا دث یعنی انصار میرے لیے ہنزرہ شعاب یعنی چھوٹے
کپڑے کے ہیں اور بانی لوگ دشمن یعنی ہاجرے کے کپڑے چادر کھیل وغیرہ کی مانند ہیں۔
اسی طرح سے شعاب اور بِطَنَانُ ہمہ معنی لفظ ہیں۔ اور یہ نایت ہی مخلص دوست کے
لیے بولے جاتے ہیں۔ چنانچہ شاد محمد بن عبدالغفار محدث دہلوی اور مولانا کشمیری لکھتے ہیں
یہی ترجمہ کیا ہے دُؤْمِنًا کہ میں اہل کتاب کو مشرک آتے ہیں، بعض
مفسرین نے منفقین کو بھی اس زمرہ میں شامل کیا ہے۔ تو مسلمانوں کو یہ سمجھنا
کی جا رہی ہے کہ اہل ایمان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو اپنا مخلص دوست نہ بنائیں۔
دینے میں دوشوہ رقبائل اوس اور خزرج آباد تھے۔ یہ مشرک لوگ تھے، اللہ
نے ان کو ایمان لانے کی توفیق بخشی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اپنی پرانی دشمنی ترک
کر کے آپس میں شیر دشکر ہو گئے، ان قبائل کے دینے کے یہودیوں سے درپیش
تعلقات تھے جنہیں وہ اسلام لانے کے بعد نبھاتے تھے۔ مگر یہودیوں پر جو
ایمان نہیں لائے تھے اس لیے وہ مسلمانوں کے مخلص دوست نہیں ہو سکتے
تھے، لہذا اللہ تعالیٰ نے اس اور خزرج والوں کو بھی منع فرمادیا کہ یہودیوں
کے ساتھ دوستی نہ رکھیں، کیونکہ وہ مسلمہ زور اہل اسلام کو اچھا نہیں سمجھتے۔

یہ آیت اور مفسرین دلوں کے حق میں نازل ہوئی۔

مفسرین کا اہم سنا اس آیت کی شان نزول میں ایک اور واقعہ بھی بیان کیا ہے حضرت عباد بن صامتؓ انصار مدینہ میں سے عظیم المرتبت صحابی ہیں، مصر کی فتح کے دوران اسلامی لشکر کے سپہ سالار عمرو بن العاصؓ کے حضرت عبادؓ کا کوثر قرص سے گفتگو کرنے کے لیے فائدہ مند ہو کر آیا تھا۔ آپ سیاہ رنگ کے دس باشت قہ کے آدمی تھے۔ بڑے عظیم الشان تھے انہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا، حضور! یاں کے یہودیوں سے میرے مخلصانہ تعلقات ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان کو اپنے ساتھ جنگ میں شریک کروں۔ یہ واقعہ جنگِ امد یا جنگِ خندق کا ہے۔ نبی علیہ السلام نے یہودیوں کی امداد لینے سے یہ کہہ کر منع فرما دیا کہ ان سے خیر کی توقع نہ ہے۔ ان سے مسلمانوں کے حق میں نقصان کی توقع ہی کی جاسکتی ہے۔ افرض! اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے ساتھ دوستی کرنے سے روک دیا۔ لَا تَصَاحِبُوا الْكَافِرِينَ۔ ان سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ لہذا ان سے نقصان دوستی نہ جوڑو۔

فرمایا غیر مسلموں کی دوستی سے اس لیے منع کیا گیا ہے۔ نہ دُیَا مَوْنُکُمْ نہ خَبَا نہ وہ تھا سے درمیان فساد برپا کرنے میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔ خباں عرب میں فساد کو کہا جاتا ہے۔ غیر مومنوں کی ہمیشہ یہ خواہش ہوگی کہ مومنوں کو کبھی نہ کبھی طسرت نقصان پہنچائیں، انہیں تمہاری خیر خواہی ہرگز منظور نہیں۔ ان سے باز داری قائم کرنا ہی صورت میں مسلمانوں کو دنیا اور دین دونوں جگہ نقصان ہوگا۔ اس سے پہلے سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے کہ اہل کتاب ہرگز پسند نہیں کرتے کہ اہل اسلام پر خدا کی جانب سے کوئی بہتری نازل ہو یا ان کو اس دنیا میں عزت اور تمنا نصیب ہو، وہ تو چاہتے ہیں کہ مسلمان ان سے زیادہ پستی میں پہلے جائیں۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے علاوہ اہل ہندو اور دھرمیوں کا بھی یہی حال ہے۔ مسلمانوں کی

ترقی ان کو بھی ایک آٹھ نہیں بھاتی، چنانچہ اسی سورۃ میں پہلے گھڑ چکا ہے۔ لڑا ایک
 مرد کی دوستی ایک غیر ملین کے ساتھ کسی حال میں نہیں ہو سکتی۔ دوستی کے لیے
 کم از کم نظریات تو یکساں ہونے چاہئیں مگر ایسا ممکن نہیں۔ یہاں تو صورت حال
 یہ ہے لَا أُعْبِدُ مَا دُعِبْتُ وَلَا أُعْبَدُ بَلْ لَكُمْ آيَاتُ دِينٍ
 غیر مسلم گھڑ کر رہتے ہیں، جب کہ اہل اسلام کا مذہب اسے مقصود محض ہے اسی
 ہوتی ہے۔ لہذا دونوں گھڑ ہوں گی آپس میں مخلص دوستی ممکن نہیں۔

اخلاقی
 رد ادائی

البتہ کسی کے ساتھ اخلاق کے ساتھ پیش آنا الگ چیز ہے۔ اس
 قسم کے اشارات سورۃ ہذا کے علاوہ سورۃ مائدہ اور سورۃ ممتحنہ میں بھی ملتے ہیں
 اسلامی ملک میں رہنے والے غیر مسلم جذبہ ادا کر کے اسلامی قوانین کے تحت زندگی بسر
 کر سکتے ہیں۔ تاہم انہیں اپنے مذہب پر کاربند رہنے کی مکمل آزادی ہوتی ہے
 ایسے لوگ ذمی کہلاتے ہیں۔ ذمیوں کی مال و جان اور عزت و آبرو اسی طرح
 محفوظ ہوتی ہے جس طرح مسلمانوں کی ہوتی ہے۔ انہیں تمام بنیادی حقوق حاصل ہوتے
 ہیں، مذہبی آزادی کے علاوہ کاروبار اور تجارت میں آزادی حاصل ہوتی ہے۔ حضور
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص کسی ذمی کو تگ کرے گا، میں قیامت
 کے دن ذمی کی طرف سے خدا کے ہاں جھگڑا کر دوں گا، آپ کے ذمیوں کو اتنے حقوق
 ملے ہیں۔ اس کے باوجود فرمایا ان کے ساتھ دوستانہ قائم نہیں ہو سکتا۔ مخصوص
 صرف اہل ایمان کے ساتھ ہوگی۔ کبھی کافر کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً یہود و نصاریٰ
 کے متعلق تو خاص احتیاط کی ضرورت ہے، اس کا تذکرہ آگے اس سورۃ میں بھی
 اور اس کے بعد بھی آئے گا۔

غیر مسلموں سے دوستی اور لڑائی کرنے سے اس لیے منع فرمایا
 کہ یہ لوگ اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے
 لہذا کوئی لڑائی بات ان تک نہیں پہنچنی چاہیے۔ ایسا کرنے سے مسلمانوں کی
 ترقی اور تبلیغ میں رکاوٹ پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اسی لیے امام ابو بکر رضی اللہ

عہدہ
 پر ترقی

فرماتے ہیں کہ کسی غیر مسلم کو اسلامی ملک میں کسی کلیدی سند پر فائز نہیں کرنا چاہیے۔ انہیں نہ وزیر بنانا چاہیے، نہ مشیر اور نہ ہی پارلیمنٹ کا ممبر منتخب کرنا چاہیے۔ جمہوریت میں تو ایسا درست ہے مگر اسلامی نقطہ نظر سے ناجائز ہے۔ کسی عیسائی، یہودی، ہندو یا قادیانی کو وزیر یا مشیر یا افواج کا کمانڈر بنادیا جائے، تو معاملہ بڑھ جائیگا۔ جب کارنگس کو وزیر قانون بنایا گیا تھا، تو ہم نے اسی وقت کہا تھا کہ جو شخص اسلامی قانون پر ایمان ہی نہیں رکھتا اس کو وزیر قانون کیسے بنایا گیا ہے، پارلیمنٹ کا غیر مسلم ممبر اسلامی قانون کی قانون سازی میں کیسے حصہ لے سکتا ہے۔ مگر یہ بات حکومت کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔

حضرت عمر فارق کے دہم میں حضرت حذیفہؓ نے اپنا کاتب انجیل غیر مسلم کو مقرر کرنا یا دیکھا، مگر آپؐ نے انکار کر دیا تھا اور فرمایا جسے خدا نے دور کیا تم اسے کیوں قریب کرنا چاہتے ہو۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے از الہ الخفاء میں لکھا ہے۔ در تفسیر احکام القرآن میں بھی یہ روایت موجود ہے کہ وثیق نامی روم کا عیسائی حضرت عمرؓ کا غلام تھا۔ بڑا ذہین اور اعلیٰ درجے کا حساب دان تھا۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم ایمان لے آؤ تو میں تمہیں کوئی فمرداری کا کام سونپ دوں۔ مگر وہ شخص ایمان نہ لایا اور آپؐ نے اسے کوئی عہدہ نہ دیا۔ جب آپؐ زخمی ہو گئے تو اسے پھر بڑا کر ایمان اور عہدہ کی پیش کش کی مگر وہ رضا مند نہ ہوا۔ آپؐ نے اسے آزاد کر دیا مگر کوئی عہدہ نہ دیا۔ اس روایت سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اسلام میں جبر نہیں ہے۔ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ کہی کہ زبردستی مسلمان نہیں بنایا جاسکتا اور دوسری بات یہ کہ کسی غیر مسلم کو اسلامی حکومت میں کوئی کلیدی آسامی پیش نہیں کی جاسکتی۔ اگر ایسا ہوگا، تو اہل اسلام کے لیے لازماً نقصان کا باعث ہوگا۔

مذہب کے
ساتھ مذہبی

غیر مسلموں کی خصصت بیان فرماتے ہوئے فرمایا وَذُوْا صَافِحَاتٍ
وہ تمہاری مشقت کو پسند کرتے ہیں۔ در سکر مقام پر ہے وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ
لَا كُنْتُمْ كُفْرًا اِذَا لَمْ يَأْتِ الْاٰیٰتُ تَمَيَّنْتُمْ اِنْ كُنْتُمْ اٰیٰتٍ

خواہش یہ ہوتی ہے کہ مسلمان مصیبت میں گرفتار ہوں۔ اور وہ یحیٰی قد جدت
 لَبْعُضًا دَرَجَتٌ اَقْلًا اِیْہَا سَوَا اُنْ کی اسلام دشمنی کی بات بعض اوقات اُن
 کی زبانوں پر بھی آجاتی ہے۔ وہ لاکھ کرکٹس کریں کہ اُن کی اسلام کے ساتھ دشمنی بخشنی
 ہے مگر پھر بھی منہ سے کرتی نہ کوئی بات ایسی نکل جاتی ہے جو اُن کی اندرونی خباثت
 کا مظہر ہوتی ہے۔ ۹۷۱ء میں جب مشرقی پاکستان علیحدہ ہوا تو اندرا گاندھی کی
 زبان سے یہ بات نکل گئی تھی کہ ہم نے ہندوستان پر مسلمانوں کی ہزار ہا حکومت
 کا بدلہ لے لیا ہے۔ اسی طرح انگریز، عیسائی، امریکی، ہندو اور یہود ہمیشہ مسلمانوں کے
 پرغزوہ ہی رہیں گے اور اس دشمنی کا اظہار ان کی زبانوں سے وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے
 یہ لوگ قرآن پاک اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے
 ایک انگریز نے یہ ہرزہ سرائی کی تھی کہ مسلمانوں کے بخری بنی تو بادشاہ تھے
 وہ تو لوہے کیوں کے ساتھ کھیلے جتے تھے را عیاذ باللہ ایک اور انگریز نے
 کوئی پالیسی سال پہلے اپنے کتے کا نام احمد رکھا تھا۔ اس پر ساری دنیا میں احتجاج
 ہوا۔ کوئی اپنے کونٹ کا نام محمد رکھتا ہے تاکہ مسلمانوں کو زہنی کوفت ہو۔ ایک
 اور غلیبٹ نے اپنے سالے میں حضرت علیؑ کے متعلق لنگوڑ کا لفظ استعمال کیا
 تھا۔ بہر حال اس قسم کی اذیت ناک باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اسی لیے غیر مسلموں کے
 ساتھ دوستی سے منع فرمایا گیا ہے۔

ان لوگوں نے قرآن پاک کے متعلق بھی اپنی خباثت کا اظہار کیا ہے۔ اسے
 وجہ پند انہ کتاب کا نام دیا گیا ہے مکہ و کثورہ کے زمانہ کا وزیر عظیم گڈ سلون
 تھا، اس نے قرآن پاک کو ہاتھ میں لے کر کہا تھا، کہ جب تک یہ کتاب موجود ہے
 دنیا مندب نہیں ہو سکتی، لہذا اس کتاب کو ختم کرنا ہوگا (خود باللہ متحدہ ہندوستان
 کے صوبہ جات متحدہ کا گورنر سر ولیم پیورن صرف عیسائی تھا بلکہ ست بڑا پادری تھا
 اُس نے کہا تھا کہ انسانیت کی دشمن دو چیزیں ہیں۔ ایک محمد کا قرآن اور دوسری
 اس کی تلوار جس کے ساتھ وہ جہاد کرتے ہیں۔ اسلام دشمنی کا منہ بولنا بڑا اُسکی

کتاب (LIFE OF MOHAMMAD) (سوانح محمد امین) موجود ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جو اہل اسلام کے لیے نہایت تکلیف دہ ہیں۔ بات وہی ہے کہ اسلام دشمن حقائق بھی مسلمانوں کی خیر خواہ نہیں ہو سکتیں۔ ان کی اندرونی حیثیت باوجود ان کی زبانوں پر تو اتنی رستی ہے کہ مَرْكَوفاً تَخْفَى صُدُورُهُمْ أَكْثَرُ ہر کچھ ان کے دلوں میں چھپی ہوئی غلاظت ہے، وہ اس سے کیوں بڑھ کر رہے۔ لہذا ان سے ہمیشہ خبردار رہنا چاہیے۔ کوئی راز کی بات ان تک نہیں پہنچنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ ہم نے اپنی نشانیاں اور احکام کھول کھول کر بیان کر دیے ہیں۔ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ اگر تم عقل و شعور رکھتے ہو تو ان پر سختی سے عمل پیرا ہو جاؤ۔ اہ اگر اس کے باوجود تم غیر مسلموں پر عقائد کر دو گے ان کو وزیر، مشیر بناؤ گے، بڑے بڑے عہدوں پر فائز کر دو گے تو پھر بہت بڑے قومی نقصان کے خود ذمہ دار ہو گے۔

تَنْتَلُوا ۴

آلِ عِمْرَانَ ۳

درجہ پہلے دور ۴۲

آیت ۱۱۵ تا ۱۲۰

هَآنْتُمْ ؕ وَلَا تَحْبُونَهُمْ وَلَا يَحْبُوْا سَكَمَ
وَتَوَمِّنُوْنَ بِكُتُبِ كِلٰهٖ ۚ وَاِذَا تَقُوْكُمْ قَالُوْا
اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَنَيْكُمْ لَا نَأْمِلُ مِنَ
الْغَيْظِ ۚ قُلْ مَوْتُوْا بِقِيْظِكُمْ ۚ إِنَّ لِلّٰهِ عِندَهُ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۱۱۹ اِنْ تَمَسَّسْكُمُ حَسَنَةٌ
نَّسُوْهُمُ ۚ وَاِنْ تَصِبْكُمُ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا
وَاِنْ تَصِيْرُوْا وَتَشْتَقُوْا لَا يَضُرَّكُمْ كَيْدُهُمْ
شَيْۤا ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝۱۲۰

۱۱۹

مذہبہ : مسلمانوں کو باقیوں سے محبت کرنا ہو، اور وہ تم سے محبت نہیں
کرتے۔ تم یہ نہیں سمجھتے کہ سب نے اہل بیت پر اور جب وہ تم سے ملنے میں لوگ
ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں۔ اور جب وہ ایک بوت ہیں تو غصے کی وجہ سے
تم پر ایمان لائے ہیں۔ اسے چھوڑنا آپ کو کیسے تمہیں ہی غصے سے مراد۔
ویشک اللہ تعالیٰ سب سے کہے۔ انہوں کو جانتا ہے ۝۱۱۹ اے اہل ایمان! اگر تم
کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو ان کو بڑی مٹی ہے۔ اور اگر تم کو کوئی برائی پہنچتی ہے
تو جس کے ساتھ خوش ہو سکتے ہیں۔ اور اگر تم دیر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی
تدبیر کچھ نقصان نہ پہنچائی۔ بیشک اللہ تعالیٰ غافل کرنے والا ہے، اس کا
جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں ۝۱۲۰

ہل کتاب کی عبادت اور کئی کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل بیت

مشرکین اور منافقین سے دوستی کرے سے منع فرمادیا اور خبردار کر دیا کہ اُن کو سپاہِ دلی رازدان نہ بناؤ، ورنہ وہ تمہارے درمیان فتنہ و فساد کی آگ بھڑکادیں گے۔ اُن کی حالت یہ ہے کہ جو چیز تمہیں مشقت میں ڈالتی ہے، وہ اُس کو پسند کر رہے ہیں اُن کی اس قدر دشمنی بنا اوقات۔ اُن کی زبانوں پر آجاتی ہے، اس کے علاوہ تمہارے خلاف جو بغض و عناد اُن کے دلوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ اس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے، اللہ نے فرمایا کہ ہم نے تمام احکام کھول کر بیان کر دیئے ہیں، اگر تم عقل و شعور رکھتے ہو تو ان کو سمجھ جاؤ اور غیر مسلموں کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ، نہ ہی اُن کو راز سے لگا کر دے، انہیں نہ پر اور شیر بھی نہ بناؤ، کہ اس طرح تمہاری اندرونی باتیں اُن تک پہنچتی ہیں جو تمہارے نقصان کا باعث بنتی ہیں، وہ تمہاری کامیابی پر کبھی خوش نہیں ہوں گے، لہذا اُن کی ہر وقت کو کشش یہ ہوگی کہ تم کسی نہ کسی طرح ناکام ہو کر مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ۔

اسی سورۃ میں تیسرے پارہ میں احکام بیان ہو چکے ہیں، کہ ممکن کی دلی دوستی کسی صورت میں بھی کافر کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ البتہ ذمہوں کے ساتھ یا ایسے لوگوں کے ساتھ جن کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ ہوا، اُن سے نیکی اور احسان کا سلوک مردا ہے۔ جو غیر مسلمان مسلمانوں سے برسرِ پیکار نہیں، نہ وہ اپنے دین کے مسلمانوں کو ملک بدر کرتے ہیں، اُن کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اِنَّ شَرَّ دُشْمَانٍ تَقِيَّتُكَ الَّذِي يَخْلُقُ مَعَكَ اور نصاف کرو تا جب دلی دوستی اور رازداری اُن کے ساتھ بھی نہیں ہو سکتی۔

نصاف
راز

حاصِب بن ابی بلتعہؓ بلند پایہ صحابی رسول ہیں۔ آپ جنگِ بدر میں بھی شریک ہوئے، مگر یہ ایک معاملہ میں لغزش کھا گئے۔ اُن کے بچے، ابھی تک مکہ میں تھے قریش مکہ کی طرف سے اپنے بچوں کے لیے خیر لگائی کے جذبات حاصل کرنے کے لیے انہوں نے مسلمانوں کے مکہ پر حملہ آور ہونے کا راز مکہ والوں کو

پہنچانے کی کوشش کی۔ ایک عورت کو اس غرض کے لیے خط و بحر مکہ روانہ کیا۔ حضور علیہ السلام کو اس بات کی خبر نہ رسیدی ہوئی، تو آپ نے یارِ حج کو اس عورت کو اسے میں ہی جا لیا اور اس سے خط برآمد کر لیا۔ عاتب بن ربیعہؓ سے پوچھ گچھ ہوئی، انہوں نے اپنی مجبوری کا اصرار کیا اللہ کے رسول نے اس کی تصدیق کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ ممتحنہ کی آیات نازل فرمیں **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ لِمَنَ إِيمَانُ** واللہ! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ اُن کو راز کی باتیں مست نہ دے۔ اب تو معافی ہو گئی ہے۔ آئندہ ایسی حرکت نہیں ہونی چاہیے۔ آج بائیس گز پورے یہی کچھ ہو رہا ہے۔ کافر عیسائی، یہودی اور دہریہ طاقتیں مسلمانوں کے اندر راز کی باتیں میں داخل ہو رہی ہیں۔ ممکن ان اپنی نالائقی کی وجہ سے اپنے مشن سے ہٹ چکے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ ہر معاملے میں اغیار کو راز دیا جا رہا ہے، اُن کے طور پر طلب ہوتے ہیں، اور پھر وہی لوگ اندر راز حاصل کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اُن کی ترقی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں، تاکہ وہ ہمیشہ اسی کے دامن میں گرفتار رہیں۔

خلافتِ اسلامیہ

اس وقت دنیا میں سچاس کے قریب اسلامی حکومتیں ہیں مگر کوئی بھی اپنی رائے میں آزاد نہیں ہے۔ سب غیر مسلموں کے دستِ نگر ہیں، تمام اہم امور اپنی کے مشورے سے انجام پاتے ہیں۔ جب سے خلافتِ ترکی کا خاتمہ ہوا ہے مسلمانوں کا وقار ختم ہو گیا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے اپنے خطبہ میں لکھا ہے کہ مصر کا ایک انجمن نے اپنے ملازم سے کہہ دیا تھا کہ ہم تمہارے خلیفہ سے بدھ مخالف ہیں۔ جب کوئی شکایت خلیفہ کے پیش ہوتی ہے وہ اس کے تدارک کی فوراً کوشش کرتے ہیں جس کی وجہ سے کفار کو ہر بہت اٹھا، پڑتی ہے۔ اگر خلافت کی طاقت مدہ ہوئی، تو ہم مسلمانوں کو بہت فیل کرتے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب خلافتِ اسلامیہ بالکل کمزور ہو چکی

حقّی۔ اور جب یہ اپنے عروج پر تھی، تو کسی کو مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اسب حالات بالکل بدل چکے ہیں، مسلمان ہر جگہ غیر مسلموں کے تحقّہ مشقّ بنے ہوئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسب مسلمان اپنے مشن کو ترک کر چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب دنیا میں ان کو عزّت کا کوئی مقام حاصل نہیں، اب وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی بجائے اخیار کے شور وں کے سہارے پر چل رہے ہیں، کوئی معاملہ ہو، سیاست ہو، یا اقتصادیات، زراعت ہو یا تجارت ہر چیز میں غیر مسلم خیل ہیں، حتیٰ کہ تہذیب اور فیشن بھی ابھی کا اپنا لیا گیا ہے، وقار تو ان قوموں کو ہوتا ہے، جو اپنے نظریے پر قائم ہوں۔ مسلمان جب تک اپنے مشن پر قائم ہے، انہیں دنیا میں عزّت و وقار حاصل تھا۔ مگر اب ہم نے غیر وں سے مشوے مطلب کر کے خود ان کو اپنا زرواں بنالیا ہے، وہ ہیں اچھا مشورہ دیکھ دے سکتے ہیں۔ وہ تو ہمیشہ جہری ٹانگ کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خیر اقوام کے ساتھ جلی دوستی قائم نہیں کرنی چاہیے۔

محفوظ
محبت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: هَآءِ اَنتُمْ اَوَّلُ الْبَشَرِ اَلَّذِيْنَ اٰتٰنَا الْاِيْمَانَ وَالْوَلٰ
تم تو دوسروں سے محبت کرتے ہو، اَوَّلُ الْبَشَرِ اَلَّذِيْنَ اٰتٰنَا الْاِيْمَانَ وَالْوَلٰ
نہیں کرتے مطلب یہ کہ تم تو عیسائیوں، یہودیوں، انگریزوں اور امریکنوں کو اپنا
راز در بنا رہے ہو، ان کو شیر ناز کھا رہے، ان سے محبت بڑھا رہے ہو، مگر وہ تم
سے دلی لگاؤ نہیں رکھتے۔ لہذا ان کے ساتھ تمہاری محبت یکطرفہ ہے۔ محبت
ہمیشہ جانہیں کی طرف سے ہونی چاہیے۔ "ہاں دو ہاتھ سے بچتی ہے، ہنسنا
صرف تمہاری طرف سے یکطرفہ محبت کرنی محبت نہیں، وہ تو اللہ اس کے
رسول اور قرآن پاک کے شہید ترین دشمن ہیں لَا تَقْبَلُوْا اَلْحَدٰثَ السَّائِيٰتِ
عَدَاوۃً وَّ اَلْكَرۡهَیْنِ اِنَّہٗمَا یَلۡبَسُوۡدُ لِّلۡمُتَّقِیۡنَ کے حق میں سب سے زیادہ دشمن
یہودی ہیں۔ اس کے بعد شریکین اور نصاریٰ کا نمبر آتا ہے۔ اسی لیے مسلمان

کہ صرف تمہاری طرف سے دوستی اور محبت مل اسلام کے لیے لانا نقصان کا باعث ہوگی۔

ایمان: مکتب

فرمایا کہ اہل ایمان اور اہل کتاب میں ایک بنیادی فرق یہ ہے۔ وَلَوْ يَدْعُونَ بِالْكِتَابِ الَّذِي مَلَكَتْهُمُ يَحْمِلُوهُ ثُمَّ يَمِيلُوا يَمِينًا ۚ فَبِمَا كَانُوا يَمِيلُونَ

منجانب اللہ ہونے کی حیثیت سے تمہارے نزدیک زبور، توریت، انجیل اور قرآن پاک سب برابر ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا یَسْمَعُ اللّٰهُ هَمْسَكُمْ ۚ كِتَابُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے جو بھی کتاب، جس نبی پر نازل فرمائی ہے، خواہ وہ کسی بھی زمانے میں نازل ہوئی ہو، اہل ایمان اس کو برحق مانتے ہیں۔ یَقْنَأُ اللّٰهُ تَعَالٰی سَمْعَ النَّاسِ ۚ ہدایت کے لیے کتابیں اور صحیفے نازل فرماتے ہیں اور اہل کتاب قرآن پاک کو اللہ کی کتاب نہیں مانتے۔ یہودی ہمیشہ قرآن پاک کی مخالفت میں تمام اخلافی فرقہ کو پال کر رہتے رہے ہیں۔ فرانس کا ایک انگریز نوٹ لڑک نامی ہوا ہے، اس نے کہا کہ محمد پر مہر کی کا دورہ پڑتا تھا (العیاذ باللہ) اور اس دوران بڑبڑانے سے جو کچھ ان کے منہ سے نکلتا تھا، اُس کو جمع کر کے قرآن بنا دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جو انی کے دور میں حضور علیہ السلام کی ملاقات منظور نامی رہ سب سے ہوتی تھی، اُس نے جو باتیں آپ کو سکھائیں، وہ قرآن بنا کر پیش کر دیا گیا، کہ خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اہل کتاب قرآن پاک کو انسانیت کا دشمن سمجھتے ہیں۔ جب کہ ہمارے نزدیک انسانیت کی بہتری کے لیے سب سے عظیم کتاب قرآن کریم ہے۔ ان حالات میں جب کہ اہل ایمان اور اہل کتاب کی دوستی کی بنیاد ہی نہیں ہے، تو ان کے ساتھ دوستی کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ ناممکن ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ ان کو زبردستی کی بات نہ بناوینا، ورنہ وہ نقصان پہنچائیں گے۔

اگے اللہ تعالیٰ نے یہودی منافقین کی ایک اور خصلت بیان فرمائی ہے وَإِذَا لَقُوا فَسَادُوا مَتَّحُوا صُحُفًا ۚ وَهِيَ مَتَّحَةٌ ۚ

منافقین کا
انہماضی

ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں وَلَٰذَٰلِكَ أَخْلَوُا۟ عَصَا۟ عَلَیْكُمْ اِنَّ اَنۡفُسَکُمُ
 حُرَّتِ الْخِیَاطُ اور جب انگ ہوتے ہیں، تو غصے کے مارے، ٹھیکوں کو چبکے
 ہیں۔ جب کسی انسان کی مرضی کے خلاف کوئی چیز واقع ہو جائے تو اسے نہایت انوس
 ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی یہی سی کے طور پر غصے میں دانست پیتا ہے، اور کبھی انوسوں
 کی انگلیوں کو دانتوں سے کاٹ لیتا ہے اور ہاتھ کی پشت پر ذرت نعر بکھرتا ہے
 ایسا نہایت غصے کی حالت میں ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ منافق قسم کے بیوہ می
 بظاہر تو منہ سے ساتھ ایمان کے رشتے جوڑتے ہیں مگر جب تم سے علیحدگی اختیار
 کر لیتے ہیں تو تمہاری سرکامیابی اُن کو سخت گھٹا کر دیتی ہے۔ اور وہ غصے کے
 مارے دانست پیٹے بلکہ انگلیاں کاٹنے لگتے ہیں۔ اے پیغمبر علیہ السلام! یہ لوگ
 آپ کے اور ایمان والوں کے خلاف غصے سے مبرے بیٹھے ہیں۔ اس صمد تعالیٰ
 عَلَیْہِ السَّلَامُ آپ اُن سے کہہ دیں مَعْنٰی تَقٰی بِخِیَاطِکُمْ تم اپنے ہی غصے کی آگ
 میں جل مرو۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ جب کسی جے قطع تعین کرنا ہو، تو اسے کوئی
 چیمٹی ہوئی باب کہ دینی چاہیے، تو وہ سمجھ جائے کہ اس پر تعلقات قائم نہیں رہ
 سکتے۔ یہ الفاظ بھی اسی قسم کے ہیں۔ سبب یہ بات واضح ہوگئی کہ اہل کتاب کے
 ساتھ مسلمانوں کا وہ رشتہ نہیں رہ سکتا، ہم تمام آدمی کی کتابوں کو برحق سمجھتے ہیں
 مگر وہ قرآن پاک کو آسمانی کتاب ماننے پر تیار نہیں۔ ہم تمام اعیان کی تصدیق کرتے
 ہیں مگر وہ بنی آخر الزمان علیہ السلام پر ایمان لانے کو تیار نہیں تو پھر دوستی کی بنیاد
 ہی ختم ہوگئی۔ لہذا اُن کو یہ دل شکن بات کہ دی گئی کہ جس غیظ و غضب کا اظہار
 نہ مسلمانوں کے خلاف کر سکتے ہو، خود اسی غصے سے مر جاؤ۔ فرمایا اگرچہ تم بظاہر
 ایمان کا اظہار کرتے ہو مگر یاد رکھو! اِنَّ اللّٰہَ عَلَیْکُمْ رَیْبٌ اَمَّا الصِّدْقُ فَاِنَّ
 اللّٰہَ تَعَالٰی تمہارے سینوں کے ذریعے اُن میں بھری ہوئی غلاظت سے خوب
 واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ پیغمبر اسلام، اہل ایمان اور اللہ کی کتاب قرآن پاک
 کے خلاف تمہارے دلوں میں کس قدر زہر بھرا ہوا ہے، تمہاری کچھ خباثت تو

تمہاری زبانی سے بھی بعض اوقات ظاہر ہو جاتی ہے۔ مگر جس چیز کو تم جیسا ہے
ہو، اللہ سے کچھ مخفی نہیں۔ وہ تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔ پھر اس کی حرکت سے
بچ نہیں سکو گے۔

فرمایا اے یان والو! اِنْ تَصْبِرُوْا حَسَنَةً تَقُوْهُمْ اَکْثَرُ
کوئی اچھائی پہنچے تو منافقین کو ناگوار گزرتی ہے، تمہاری کامیابی دیکھ کر جل جاتے
ہیں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو، کسی جنگ میں فتح ہو تو ان پر گدلاں گزرتی ہیں
وَ اِنْ تَصْبِرُوْا کُمْ سَيِّئَةٌ يَّکْفُرْخُ وَاِیْہَا اور اگر تم کو کوئی تکلیف پہنچے
شکست ہو جائے، کچھ آدمی مائے جاہیں۔ مالی نقصان ہو جائے، تو یہ بڑے
خوش ہوتے ہیں۔ ان حالات میں ان لوگوں سے دوستی کبھی مفید نہیں ہو
سکتی ہے، کیونکہ ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔ دونوں ایک
دوسرے کے بہرہ و غم خواہ ہوں گے۔ لَمَوْهِنٌ اِخْوَانُ لِّمَوْهِنٍ
مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے اور پھر تَعَا اَلْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَانًا
تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لہذا دلی دوستی اپنے بھائیوں سے رکھو۔
دشمنانِ خدا اور دشمنانِ رسول سے لاتعلقی کا اظہار کرو۔ ان سے دوستی نقصان
کا باعث ہوگی۔

فرمایا اہل کتاب کی طرف سے ہر قسم کی ضرر و سانی کا دفاع دو طریقوں
سے ممکن ہے۔ پہلی چیز ہے وَ اِنْ تَصْبِرُوْا اَکْثَرُ تم صبر کرو۔ مومن کے
لیے صبر ایک بہت بڑا دفاع ہے۔ صبر ملتِ ابراہیمی کے اہم ترین اصولوں
میں سے ہے۔ سورۃ بقرہ میں تِلْکَ اِلٰہِیْمِی کے اصولوں کی تشریح آج بھی ہے
توحید، ایمان، ذکر و شکر، صبر، شغائرِ شر کی تنظیم، نماز، طہارت وغیرہ کا بیان
مختلف دروس میں آچکا ہے۔ صبر کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ اور اس کی
ہر موقع پر ضرورت پڑتی ہے۔ مصیبت میں صبر، اطاعت میں صبر، خواہش
نفسانیہ پہ قابو پالنے میں صبر انسان کو مدِ اعتدال سے تھما دھکے دے دے کہ

دفاع کا
طریقہ

اور پھر اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کی تعریف بھی بیان کی ہے۔ **رَبَّنَا اللَّهُمَّ**
نُصَبِّحُ بِرَبِّكَ اللہ ہمیشہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اُن کو بے یار و مددگار
 نہیں چھوڑتا۔ **بِكَلَمَاتِكَ يَتُفَوِّقُ** اُنہیں وہی کلمات سے جو وہ خود بغیر حساب
 اُن کو قیامت کے دن بغیر حساب کے اجر عظیم عطا کرے گا۔

فریادِ دفاع کا دوسرا طریقہ **وَتَتَّقُوا** ہے۔ صبر کے ساتھ ساتھ اگر تقویٰ
 اختیار کیے رکھو گے۔ گناہ سے بچتے رہو گے، تو پھر تمہارا پورا پورا دفاع ہو
 گا۔ **لَا يَصِفُ كَيْفَ** اُنہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ نقصان و غم ہو گا۔ جہاں صبر اور
 تقویٰ کا فقدان ہو گا۔ صابرین کا نمونہ دیکھنا ہے۔ تو حضور عظیم السلام کے صحابہ کرام
 پر ایک نظر ڈالو۔ وہ تقویٰ کی اعلیٰ منزل پر تھے۔ انہیں کئے نقش قدم پر چل کر
 تم بھی صبر اور تقویٰ کے اوزارِ زمیں تن کر سکتے ہو جن کے ذریعے دشمن کے ہر
 حملے کا دفاع کیا جاسکتا ہے۔ **إِنْ تَتَّقُوا** اللہ **يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا**
 اگر اللہ سے ڈرتے رہو گے، تو وہ ہر مقام پر تمہارے حق میں بہترین فیصلہ کر دیا
 جائے گا۔ اُس نے ہر میں تمہارے حق میں فیصلہ دیا۔ فتح مکہ میں تمہاری مدد کی۔
 تبوک میں تمہیں فتح عطا کی۔ ہاں بعض اوقات نیچے کا دل کہ تم بھی ٹھیک آجاتی ہے
 اس سے گھبر کر صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ مومن کے لیے
 ایسی تکلیف یقیناً اس کے رفع و رجاء اور نجات کا باعث بنتی ہے۔ اگرچہ
 بظاہر نقصان ہو رہا ہے مگر حقیقت میں ایک مومن آدمی نفع میں ہی رہتا ہے
 الغرض! اللہ تعالیٰ نے اصول بتائیے کہ اپنے علاوہ غیروں کو مارو نہ بناؤ۔ اُن
 کی مکاریوں کا دفاع صبر اور تقویٰ کے ساتھ کرو، تو تم ہمیشہ مومن رہو گے۔
وَلَيَسِّرَ اللَّهُ لَكُمُ الْيُسْرَىٰ اللہ تعالیٰ اُن کے ہر عمل کا احاطہ کر لے
 دلا ہے۔ اُن کی مشاقتوں کی سزا اُن کو ضرور مل کر رہیگی، وہ اللہ کی گرفت سے
 بچ نہیں سکتے۔

۳۱۱ عَمَلِ

لَنْ تَكُونُوا

آیت ۱۲۱، ۱۲۲

درس چل رس ۴۳

وَإِذْ عَدَوْتَ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ تَبَيَّنَ لِلْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدُ
الْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٢١﴾ إِذْ هَمَّتْ صَافِيَتُنِ
مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٢﴾
فَيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٢٣﴾

ترجمہ: اور جب آپ پیغمبر کے وقت تک اپنے گھوڑے آپ تکا نے
مقرر کرتے تھے، میان و روں کے لیے لڑائی کے واسطے، اور اللہ سب کچھ
سنا اور جانتا ہے ﴿۱۲۱﴾ جب خیال کیا تم میں سے دو گروہوں نے کہ وہ
بندوبست ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ ہی تم کو دیکھ رہا ہے اور جاسیے کہ میان سے اللہ
ہی پر بھروسہ کریں ﴿۱۲۲﴾

یہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی دشمنی اور عناد کا تذکرہ کر کے اس
کے ساتھ اس کے ساتھ حقائق کستور کر کے کی حماقت فرمائی اور یہ بھی بتا دیا کہ
خود اُن کے گروہوں میں باجائز ہے۔ وہ بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
اہل ایمان کو یہ دیا کہ تم تمام اہل کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، مگر اہل کتاب قرآن پر
کو اللہ کا کلمہ نہیں کہنے کے لیے تیار نہیں، قرآن ان حالات میں تمہاری اہل کتاب
کے ساتھ دوستی کی کوئی گنجائش باقی نہیں۔ اگر ان سے قریبی حقائق، قائم کیے
گئے تو وہ اہل اسلام کو نقصان پہنچائیں گے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ
اے ایمان والو! اگر تم صبر اور تقویٰ سے پر قائم رہو گے، تو اہل کتاب اپنی تلہ تر
عدالت کے باوجود تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ اُن کے تمام
اعمال کا حاضر ہے جو کرتے ہیں۔

شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے تقویٰ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے آیت کریمہ
 اِنَّ الْمَلٰٓئِکَہٗ یَاْمُرُوْنَ بِالْعَدْلِ وَاِلَیْہِمْ رُجُوعٌ یَّوْمَ الدِّیْنِ
 آپ کا مطلب یہ تھا کہ تقویٰ سے مراد کفر، شرک اور معاصی سے بچاؤ اور
 عدل و انصاف پر قیام ہے۔ عدل ایک بنیادی اصول ہے جس پر تمام
 بنی نوع انسان کا عمل پسرا ہونا ضروری ہے۔ عادل لوگ ہی دنیا میں اچھے نظام
 قائم کر سکتے ہیں۔ اسی عدل کی بدولت اچھی حکومت اور اچھی سوسائٹی ممکن و موجود
 میں آتی ہے۔ جہاں عدل نہیں ہوگا، وطن نہ حکومت اچھی ہوگی، نہ سوسائٹی۔
 لہذا مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ اگر انہیں شکست ہو جائے یا کوئی نقصان اٹھنا
 پڑے تو ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے تقویٰ اور صبر میں ضرر ہی پیدا ہوگی سب
 وہاں زمین اصولوں پر قائم نہیں رہ سکے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر
 تم ان اصولوں پر قائم رہو گے، تو دشمن کی کوئی تدبیر تمہارے خلاف کامیاب
 نہیں ہوگی۔

اب آج کے درس میں دو واقعات کی طرف اشارہ کر کے مثال بیان
 کی جا رہی ہے۔ کہ دیکھو! بدر کے میدان میں اہل ایمان نے اللہ کی نرسٹ پر
 مکمل بھروسہ کیا، تقویٰ اور عبر کا دامن تھامے رکھا، تو اللہ نے انہیں شمشیر
 عطا کی، حالانکہ تعداد کے لحاظ سے دشمنان قلیل تھے، ورسامان حرب کی بھی
 شدید قلت تھی۔ دوسری طرف احد کے میدان میں مسلمانوں کی تعداد بدر کی
 نسبت زیادہ تھی، مگر صبر اور تقویٰ میں کمی آنے کی وجہ سے شکست سے دوچار ہوا
 پڑا۔ آگے جنگ احد کے واقعات تفصیلاً آئے ہیں۔ اور اس موقع پر مسلمانوں
 کی طرف سے جو غلطی سرزد ہوئی تھی، اس پر تنبیہ فرمائی گئی ہے، کہ آئندہ ایسی چیز
 کا اعادہ نہیں ہونا چاہیئے۔

دشمنانِ مسلمہ میں جنگ بدر طرعی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسی شاندار
 فتح عطا کی، جسے رستی دنیا کبھی یاد رکھا جائے گا۔ قریش مکہ اپنی اس شکست

جنگِ احد
 کا پتہ منظر

سے متشکک نہ کیا ہوئے اور ان کے دلوں میں انتقام کا جذبہ بھر پور نہ تھا۔ اور یہ
 کے جس حجازی قافلہ کی حفاظت کے نام پر یہ جنگ لڑی گئی۔ اس کا سارا منافع
 مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے وقف کر دیا گیا۔ جنگ بدر میں بڑے
 بڑے ائمہ کفر سے لگنے لگے تھے، ابھی کا باپ مارا گیا، ابھی کا بیٹا قتل ہوا، سب
 غیظ و غضب سے بھرے ہوئے تھے۔ لہذا وہ پوری تیاری کے ساتھ
 مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوئے۔

صحابہؓ جب اس حملہ کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو حضور علیہ السلام نے صحابہؓ کو جمع
 مشورہ کر کے ان کا مشورہ طلب کیا، کہ دشمن کا مقابلہ شہر کے اندر کرنا چاہیے
 یا شہر سے باہر کھلے میدان میں۔ اس معاملہ میں واضح طور پر دو رائے تھیں۔ نوجوان
 طبقہ خصوصاً وہ صحابہ جو جنگ بدر میں شامل نہیں ہو سکے تھے، ان میں جوش و ولولہ تھا، اور
 وہ دشمن کا مقابلہ باہر نکال کر کرنا چاہتے تھے۔ ان کی اکثریت یہی تھی تاہم انصار کی اکثریت
 کی رائے یہ تھی کہ دشمن کی کثیر تعداد کے پیش نظر مقابلہ شہر کے اندر کرنا چاہیے
 ان کا خیال تھا کہ مہاجرین کے علاوہ عورتیں اور بچے بھی شہر کی جنگ میں شریک ہو
 سکتے ہیں۔ وہ پھرتوں کی بادش کر کے بھی غلام کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس سے
 پہلے تجربہ بھی یہی تھا کہ شہر پر حملہ آور ہونے والوں کو چڑاں کا سیاہی نہیں جوتی رہی
 تھی، لہذا ان لوگوں کا مشورہ یہ تھا کہ شہر میں رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ رئیس المنافقین
 عبد اللہ بن ابی کی رائے بھی یہی تھی۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رائے بھی
 اندرون شہر مقابلہ کرنے کے متعلق تھی۔ چونکہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 کوئی وحی نہیں آئی تھی۔ اس لیے عام اصول "وَشَسَّاءُ وَرَهْطُو فِي لَأْمَرٍ" کے
 مطابق آپ نے مشورہ طلب کیا اور اکثریت رائے کے مطابق شہر سے باہر جا کر
 مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ یاد رہے کہ مشورہ کرنا اسلام کے اہم اصولوں میں سے ہے
 حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے، جو بات مشورے سے کی جاتی ہے، اس میں نقصان
 نہیں ہوتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ مشورہ ہر کر، وناکس سے نہیں ہوتا بلکہ دانا، سمجدار، برقی

اور صاحب الزمے لوگوں سے ہوتا ہے یہ ایک گھگ۔ حصول ہے جس کی تشریح اسی سورۃ میں آگے آ رہی ہے۔

اس دوران حضور علیہ السلام نے خوب دیکھا، جس کی تعبیر بھی خود آپ نے بیان فرمادی۔ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک درجہ شدہ گائے دیکھی جس کی تعبیر یہ ہے کہ میں تیسرا حل ہوگی۔ خواب کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ میں نے اپنی قنوار ذوالفقار کو حرکت دی تو وہ ٹوٹ گئی اور اس میں ورنے پڑ گئے، اس کی تعبیر یہ ہے کہ میں ہزیمت ہوگی۔ مؤرخ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ تلباء میں نہ لانے پڑنے کی تعبیر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اس بیت کا ایک شخص شہید ہوگا، چنانچہ سید الشهداء حضرت امیر حمزہؓ اس خواب کی تعبیر دینے خواہاں ہوا۔ تیسرا جزو حضور نے یہ فرمایا کہ میں نے ایک محفوظ مقام پر زرہ میں ہاتھ ڈالا ہے آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد مدینہ منورہ ہے۔ انھوں نے نبی علیہ السلام کی ذاتی رائے دینے کے اندر رہ کر مقابلہ کرنے کی جتنی مہلت آپ نے اکثریت کی رائے کو تسلیم کرتے ہوئے باہر نکلنے کا فیصلہ کیا۔ بہر حال حضور علیہ السلام گھر تشریف لے گئے اور پھر زیدہ بن کربا تشریف لائے بعض صحابہ نے اس بات پر مذمت کا اظہار کیا کہ انہوں نے آپ کی ذاتی رائے پر عمل نہیں کیا۔ چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ اگر آپ کی رائے کے مطابق بہتر یہی ہے۔ تو دشمن کا مقابلہ شہر کے اندر ہی کیا جائے، مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی نبی کے لائق نہیں ہے کہ وہ ہتھیار پہن کر نہ لڑے، لہذا اس باہر نکل کر ہی مقابلہ کرنا ہوگا۔

شوال کی ۱۲ یا ۱۳ تاریخ اور ہجرت کا دن تھا حضور علیہ السلام نے جمعہ کی نماز مدینہ منورہ میں ادا کی اور اپنے جانداروں کے ساتھ احد کی طرف روانہ ہوئے۔ ابتدا میں آپ کے ہمراہ ایک ہزار کا لشکر تھا، مگر جیسا کہ آگے اشارت ملے ہیں، اس میں سے تین سو آدمی راستے میں سے واپس چلے گئے۔ واقعہ یوں ہوا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو جنگ سے ہٹا کر دیا۔ ایک تو اس کی شہر میں لڑنے کی رائے

حضور علیہ السلام کے خواب

سے اتفاق نہیں کیا گیا تھا۔ دوسرے روز دشمن کے مخاطب میں مسلمانوں کی قلیل تعداد کے پیش نظر ان کو کمزور سمجھنا تھا، لہذا اس نے بڑے علم خود ہلاکت سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو اندر اپنے ساتھیوں کو جنگ سے علیحدہ کر لیا۔ یہ سارے کے سارے لوگ منافق نہیں تھے۔ مگر چونکہ عبداللہ بن ابی کے زیر اثر تھے، اس لیے اس کے کہنے میں آگئے۔ بہر حال ان میں سے بہت سے لوگ منافق تھے جو عبداللہ بن ابی کی طرح بظاہر تو ایمان لا چکے تھے مگر اندر سے منافق تھے۔ باقی سات سو افراد کا لشکر احد کے دھن میں صبح کے وقت پہنچا، اور آپ نے اگلے دن صبح کی نماز میں ار کی۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا وَرَأَى عَسَدُ وَثَّ اس وقت کو دھیان میں لائیں جب آپ صبح کے وقت نکلے تھے اھل بیت اپنے گھر سے۔ جس دن آپ احد کے لیے روانہ ہوئے، اس روز آپ کا قیام بِالْمَوْنِ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر پر تھا اور وہاں سے آپ ہتھیار بند ہو کر نکلے تھے اسی سے مفسرین کو کہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ امام المؤمنین جنور علیہ السلام کے اہلبیت میں شامل ہیں۔ برخلاف اس کے روافض حضرت عائشہؓ کو نہ صرف اہلبیت سے خارج کرتے ہیں بلکہ آپ کو خود باللہ منافق سمجھتے ہیں۔ یہاں پر اھل بیت کے عقیدے شیعوں کے اس باطل عقیدہ کی ترویج کر دی ہے۔

میزان احد میں پہنچ کر حضور علیہ السلام شَبَّوْاْ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ الْقِسَالِ لڑائی کے لیے مومنوں کے ٹھکانے مفرد کرتے تھے جگہ مقرر نہ تھی لہذا جنگ کے تقاضوں کے مطابق مدت بندی کرنا وغیرہ سب چیزیں شَبَّوْاْ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ الْقِسَالِ میں آتی ہیں۔ یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ جنگ بدر کی طرح جنگ احد میں بھی کان خود حضور علیہ السلام نے کی، آپ کے علاوہ کوئی دوسرا کمانڈر نہیں تھا۔ آپ نے میدان جنگ کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ جبل احد پر سچے میل میں پہلے ہوا لہذا چڑھا ہوا ہے، آپ نے جنگی حکمت عملی کے تحت پہاڑ کے ایک درے کے اندر عبداللہ بن جہشؓ کی سرکردگی میں کچھ تیسرا لڑکوں کا ایک دستہ مقرر

فرمادیا۔ اور حکم دیا کہ وہ خوب پڑکنے رہیں۔ کہیں بڑی نشت پر سے حملہ نہ کرے۔
اگر ایسی صورت ہو تو اُن پر تیروں کی بارش کر دینا اور اپنی جگہ کمی صورت میں بھی نہ
چھوڑنا۔ مگر اس جماعت سے سخت غلی ہو گئی جس کا ذکر آگے آئے گا۔ سنہ ۱۰۸۰
وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اللہ تعالیٰ تمام باتوں کو سنتا بھی ہے اور جانتا بھی
ہے۔ بہر حال یہ بات اللہ تعالیٰ نے تمہید کے طور پر یہاں فرمادی اس کی تفصیل
کے آئے گی۔

ترک علی اللہ

دین کے دو قبیلے بنے۔ اول بنو حارثہ تھے ایک ایسے خاندان سے
تعلق رکھتا تھا اور دوسرے خزرج سے عبداللہ بن ابی ابن عبیدوں پر بھی اثر انداز ہوا۔
اور انہیں جنگ بھگد میں شرکت سے روکنا چاہا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا ذکر اس حدیث
کیا اِذْ هَمَّتْ طَلِيقَتُ بَنِي مُنْظَرٍ اَنْ تَفْتُلَا جَب عَمْرٍا سے
دو گروہوں نے ہمدردی دکھانے کا ارادہ کیا۔ قریب تھا کہ یہ دو قبیلے عبداللہ بن ابی
کے کہنے پر مسلمانوں سے الگ ہو جاتے مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو مضبوط
کر دیا۔ اُن کی دستگیری فرمائی اور وہ ثابت قدم ہو گئے۔ اُن کی تعریف
فرمائی ہے وَاللّٰهُ وَابِعَهُمَا اللّٰهُ تعالیٰ ہی اُن کا کارساز ہے۔ اُس نے جین مرتع
پر اُن کی مدد فرمائی اور وہ غلطی سے بچ گئے، ورنہ منافقین کی صف میں شامل
ہو جاتے۔ اللہ نے فرمایا وَمَنْ لِيْ بِاللّٰهِ فَلْيَمْسِكْهُنَّ اِنَّهُنَّ مَرْغُوبَاتٌ لِّاِيْلَانِ کو
چاہیے کہ اللہ پر ہی بھروسہ رکھیں۔ فتح و شکست اسی ہاک الملک کے ہاتھ
میں ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اُس پر بھروسہ کرتے ہوئے حتی الامکان کوشش
کرے۔ اسلحہ جمع کرے، شاہو دین تیار کر کے میدان جنگ میں اترے اور پھر
فیجہ اللہ کی ذات پر چھوڑے۔ فسق و نصرت اسی کی طرف سے ہوگی۔
مومنوں کو بہر حال میں اللہ پر توکل کرنا چاہیے کمزور دلوں، مجبور دلوں اور بے ہوشوں کو
کو خدا کی مدد پر بھروسہ کر کے میدان عمل میں اترنا چاہیے۔ جہاں جہاں اصول پر عمل کرے ہے۔
کنا یہ ہوئے جب عمر اور عتویٰ کا نام چھوڑا گیا تو نقصان اٹھانا پڑا۔

لَنْ تَنَالُوا

الْعِصْرَانِ ۳

دریں چار ۱۲۲

آیت ۱۲۳ تا ۱۲۵

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرِ وَنَسْتُمْ أَذْلَهُ ۚ
فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ ﴿۱۲۳﴾ ذُلُّوا لِلْمُؤْمِنِينَ

الَّذِينَ يَكْفِيكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلِفٍ
مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُزْلِينَ ﴿۱۲۴﴾ بَلَىٰ لَئِنْ تَصْبِرُوا
وَتَتَّقُوا وَيُؤْتِكُمْ مِنْ قُورِهِمْ هَذَا
يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلِفٍ مِنَ
الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿۱۲۵﴾

الترج

مذہبہ یا ایہ تحقیق نہ کرے

ماہیتہ ہر گز نہ کہیں اور قہرناہیت کہہ دے

در سبب ضرورتاں تھے پس دروالتہ سے کہہ نہ تھا کہ کہہ کر ﴿۱۲۳﴾ اور جب آپ

میان دلوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے یہ بات کافی نہیں ہے کہ

تم کو درینچاسے تمہارے پیروں کا تین ہزار آہستہ ہوئے فرستوں گے ﴿۱۲۴﴾

کیوں نہیں کہ تم جبر کہتے رہو گے اور ذلت و جہت اور تمہارے دشمن

اسی وقت تمہارے پاس آئیں اور تمہارے پیروں کا پانچ ہزار فرشتوں سے

تمہاری مدد کرے گا جو نشان لگنے والے ہوں گے ﴿۱۲۵﴾

رطاب

گہر شہ آیت میں ضرور اللہ کا ذکر تھا اور آدھ کیا ہے بھی اسی سے

متعلق ہیں تاہم درمیان میں اللہ تعالیٰ نے عز و جہر کا بطور مثال ذکر فرمایا

ہے کہ دیکھو کہ ہر گز موقع پر تمہارے پیروں کی حالت میں ہے کہ وہی وقت

بھی کم تھی، رسد بھی بالکل ختم تھی، مگر تہمتیں صبر اور تقویٰ سے کئے درجہ بحال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں عاقبت دشمن پر عظیم فتح نصیب فرمائی۔ اور اسباب احمد کے موقع پر تمہاری پوزیشن بہت بہتر تھی۔ مگر صبر اور تقویٰ کی کمی اور بعض غلطیوں کی وجہ سے شکست کا سامنا کرنا پڑا، اس میں مسلمانوں کی کمزوری اُن کے قائم کی قیادت کے کسی نقص کی بنا پر نہیں تھی، کیونکہ جنگ کی کمان تو خود اللہ کا رسول گمراہ تھا، بلکہ یہ نقصان دوسرے مسلمانوں کے خود اپنے پیدا کردہ اسباب کی بنا پر ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میان مسلمانوں کی کمزوری کے اسباب کو رفع کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور آئندہ کے لئے استعداد بہنے کی تلقین کی ہے۔ سابقہ غلطیوں کی معافی کا ذکر بھی موجود ہے۔ بہر حال اس سورۃ میں غزوہ احد کے متعلق بہت سی تفصیلات آگئی ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا آج کے درس میں غزوہ بدر کے متعلق اللہ تعالیٰ کی مدد کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ **وَلَقَدْ نَصَّوْكُمْ اللَّهُ بِبَدْرٍ** البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ بدر کے مقام پر تمہاری مدد کر چکا ہے۔ ہر ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان مدینہ سے ستر یا اسی میل کے فاصلے پر ہے۔ دراصل جاہلیت کے زمانے میں بدر بن قیس یا اہم ابن کثیر کے مطابق بدر ابن ندر بن نامی ایک شخص نے اس مقام پر کنواں کھودا تھا جس کے نام پر، اُس کنویں کا نام بدر شہور ہو گیا، اور اسی نسبت سے اس جگہ کا نام بھی بدر ہی پڑ گیا۔ چار پانچ میل کا یہ ایک میدانی علاقہ ہے جس کے اندر دو پہاڑیاں ہیں، تاہم ساحل سمندر سے قریب ہی ہے۔ اس مقام پر بروز جمعہ سترہ ماہ رمضان سترہ میں اہل حق اور اہل باطل کے درمیان ایک عظیم فتنہ پیش آیا، جو مسلمانوں کے لیے ہجرت کے بعد سب سے اہم لڑائی تھی اس سے پہلے چھوٹی چھوٹی دو تین جھڑپیں ہو چکی تھیں، تاہم یہ سب بڑا سفر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ انفال میں جنگ بدر کو یوم الفرقان سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ حق و باطل کے درمیان عظیم فیصلے کا دن تھا، جب دنیا کو پتہ چل گیا کہ اللہ تعالیٰ اہل حق کی کس طرف

مسلمانوں کے حصے پرست ہوئے کا خطرہ تھا۔ لہذا اس وحشت کو دور کر سنبھالنے کے لئے اللہ نے پہنچنے والی کو ہزار چارویں یہ بشارت دی کہ مشلمان دشمن کی کثرت تعداد سے خوف نہ کھائیے، اللہ تمہاری مدد کے لیے آسمان سے تین ہزار فرشتوں کو انزل فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے لیے تین ہزار فرشتوں کا ذکر کیا، بلکہ جیسا کہ انجلی آیت میں آ رہا ہے، اوقات ضرورت اللہ کے پاس ہزار فرشتوں کے نزول کا بھی وعدہ فرمایا، مگر حقیقت میں صرف ایک ہزار فرشتوں سے ہی مدد دی گئی۔ اس کی تفصیل سورۃ انفال میں آئے گی۔ بہر حال چونکہ کافروں کو مزید گت نہیں پہنچی تھی اس لیے اللہ نے صرف ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے ہی مشرکین کو شکست فاش دیدی۔

یہاں یہ فرشتوں کے متعلق مسلمانین کا لفظ فریاد سبب یعنی آئے ہوئے اظہار ہے کہ یہ فرشتے اللہ ہی کے حکم سے اترتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ ہر کے میدان میں سے حضور علیہ السلام کے دائیں بائیں سفید چڑیاں اُڑنے لگیں اور آدمیوں کو دیکھا، جو کافروں کا مقابلہ کر رہے تھے وہ گھبراہٹ میں پوچھا کہ یہ کون سی کڑیاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کافروں کے لئے بھیجی گئی ہیں۔ ان فرشتوں کے اترنے کی حکمت کا ذکر اللہ تعالیٰ سورۃ انفال میں بیان فرمایا ہے۔

بہر حال یہاں پورا اہل ایمان کو تسلی دی گئی کہ وہ ہمت نہ ہاریں، بلکہ اُخترت الہی پر بھروسہ رکھیں۔ نیز فرمایا سبکی کیوں نہیں۔ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوا اگر تم صبر کرتے رہو۔ ہر کی جنگ میں واقعی مسلمانوں نے صبر کا عظیم مظاہر کیا۔ صبر ازربے قرار ہی متعنا و جیز نہیں۔ صبر روح کی صفت ہے اور بے قراری نفس کی صفت ہے۔ صبر روح کی صفت، نفس کی صفت پر غالب

آہائے، نورانسان کو طینان قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ صبر بہت بڑی صفت ہے۔ اور اس کا امتحان مصیبت کے وقت، اطاعت کرنے کے وقت پر اور مخاصی کے ازلیکوب کے وقت ہوتا ہے۔ یہ قلمت بڑی ہی کا بہت بڑا اصول ہے، اسی لیے مسلمانوں سے فرمایا کہ اگر تم صبر کرتے رہو گے وَسَيُفْضِلُكُمْ اور تقویٰ اختیار کرتے رہو گے۔ تَقْوٰی کے متعلق بھی بہت کچھ بیان ہو چکا، اگر انسان کو تقویٰ کی دولت حاصل ہو جائے، تو اس کے لیے شریعت کے احکام پر چلنا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ایک عظیم صفت ہے۔ جسے حاصل ہو جائے۔ اسی میں سن بیان وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدْرَأَكُمْ عَنْ يَتْرَافِكُمْ اگر دشمن تمہارے مقابلے میں اپنا کام آجائیں، دشمن کو پیچھے سے مزید ٹکاک پہنچ جائے تو پھر بھی تم جی نہ مارنا گھبرانا نہیں، يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ اللہ تمہاری مدد پانچ ہزار فرشتوں سے کرتا ہے کہ اسے کہ اگر دشمن کی تعداد بڑھ جائے، تو ان کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ فرشتوں کی فوج بھی بڑی دیکھا، اس لیے ہمت نہ ہاریں۔

آگے ان فرشتوں کی صفت بیان کی مُسَيِّفِينَ و دشمنان لگائے دالے ہوں گے، ہر قوم کے اپنے جنگی نشان ہوتے ہیں۔ آج کل کے دور میں ٹینک، توپ، بندوق، ہوائی جہاز وغیرہ تمام آلات حرب پر مخصوص نشان ہوتے ہیں اسی طرح قدیم زمانے میں شہناخت کے لیے گھوڑوں پر فوجی نشان ہو کر تے تھے۔ اس سورۃ کے ابتداء میں بھی یہ لفظ آیا تھا وَالْحَنَیْبِلُ الْمُسَوِّمَةُ یعنی نشان لگے ہوئے گھوڑے، الغرض! مسوین سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے فرشتوں سے مدد فرمائے گا، جو دشمن پر، اس کے گھوڑوں پر اور ہاتھ پر نشان لگائیں گے تاکہ انہیں تباہ و برباد کیا جاسکے۔ مسوین سے مراد فرشتوں کی اپنی نشانیاں بھی ہو سکتی ہے۔ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں فرشتوں کی نشانی سفید سہاگے تھے۔ جب کہ احد کے میدان میں ان کی نشانی

سرنِ حق سے تھے، تو اللہ نے فرمایا کہ صبر اور تقویٰ کا پھل یہ ہے کہ اللہ نے
 ہم میں فتح نصیب فرمائی۔ رہا غزوہ احد کا معاملہ، تو وہاں مجاہدین سے کچھ کوتاہی
 ہو گئی تھی جبکہ تفصیل آگے آ رہی ہے۔ اب آگے فرشتوں کے اُارنے کی حکمت
 کا تذکرہ ہے۔

لَنْ تَنَالُوا

اَلْ عَمْرَن ۳

درس چہارم ۴۵

آیت ۱۲۹ ۱۳۰

وَمَا جَعَلَ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمُ
 بِهِ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ
 الْحَكِيمِ ۝ (۱۲۹) لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ
 يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ۝ (۱۳۰) لَيْسَ لَكَ مِنَ
 الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ
 فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۝ (۱۳۱) وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
 وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن
 يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (۱۳۲)

۱۳۱

ترجمہ: ۱۲۹ اور میں بتائی اللہ نے تمہاری امداد فرشتوں کے نازل سے (مگر تمہارے
 لیے خوشخبری اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوں) اور میں ہے اور مگر اللہ کی طرف سے
 جو غالب ہے اور کمال حکمت کا ایک ہے (۱۳۰) تاکہ قطع کر دے ایک گروہ کو ان
 گروہوں میں سے جنہوں نے کفر کیا یا ان کو ذلیل کر دے، پس وہ ناکام ہو کر لوٹیں (۱۳۱)
 اسے پیغمبر نہیں ہے آپ کے لیے اس معاملہ میں کچھ اختیار، اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول
 کرے یا ان کو سزا دے کہ وہ ظالم کرنے سے ہیں (۱۳۲) اللہ تعالیٰ ہی کے لیے
 ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

اللہ تعالیٰ بخشتے ہیں کہ چاہے اور سزا دیتا ہے

جس کو چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشتے والا اور مہربان ہے (۱۳۲)

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ قرآن پاک کے اس مقام پر اصل تذکرہ تو مغزوہ احد کا ہے۔ تاہم درمیان میں اللہ تعالیٰ نے مثال کے طور پر مغزوہ بدر کا ذکر بھی کر دیا ہے تاکہ اہل اسلام کو تسلی ہے کہ جس مالک الملک نے انہیں نہایت بے سروسامانی کی حالت میں بدر کے مقام پر عظیم فتح سے نوازا تھا، وہ اپنے بندوں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ واقعہ بدر کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک نئے فرشتوں کے نزول کی بشارت سنائی، پھر تین ہزار کا وعدہ فرمایا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اگر مشرکین کی جمعیت میں اچانک اضافہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ آسمانوں سے ایسے پانچ ہزار فرشتوں کو نازل فرمائے گا، جو اپنے گھوڑوں کو نشان لگانے لگے ہوں گے۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے نزول ملائکہ کی حکمت بیان فرمائی ہے اور واضح کیا ہے کہ فرشتوں کو اتارنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کی طرف سے کفار کے ساتھ براہ راست جنگ میں شریک ہوں گے، بلکہ جنگ تو بہر حال مسلمانوں نے ہی لڑنی ہے۔ سورۃ انفال میں اس کا تفصیل سے ذکر ہے۔ تاہم بدر کے متعلق فرمایا اِذْ تَنْصِلُ تَوْابِكُمْ جَبْ تَمِ بِنَے پروردگار کے سامنے فرما کر ہے تھے، تو اللہ نے تمہاری مدد کے لیے فرشتے اتار دیے۔ اور تمہارے حق میں ایسے حالات پیدا فرما دیے کہ تمہیں فتح یابین حاصل ہو گئی۔ فرشتے اللہ کی لطیف مخلوق ہے ان میں اللہ نے طاقت بھی بہت زیادہ رکھی ہے جیسا کہ روایات میں آتا ہے۔ بدر کے مقام پر حضور علیہ السلام کے دائیں بائیں جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام تھے۔ مدد براہ راست لڑائی میں شریک نہیں تھے۔ البتہ آگاہی کا ایسے واقعات کا تذکرہ بھی ملتا ہے جن میں کافروں کو کچھ افیت بھی پہنچی گئی۔ تاہم من حیث الجماعت لڑائی کہ نا اہل ایمان ہی کا کام ہے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے یہاں پر نزول ملائکہ کا مقصد بھی بیان فرما دیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا جَعَلَهُ الْفَتْحُ نَبَاً لِلَّذِينَ نَزَّلُوا لَكُمْ مَقْصُودِ
وَالْاَبْتِئِ اِیْ لَکُمْ مَکْرَہٌ تَمَارَہُ لَیْلَہُ تَجْرِیْ تاکہ تمہیں بشارت ہو کہ اللہ کے

فرشتوں کی۔ ہر دو تہائے ساتھ ہے۔ تاہم فتح تو بہ صورت اللہ کے حکم سے ہی ہوگی۔ مگر اطمینان قلب کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ مسلمانوں کو فرشتوں کی تائید بھی حاصل ہے دنیا کی اس زندگی میں اس قہر کے سوا کونسا شے ہے۔ کچھ کسی کو جاکم اعلیٰ یا کسی بڑے چودہوی کی نمایندگی حاصل ہو، تو اسے دل میں تسلی ہوتی ہے۔ کہ کوئی بات نہیں، فلاں بڑی سستی برے ساتھ ہے۔ مجھے کیا پروا ہے۔ اس پر قیاس کر کے سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک عام انسان کی حمایت درویش کے لیے تسلی بخشی ہو، باعث ہوتی ہے تو جس کا حمایتی اور طرفدار خود انکھ کی کہیں ہو، اسے کس قدر محسن سمجھا ہوگا۔ اسی لیے فرمایا کہ نزول ملائکہ کا قصہ ایک فرشتہ بشارت سنا ہے اور درویش کو لے کر چلے گئے۔ تاکہ تمہارے دل اطمینان میں کہیں۔ اور تم کسی خوف میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ جب تک نصرتِ عیسیٰ کا تعلق ہے وہ تو منجانب اللہ ہی ہوتی ہے۔ سورۃ اہل میں موزوں ہے۔ رِذِّیْوْجِی رَکِیْثَ رَاحِیْ اَنْصَلِبْ کَیْ۔ فِی مَعْکَیْ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر وحی نازل کی کہ تمہارے ساتھ ہوں۔ اور ان کو حکم دیا۔ فَذَرِیْوْا الذِّیْنَ اٰمَنُوْا اِہْلِ اٰیٰاَنِیْ کے دلوں کو مضبوط کریں۔ نہ اندھ کی روایت میں آتا ہے کہ اللہ کے ملائکہ تو ایسے بھی مومنوں کے دلوں میں اچھے خیالات اٹھا کر رہتے ہیں۔ جس طرح شیطان مومنوں کی ہڈی کو کر کے انسان کو بگڑے کاموں کی ترغیب دیتے ہیں۔ اسی طرح رحمت کے فرشتے اچھے کاموں کی طرف ابھارتے ہیں۔ بعض صحابی نے فرشتوں کی تعریف کی کہ حضرت! ہم نے ایسی بات دیکھی ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ذٰلِكَ مَعَدَّةُ هٰنَ السَّامِوَاتِیْنَ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کے لیے یہ فرشتے تیسرے آسمان سے نازل فرمائے ہیں۔ بہر حال فرشتوں کے آواز کے کا قصہ مسلمانوں کو بشارت دینا اور ان کے دلوں کو مطمئن کرنا تھا۔ نہ کہ یہ جو یہ است جنگ میں شریک ہونا۔

نصرت
الہی

عز و ہر دو کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب نے اس جنگ کے لیے پانچ صحابہ کو کمانڈر مقرر فرمایا۔ ان میں

ابو عبیدہ بن جراح، خالد بن ولید، ابن حنیہ بن حذافہ، عذیرہ بن ابی سفیان اور عیاض بن سہیل
 حکم دیا تھا کہ کثیفیت بھری ہوئی یہی فوج کی کمان حضرت ابو عبیدہ غنیمت کے پاس ہوگی تاہم
 باقی خبریں اپنے اپنے دستوں کے سردار ہوں گے اور اپنے اپنے یونٹوں میں فوجی
 انتظامات کے ذمہ دار ہوں گے جب رومیوں کے ساتھ لڑائی شروع ہوئی تو
 مسلمانوں نے کچھ کمزوری محسوس کی۔ ان کے کسی مجاہد شہید ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے
 امیر المؤمنین کو مزید کمک کے لیے خط لکھا۔ حضرت عمرؓ نے جواباً لکھا کہ میں تمہاری
 رابطاتی اشیاء کی طرف کرتاہوں جو کہ عثر لھو تسمیٰ یعنی جنگی نصرت سب پر
 غالب ہے۔ اور جس کا لشکر ہر وقت ماضی ہے۔ میں تمہاری رابطاتی اشیاء
 خداوند قدوس کی طرف کرتاہوں، جس نے مقام بدر پر اپنے بھائی اور اصحاب کے
 ساتھیوں کو فتح عظیم سے نوازا۔ لہذا تم دوست کے لیے اسی کمک الملک کی طرف
 رجوع کرو، دشمن سے ڈٹ کر مقابلہ کرو، مجھے دوبارہ خطر نہ پہنچا۔ اللہ جل جلالہ
 نے پریشانیوں کو ختم کر دیا اور بے سرو سامانی کی حالت میں تمہاری مدد کی تھی۔ وہ زیادہ
 نصرتی اور واقف ساز و سامان کے ساتھ کیوں تمہاری مدد نہیں فرماتا تھا۔ تمہاری
 کی وجہ رجوع کرنا، آئندہ میری طرف مراجعت نہ کرتا، اس روایت کے روافی
 نصرت میں اثر فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا یہ خط حسب سنہ نویں کو پہنچا تو انہوں
 نے نصرت الہی پر عمل بھر دیا کہ جیسے ایسا زبردست حملہ کیا کہ دشمن کو ہاتھوں
 تک پیچھے ہٹا دیا۔ ان کے پاؤں پھیر رہے تھے اور غلاموں کو مستحق نصیب ہوئی
 اس فتح نے شام اور فلسطین کو ہمیشہ کے لیے رومیوں سے پاک کر دیا، اور یہ
 علاقے مرکز اسلام میں داخل ہو گئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ مدد صرف اللہ سے
 کی طرف سے آتی ہے، جو کہ غالب ہے، اور کمال حکمت کا مالک ہے۔
 یہاں پھر وہی سول دوبارہ ابھرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان میں تو
 مسلمانوں کی بھرپور مدد فرمائی، لیکن احد کے میدان میں ایسا کیوں نہ ہوا۔ اس کا

جواب پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ جب انساں جو سب سے عزیز اور سچے ارادے کے ساتھ ایمان کی بازی لگا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی شامل ہوتی ہے مگر اصرار کے میدان میں مسلمانوں میں کچھ کمزوری آگئی تھی۔ اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ عبد اللہ بن ابی کے ہمراہ تین سو آدمیوں کا لشکر پہلے ہی علحدہ ہو گیا۔ اس کے علاوہ بعض مجاہدین نے نبی علیہ السلام کے حکم کے خلاف اپنے مرکز کو چھوڑ دیا۔ بعض لوگوں کے دلوں میں دوسرا انداز بھی ہوئی جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا جس کی تلافی بلاست آگے آرہی ہیں۔ بہر حال اس کے بعد اللہ نے اہل اسلام کو مضبوط عہد کر دیا۔

کفار کی
نکاحی

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائش کے مطابق کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قطع کر دیے۔ ان کی کفر توڑ کر رکھ دے اور ان کے عہد کا سہرا بن کر دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جنگ بدر میں ستر بڑے بڑے آئمہ الملک زمانے گئے جن میں ان کا سر خنہ البرجل اور امیہ بھی شامل تھے۔ ایک گروہ تو مارا گیا، سرایہ اویس بن مسعود نے ان کو ذلیل کر دے۔ چنانچہ ستر قتل ہو گئے اور اسی ہی تعداد میں قیدی بنائے گئے۔ جو کہ مشرکین کے لیے نہایت ہی ذلت و رسوائی کی بات تھی، ان قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیہ دینا پڑا۔ اور وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔ بڑے جوش و خروش کے ساتھ ان کے سے نکلے تھے۔ کہ مسلمانوں کو زیست کر دیں گے مگر خود پس کر رہ گئے۔ جو بقی بچ گئے قیدی بن گئے اور ان کے لیے وہ سخت ناکام ہو کر لوٹے۔ ان کے لئے فتح کی خوشخبری سننے کے لیے انتظار کر رہے تھے۔ کہ انہیں ذلت اور رسوائی شکست کی خبر ملنا پڑی۔



غزوہ امد
میں آمد

غزوہ بدر کے مختصر تذکرے کے بعد درجہ سے سخن پھر غزوہ امد کی طرف دیا ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی اپنی غلطی کی وجہ سے انہیں سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ ستر صحابہ کو مارنے کا مشاہدہ نہ ہوا۔ ان میں سید الشہداء حضرت حمزہؓ بھی

اہی شامل تھے۔ ہرست سے صحابہ کرام بھی ہوئے۔ خود حضور بنی کرم علیہ السلام زخمی
 ہوئے۔ کبھی کبھی فتنے ہوئے اور کبھی آپ کا خود کٹ گیا، اور سر سے کٹ گیا
 پانی کی ایک زخم ہو گیا۔ دائیں طرف کے سینے پر دو تلوں میں سے دوسرا زخم بنی
 لڑتے گئے زخم آتا کہ نہ تھا کہ نہ بنی ہو تھا۔ شہر شہر پخت کی روایت یہ آتے
 کہ حضرت فاطمہؑ کے حال میں پانی رتی تھیں۔ اور حضرت علیؑ زخم کو دھوئے تھے۔
 پھر تپتی جہاد کر رہی کہ کچھ زخم ہیں کہ کسی کو خون بند نہ ہو۔ ان حالات میں حضور علیہ السلام
 سے کہ فروع کے حق میں جہاد کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ کی زبان مبارک سے نکل
 کُنْتُ بِنَفْسِي قَتْلُهُ وَوَقْتُهِمْ كَيْسَ فَسَيَكُونُ لِي فِيهِمْ نَفْسِي كَيْسَ فَسَيَكُونُ لِي فِيهِمْ نَفْسِي
 کھڑا، حالانکہ وہ انہیں اپنے رب کی طرف دعوت دیتے تھے۔ آپ ہم پر تھے
 نے جہاد کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا لَيْسَ لَكَ هُنَا شَيْءٌ
 اس واقعہ میں آپ کے لئے کوئی چیز (یعنی اختیار) نہیں ہے۔ یعنی آپ کو
 نہیں اور حکومت میں اختیار نہیں ہے۔ کسی کو یہاں کی توفیق عطا کرے یا کسی کو غریب
 دلائے ہے یہ سب اختیار اللہ کے پاس ہے۔ آپ کا سر میں کوئی دھن نہیں۔ آپ
 کا کام دعوت دینا، جہاد کرنا اور صبر کا۔ امن مقامات پر کسی کو نہ رہنا۔ حضور پاک
 پہنچا، آپ کا کام نہیں ہے۔ آپ کا کام یہ ہے وَأَنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ
 صِدْقٍ وَأَنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِدْقٍ وَأَنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِدْقٍ وَأَنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِدْقٍ
 یا نا کامی اللہ مالک الملک کے اختیار میں ہے۔ آج کل لوگوں نے غلام عہد سے
 بنا کر رکھے ہیں کہ حضور بنی کرم علیہ السلام کو کلمہ پڑھنا ملے، میں یہ جانی! اللہ سے
 بزرگست کے ساتھ فرمایا ہے کہ اختیار آپ کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔
 إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ خَبِثَتْ وَالْكَفَرُ اللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ
 آپ اپنی خواہش کے مطابق کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ ہدایت دینا تو اللہ
 کے اختیار میں ہے۔ اگر آپ کے بس میں ہو تو آپ اپنے مشفق بھرپور وارن سے
 چچا البراء السب کو دوزخ سے بچا لیتے۔ مگر اللہ سے یہ اختیار آپ کو عطا نہیں کیا۔

کے ذمہ دار نہیں ہیں لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ آپ ان پر بار و غم نہیں ہیں کہ آپ ان کو ایمان لانے پر مجبور کر دیں بلکہ رَحْمًا أَنْتَ مَذْكُورٌ آپ کو نصیحت کرنے والے ہیں۔ رَحْمًا عَلَيْكَ الْبَاقِعِ آپ کے ذمہ ہماری شریعت اور دین ان تک پہنچا دینا ہے۔ اس کے بعد وَعَلَيْكَ الْحِسَابُ ان سے حساب ہم خود لیں گے۔

فرمایا چونکہ سب کچھ خدا تعالیٰ ہی کا ہے۔ اس لیے يَفْقِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وہ جس کو چاہے معاف فرمے۔ توبہ کی توفیق عنایت کرے اور وہ لوگ ایمان قبول کر لیں تو ان کی بخشش کا سبب بن سکتا ہے۔ جیسا کہ اکثر لوگ ایمان کی دولت سے بالامال ہو کر بخشش کے مستحق بن گئے۔ اور پھر جنہوں نے ایمان قبول کیا۔ ان کے متعلق فرمایا وَيُضِلِّبْ مَنْ يَشَاءُ وہ جس کو چاہے سزا دے۔ آپ پر اس ضمن میں کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ دل برداشتہ ہو کر ان کے لیے بددعا نہ کریں۔ وَاللّٰهُ عَفُوٌّ رَّحِيمٌ اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔ وہ جس کو چاہے گناہ کی توفیق دے مگر اس کے لیے بخشش کے دروازے کھول دیتا۔

لَنْ نَنَالُوا ۲

ال عمران ۲

درس چل و شل ۴۶

آیت ۱۲، ۱۳، ۱۴

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ مَظْهَرًا
 مُضَاعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٢﴾
 وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿١٣﴾
 وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٤﴾
 وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ
 عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ ۖ لَا أُعَدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٥﴾
 الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكُظَّيْنِ
 الْغَيْظِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ
 الْمُحْسِنِينَ ﴿١٦﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اس وقت تک کہ تم فلاح پا جاؤ ﴿۱۲﴾ اور دُرُوسِ آگ سے یک دُور کے جیسے تیار کی جی جے ﴿۱۳﴾ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اللہ کے رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿۱۴﴾ اور بدست کردہ بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے، اور جنت کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین کی طرح ہے، وہ تیار کی گئی ہے متقیوں کے لیے ﴿۱۵﴾ وہ جو خرچ کرتے ہیں خوشی کی حالت میں اور تکلیف کی حالت میں، اور وہ جو غصے کو دبا دیتے ہیں اور دُورگوں کو معاف کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۶﴾

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے غزوہ احد کا ذکر فرمایا۔ اور اس میں میں رہا

وَحَسْرَتٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ تَجَارَتِ كَرْمَلُ قَرَارِ دِیَا سَہِ اِدِی سَوْدِ کُوہِ عِلْمِ خَوَہِ وِی سَوْدِ مَفْرُودِ
 سَوْدِ مَرکَبِ۔ شاد وِی اِستِ مَرکَبِش دِی وِی فَرِوَسْتِ ہِی۔ کَہ حَقِیْقِی سَوْدِہ اِہِوَسْتِہ سَہِ۔ چِو
 اِدِی سَوْدِی گِی رَقْمِ پَرِ حَافِلِ کِیَا جَافِی۔ یِہ سَوْدِ خَوَہِ نَقْدِی کِی سَوْرَتِ مِی ہِوِہ مَؤَدِہ چَافِی
 یَا اِجَافِی کِی شَکْلِ مِی وِی صَوْلِ کِیَا جَافِی، ہِوِہ حَافِلِ عِلْمِ سَہِ۔ مَدِیْثِ شَرِیْفِ مِی
 آتا سَہِ۔ کَہ اِیْکِ جِنسِ کُوہِ دُوسری جِنسِ کَہ پَرِ سَہِ مِی نِیَا دِی یَا اِدِی سَوْدِ کَہ سَافِہ
 بَیْعِ کَہ نَا حِلْمِ سَہِ۔ باقی رہی یہ بات کہ سود مرکب کیسے ہوتا ہے۔ تو اس کی
 صورت آج بھی ایسی ہی ہے جیسے اُس زمانے میں تھی جس کا تذکرہ قرآن پاک
 نے کیا ہے۔ کرنی رقم کسی خاص مدت کے لیے سود پر لی جاتی ہے، مقرر مدت
 میں اگر اصل رقم مع سود واپس نہ کی جائے تو سود کو اصل زر میں شامل کر کے کل
 رقم کو اصل شمار کر لیا جاتا ہے اور پھر اس رقم پر سود کی مقرر شرح عاید کیے دی جاتی
 ہے۔ سود کی شرح عام طور پر سالانہ ہوتی ہے۔ ہر سال اصل رقم پر سود کا حساب
 کر کے نئے اصل زر میں شامل کر لیا جاتا ہے اور اس طرح کچھ عرصہ بعد قرض کی
 اصل رقم بڑھ کر کہیں لگائی جاتی ہے۔ اسی سے متعلق فرمایا کہ اے ایمان دارو!
 دُکُنَا چِو کُنَا سَوْدِ مَتِ کُھَا۔ وَانْقُوا اللّٰہَ اور اَللّٰہُ سے ڈر جاؤ اَللّٰہُ سے
 تَضَلُّعُ حُؤُنِ تاکہ تم نذبح پا جاؤ۔

سبب برتنام

غزوہ ہند میں مسلمانوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا خود حضور علیہ السلام
 کو تری جسمانی تکلیف پہنچی۔ سر مبارک زخمی ہوا، دانت مبارک ٹھیکہ ہوا، ستر صفا پھینک
 ہو گئے درخت سے زخمی ہوئے۔ اس واقعہ کے درمیان سود کے تذکرے کے
 متعلق مولانا عبد اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے استاد حضرت سید مولانا
 شیخ الہند سے دریافت کیا کہ حضرت ابو عزرہ امد کے واقعہ کے درمیان
 حریت سود کی آیت کا کیا محمل ہے۔ تو فرمایا بعض اوقات ربط آیات کو سمجھنے
 کے لیے بڑے تدبیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسناد دراصل یہ ہے کہ غزوہ ہند
 میں جب مسلمانوں کو شکست ہو گئی تو اراکہ کے وہاں میں غلبہ انتقام بھڑک اٹھا۔ چنانچہ

بعض روایات میں آتا ہے کہ مسلمانوں نے عہد کیا کہ اگر آئندہ ہم غدار پر غائب کئے
تو ان سے دوسرا انتقام لیں گے۔ کافروں نے ہمارے شہدار کے ساتھ بڑی
تذلیل کا کام کیا ہے۔ ان کے چہرے مسخ کیے، لہذا ہم بھی ان سے سخت انتقام
لیں گے۔ تو مولانا فرماتے ہیں کہ اسی جذبہ انتقام کو کم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ
اس آیت سود کو غزوہ اُحُد کے واقعہ میں لائے ہیں جس طرح سود انسان کا اخلاق
بگاڑتا ہے اسی طرح جذبہ انتقام بھی بے اخلاقی پیدا کرتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ
نے اہل ایمان کو متنبہ فرمایا کہ وہ اپنے جذبات پر قابو رکھیں کیونکہ سود اور انتقام
ایک ہی قبیل سے ہیں۔ اور ان کے سبب اصل مقصد سے توجہ ہٹ جاتی ہے
اسی آج کے درس میں آگے انفاق فی سبیل اللہ کی آیت بھی آ رہی ہے۔
سود خوری اور انفاق در مقصد چیزیں ہیں۔ سود خوری سے انسانی اخلاق فاسد ہوتا ہے
اور انفاق فی سبیل اخلاق عالیہ کا نمونہ ہے۔ چنانچہ مستند حکام کی روایت میں ہے
کہ جنوری کو مصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قوم میں زنا اور سود خوری جیسی بچہریاں
پیدا ہوں ان قوم پر خدا کا غضب نازل ہوگا۔ کیونکہ یہ اخلاقی پیمانہ خدا کے
غضب کو دعوت دیتی رہتی ہیں۔

قرآن مجلی
آیات

سود خوری سے ممانعت کے بعد فرمایا وَقَفُّوا أَيْدِيَكُمْ عَنِ الْمَعْرِضِ
الْمَعْرِضِ اُنْجَسَ لَہٗ سَے دُور جاؤ، جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کی آگ باندھنا کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ سو
اس آیت میں ایمان والوں کو ڈرایا گیا ہے کہ اس آگ سے بچ جائیں۔ اس
ضمن میں تفسیر مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ قرآن پاک
میں سب سے زیادہ ڈرنے والی آیت یہ ہے۔ جس میں ایمان والوں کو دوزخ کی آگ سے
ڈرایا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر اہل ایمان بھی کافروں والے کام کریں گے، کفر
شرک اور معاصی میں مبتلا ہوں گے تو وہ بھی دوزخ کی آگ سے بچ نہیں
سکیں گے۔

کامیابی
کا راز

میں نے اہل ایمان کو درودِ نوح سے پہنچنے اور کامیابی حاصل کرنے کا راز بتایا ہے۔
 وَطِيعُوا اللَّهَ وَلِرَسُولِهِ ۚ وَكَذَلِكَ يَمْلِكُ
 تَزَحُّمُونَ ۚ (کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی
 کامیابی کی کنجی ہے۔ غزوہ بدر میں اسی چیز کی کمی آگئی تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں
 کو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ آپ نے سچے آدمیوں کے ایک دستہ کو
 یہاں کی چوٹی پر ضرر فرمایا تھا۔ اور واضح حکم دیا تھا کہ یہیں منتظر ہو یا شجرت جمہیں
 بہر صورت میں اس محاذ پر قائم رہنا ہے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ جنگ میں
 مسلمانوں کا پرہیزگار ہونا ہے۔ تو وہ مورچہ چھوڑ کر پڑتے بیٹھے آئے۔ اللہ
 اور اس کے رسول کی اطاعت میں یہی کوتاہی ہوئی تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو
 عظیم نقصان اٹھنا پڑا۔ لہذا اہل اسلام کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ ایسی غلطی نہ کرنا
 بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو ہمیشہ مقدم رکھنا یہی کامیابی کا راز ہے اور
 اسی کی بدولت تم پر رحم کیا جائے گا۔

نیکو میں
مہبت

نیز فرمایا: وَتَعْلُوا آيَاتِ مُحَمَّدٍ ۚ (کہ تم اللہ اور اس کے رسول
 کا اتباع کرو گے، ایمان اور تقویٰ اختیار کرو گے، صبر کا وہن تنہا ہے۔ بھوکے
 فوذا تھامے کی حرکت سے تنہا سے نشتش کی بشارت ہے۔ در پھر
 بختش کا نتیجہ ہو گا وَجَنَّتْ رَمِيمٌ جَنَّتْ مِیْنِ دَانِٹِ کَانِٹِ مِیْنِ بَانِٹِ
 اور وہ جنت ایسی ہوگی جسے دنیا کے کسی بڑے سے بڑے باغ پرستی قیام
 نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے جس جنت کا وعدہ فرمایا ہے عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ
 كَذَٰلِكَ ۚ وہ تین وسیع وسیع ہے کہ اُس کا عرض یعنی چوڑائی ہی آسمانوں اور زمین کے
 برابر ہو گا۔ نیاں پانچ آسمانوں زمین کی مثال سے چیلے دی گئی ہے کہ انسانی زمین
 زمین و آسمان سے وسیع کر لی چیز نہیں ہے۔ لہذا انہی چیزوں کا ذکر کیا ہے۔
 اور یہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ صبر العزیز کی جنت آسمانوں اور زمین سے

کیوں زیادہ وسیع ہے۔ اس کے نیچے سے لے کر اُپر تک آئندہ طبقات ہیں اور سب سے اعلیٰ طبقے کا نام جنت الفردوس ہے۔ جس میں ہر طرح کی نعمتیں میسر ہوں گی، ایسی نعمتیں جو اس وقت انسانی ذہن میں نہیں آسکتیں۔ اور یہ سب کچھ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ اُن متقوں کے لیے ہے۔ جو اللہ کے احکام کی پابندی کرنے والے ہیں۔ لہذا اپنے اندر وہ صفات پیدا کر دو، جو اللہ نے بیان فرمائی ہیں تاکہ تم جنت کے حقدار بن سکو۔

یہی میں سبق کر کے متعلق ترمذی شریفین کی روایت میں آتا ہے۔ کہ سَاوَعًا يَأْتِيهِمْ سَبْعُ مِائَاتٍ مِّنْ ثَمَرٍ مِّثْلِ حَبِّ ذُرَّةٍ مِّنْ تِينٍ۔ اچھے سوال انجام دے لو اور نہ بچھڑو قطع نہیں رہے گا۔ وہ سات چیزیں کوئی ہیں۔ فرمایا مَا يَنْتَظِرُ أَحَدُكُمْ رُبَّ غَنَى مُطْلَقٍ اِیسی دولت مندی آجائے جو انسان کو سرکشی میں ڈال دے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ لوگ ناداری کی حالت میں دین دہہ ہوتے ہیں جب مال آجاتا ہے۔ تو بغاوت پر آمادہ آتے ہیں۔ اس لیے فرمایا ایسی دولت مندی آنے سے پہلے پہلے اچھے اعمال کرو۔ فرمایا اَوْ فَتَنَ مُنْسِيًّا يٰ اَيُّهَا فَتْرَ لَّاحِقٌ ہو جائے جو سب کچھ فراموش کر اسے۔ ناداری کی حالت میں بعض اوقات انسان متفکر اور متحرم ہو جاتا ہے۔ جبکہ جو حسبہ نیک کے کام بھول جاتے ہیں۔ ایسی حالت زار ہونے سے پہلے یہی میں سبق حاصل کرو۔ قیسری چیز فرمایا اَوْ مَكْرَضًا مُّفْتِنًا اِیسی بیماری آجائے جو انسان کو فساد میں ڈال دے۔ بیماری میں بھی انسان نیک سے محروم ہو جاتا ہے۔ جو بھی چیز فرمایا اَوْ هَكْرًا مُّفْتِنًا اِیسا بڑھاپا آجائے جو انسان کو عقل و فہم سے عری کر دے۔ اسی سے ایسے بڑھاپے سے بھی پناہ مانگی گئی ہے جو انسان کے قویٰ کو کمزور کر دیتا ہے پانچویں چیز فرمایا اَوْ صَوْتًا مُّجْتَهَرًا یا مروت ہی تاکہ انسان کا فیصلہ کر دے۔ پھر تو اعمال کی دنیا ختم ہو گئی۔ اب مزید یہی کا کوئی موقع باقی نہیں رہا۔ چھٹی چیز فرمایا اَوْ لِسَانًا مُّجَالًا اَوْ لِسَانًا مُّجَالًا شَتَّى عَارِضٌ يُنْتَظَرُ اور وہ مال

کہ بڑی بری چیز ہے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ دجال کا تصور ہو گا، تو بڑے کھنٹے
 بہا ہوں گے۔ لہذا اس کے ظہور سے پہلے نیکی کر لو۔ اور ساتویں چیز فسق یا
 اَوْ نَسَاكَہُ یا پھر قیامت بہا ہوں گے۔ وَالْاَعْدَاءُ اَذْهٰی وَاَمْسُ اور
 قیامت تو بڑی کٹری اور تلخ ہے۔ اس کے بعد نوہر چیز فاقا ہو جائے گی۔ اور پھر
 حساب کتاب شروع ہو جائے گا۔ اسی سلسلے فرمایا کہ ان سات چیزوں کے ظہور
 سے پہلے پہلے نیکی میں بھرت کر دو، ورنہ پھر موقع نہیں ملے گا۔

انفاق فی
 سبیل اللہ

آگے اللہ تعالیٰ نے متقین کی بعض صفات بیان فرمائی ہیں۔ فرمایا اُن کی
 پہلی صفت یہ ہے اَلَّذِیْنَ یَخْفِقُوْنَ فِی السَّكَاةِ وَالصُّرَّاءِ وَهُجْرٍ
 کرتے ہیں خوشی کی حالت میں بھی اور تکلیف کی حالت میں بھی۔ یہی چیز ہے۔
 جو سود کی جگہ کو کاٹتی ہے۔ ایک طرف سود خور کبھی غریب کی غربت سے فائدہ
 اٹھا کہ قرضے پر سود در سود وصول کرتا ہے۔ اور دوسری طرف اہل ایمان ہیں کہ
 وہ ایسے غریب و مساکین پر ہمیشہ خرچ کرتے ہیں۔ وہ خود خواہ آسائش میں ہوں یا
 تکلیف میں مبتلا ہوں، اُن کی طرف سے انفاق فی سبیل اللہ جاری رہتا ہے
 اور یہی وہ عالی اخلاق ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کا سبب ہے۔

متقین
 کی صفات

متقین کی دوسری صفت ہے وَالْكُفْرِ مِّنْ الْغِيْظِ وہ غصے پر
 قابو پانے والے ہیں۔ یہ بھی بہت بڑی صفت ہے۔ بعض اوقات انسان
 غصے کی حالت میں دلیوانہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ کچھ کر دیتا ہے۔ جس پر بعد میں
 ندامت اٹھنا پڑتی ہے۔ غصے کی حالت میں جو شے انتقام میں مبتلا ہونے
 کی بجائے، اس پر قابو پالینا ہی اصل مردانگی ہے۔ اسی سلسلے اللہ تعالیٰ سننے
 طے متقین کی صفات میں شمار کیا ہے۔ سورۃ شوریٰ میں آتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ
 اِذَا صَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ اٰیْمَانٌ دَائِمَةٌ ہیں کہ دیگر صفات
 کے علاوہ ان میں ایک صفت یہ بھی پائی جاتی ہے کہ جب ان پر مکر کی جاتی ہے۔
 تو وہ انتقام پر آمادہ ہو جاتے ہیں وہ تو انتقام کی بات ہے۔ اور یہاں غصے پر

تاکو پانے کی بات سمجھ رہی ہے کہ اہل ایمان غصے کو پی جاتے ہیں یہاں پر یہ وہاں
متعارض معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی ایک طرف تو مومن انتقام پر آمادہ ہو جاتے ہیں، اور
دوسری طرف غصے کو دبا دیتے ہیں۔ اس ضمن میں مفسرین کلمہ فرماتے ہیں کہ انتقام
لینے والی بات کافروں اور کافروں کے بارہ میں ہے۔ جب وہ کوئی خط کام
کرتے ہیں تو مسلمان بھی انتقام لینے کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔ سورۃ مائدہ میں بھی آچکا
ہے اَعَدَّ عَلٰی الْكَافِرِیْنَ مسلمان کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں۔
جب کہ مومنوں کے لیے نرم دل ہیں۔ مفسرین ایک دوسری تفسیر یہ بھی بیان
کرتے ہیں کہ جو شخص ظلم اور زیادتی پر ڈال رہا ہو، اس کو مدنی کی گنجائش نہیں ہے
کیونکہ معاف کرنے سے مزید شرابی پیدا ہوگی۔ البتہ جو شخص تائب ہو جائے اس
کے انتقام لینا جائز نہیں ہے۔

فریاد متقین کی تیسری صفت یہ ہے۔ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ
وہ لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں، مفسرین کلمہ نے حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما
امام حسینؑ کے فرزند امام زین العابدینؑ کا یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ آپ وضو فرما
سُجّد تھے۔ لونڈی پانی ڈال رہی تھی۔ اتفاق سے کونٹے کا پانی آپ پر گر پڑا۔
آپ کے کپڑے بیگ گئے۔ لونڈی کی غلطی تھی۔ جب اس نے آپ کو
غصے کی حالت میں دیکھا تو اس کی زبان سے نکلا وَكَذَّبَ ظَلَمَیْنِ لَفِیْضَ
یَدَیْنِ کہ آپ غصے کو پی گئے اور فرمایا میں تم سے کوئی انتقام نہیں لوں گا۔
لونڈی صاحبِ علم تھی، کہنے لگی وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ یعنی مومنوں کی
صفت۔ تو یہ ہے کہ وہ نہ صرف غصے کو دبا دیتے ہیں بلکہ لوگوں کو معاف
بھی کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، جاؤ میں نے تجھے معاف کیا۔ لونڈی نے
مزیہ جرات کمر کے آیت کا اگلا کلمہ پڑھ دیا۔ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ
اللہ اعلیٰ درجے کی نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا
جاؤ آؤ ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا نیکی ہو سکتی ہے۔ کہ لونڈی نے غلطی

کی جگہ آپ نے اس کے ساتھ انتہائی درستگی کی۔ ہذا مسلمانوں کو چاہیے۔
 کہ اپنے ایسی صفات پیدا کریں جن کا تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے۔ اس
 کے برخلاف سود کی لعنت کو چھوڑ دینا چاہیے۔ جو انتہائی درجے کی ہر حسد و
 کینہ کا باعث ہے۔

لَنْ تَنَالُوا

اِنْ عَمِلْتُمْ

درس چل ہفت ۴۰

آیت ۱۳۵: ۱۳۸

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ
ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ
يَغْفِرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا
فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۵﴾ أُوْنِيكَ جَزَاؤُهُمْ
مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّتْ خُبْرِي مِنْ تَحْتِهَا
لَا تَهْرُ خُلْدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمَلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ
فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هَذَا
بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

ترجمہ: ۱۔ اور وہ لوگ کہ جب وہ کوئی بے حیائی کی بات کر دیتے ہیں یا اپنے
نفسوں پر ظلم کرتے ہیں، تو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بزرگواری و بخشش طلب کرتے ہیں
اپنے گناہوں کے لیے۔ اور کہتے ہیں جو گناہوں کو بخشنا ہے۔ سوائے اللہ تعالیٰ
کے۔ اور وہ اجر نہیں کرتے اس پر جو انہوں نے کیا۔ اور وہ جانتے ہیں ﴿۱۳۵﴾
یہی لوگ ہیں کہ ان کا بدلہ یہ ہے کہ ان کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی اور
باغاثت ہوں گے جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔
اور اچھا بدلہ ہے ان کے لئے واول کا ﴿۱۳۶﴾ تحقیق گنہگار ہیں تم سے پہلے
واقعات، پس چلو پھر زمین میں، دیکھو کیسے ہوا جہنم کے لئے واول کا انجام ﴿۱۳۷﴾
یہ لوگوں کے لیے بیان اور متقیوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے ﴿۱۳۸﴾

اس سے پیشتر سود خوری کی ممانعت کا تذکرہ ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے بچاؤ کا ذکر کیا۔ اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا تاکہ لوگوں پر حکم کیا جائے پھر اللہ تعالیٰ نے بہشت، جنت، اور بخشش طلب کرنے میں سبقت حاصل کرنے کا حکم دیا۔ یہ بہشت جن متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ ان کے اوصاف کو بیان فرمایا یعنی متقی وہ لوگ ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہونے رزق میں سے خوشی کی حالت میں بھی اور تکلیف کی حالت میں بھی حسیں کر رہے ہیں، غصے کو دبا رہے ہیں اور لوگوں کو معاف کر رہے ہیں۔ نیز یہ بھی ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نیکو کاروں کو پسند کرنا ہے۔ اب ان بات میں دیکھو کہ درجہ نیکو لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ ان کے لیے بھی فلاح ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو برائی کرنے کے بعد اس پر نادم ہوتے ہیں آئندہ اس پر اصرار نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بھی معاف فرمائے گا۔

ارشاد ہوتا ہے۔ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ذَنبًا رَأَوْا جو کوئی فحش بات کہہ گئے ہیں وَوَضَعُوا أَنْفُسَهُمْ فِيمَا ذُنُّوا اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ مُخْشَرِّينَ کہ فرماتے ہیں کہ فحش بات سے باز ہو کر کبیرہ گناہ سے دور جانوں پر ظلم کرنے سے باز ہو کر کبیرہ گناہ سے باز رہیں۔ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ذَنبًا رَأَوْا اور کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہو یا صغیرہ گناہ کا کبیرہ گناہ کی مثال نہ بنا پوری وغیرہ ہے اور صغیرہ کسی غیر محرم کی طرف دیکھنا یا اس کو ہاتھ لگانا دینا۔ واقعی میں آنا ہے کہ ایک شخص نے ظہیر عورت کا کمرہ سے لیا۔ یہ بھی صغیرہ گناہ میں شامل ہے۔ عَنْ ارتکاب گناہ کے بعد ذکر و توبہ وہ مذکور یاد کرتے ہیں۔ یاد کرنے کا مطلب اللہ کے حکم کی تعمیل کرنا، اُس کی وعید سے ڈرنا، اللہ اُس کے جلال اور عظمت کو یاد کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے گناہ کے ارتکاب پر نیت جو عید فرمائی ہے، اُس سے ڈر کر وہ اپنے لیے پر نادم ہو جاتے ہیں فَاسْتَغْفَرُوا لَهُمْ تَوْبَةٌ وہ بخشش مانگتے ہیں اپنے گناہوں کے لیے اور یہ اچھی

صفت ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے **مَنْ خَلَعَ خُطَاؤُهُ قَدْ تَمَّ مِنْهُ** ہر شخص خطا کار اور گنہگار ہے۔ کیونکہ کوئی نہ کوئی گناہ تو سرزد ہوتا ہی رہتا ہے۔ مگر فرمایا **خَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ** بہترین خطا کار وہ ہیں جو خطا کے بعد توبہ کر لیتے ہیں توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ گناہوں سے پاک کر دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے **تَنْتَهِبُ مِنَ الذَّنْبِ حَتَّى لَا ذَنْبَ لَهُ** گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے اُس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ اچھے انسان کی یہی صفت ہے کہ وہ گناہ پر اصرار نہ کرے بلکہ معافی مانگ کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرے۔ اسی میں ان کی کامیابی ہے۔

استغفار کی برکات

حدیث شریف میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ **مُسْتِطِيعًا كَقَوْلِهِ سَبْعَةٌ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِبَابٍ يُدْعَى ابْنُ تَوْبَةٍ** توبہ کرنے والے ہیں ان کے دروں میں دوسرہ ذرا کرٹن کر گناہ پر توبہ کرنے والے ہیں کی وجہ سے وہ ملک ہو جاتے ہیں۔ **وَمَنْ كَفَرَ فِي بَابٍ لَا يُعْتَقَرُ فِيهِ لَا يَلْزَمُهُ اللَّهُ** اور مجھے لوگوں نے تباہ کر دیا استغفار کرنے سے اور کلمہ طیبہ پڑھنے سے۔ یعنی جب لوگ استغفار کرتے ہیں اور افضل ترین ذکر **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** پڑھتے ہیں تو میرا منصوبہ ناکام ہو جاتا ہے۔ میں انہیں گناہوں کی وجہ سے ہلاک کرنا چاہتا ہوں مگر وہ مذکورہ دو اوصاف کی وجہ سے بچ جاتے ہیں جن کی وجہ سے تباہ نہ ہو سکتے ہیں۔

فرمایا **وَمَنْ يَغْفِرْ لِنَفْسِهِ كَرَامَةً مِنَ اللَّهِ** اور کون ہے اللہ کے سوا جو ان کو معاف کرے۔ وہی مانگ و منت ہے۔ اس کی حکمت و قدرت میں کسی کو دخل نہیں۔ ان گناہ کرتے ہیں مگر وہ بھی غفور و رحیم ہے۔ معاف کرنے کے لیے اُسے ایک بیان چاہیے **وَقَدْ مَرَّ بِكَ** اُسے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ اتنے تباہ پاپی کو کیوں معاف کر دے۔

اے ابن ماجہ ص ۳۱۱ (فیاض)

فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے گناہگاروں کو استغفار کرے۔ اس لیے معاف
 فرمادیا ہے وَلَمْ يَكُنْ لَكَ عَلَى مَا فَعَلْتَ مِنْ دَخْلٍ كَرِهَ اَنْ يَكُنْ بِكَ اَصْرًا
 نہیں کرتے۔ گناہ کر کے سچے دل سے معافی مانگ لی، پھر اس گناہ کے قریب
 نہیں جاتے۔ اسی لیے مفسرین کہتے ہیں لَا كِبِيرَ بِالْاِسْتِغْفَارِ اِنْ كَانَ مَعَانِي
 مانگے تو پھر کبیرہ گناہ بھی کچھ نہیں۔ وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ وَذَ صَفِيرَةٌ
 مع الاصول اور اگر گناہ پر اصرار کر لے، تو پھر صغیرہ گناہ بھی پھاڑیں جائے گا۔ لہذا
 گناہ پر اصرار نہیں کرنا چاہیے بلکہ جیسے اصلاح کے لیے آمادہ رہنا چاہیے۔
 اور ہر وقت استغفار کرتے رہنا چاہیے۔ استغفار کی مثال صابن کی ہے
 جس طرح صابن کپڑوں کی میل کچیل دکر دیتا ہے، اسی طرح استغفار
 دہروں کو صاف کر دیتا ہے۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 كَرِ اسْتِغْفَارًا كَوَلَا زَمَ بَطْنُ دُرٍّ كَرِ اسْتِغْفَارًا كَرِ اسْتِغْفَارًا كَرِ اسْتِغْفَارًا
 ہاتھ سے ماس میں اصلاح کا مادہ ختم ہو جاتا ہے۔ دل میں کدورت اور تاریکی
 پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میں نرمی لگ جاتا ہے، اور جب وہ اصرار کی وجہ سے
 سخت ہو جاتا ہے تو پھر اس کا اثر بالمشکل ہو جاتا ہے۔ لہذا غلطی پر اصرار نہیں کرنا
 چاہیے۔ وَهَمْ يَكْفُرُ مَوْنٌ اور وہ جانتے بھی ہیں معنی نیکی اور برائی میں تمیز کرنا
 کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ہر انسان اس کو اپنی طرح جانتا ہے۔ اس کے بعد وہ اگر
 غلطی پر اصرار کرتا ہے تو اس کے لیے تباہی ہے۔ اور جو لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ
 بلکہ معافی مانگ کر پاک صاف ہو جاتے ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ تَجِدُ رَحْمَةً
 مَغْفُورَةً مِّنَ رَبِّكَ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَ تَكُونُ السَّاعَةُ يَوْمَ تَكُونُ السَّاعَةُ
 کے رب کی طرف سے مغفرت اور بخشش ہے۔ انہیں سخت کام پر نہ داخل
 ہو جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ اُن کیلئے وَجَدْتُ لَكَ مَغْفِرَةً مِّنَ رَبِّكَ
 تَحْتَهَا لَا تَقْدِرُ اِلَيْهِ بِاَغَاثِ ہوں گے جن کے نیچے سہریں ہستی ہوں گی۔
 یہ باغات رطوبات کے لیے نہایت قرینے سے سجائے گئے ہوں گے۔

ان میں ہر قسم کی آسائش اور بچوں کی خردانی ہوگی۔ کامیاب لوگوں کا ٹھکانہ دارانِ عارضی نہیں ہوگا بلکہ خَیْرٌ مِّنْ دَیْنٍ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے، انہیں وہاں سے نکالا نہیں جائے گا۔ اور فرمایا کہ قانونِ خداوندی یہی ہے۔ وَیَخْشَوُا اَلْحَقَّ لِحَقِّهِ نیک اعمال کرنے والوں کے لیے یہ خوب اجر ہے۔ عمل بہت بڑی چیز ہے، ایمان اور عقیدے کی درستگی کے بعد فَلَاحٌ کا دروازہ عمل پر ہے۔ وَلَا یُحْکَمُ دَرَجَتٌ وَّحِدًا عَمَلًا ہر ایک کو مرتبہ اس کے عمل کے مطابق ملے گا۔ لہذا نیک اعمال کرنے والے عزت کے مقام میں پہنچیں گے، خدا تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور معافی ملے گی اور وہ ہمیشہ سکسپہ معززہ اور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے۔ یہ ان کی دائمی زندگی ہوگی اور اسکی نعمتیں بھی دائمی ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سابقہ لوگوں کے تبتہ و تہتہ واقعات بیان فرمائے ہیں تاکہ آئندہ آنے والی نسلوں کو عبرت حاصل ہو۔ اسی لیے فرمایا قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ سُلُکٌ تم سے پہلے بھی واقعات گزر چکے ہیں۔ ان میں اہل ایمان اور ان کی رہنے والے انعامات کا ذکر ہے، اور نافرمانوں کو سزائے سزاؤں کا بھی تذکرہ ہے۔ ان واقعات سے عبرت حاصل کرنے کے لیے فَسِیرُوا فِیْہِ تم زمین میں چلو پھرو۔ فَاَنْظُرُوا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکْذِبِیْنَ اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ قرآن پاک کے بیان کردہ واقعات کے عملی نشانات تمہیں جگہ جگہ ملیں گے، آپ کو پتہ چلے گا کہ نافرمانوں کا کیا حشر ہوا، کوئی پانی میں غرق ہوئے، کچھ آگ میں جل گئے، بعض کو آندھی نے اٹھیرا اور بعض پر پتھروں کی بارش ہوئی یہ سب نشانات عبرت ہیں جو زمین میں سفر کرنے سے ملیں گے۔ لہذا عبرت کے لیے سفر اختیار کرنا اچھی بات کی علامت ہے۔

پرانے نشانات کے تحفظ کا آج بھی بعض صورتیں موجود ہیں۔ مگر ان سے

نقائذ
عبرت

مقصود عبرت حاصل کرنا نہیں بلکہ محض استعجاب ہے جو کہ پسندیدہ چیز نہیں۔
 انگریزوں نے آثارِ قدیمہ کی حفاظت کا بندوبست کیا ہے۔ مگر کس مقصد کے لیے؟
 محض یہ جہنم کے لیے کہ کس زمانے میں کونسا طرزِ زندگی پایا جاتا تھا۔ پر اسے
 زمانے کی عمارت، اوزار، برتن، سکے وغیرہ اُس زمانے کی تہذیب و ثقافت
 کی حفاظت کے نام پر محفوظ کر کے جاتے ہیں۔ پرانی عورتوں اور بچوں کی حفاظت
 رکھا گیا ہے۔ اس سے ان نیت کی کیا خدمت ہوتی ہے۔ اس سے تو بہتر
 تھا کہ انسانوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ دی جاتی، اُن کے اذہان و قلوب کو
 زندہ کیا جاتا، مگر ایسا مقصود ہی نہیں ہے۔ سائنس کی ترویج و ترقی کے لیے
 پیش رو دولتِ صرف کی جا رہی ہے مگر ان نیت کی حقیقی فلاح کے لیے اس کا
 عشرِ عشر بھی خرچ نہیں کیا جاتا۔ سائنس نے جہاں بہت سی بہولتیں فراہم کی ہیں
 وہاں بہت سی تباہی کے سامان بھی پیدا کیے ہیں۔ ایک طرف آسمانوں پر
 پرواز کی جا رہی ہے اور دوسری طرف انسانوں کی تباہی کے لیے جدید ترین
 ہتھیار بھی ایجاد کیے جا رہے ہیں۔

ہر حال زمین میں عبرت کے لیے سفر کرنا چاہیے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ
 اللہ کے احکام کو جھٹلانے والوں کا کیا حشر ہوا۔ اور اگر ہم بھی اُن کے نقشِ قدم
 پر چلیں گے، تو ہمارا حشر بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا
 هَذَا آيَاتُ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ یہ عام لوگوں کے لیے بیان، وضاحت یا
 سٹیٹمنٹ (STATEMENT) ہے۔ اُن کو قافلوں قدرت بتلایا گیا ہے۔
 کہ فلاں و لقوی کا راستہ یہ ہے۔ اور تخریب کا راستہ وہ ہے۔ وَهَذِي
 آيَاتُ الْكَافِرِينَ اللہ کی یہ آیات متقین کے لیے ہدایت اور نصیحت
 کا ذریعہ ہیں۔ اور متقین وہ ہیں جو کفرِ مشرک اور عاصی سے بچتے ہیں۔ خدا کی عظمت اور
 جلال ہمیشہ اُن کے سامنے ہوتا ہے۔ وہ حدودِ شرع کی حفاظت کرتے ہیں،
 قرآن پاک سے ہی لوگ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

لَنْ تَنَالُوا

اَلْاَعْمَانِ ۳

درس چل رشت ۴۸

آیت ۱۳۹/۱۳۳

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۳۹﴾ إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ﴿۴۱﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الضَّالِّينَ ﴿۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَتُّونَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُلْقَوَهُمْ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: اور نہ سست ہو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی جہد رجب کے اگر تم ایماندار رہو (۱۳۹) مگر پیچھے نہ ہونے میں ایک ہی چیز ہے۔ ان لوگوں کو بھی جہد میں جہاد اور یہ زمانے کے دن ہیں۔ جن میں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے ہیں۔ اور تاکہ اللہ تعالیٰ تم کو دیکھ سکے ان لوگوں کو جو ایمان لاتے اور تاکہ بنائے تم میں سے شہید۔ اور اللہ ظلم کرنے والوں کے ساتھ محبت نہیں کرتا (۱۴۰) اور تاکہ اللہ تعالیٰ پاک کر دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ اور اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو (۱۴۱) کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اور ابھی تک اللہ نے ظاہر نہیں کیا ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے ہوا کیا۔ اور ظاہر نہیں کیا ان

لوگوں کو جنہوں نے صبر کیا ﴿۴۳﴾ اور اللہ تحقیق تمہارا کریم ہے۔ تمہارے موت کی قبل
میں کے کہ تم اس سے بڑھے۔ پس بیشک تمہارے دیکھ لیا اس کو اور تم انھوں کے
ساتھ اس کو ملک ہے ہو ﴿۴۴﴾

رہائیت

عزیز وہ احد کے موقع پر مسلمانوں میں جو کمزوری واقع ہو گئی تھی اس کے ازالے
کے لیے اللہ تعالیٰ نے بعض احکام نازل فرمائے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سود خوردی
سے منع فرمایا۔ غلبوں اور کوتاہیوں سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ غصے کو دبانے
اور لوگوں کو معاف کرنے کی تعلیم دی۔ ہر خوشی اور تکلیف میں راہ خدا میں خسرج
کرنے کی ترغیب دلائی۔ اور پھر اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے تائب
ہونے کا طریقہ بتلایا۔ کہ انا ان اللہ تعالیٰ اور اس کی وعید کو یاد کر کے اس سے
بخشش طلب کرے، گناہ کی معافی مانگے اور آئندہ کے لیے ایسی برائی نہ
کے جائے، اس پر اصرار نہ کرے۔ جو کوئی ان احکام پر عمل پیر ہو گا اللہ تعالیٰ
کی بخشش نصیب ہوگی اور اللہ کی برکت اس کے شامل حال ہوگی۔

مسلمانوں کی
حصول فقر کی

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔
کہ اگر کسی وقت کوئی کمزوری واقع ہو جائے، کوئی فعلی سرزد ہو جائے، تو ان کو دوسرے
نہیں ہار دینا چاہیئے، کہ جہاد سے ہی منہ موڑنے سے۔ بلکہ جسے نئے دلوں اور
نئے جوش و خروش کے ساتھ جہاد کی تیاری کرنی چاہیئے۔ اور وہ ہوتا ہے۔
کو آتھنوا اور سست نہ ہو جاؤ۔ عربی زبان میں وہن کسب اور کمزوری کو
کہا جاتا ہے۔ اور دین کے معاملہ میں یعنی جہاد کرنے یا کسی دوسری نئی کوشش کے
سلسلے میں دھن کو اختیار کرنا اچھی صفت نہیں ہے۔ حدیث شریف میں دھن کی
ذمت آئی ہے۔ حضور بنی کہیم علیہ السلام نے فرمایا، جب تمہارے اندر دھن پڑ
ہو جائے گا، تو تمہاری حالت قنزل اور لپٹی میں چلی جائے گی۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم
نے عرض کیا، حضور! وہن کیا چیز ہے۔ فرمایا، حسب لدنیا و کراہیۃ ملوہت،
یعنی جب لوگوں کے دھن میں دنیا کی محبت اور موت کے کراہت پیدا

ہو جائے گی، تو تم نہ بیت بستی میں جے جاؤ گے مقصد یہ کہ وہیں کو اختیار نہ کرو
دین کے معاملہ میں کمزوری اور سستی کا مظاہرہ نہ کرو۔

فرمایا وَلَا تَخْشَوْا فُتُورَ النَّاسِ اور جو نقصان ہو چکا ہے۔ اس پر غمگین نہ ہو۔ جو ختم
خزودہ احد میں لگ چکا ہے۔ بڑے بڑے اکابر صحابہؓ تنہید ہوئے ہیں۔ خود نبی کریم
علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف پہنچی ہے۔ اس پر غمگین نہ ہو۔ اور نہ سستی دکھاؤ۔
یہ درست ہے کہ اس موقع پر بڑی تکلیف پہنچی ہے۔ مگر اس وقتی شکست
میں بھی اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں جو تمہاری بالآخر کامیابی پر منتج
ہوگی۔ لہذا یاد رکھو وَإِنْ تَوَلَّوْا لَعَلَّكُمْ تَكُونُونَ كَمِثْلِهِمْ اگر تم ایمان
پر قائم رہے تو دشمن کے مقابلے میں تم ہی بلند رہو گے۔ اللہ تعالیٰ کا تمہارے
ساتھ وعدہ ہے کہ ایمان کے تقاضوں کو تم پورا کرتے رہو اور وہ تمہیں دشمن
پر غالب کر دیگا۔

اصول کے طور پر یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ اہل اسلام کو جب کبھی کوئی
پریشانی لاحق ہو جائے، تو انہیں فوراً اپنا محاسبہ کرنا چاہیئے کہ ایمان کے تقاضے
میں کمال کمزوری واقع ہوئی ہے۔ لہذا کوئی نہ کوئی عظیمی سرزد ہوئی ہوگی۔ تاریخیہ
کی جنگ کے سالہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے۔ دوران جنگ جب
بعض مورچوں پر مسلمانوں کو کچھ پریشانی لاحق ہوتی تو آپؓ نے مجاہدین کو جمع فرمایا
اور کہا، اے لوگو! میں سمجھتا ہوں کہ ہماری یہ کمزوری کسی گنہ کی وجہ سے واقع ہوئی
ہے۔ ضرور ہم سے کوئی گناہی ہوئی ہے۔ جس کی ہمیں تلافی کرنی چاہیئے۔
آؤ سب مل کر اللہ تعالیٰ سے اپنے گنہوں کی معافی مانگیں۔ مجھے یقین ہے
کہ اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تین دن رات تک متواتر
جنگ ہوئی۔ آخر اللہ نے مسیح عظیم خط فردی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے
فرمایا کہ اگر تم ایمان پر قائم رہے تو تم ہی غالب رہو گے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ دِكْهُوْرَانِ لَا تَحْزَنُوْا

خدا تمہیں
نہایت سے

قَسْرَج اگر تین غروہ میں زخم پہنچے۔ پڑے پڑے غنیمت مرتب سترھی پڑے
 غنیمت جوئے اور بہت سے زخمی بھی ہوئے ہیں۔ تو یہ کوئی ایسی تکلیف نہیں جو صرف
 تمہیں پہنچی ہے۔ اس قسم کا زخم کافروں کو تو پہلے ہی لگ چکا ہے۔ فَتَدْرُسُ
 مَسْئَرَهُمْ قَسْرَجَ فَتَنَالُهُمْ جَنَاحُ بَرِّسٍ اُنْ كَيْفَ يَسْتَرْسِرُ كَرْدَهُ بُولِي مَسْئَرَهُ
 گئے تھے درخت سے ہی قیدی بنے۔ پھر اُن کو فدیہ دینا پڑا۔ اور بڑی ذلت اٹھائی۔
 پڑی۔ یا درگھو! اُن کی کبھی سبک دہانت پر قائم نہیں رہتے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت
 اور تعلیمت کے مطابق حادثات میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ سبھاری شریعت
 میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب ہرقل نے یوسفؑ کو
 سے پوچھا کہ تمہارے درمیانوں کے درمیان معاملہ کیسے ہوتے ہیں۔ ان کے
 ساتھ بھی ہمیشہ بغیر ستر بھی ہوئی ہے۔ اور اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ تو یوسفؑ اُن
 پر اسباب دیا۔ خدیب سجان بنے۔ وینہم یعنی بہانے اور اُن کے
 درمیان لڑائی کا معاملہ پانی کے ڈول کی مانند ہوتا ہے۔ کبھی کسی نے ڈول کو زمین
 میں ڈال کر پانی نکال دیا اور کبھی کسی نے۔ یعنی لڑائی کی صورت میں کبھی جبر غالب
 کرتے ہیں اور کبھی سلطان غلبہ کرتے ہیں۔ ہرقل نے کہا کہ اللہ کے رسولوں کو صدمہ
 ایسا ہی ہوتا ہے۔ انہیں دشمن کے مقابلے میں کبھی فتح ہوتی ہے اور کبھی شکست
 مگر ہر زخم ستر پہنے رسولوں کو غلبہ عطا کرتا ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں
 کو اسے مسلمانوں کی عاصی شکست کے گھمراؤ نہیں دینا۔ اَلَّذِي لَا يَمُودُ وَجْهًا
 تَبِيتُ اَنْتَ كَسْ يَرُونِ هِيَ جَنِيں ہر لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔
 ہمیشہ یکساں ہی حالت نہیں رہتی کہ ہمیشہ فتح ہو یا ہمیشہ شکست ہو۔ بلکہ یہ دونوں
 چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ اگر زب تکلیف پہنچی ہے۔ تو اس کا اچھا بدلہ ملیگا
 تکلیف پہنچنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت رکھی ہے کہ وَلِيْعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ
 تَذِيْنُ اَلْهٰتُوْا تَاكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی جَانِ سَلِ اُنْ وَّلُوْا كُوْجَا اِيْمَانِ تَاكُمُ
 اہم برصاوی اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر لَعَلَّ سے مراد

از لفظ نور
 ایسی حکمت

محض جاننا نہیں، کیونکہ خدا تعالیٰ کا علم تو ازل ابی ہے۔ اس مقام پر یہ لفظ علم ظہور کا معنی دیا ہے۔ تو مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے ظاہر کرے، اُن لوگوں کو جو ایمان لائے لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اہل ایمان تکلیفیں اٹھا کر بھی ایمان پر قائم رہتے ہیں اور حق کے سامنے کو ترک نہیں کرتے۔

غزوہ احد کی وقتی شکست کی دوسری حکمت یہ ہے وَلِيَّ تَذَكُّرٍ لِّكُمْ شہد آؤ اور تاکہ تم میں شہید بننے جو لوگ جو چہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے، اُن کی انتہائی خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں رہ حق میں جہاد کی شہادت نصیب کرے اور وہ بھی اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر کے مرتبہ شہادت پر فائز ہوں۔ چنانچہ اُن کی اس خواہش کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت بھی عطا فرمائی۔ یہ بھی سراسر نفع کا سودا تھا۔ فرمایا وَلِلّٰهِ كَلْبٌ سَيِّئٌ انظر لہ جن اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ معیوب خدا بننے کے لیے ایمان اور نیکی کی ضرورت ہے۔ مشرک اور کفر کرنے والے اللہ کی نگاہ میں کبھی محبوب نہیں بن سکتے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے۔ کہ اگر کسی وقت اہل اسلام کی شکست ہو جائے، اُن پر غیر مسلم غالب آجائیں، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہو گا۔ کہ مسلمان اللہ کی نگاہ میں گھر گئے ہیں۔ اور کافر مسر محبوب بن گئے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ انسانیت کے تقاضے کے مطابق کچھ بچی ہو سکتی ہے مسلمان آزمائش میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ مگر خدا کا دشمن کافر اور مشرک اس کا محبوب ہرگز نہیں بن سکتا۔ وقتی طور پر اس دنیا میں کافر خوشحال ہو سکتا ہے اسے کامیابی بھی حاصل ہو سکتی ہے، طے اسے استدراج کہتے ہیں۔ مگر آخرت میں کافر لانا پڑا جائے گا۔ اور اُسے کفر کا بدلہ چکانا ہو گا۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے ہرگز محبت نہیں کرتا۔ محبت کے لائق اس کے وہ بندے ہیں۔ جو اُس پر ایمان لائے۔ اور اعمال صالحہ انجام دیئے۔

مومنوں کا
شریک نفس

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی وقتی آزمائش کی تیسری حکمت یہ بیان فرمائی

ہے۔ وَلِبَعْضِ عَصَى اللَّهِ يُدْفِنُ أَصْنُؤُا تَكَرُّمًا تَعَالَى اہل ایمان کو پاک کر دے
 ان کا تہ کیہ نفس کر دے۔ اصل پاک تو روح اور جان کی پاک ہوئی ہے۔ شاہد ارشاد
 اس کو نمہ کہتے ہیں۔ شاہ اسماعیل نے اپنی معرکہ الاراکت بعبادت میں لکھا ہے
 کہ انسان کے نفس کا پاک ہونا ضروری ہے۔ عبادت، ریاضت، ذکر و ذکر
 اسی قصد کے لیے کیے جاتے خصوصاً عبادت میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور
 حج وغیرہ نمہ کی پاکیزگی کا سبب بنتے ہیں۔ جہاد ایک تباہی کا عمل ہے جس
 کے ذریعے اللہ اپنے جسم و جان تک کو راہ خدا میں لگا دیتا ہے۔ مغیر بن کعبہ
 فرماتے ہیں، کہ جہاد میں مومن کھڑے ہو کر ایک ہتھوڑے یا اس کے جسم پر انیسویں
 ایک ضرب اس کے نمہ کو پاک کر دے اسے خطیرۃ القدس کا اہل بنا دیتی ہے
 دشمن کی تلوار کا ایک وار حقوق العباد کے سوا اس کے تمام گناہوں کی معافی کا
 ذریعہ بن جاتا ہے۔ مقصد یہ کہ اہل ایمان کو تکلیف پہنچنے پر بھی ان کے لیے
 برکت سی قائم ہے کی چیزیں ہیں۔

مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ برصغیر میں مثل نول پر جب زوال
 آیا، تو وہ نول یہ داکشتہ نہیں ہوئے، بلکہ انگریز جیسی جاہل طاقت کے سامنے
 ڈٹ گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ہر طریقے سے شک کیا، وہ طرح طرح کی
 آزمائشوں میں مبتلا ہوئے مگر دین کا دامن ہٹا کر نہیں دیا اور ایمان کی حقانیت
 پر حرف نہیں آنے دیا۔ یہی وہ صفت ہے جس کے ذریعے انسان کا نمہ پاک ہوتا
 ہے۔ اور وہ بارگاہِ خداوندی میں پہنچ کر اس کے فیضان سے مستفید ہوتا ہے۔

فرمایا کفر و اسلام کے درمیان جنگ و جدل کا ایک مقدمہ تو مومنوں کا ترکہ ہے
 اور دوسرا وَیَمُحِقُ الْكَافِرِينَ اس کے ذریعے وہ کافروں کو مٹا دے۔
 کفر و اسلام کی بڑی جنگیں ہوئیں کبھی مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کبھی کفار کا پلہ بھاری رہا۔
 مگر حتمی نتیجہ کیا نکلا۔ اللہ تعالیٰ نے کفر کو ایسا مٹایا کہ پھر سے عرب کو کافروں سے
 پاک کر دیا۔ اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ مراکز اسلام بن گئے۔ فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام

تفریاد کہ سچ کے بعد مکہ پر چڑھائی میں کی جائیگی۔ بلکہ سچے والے دیگر ممالک پر چڑھتی
 گئیں گے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ جھوٹے ہی عرصہ میں آدمی دنیا پر
 سٹوم کا پرچم لہرانے لگا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے جہاد کے ذریعے کفر کو خلیا میٹ کر دیا۔

جلد اول
 صبر

اشیائے ایمان کی کامیابی کے لیے جہاد اور عسکری جہاد بہت ضروری ہیں۔ جب تک ایمان
 میں جذبہ قربانی پیدا نہ ہو، اشک کے ایمان کی تکمیل ممکن نہیں۔ اور پھر اگر تکلیف پہنچنے
 پر سبر کا دامن چھوڑ دے تو یہ بھی اس سب سے ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ آگے
 اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کی اہمیت تنبیہ کے ذریعے بیان فرمائی ہے
 کہ اے اہل اسلام! اَوْخَسِبْتُمْ اَنْ يَشْخَاضَ الْاَنْفُسُ كَيْفَ تَقَرُّوْنَ
 کہتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے وَلَمْ يَأْتِكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِيْنَ جَعَلَ وَاقِعًا
 حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے مجاہدین کو ظاہر نہیں کیا۔ جان کی بازی
 لگانے والوں کا پتہ تو جب چھ لگا، جب جہاد کا موقع آئے گا۔ جہاد کر سنے
 والے لوگ اس وقت ظاہر ہوں گے، جب وہ دشمن کے مقابلے میں آئیں گے۔
 محض زبان سے کلمہ پڑھ لینے سے جنت کا ٹکٹ نہیں مل جائے گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے
 جہاد کا موقع فراہم کر کے تمہیں آزمائیں گے، کہ وہ کون لوگ ہیں جو جان کی بازی
 بھی لگا سکتے ہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ
 وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ اَمْوَالِكُمْ وَلِنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ
 میں ڈال کر دیکھیں گے کہ تم میں سے کون ہیں جو ان آزمائشوں پر پورا اترتے ہیں۔
 خوف اور بھوک بہداشت آزمائیں گے گا اور اس کے ساتھ ساتھ مال و جان کی
 قربانی بھی دینا ہوگا۔

فرمایا پہلی آزمائش تو یہ ہوگی کہ جہاد کے لیے کون کتنا سہ کمر میدان میں
 اترتا ہے۔ اور پھر جب میدان جنگ میں تکلیف پہنچتی ہے۔ تو یہ بھی دیکھنا ہے
 وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ اَمْوَالِكُمْ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ
 کرنے کی ہمت کس میں ہے۔ اسی سے فرمایا کہ تمہیں جنت میں داخل فرمائی

نہیں مل جائے گا۔ ابھی تو ہم نے مسجدین اور صبر کردہ نبیوں کو ظاہر ہی نہیں کیا۔
 آگے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ دلائل و اَلْقُدُّ کُنْتُمْ قَصْمُونَ
 الْمَصْرَفَاتِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَكُونُوا قَوْمًا مَوْتِ آئے سے پہلے اس کی
 تمنا کیا کرتے تھے۔ جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ ان کے
 جذبات بڑے تیز تھے۔ وہ دشمن سے دوبارہ ٹکرا لینے کے لیے عتاب
 بہتے تھے۔ اور نہ ہی اس کو کہتے تھے کہ جہاد کا موقع آئے تو انہیں بھی شہادت
 جیسا بلند مقام نصیب ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہ کرام نے حضور
 علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرتے ہوئے عرض کی تھی۔ اَلْحَمْدُ لَہِمْ
 دین حق کی خدمت کرتے رہیں گے وَ اَلْحَمْدُ لَہُمْ اور بھائیوں کے نہیں۔ یہاں
 تک کہ جہن مرت آجائے۔ صحابہ کرام نے اللہ کے رسول سے جو وعدہ کیا تھا،
 اُسے نبھا کر دکھایا۔ انہوں نے جہاد کے سیدانوں میں وہ معرکے دکھائے جو ہمیشہ
 یادگار رہیں گے۔ ان کی فتوحات کا راز اس بات میں مضمر تھا کہ انہوں نے
 موت کا چیلنج قبول کر لیا تھا۔ حضرت زبیرؓ معرکہ مصر میں شریک تھے جب
 قلعہ کا محاصرہ طویل پکڑ گیا۔ تو فرمایا اے لوگو! آؤ سب سے پہلے میں اپنی جان کا نذرانہ
 پیش کرتا ہوں۔ مجھے لڑکر ہی میں ڈال کر رسی کے ذریعے قلعہ کے اندر آؤ
 دو۔ جب اندر پہنچ کر میں نعرہٴ تحکیر بلند کروں، تو تم بھی باہر سے جواب دینا۔ اللہ کو منظور
 ہو، تو ہم کامیاب ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ حضرت زبیرؓ کو نذرانہ دیا گیا، کچھ
 اور لوگ بھی دیوار پر چڑھ گئے۔ آپ نے قلعہ میں داخل ہو کر تلوار چلانی شروع کر دی اور اندر
 سے دروازہ کھول دیا۔ اسلامی فوج اندر داخل ہو گئی مصر کے کان پڑا اور قلعہ فتح
 ہو گیا۔ یہیں وہ قربانیاں جن کے ذریعے مسلمانوں نے شجر اسلام کی آبیاری کی۔
 حضرت زبیرؓ پر ہو کر کی لڑائی میں دشمن کی دو لاکھ کی تعداد کی فوج میں ایک
 گھنٹے گئے تھے۔ صغوں کو چیرتے ہوئے ایک لاکھ سے دوسرے سرے تک
 چلے گئے۔ ہمدردی کے خوب خوب جوہر دکھائے جسم کا کوئی حصہ زخموں سے

خالی نہیں تھا۔ کندھے پر استار بڑا زخم کا نشان تھا کہ اس کا کڑہ بن گیا تھا جس میں بچے
 ہاتھ ڈال کر کھینچتے رہتے تھے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے ہل ایمان کو یاد دلایا کہ
 تم جہاد اور شہادت کی تمنا کرتے تھے۔ تو اب یہ موقع تمہیں فراہم کیا جا رہا ہے
فَقَدْ رَأَيْتُمْ جسے تم نے دیکھ لیا ہے۔ وَأَنْتُمْ تَنْفَرُونَ اور تم
 اسے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہو۔ لہذا اب جان کی بازی لگانے کے
 لیے تیار ہو جاؤ۔ اور ہر قسم کی مشکلات کو سینے سے لگاؤ۔ آخر کار کامیابی تمہاری
 ہی ہوگی۔

درس چہل و نہ ۴۹

آیت ۱۳۴ تا ۱۴۵

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ
 أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ
 وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا
 وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۳۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ
 أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كَتَبَ مُوَجَّلَاءُ وَمَنْ يُرِدْ
 ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ
 الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۳۵﴾

ترجمہ: یا اوستہ میں ہر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص نہ چاہے
 اس نے پہلے ہی اس کو مر جائے یا غیبی کر دے جائے، تو کیا تم لوگ اس پر
 باؤ گے۔ اور جو شخص اس کے اپنی چیزوں پر پس ہ کر دے اس کو کچھ نقصان نہیں
 پہنچے گی اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو بدلہ دیتا ہے ﴿۱۳۴﴾ عزیزیں ہے
 کسی جان کے لیے کہ وہ میرے لئے اللہ کے حکم سے ایک شکر کیا بنو فوشر ہے
 اور جو شخص دنیا کا ارادہ کرتا ہے۔ ہم اس کو بدلہ دیتے ہیں جس میں ہے۔ اور جو آخرت
 کا ارادہ کرتا ہے۔ ہم اس کو اس میں سے بدلہ دیتے ہیں۔ اور ہم شکر واکر نے والوں
 کا بدلہ دیں گے ﴿۱۳۵﴾

مسئلہ کا یہ فقرہ واحد کے متعلق ہی چل رہا ہے۔ اس سے پہلے ارشاد و ربط آیات
 پر دیکھا ہے کہ دشمن کے مقابلے میں کس قدر دکھانے اور کوئی تکلیف پہنچنے پر
 غمگین بھی نہ ہو۔ اگر تم ایمان کے تقاضوں پر پورا اترو گے تو غلبہ تمہیں ہی حاصل
 ہوگا تمہیں تکلیف پہنچنے پر رنجیدہ خاطر نہ ہو، اور اس قسم کی تکلیف تو دشمنوں کو ہی پہنچ

چکی ہے۔ فرمایا کہ ہم نہ ماننے کے دنوں کو پھر پھر کرتے ہیں کبھی کسی گمراہ کا بد بھائی
 ہوتا ہے، کبھی کسی کا۔ اللہ تعالیٰ نے ازیت پہنچنے میں بھی حکمت رکھی ہے۔ اس میں
 بھی بہت سی تعلیمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو متاثر کرنا چاہتا ہے۔ اور بعض
 کو شک و متہ کے درجے پر فائز کرنا چاہتا ہے یہ نہ سمجھو کہ اس میں کافروں کو بڑائی
 حاصل ہوتی ہے۔ اللہ ان سے ہرگز محبت نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ یہ بھی حکمت
 ہے کہ آزمائش میں ڈال کر اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ان کی جانوں اور دلوں کو پاک کرنا
 چاہتا ہے۔ اور کافروں کو مٹانا چاہتا ہے۔ ایسی آزمائشوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ
 جہاد اور صبر کرنے والے لوگوں کو ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ تم دشمن کے ساتھ ٹکڑے
 کے لیے بیتاب تھے۔ اب اللہ نے موقع فراہم کیا ہے۔ تو پھر لڑنے کی ضرورت
 نہیں ہے۔ تاہم قدمی سے مقابلے پر آمادہ۔

آج کی اس آیت میں بھی اُس خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو غزوہ احد
 میں پیش آیا۔ جنگ کی حکمت عملی کے طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیرا نہ زک
 کی حکمت بتا دی کہ پیادے درخت پر قریب رہنا اور حکم دینا تھا کہ پہنچے تو
 شکست کھاتے۔ اس دور سے کومئیں چھوڑا۔ لڑائی شروع ہوئی۔ مسلمانوں کا ہاتھ
 بھاری تھا۔ دشمن بھاگ نکلا۔ اس دوران کچھ مجاہدین نے کفار کا تعاقب کیا۔
 اور بعض دوسکریالی غنیمت اکٹھا کرنے لگے۔ اس موقع پر درخت پر مامور
 تیراندازوں نے غلطی کی۔ حضور علیہ السلام کے حکم کے برخلاف ان کی کثرت
 پہاڑ سے نیچے اتر کر مال غنیمت پر توجہ ہو گئی۔ صرف دس آدمی مقررہ مقام پر
 باقی رہ گئے۔ اس وقت دشمن کی کمان خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ میں تھی۔ جب
 انہوں نے جنگی اہمیت کے حامل اُس درخت کو خالی پایا تو گھڑ سواروں کی عین
 کے ساتھ وہاں پہنچ گئے اور مسلمانوں پر عصب سے حملہ کر دیا۔ بھاگنے لگے
 مشرکین نے جب دیکھا کہ اُن کی فوج مسلمانوں کے عصب میں پہنچ گئی ہے۔ تو
 وہ بھی پلٹ آئے۔ اور اس طرح اہل اسلام کفار کے دو لشکروں کے درمیان

اُٹھ گئے۔ درے پر موجود درس آدمی اپنے ہی شہید ہو چکے تھے۔ بہت سے دوسرے مسلمان بھی شہید ہو گئے۔ عقیب بن ابی وقاص نے حضور علیہ السلام پر پھڑپھڑایا جس سے خود میں لگی ہوئی دو کڑیاں حضور علیہ السلام کے رخسار مبارک میں دھنسن گئیں۔ آپ شہید نہ فرمائی ہوئے۔ ابن قیس نے نبی علیہ السلام پر حملہ کیا جس سے آپ کے دانت مبارک شہید ہو گئے۔ آپ کے جسم اطہر سے کافی مقدار میں خون بہہ گیا۔ حضرت مصعب بن عمیر حضور کا دفاع کر رہے تھے۔ پھر حملہ بھی اُن کے ہاتھ میں تھا انہوں نے بھی اپنی جان حضور پر قربان کر دی۔ ابن قیس نے شور مچا دیا کہ اُس نے خود حضور علیہ السلام کو شہید کر دیا ہے۔

یہ سن کر مسلمانوں میں بددلی پھیل گئی۔ بہت سے ہمت مار بیٹھے۔ بعض نے تجویز کیا کہ عبداللہ بن ابی کھر کمر الہوشیاں سے امان حاصل کر لیتی چاہیے۔ مگر بعض دوسرے جانتا رہے کہ جب حضور علیہ السلام ہی ہم میں موجود نہ رہتے تو ہماری زندگیوں کس کام کی ہیں۔ ہمیں بھی دشمن کا مقابلہ کرنا ہے۔ جو کئے شہید ہو جانا چاہیے۔ حضرت انس بن مالک کے چچا انس بن نضر بن نجار میں سے تھے کئے گئے۔ اگر محمد علی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیے گئے ہیں تو وہ محمدؐ تو زندہ ہے۔ ہمیں اللہ اور اس کے رسول کے پاس سے راستہ پانا سفر جاری رکھنا چاہیے۔ یہ کبر و شہنشاہی پر حملہ آور ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا۔

اس موقع پر پورے لشکر اسلام میں افراتفری پھیل گئی۔ سب لوگ اُدھر اُدھر بھاگ گئے، صرف عاترہ یا پچیس آدمی ثابت قدم رہے۔ ان میں حضرت البرکاتؓ، عمرؓ، علیؓ، طلحہؓ، ابوطالبؓ، ابو جازفہؓ، سعدؓ وغیرہ شامل تھے۔ ایک صحابی نے حضور علیہ السلام کو زخمی حالت میں پہچانا اور لوگوں کو آواز دی کہ حضور علیہ السلام زندہ سلامت ہیں۔ آپ نے اُسے رازِ پست رکھنے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: اللہ کے بندو! غم نہ کر، ہر جگہ گئے ہو۔ آپ کے ارشاد پر لوگ پھر اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے دشمن کا مقابلہ کیا اور دوبارہ اپنے پاؤں پر گھڑے ہو گئے۔

انہی بنی ہستی
 ذاتِ خداوندی

آج کی آیت میں حضور علیہ السلام کی شہادت کی افواہ پھیلنے سے جو بددلی پیدا ہو گئی تھی، اس کی طرف اشارہ ہے۔ اور مسلمانوں کو توبہ کی جا رہی ہے کہ اس قسم کے واقعات سے بد دل نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ یہ یکس فطری عمل ہے جو عیشہ سے ہوتا رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ كَمَا سَبَقَ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر اللہ کے رسول۔ آپ رسول ہیں۔ خود خدا تو نہیں جو انہی ابدی ہستی ہے۔ بحیثیت رسول آپ کو بھی وہ آزمائشیں آسکتی ہیں جو آپ سے پہلے رسول پہ آئیں۔ اللہ کے بہت سے رسول طبعی موت کے ذریعے اپنے رب کی بارگاہ میں پہنچے اور ان میں سے بہت کافروں کے ہاتھوں شہید بھی ہوئے۔ لہذا رسول کی موت کے بعد مسلمانوں کا دین سہل پلٹ جانا بے فائدہ رہا۔ نبی اور رسول کی زندگی بھی ایک نہ ایک دن ختم ہونے والی ہے۔ اور وہ صرف خدا کی ذات ہے جو انہی ابدی وحی اور قیوم سے لہذا کسی ایسی توقع صورت میں اہل ایمان کو بد دل نہیں ہونا چاہیے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضور علیہ السلام کی ذات اقدس اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز تھی۔ بعض اوقات انسان اپنی جان فینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں مگر اپنے پیروں و شرابیہ و گنہگار ہستی کے متعلق بہت زیادہ حساس ہوتے ہیں لہذا ان کی تکلیف کے مقابلے میں اپنی جان کی بازی ہکا دینے سے بھی گریز نہیں کرتے، جو لوگ راسخ العقیدہ اور ثابت قدم تھے، ان میں کسی قسم کی بددلی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر حضور علیہ السلام ہم میں موجود نہ بھی رہیں، دین کو تب بھی قائم رہیگا۔ اور اس دین کے لیے محنت اور کوشش کرنا اولین فرض ہوگا۔ دین تو سب ازب اللہ ہی ہے۔ جو انہی ابدی ذات ہے۔ لہذا اس دین کی حفاظت لازم ہے۔ لہذا راسخ العقیدہ مسلمان پھر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔

فرمایا: قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكَ الرُّسُلُ آپ سے پہلے بہت

سے رسول گزر چکے ہیں اِنَّكَ بِمَنْ مَاتَ وہ اپنی طبعی موت سے وفات پا کر
 اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں اَوْ قَتَلَ یا شہید کر دیے جائیں اِنَّكَ لَبِئْسَ
 بے عملی اَعْمَلْتَ بِحَسَبِ تو نے ایمان والوں کو کیا تمہارے اٹھے پاؤں ٹپٹ جاؤ گے
 نبیا اپنے دین کو چھوڑ دو گے۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ رسول کے اس دنیا سے
 رخصت ہو جانے کے بعد دین تو ختم نہیں ہو جائے گا۔ اس لیے تمہیں اپنے
 دین پر قائم رہنا ہو گا۔ یہ خیال دل سے نکال دو کہ جب حضور علیہ السلام تم میں موجود
 نہیں رہیں گے۔ تو تم دین اسلام تک کہ کے پھر اپنے پرانے دین کی طرف پٹ
 جاؤ گے۔ فرمایا وَمَنْ يَنْقُصْ عَلٰى عَصِيْبَةٍ اور جو کوئی اپنی راہریوں پر پیٹے
 گا۔ فَاِنَّ يَنْقُصَ لِلّٰهِ شَيْبٌ پس وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ دین سے
 مرتد ہو کر وہ اپنا ہی نقصان کمرے گا۔ اور یاد رکھو! وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ
 اللہ تعالیٰ شکر ادا کرنے والوں کو بدلہ اور ثواب عطا کرے گا۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ سے مراد ایسوں نے غلط استدلال
 کیا ہے کہ حضور علیہ السلام سے پہلے سب کے سب رسول گزر چکے ہیں جن
 میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ اس سے وہ آپ کی موت ثابت کر کے
 اپنے جعلی مسیح مرزا قادیانی کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں۔ حالانکہ عبداللہ بن مسعودؓ
 کی روایت کے مطابق الرسل سے مراد سب سے رسول نہیں بلکہ کچھ رسول مقرر
 چکے ہیں۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اگر مرسد سے سائے
 رسول بھی مراد لیے جائیں تو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت نہیں ہوتی۔
 کیونکہ آسمان پر اٹھا یا جا بھی گزر جانے کے مفروضہ ہے۔ اس دنیا سے
 تو وہ ایک دفعہ گزر کر ہی آسمان پر گئے ہیں جہاں وہ تہذہ ہیں اور قرب قیامت
 میں دوبارہ نزول فرمائیں گے۔ مرزائیوں کا عقیدہ محض اجل، احماد اور کھڑ ہے۔
 اس آیت سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت نہیں ہوتی۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ٹھکر کر کے لے والوں کا ذکر کیا ہے کہ انہیں

اچھا بدلہ دیا جائے گا۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ یہاں شکر ادا کرنے سے مراد دین پر ثابت قدم رہنا ہے۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ امیر المومنین تھے کیونکہ وہ جنگ احد کے موقع پر ثابت قدم رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر جب صحابہ کرامؓ سخت پریشانی کے عالم میں تھے۔ تو صدیق اکبرؓ نے یہی آیت تلاوت کی تھی۔ **وَمَا مَحْقُودٌ اِنَّ رَسُوْلًا مِّنْ اِلٰہِ سَبَّحْتَہُ کُلَّ نَہَارٍ** اور سب سے بڑی نعمت ایمان ہے جسے نصیب ہو جائے۔ جو شخص ایمان پر ثابت قدم رہے گا۔ اس کے پاؤں میں لغزش نہیں آئے گی۔ یقیناً وہ شکر گزار ہو گا۔ احد کے میدان میں جب مسلمان کفار کے دو گدے دھوکے کے درمیان گھبرائے، حضرت علیؓ کی شہادت کی افواہ اڑ گئی تو کئی صحابہؓ ستر بہتر ہو گئے۔ پھر جب آپؐ کو زندہ سلاط کی پایا گیا تو صحابہ کرامؓ دوبارہ آپؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ اپنی لغزش پر نادم ہوئے اور پھر ثابت قدم ہو گئے۔ آگے آئیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس لغزش کو حیات فرما دیا۔ الغرض یہاں پر شکر گزار رہی سے مراد ایمان پر ثابت قدمی ہے۔

ابن تیمیہؒ نے حضور علیہ السلام کا دفاع کرنے والے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو شدید کر کے حضور علیہ السلام کی شہادت کی افواہ اڑادی تھی۔ آپؐ نے اس پر سخت کے متعلق فرمایا تھا۔ خدا تیری جڑ اکھاڑ دے۔ اس شخص کی سزا کے متعلق دو روایات ملتی ہیں۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ اس لڑائی میں حضرت ابو جہلؓ نے اس کا سر قلم کر دیا تھا۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ یہ شخص کہیں پہاڑوں کے درمیان گھر کر رہا تھا۔ اچانک ایک جنگی بجزا جسے عسریٰ میں دھل سکتے ہیں نمودار ہوا، اور اس نے ابن قیسؓ پر حملہ کر کے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس وقت اسلام کے لیے بھی بڑے بڑے دشمن تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ اور اوسہ بن زیدؓ اور بعض دیگر لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے بعد میں ایمان کی دولت نصیب فرمائی۔ جنگ ہند میں حضرت حمزہؓ نے ہندوؤں کے بیٹے کو قتل کیا تھا،

لے آپ سے سخت عداوت تھی۔ چنانچہ آپ کی شہادت پر ہندوؤں نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا۔ اور آپ کا منہ بنایا، مگر وہ بھی البرصیانہ کے ساتھ ایمان لے آئی۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ثابت قدم رہنے والوں کو اچھا بدلہ دیگا۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو کسی حالت میں بھی ہول نہیں ہونا چاہیے، رکھی بڑی سے بڑی ہتھی کے قوت ہونے پر بھی جبرِ فرع نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ وہ بہر حال خدا کی مخلوق ہے اور اُسے ایک نہ ایک وقت پر قوت ہونا ہے۔ دنیا میں کسی بھی کو دوام نہیں۔ صرف ذاتِ خداوندی ہمیشہ قائم و دائم ہے۔

موت کا
وقت معلوم ہے

فرمایا وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كَيْ نَحْيِيَ
یہ بات نہیں ہے کہ وہ موت مگر اللہ کے حکم سے۔ ہر نفس کی موت اللہ کے حکم سے ہی واقع ہوگی۔ اور موت کیا ہے کِتَابٌ مُنَوَّجٌ؟ ایک مقررہ زشتہ ہے۔ موت اپنے مقررہ وقت سے ایک سیکنڈ بھی آگے پیچھے نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ کے علم اور لوح محفوظ میں ہر چیز لکھی ہوئی ہے کہ فلاں شخص اتنی عمر پائیگا اور فلاں وقت میں فلاں بیماری یا قتل حادثہ میں اس کی موت واقع ہوگی۔ مقصد یہ کہ جس طرح ایک عام امی کی موت کا وقت مقرر ہے اسی طرح اللہ کے برگزیدہ انبیاء بھی اپنے اپنے وقت پر داعی اجل کو لبیک کہتے رہے ہیں۔ مگر ان کا لایا ہوا دین قائم رہا ہے۔ لہذا نبی کے بعد بھی اُس کے دین پر ثابت قدم رہنا ضروری ہے۔ اہل اسلام کو سمجھایا جا رہا ہے۔ کہ دین کا دامن کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑنا۔

فرمایا ہر شخص کے لیے اجر و ثواب اسکی نیت اور ارادے کے مطابق ملتا ہے وَمَنْ تَبِعْهُ ثَوَابُ الْمُتَّبِعِينَ جَمْعُ ثَوَابٍ دین کا ارادہ کمر بستہ نہ رہنا چاہیے۔ اُس کو دنیا میں سے ہی بدلہ دیتے ہیں۔ ہاں یہ بات ہے۔ کہ ہر طور پر جو چیزیں انہیں کرتے بلکہ جتنا چاہتے ہیں اتنا دیتے ہیں۔ سورہ نبی اسرائیل میں آتا

ہے عَجَّلْنَا لَهُ رِقَبَتَهَا مَا أَشَدَّ ذُنُوبَیْکِ ہر خواہش پوری نہیں ہوتی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قضاء ہے، جتنا پہلے عطا کر دے۔ برصلاف اس کے وَمَنْ يُؤْتِ ثَوَابَ الْخَيْرِ جوں جوں اُحسنرت کے ثواب کا طلب گار ہے تُوْتِرَ مِنْهُمَا ہم اُسے آخرت میں سے بلکہ دیں گے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص دنیا کی خواہش کرتا ہے وہ غرض فانی کے لیے کرتا ہے، جو چند روز بعد ختم ہو جانے والی ہے اور جو کوئی آخرت کی خواہش کرتا ہے۔ تو اس سے مراد خدا تعالیٰ کی رضا ہے، جو دائمی ہے آخرت کی خواہش کے ذریعہ سے ہی اِن اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ جس سے دین قائم ہوتا ہے۔ اسلام کہ غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ یہی چیز روحانی ترقی کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے دلِ عزت و کرامیابی کی دلیل ہے۔ اس خواہش کا مقصد حیدر ہے کہ اِن حَیْزَةُ الْقُدْسِ کا مہربان بن جائے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جائے۔ فرمایا وَمَنْ يَشْكُرْ لِي اللَّهُ الشَّكْرَ کَرِيمٌ ہم شکر ادا کرنے والوں کو پورا پورا بدلہ دیتے ہیں۔ اور شکر گزار ہی یہ ہے کہ انسان ایمان و توحید، اخلاص اور فرمانبرداری کے کاموں پر ثابت قدم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ سب سے پہلی ثابت قدمی حضور علیہ السلام کے صیبر کو لازم کر چل ہوئی، جو براہِ راست حضور کے فیض یافتہ تھے۔ جو سختوڑی بہتہ کمزوریاں رہ گئیں تھیں، وہ بھی رفع ہو گئیں۔ اُن کی غلطیاں معاف ہو گئیں اور وہ لوگ مجموعی طور پر شکر گزار بن گئے۔ یہی لوگ ایمان کی دولت کے حصہ فطرتی ایمان ہی اُن کی سب سے قیمتی متاع تھی۔ جسے استوں نے آئندہ نسلوں کو منتقل کیا۔ ایمان کے علاوہ باقی سب چیزیں فانی اور بے حقیقت ہیں۔

پیدا نہ ہونے دیں۔ بات سمجھائی کہ اللہ کا رسول خدا نہیں ہے، جزا زنی ابدی ہو۔
 بلکہ عام انسانوں کی طرح رسول نے بھی موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ مگر اللہ کا رسول
 تم میں وجود نہ ہے، تو کیا تم دین کو چھوڑ جاؤ گے دین تو اللہ کا ہے، جو حسی اور قیوم
 ہے، قائم و دائم ہے، لہذا اس کے دین کی جدوجہد ہمیشہ جاری رہنی چاہیے۔
 آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے گزشتہ بیاد اور ان کے ساتھ شریعت
 کو کمال کا تذکرہ فرمایا ہے۔ کہ وہ لوگ قربانیاں دے کر دین کی تقویت کا باعث
 بنتے ہیں لہذا وہ لوگ مسلمانوں کے لیے اچھا نمونہ ہیں ان کی اقتداء کرنی چاہیے
 سورۃ البقرہ میں اسرائیلی پیغمبر حزقیل علیہ السلام کا ذکر آچکا ہے۔ آپ کے پیروکاروں کی
 ایک جماعت حضرت طاووسؑ کی سرکردگی میں دشمن سے نبرد آئندہ ہوئی۔

جہاد
 اہم رہے

یہی ہی واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے
 وَمَنْ يَنْتَهِ عَنْ قِتَالِ يَوْمِئِذٍ فَأُولَٰئِكَ صَفَحْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنْ يُجَادِيَ الْمُشْرِكِينَ شَيْئًا
 جنگ کی، اس حالت میں صفا دے دیں گے۔ کہ ان کے ساتھ کثیر تعداد
 میں تب واسلے اللہ واسلے بھی شامل تھے۔ مسلمانوں کو بتلانا یہ مقصود ہے۔ کہ
 جہاد کا حکم صرف آخری امت کے لیے ہی مخصوص نہیں۔ بلکہ سابقہ انبیاء کے
 لیے بھی ہے، اس حکم کی شرح تھا یہی طرح نبیؐ، خدائیں اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے
 سینے سے۔ حتیٰ اور باطل کی کشمکش ہمیشہ سے ہے۔ لہذا ہر امت کے لیے
 جہاد کرنا ضروری رہا ہے۔ اے مسلمانو! تم کو یہ کہو کہ جہاد ہی میں تمہاری اور تمہارے
 دین کی بقاء ہے۔ جو قوم جہاد ترک کر دیتی ہے وہ صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہے
 رَبِّنَا نَبِّئْنَا كَمَا نَفَعْنَا لَنَا ذَٰلِكَ الْقَوْمَ الَّذِي كَفَرُوا وَقَدْ يَلْقَوْنَ فِيهَا
 بھی عرض کیا تھا کہ برقی یا ربانی سے ماورب واسلے اللہ واسلے میں۔ یہ وہ
 لوگ ہیں جو اپنے انبیاء پر ایمان رکھنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت
 کو تسلیم کرتے ہیں۔ بچے دین کی تعلیم پر عمل کرتے۔ اخلاص اور صداقت سے محمود ہیں
 میں لوگ۔ یہی ہیں جن کی نسبت اپنے رب کی طرف ہے، چونکہ یہ لوگ اپنے انبیاء

اس کے سوا کوئی اور بات نہیں ہوتی۔ وہ یوں کہتے ہیں رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا
 نے چاہے پھر درگاہ! ہم نے گناہ معاف فرما دے دو سہارے ہیں گنہگار ہے
 حضرت طاہرہؑ کے ساتھیوں نے بھی یہی دعا کی تھی۔ کہ اے اللہ! ہمارے
 گناہوں کو بخش دے۔ یہاں پر بھی یہی الفاظ ہیں اللہ والوں کا ہمیشہ سے یہ شیعہ
 رہا ہے کہ جب میدان جنگ میں دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے، تو وہ اپنے پروردگار
 سے دعائیں کرتے ہیں، رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ سے تحقق کا بہترین فدیہ ہے۔ اس
 کو عمر میں کسی وقت ترک نہیں کرتے۔ دعا عبارت کا پتہ اور غرض ہے بخود حضور
 علیہ السلام شمس غزوات میں بغیر شریک ہونے جن میں سے آقا
 غزوات میں بالفعل لڑائی ہوئی۔ حضور نے مسلمانوں کو یہی دعا سکھائی اللہم
 مَا نَزَلَ الْکُتُبَ مِنْہِ السَّحَابِ - ہ زَمِ الْاِحْزَابِ اِنْہِمْ
 - اِنْہِمْ لَعَلَّہُمْ لَے لَکَ الْمَلِکَ جَرِکَابِ کو نازل فرماتا ہے اور
 ہا ولوں کو اٹھاتا ہے، دشمنوں کے قدموں کو اکھاڑ دے اور ہماری مدد فرما۔
 فتح مکہ کے دن آپؐ کو وصفا پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْجَلَنَا
 وَنَعَا وَنَصَّ عِبَادَہُ وَنَهَضَ اَیْمَانَنَا وَنَعَا اُسْ خَدَاوَدَ قَدَسَ کُلَّ کُلِّ لَکَ
 شکر ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور دشمنوں کو شکست
 دی، وہی اللہ وعدہ لا شریک ہے۔ اس کے سوا کوئی مددگار نہیں۔ آپؐ نے
 مجاہدین کو سکھایا کہ میدان جنگ میں جا کر یوں دعا کیا کہ وَ اَنْتَ اَمِیْنٌ مَّوَدُّ عَدُوِّکَ
 لَے اللہ! خوف کی حالت میں ہیں، امن نصیب فرما۔ وَ اَنْتَ مَعُوذٌ لِّرَبِّکَ
 اور ہماری کمزوریوں کی پروردہ پوشی فرما۔

جنگ کے موقع پر حضور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف دعائیں عطا فرمائی
 کو سمجھیں تاہم جو دعائیں قرآن پاک نے بیان کی ہیں، وہ بڑی اہم دعا ہے۔
 فرمایا کہ مجاہدین کی زبان پر یہ دعا ہوتی ہے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا لَے اللہ
 ہمارے گناہ بخش دے۔ ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، جنگ، اعداؤں، تھوڑی

سی فرما ہی ہو گئی تھی، اسی حشر کی صفائی ہوئی جا رہی ہے۔ وَلَا تُرَاوُنَّ فِي الْقُفْرِ مَكَانًا ہے
 معاملات میں جو زیادتیاں ہوئی ہیں، حدودِ اعتدال سے جو تجاوز ہو رہا ہے، ہم اُن کی
 بھی صفائی مانگتے ہیں وَبَشِّرْتُ أَفْئِدَةً مِّنْهُ اور پہلے قدموں کو مضبوط فرما، ان
 میں لغزش نہ آنے پائے۔ اور ہم تیرے دین کی سرحدی کے لیے قوسے رہیں۔
 جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے جس طرح اہل ایمان کے قدموں کو مضبوط کیا اُس کا
 ذکر سورۃ انفال میں آتا ہے وَبَشِّرْتُ رَبِّوَا اِنَّ فَدَاوُۡنَ اللّٰہ تعالیٰ نے
 مسلمانوں کو یاد دلایا کہ وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے غنزلوں کی شکل میں
 تم پر اطمینان کی کیفیت جاری کر دی۔ تمہارے لیے آسمان کی طرف سے پانی
 نازل ہوا کہ تمہیں پاک کرے، تم سے شیطان کی سبب سے شیطان کی دوسرا ذلیل
 کو دور کرے، تمہاری ہمت بندھ جائے۔ اور اس کے ذریعے تمہارے قدم
 جھانسے۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر فرشتوں سے بھی کہا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ
 ساتھ ہوں فَدَّيْتُمْ اَۤلَآذِیْنَ اَعْرَضُوْا پس تم اہل ایمان کے قدم مضبوط کرو۔
 مقصد یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے قدم مضبوط کرے تو پھر کامیابی یقینی ہے۔
 اور اگر خدا کسی قوم کے قدم اکھاڑے۔ تو کہیں پٹا نہیں مل سکتی۔

مجاہدین کی دعا کا چوتھا جزو ہے وَالنَّصْرُ نَاعَلٰی الْقَوْمِ الْكَافِرِیْنَ
 اے اللہ! کافروں کی قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ کیونکہ ہم تیرے
 دین کی خاطر جنگ لڑ رہے ہیں۔ اور کافر تیرے دین کی نافرمانی کا پیغام دنیا میں
 پہنچا رہے ہیں۔ ہم تیری اطاعت اور فرمانبرداری کو دنیا میں غالب کرنا چاہتے
 ہیں، ہم مدد کے مستحق ہیں، لہذا ہماری مدد فرما۔ مجاہدین کی اس دعا میں ہمارے
 لیے بھی تعلیم ہے۔ کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ایسی ہی دعا کرنی چاہیے۔
 جب بھی میدانِ جدو میں اتریں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت کی دعائیں کریں۔
 الغرض! اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء اور ان کے مجاہدین کا تذکرہ کر کے ہمارے
 لیے مشعلِ راہ قائم کر دی۔

فرمایا: جو لوگ اپنے پیارے نبیؐ کی حیثیت میں جہاد کرنے لگے تھے، اور اس کے
 حصہ دہانیں نہ کرتے تھے، فَاتَّخِذُوا مَعَ اللَّهِ ثَوَابًا. اُنہیں ان کو اللہ تعالیٰ
 نے دنیا کا ثواب عطا کیا، یعنی انہیں دنیا میں فتح عطا کی جیسے سورۃ صرف میں فرمایا
 وَخُذْ بِلِصَّةِ نَارِكَا لَتَصُوغُوا مِنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ جب دشمن سے
 ٹھہرہ جھگڑ ہو، تو مسلمان کی خواہش یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اسے فتح نصیب فرمائے۔
 تاکہ خدا کا دین غالب ہو۔ كَلِمَةً اللَّهُ هِيَ الْغَنِيَّةُ تاکہ اللہ کی بات بلند ہو
 جائے۔ اور اس کے دین کے دشمنوں کے اذ سے ناکام ہو جائیں۔ چنانچہ دنیا
 کے ثواب سے مراد فتح و نصرت اور بالفتح ماہ غنیمت ہے مگر سب سے بڑی کامیابی
 اللہ کے حکم کی پابندی ہے۔ باقی سب چیزیں اس کے تابع ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے انہیں نہ صرف دنیا کا ثواب عطا کیا بلکہ وَحَسَنَ ثَوَابٍ
 الْخَيْرِ یعنی آخرت کا بہتر اجر بھی دیا اور یہ بہتر اجر اظرفی کامیابی، نجات
 اور جنت میں داخلہ ہے۔ ظاہر ہے کہ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ
 عَلَى الْقَاعِدِينَ درجہ اللہ تعالیٰ نے بیٹھنے والوں کے مقابلے میں
 جہاد کرنے والوں کو فضیلت بخشی ہے۔ فرمایا جنت کے سورتے ہیں۔
 اللہ تعالیٰ مجاہدین کو بلند سے بلند درجہ عطا فرمائے گا۔ وہ مجاہدین جو دین
 کی اشاعت اور کفر کو مغلوب کرنے کے لیے اپنی جان بھیلی پر رکھ کر
 میدان جہاد کی طرف چلتے ہیں۔ یہ کہ فی سبیل اللہ عمل نہیں ہے بہت بڑی ہمت
 ہے جس کی تفصیلات قرآن پاک اور احادیث میں جگہ جگہ موجود ہیں۔

فرمایا در کھو! وَاللَّهِ يُجِيبُ الْمُضْطَرِّينَ اللہ تعالیٰ اپنی کینہیوں
 کو پسند کرتا ہے۔ اُن سے محبت رکھتا ہے۔ نیکی کے کاموں میں جہاد،
 دین کی افہامت، صبر، خدا کی فرمانبرداری، اخلاقی رسوم۔ دنیا میں حدود اللہ
 کا اجراء، مصائب پر صبر، بلند ہمتی، اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے ہر وقت
 تیاری یہ سب باتیں شامل ہیں۔ اگر کبھی وقتی طور پر مسلمانوں کو نقصان پہنچا اور

کافروں کو عارسی کامیابی بھی حاصل ہو گئی تو اس سے کافر اللہ کے محبوب نہیں بن
 سکے۔ بلکہ خدا کے محبوب ہمیشہ نیکی کرنے والے ہی ہوتے ہیں۔ دنیا کا انکار چڑھاؤ
 محض آزمائش کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اس میں بھی بہت سی کھلیں
 ہیں جن میں سے چار کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ ہر حال اللہ تعالیٰ نیکی کرنے
 والوں کو ہی محبوب بنا آئے۔

لن تنالوا

العرصن ۳

آیت ۱۴۹، ۱۵۰

درس پنجم کیا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَصِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا
يُرْدُوكُمْ عَلَى عَقَائِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ①۴۹
بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ①۵۰ سَلِّقُوا
فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ
مَا لَهُمْ لِيُزِيلَ بِهِ سُلْطَانَهُ وَمَا لَهُمْ مِنَ الشَّيْءِ
وَبِئْسَ مَثْوًى لِلظَّالِمِينَ ①۵۱

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم ان لوگوں کو بائیس کر دے گے جنہوں نے کفر کیا، تو وہ تم کو چاروں طرف سے ہٹا دیں گے تمہاری پیٹھ پر، پھر تم لوٹے ہوئے نقصان اٹھانے والے ہو گے۔ ①۴۹ جلد: اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ بہتر مددگار ہے والا ①۵۰
عقرباب: ہم ان لوگوں کے غم میں نہ غمناک نہ ہوں گے جنہوں نے کفر کیا اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا ہے ایسی چیزوں کو جن کے بارے میں اللہ نے کوئی دین نازل نہیں کیا۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظلم کرنے والوں کا بہت بُرا ٹھکانا ہے ①۵۱

رہا آیت

گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ نبیا اور ان پیغمبروں کا رد کیا ہے جو ایمان لائے اور اہل ایمان کو ترغیب دی کہ وہ بھی انہی لوگوں کا طریقہ اختیار کریں جو سابقہ انبیاء کے پیرو ہیں۔ انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک بنائے اور شریکوں کو اللہ کے برابر قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کھینچ لیا اور دنیا و آخرت کا ثواب لے لیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کھینچ لیا اور دنیا و آخرت کا ثواب لے لیا۔

اور صبر کرنے والوں کو پسند نہ کرنا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کے نبیوں اور
 اُن کے سننے والوں کا راستہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ برخلاف اس کے مخالفوں
 اور منافقین کے اقرار و افعال سے بچنا بھی ضروری ہے۔ دشمن کے غلط پریکٹیس
 سے اہل ایمان میں بدولی پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ لہذا دشمن کی چالوں سے
 ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیئے۔ جنگ احد کے واقعات بیان ہو چکا ہے۔ کہ
 جب حضور علیہ السلام زخمی ہو کر گر گئے، تو مشرک حملہ آور نے مشورہ دیا کہ خود بائیں
 آنحضرت علیہ السلام کو نشیہ کر دیا گیا ہے۔ اس غلط پریکٹیس کی بنا پر مسلمانوں میں بدولی پیدا
 ہو گئی بنی فقیہ کے موقع مل گیا۔ وہ کہنے لگے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 ہی ہمارے درمیان موجود نہیں ہے۔ تو پھر ہمیں اُن کا دین چھوڑ کر اپنے دین
 کی طرف لوٹ جانا چاہیئے۔ بعض نے کہا کہ البسغیان سے ماں حاصل کر لینی
 چاہیئے پر سب پریکٹیس اچھا، تاکہ مسلمان اپنے دین سے پھر جائیں۔ اللہ تعالیٰ
 نے ایسی باتوں کا رد فرمایا ہے۔ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ اللہ نے
 فرمایا وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ یعنی حضور نبی کریم علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں۔ وہ
 خود خدا نہیں جو انہی اہل ہستی ہے۔ بلکہ وہ تو فانی ہیں۔ اگر موت یا شہادت کی بنا پر
 وہ اس درجہ فانی سے شہادت ہو جائیں تو کیا تم آپ کے لائے ہوئے دین کو
 ترک کر دو گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا دین قیامت
 تک قائم ہے گا۔ مثلاً لو کہ منافقین کے پریکٹیس اسے متاثر نہیں ہونا چاہیئے۔
 ارشاد ہوتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ إِذَا رَأَيْتُمُ الْمُشْرِكِينَ يَتَّبِعُونَهُمْ
 اُنہیں کہتے ہو کہ اگر تم کافروں کی بات مانو گے اور منافق بھی کافروں کی مثل
 ہیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ مَسِيرُهُمْ عَلَىٰ سَعَابٍ كَثِيرَةٍ کہ وہ تمہیں پٹا دیں گے
 تھماری ایڑیوں پر۔ مراد یہ کہ ان کی کوشش یہ ہوگی کہ وہ تمہیں دین حق سے
 دوبارہ جاہلیت کی طرف لے جائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا فَتَقْتُلُوا رُسُلَهُمْ
 خیر حسین کہ تم سخت نقصان اٹھانے والے بن کر ٹیٹ جاؤ گے۔ مقصد

علیم نقضان

کہ اپنے دین پر قائم رہو۔ ہر حالت میں دین کی حفاظت کرو۔ تمہیں وقتی طور پر فتح ہو یا شکست آئے دین پر ہر صورت میں قائم رہو۔ اگر تمہارے دین کے پاکیزہ نظریات کو ترک نہ دیا۔ تو ہر کفر و جہالت کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ اور یہ سب کے برائے نقصان ہوگا۔

لہذا مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ کافروں اور منافقوں کی بات نہ بنیں ورنہ وہ تمہیں دوبارہ جاہلیت کی طرف پھریں گے۔ حدیث شریف میں آئی ہے کہ جس شخص کے دل میں ایمان نہ آسکے ہو گیا ہے اس کو اگر گمراہی کے قلعوں میں بھی ڈال دیا جائے تو وہ کفر کی طرف پلٹنا پسند نہیں کرے گا۔ وہ ہر قسم کی مشکلات برداشت کرے گا مگر ایمان کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ پہلے بھی گھر چکا ہے کہتے ہیں یا انہو۔ لَا تَخْذُوا بِدِينِهِمْ هَذَا دُونِ كَفَرِهِ یعنی ایمان والوں کو چھوڑ کر دوسروں کو پیروی نہ کرو۔ کافروں کو اپنے معاملات میں دخل نہ ہونے دو۔ ورنہ وہ تمہیں کفر کی طرف لے جائیں گے۔ یہود و نصاریٰ ان سے بھی بدتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ مِنْ شَيْءٍ سَأَلَكَهُنَّ اللَّهُ تَحْقِيقًا یہود و نصاریٰ کبھی راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کا دین اختیار نہ کرو۔ اسی سے اللہ تعالیٰ نے ان ایمان کو ثابت قدمی اور دشمن کی سازشوں سے ہوشیار رہنے کی تلقین کی ہے۔

اس وقت دنیا میں مسلمان جس تنزل کا شکار ہیں اسکی اسی فیصد وجہ کفار کی مداخلت ہے۔ یہ کفر و کفرانوں کے قوانین، سیاست، تجارت، تعلیم، تہذیب وغیرہ میں داخل ہیں۔ غیر مسلم کافر ہوں یا مشرک، یہودی ہوں یا نصرانی، کیموست ہوں یا دہریہ وہ جیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی تدابیر کرتے ہیں۔ اپنے ملکوں میں تعلیم کے نام پر نیسے شاگرد بنا کر بھیجتے ہیں جو مسلمانوں کے نظریات کو جڑ بنیاد سے اکھٹڑ کر رکھ دیں۔ ڈاکٹر فضل الرحمن ایک صالح آدمی مروجہ تعلیم کا بیٹا تھا جو کہ شیخ احمد کا شاگرد تھا۔ سیکرٹریہ یورپ کے تھے چڑھ گیا۔ سمجھ کا شاگرد

مسلمانوں کے
تنزل کی وجہ

تقدیر جس نے اس کے ذہن کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ صدر ایوب کے زمانے میں اس نے کتاب
 لکھی تھی جس میں قرآن پاک کے وحی الہی ہونے کا انکار کر دیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ پورے
 کا پورے قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ اس میں آدھا یا کچھ کلام حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ
 وسلم کا ہے۔ مقصد یہ کہ غیر مسلم لوگ مسلمانوں کو اپنے دین تعلیم سے کر آن کے بنیادی نظریات
 پر اصرار انداز ہوتے ہیں اور پھر انہی کے ہاتھوں ان کی قوم کو نقصان پہنچاتے ہیں۔
 رد میں کیا کر رہا ہے۔ اختلافات ان اور ایمان وغیرہ میں اپنے نظریات پھیلا رہا ہے
 مسلمانوں کی آج ذہن مالی ہے کہ ان کی مرکزیت ختم ہو چکی ہے۔ رسوخ
 عقیدہ مغفور و سہل۔ قرآن پر غور و تدبر کرنا چھوڑ دیا ہے۔ حضور علیہ السلام کی تعلیمات
 سے دلچسپی نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے دین اور اخلاق دونوں بگڑ چکے ہیں۔
 کفار جیسے تمام معاملات میں دخیل ہیں۔ ترکی کے معاملات میں اس بچہ دخل انداز
 کر رہا ہے۔ عرب اس کے مندرجہ کے بغیر کوئی بات نہیں کر سکے، ترقی پذیر
 ممالک میں بدو انداز وہاں سے آتے ہیں۔ لہذا مسلمان ترقی کی بجائے تفریق کی
 طرف جا رہے ہیں۔ اللہ نے اس سے خبردار کیا ہے کہ اگر ان کی بات نہ
 گئے تو وہ ہمیں دوبارہ کفر کی طرف سے جانیں گے عیسائی مشنریاں اس پر
 منتظر ہیں۔ مسلمان ممالک میں خاص طور پر کام کر رہی ہیں۔ تیس تیس سال تک
 کام کرنے کے بعد رپورٹ دیتی ہیں کہ اگرچہ مسلمانوں کو عیسائی تو نہیں بنایا جا
 سکا۔ مگر ان کے نظریات اس قدر بگاڑ دیے گئے ہیں کہ وہ مسلمان بھی باقی
 نہیں رہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان خطرات کو محسوس کریں۔ اپنے گام خود
 استیقام دیں اور غیر مسلم اقوام کی مداخلت بند کریں ورنہ وہ کفار کے چنگل سے
 کبھی آزاد نہ ہو سکیں گے۔

فرمایا: اخبار سے منہ موڑ کر صرف اللہ ہی پر عبور رکھنا چاہیے۔ بَلِ اللّٰہُ
 ھُوَ الْمَوْلٰی کَلِّمَ اللّٰہِ تھرا مولا ہے۔ مولا کے بہت سے معنی آتے ہیں
 جیسے آقا، سید، ناصر، معین، ساتھی، آزاد کیا ہوا غلام، چچا زاد بھائی وغیرہ۔

تقریباً پچیس مئی ہیں۔ شہریاں جو مولائے مراد مددگار ہیں۔ خود اللہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا اَنْتَ مُؤْتِیْہِ لَفْظ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کی کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ سیدنا اور مولانا یعنی حضور ہمارے آقا، سرور اور راہنما ہیں۔ تاہم اس مقام پر اہل اسلام کہہ سکتی ہیں کہ اختیار کی تمام تر سازشوں کے خلاف تمہارا مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ یقیناً تمہاری مدد کرے گا وَهُوَ خَیْرُ النَّاصِحِیْنَ وہ بہتر مدد کرنے والا ہے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم اس کی وعدہ نیت پر صدقہ دل سے ایمان لاؤ۔ اُس نے ہمیشہ اہل ایمان کی مدد فرمائی ہے وَلَقَدْ فَتَنَّا کُیْوْمَ لِلّٰہِ جُبْدٌ وَاَنْتُمْ اَذْلَکُمْ اُس نے تمہاری عز و ہر میں مدد فرمائی حالانکہ تم اس موقع پر بہت کمزور تھے۔ اُس نے خدین کے موقع پر بھی تمہاری مدد فرمائی اس کی مدد ایسے طریقے سے شامل حال ہو جاتی ہے کہ انسان اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اسلام
کا رعب

اہل اسلام کی مزید تسلی کے لیے فرمایا سَلٰیحِیْ فِی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَللّٰہُ یُجَبِّدُہُمْ کَا فِرُوْا کُیْوْمَ فِیْ عَشْرِیْبٍ رَّعِیْبٍ قُرْآن میں لگے۔ جنگ احد کے موقع پر ایسا ہی ہوا۔ انصار کا فروس کو کامیابی حاصل ہوئی۔ بہت سے اکابر مسلمان شہید ہوئے۔ مگر پھر کافر وہاں بھڑکنے لگے۔ انہیں واپس ہی جانا پڑا۔ ایک موقع پر ایوسفیان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مسلمان تعداد میں غنڈے سے ترستے، ان میں سے شہید اور زخمی بھی ہوئے۔ مگر ہم پھر بھی واپس پیٹ رہے ہیں۔ واپس کہ ان کا کام تمام کر دینا چاہیے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ انہیں دوبارہ حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور واپس سبک دھڑ گئے۔ البتہ شی مکرم علیہ السلام اور آپ کے زخمی صحابہ نے آٹھ میل تک گھاؤ کا تعاقب کیا۔

فرمایا اُن پر رعب اس لیے مسلط کر دیا چکا اَنْتُمْ کُیْوْمَ بِاللّٰہِ کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک بنائے ہیں۔ اور شرک سے ضعف پیدا ہوا ہے۔ اور عیبت

بھی ہو تو وہ جیسے سب جاہلیہ ہوتی ہے۔ بعض اوقات وہ تعصب اور عناد کی وجہ سے
 بہادر ہی کا ثبوت بھی پیش کرتے ہیں مگر عقل اور بصیرت سے خالی ہوتے ہیں
 بر خلاف اس کے اگر کومن کو قوی طور پر تفتیش جو پہنچے تو وہ بصیرت اور
 سمجھ بوجھ سے کافرانہ سے ہوتے ہیں۔ ان میں دین اور کفروری پیدا ہوجاتی
 ہے۔ وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہوتے ہیں۔ مستحکم کا جان دیکھ لیں۔ فیذا
 سی بات پر شگون لیتے ہیں۔ وہ خود اعتمادی
 سے ہی ہوتے ہیں۔ اور کسی مستحکم وہ نہایت کا تہ رہ جاتے ہیں۔

ذلیل
 شرک

فرد یا یہ رنگ جس شرک کا ارتکاب کرتے ہیں وہ یہاں تک کہ کفر نہیں
 پہنچتا جسکی اللہ نے کوئی سند یا دلیل نہیں دی، سلطان کا معنی غلبہ
 بر ذلیل وغیرہ ہے۔ صاحب اقتدار کو بھی سلطان کہتے ہیں یعنی طاقت
 اور قوت والا۔ ہر حال یہاں سلطان کا معنی ذلیل ہے کہ مشرکین کے پاس شرک کی
 کوئی دلیل نہیں بلکہ محض اپنے داد یا باپ یا قوم کی اندھی تقلید ہے جس پر یہ لوگ مصر ہیں
 اس کے برخلاف کفر کی تردید میں ہزاروں دلائل موجود ہیں۔ ان میں عقلی، نقلی، تاریخی
 سمعی، باہری ہر قسم کے دلائل موجود ہیں۔ انسان ذرا سا غور کرے تو اس کی سمجھ
 میں یہ بات آجکتی ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ ایک سچا ہی ہے میں یا
 گھاس کے ایک تنکے کی تخلیق پر غور کریں تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سمجھ میں آجکتی
 اللہ تعالیٰ سنہ دو کھ مہام پر قطع طور پر فرمادیا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَا يَلُفُّ لَهٗ سُلْطٰنٌ
 شرک کی کوئی دلیل نہیں محض انسانی ساری باتوں کے پیچھے گئے ہوئے ہیں۔ وہ اس
 کا نتیجہ یہ ہے وَهٗذَا هٗذَا الْمَثٰلٰتِ لِقَوْمٍ كٰذِبٰتٍ دوزخ کی آگ
 ہے۔ اور یاد رکھو! رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ظٰلِمُوْنَ كٰثِرٰتٌ بِهٖ
 برا ہے۔ کفر شرک کرنے والے سب کے لئے دوزخ کا نظام ہیں وَهٗذَا هٗذَا لِقَوْمٍ
 عٰقِبٰتُ شَرِّ عٰلَمٍ عَظِیْمٍ ہے۔ یہ اور اس جیسے کا نظم ہے۔ اس کے بعد
 تقویٰ مناجح کرنے والے اور لوگوں کی جان داناں کے تلفت کنندہ دوسرے

لَنْ نَسْأَلَهُمْ

الْعَمَلُ ۲

درس پنجم و دو ۵۳

آیت ۱۵۲ تا ۱۵۴

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّوهُمُ
 بِذُنُوبِهِمْ ۚ حَتَّىٰ إِذَا أَفْشَيْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ
 وَعَصَيْتُمْ مِّنْ أَمْرِ مَا آرَبَكُمْ ۖ مَا تَخْبُتُونَ ۚ
 مِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ
 الْآخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَّفَكُمْ عَنْهُمُ بِنَبِيلِكُمْ ۚ
 وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۚ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى
 الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٥٣﴾ إِذْ تَصْعَدُونَ وَلَا تَلَوْنِ
 عَلَىٰ أَحَدٍ ۖ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي الْأَرْبَابِ
 فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ
 مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا
 تَعْمَلُونَ ﴿١٥٤﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا جب کہ
 تم ان دشمنوں کو کامیاب ہے تھے اللہ کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم ہل
 ہو گئے اور تم نے معاملہ میں جھگڑا کیا۔ اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ اللہ
 نے تمہیں وہ چیز دے دی۔ جسے تم پسند کرتے ہو تم میں سے بعض وہ ہیں جو
 دنیا کا ارادہ کرتے ہیں۔ اور بعض
 وہ ہیں جو آخرت کا ارادہ کرتے ہیں۔ پھر پھر یہ تم کو ان سے تاکہ تم کو دکھ نہ

میں ٹرسے۔ اور اللہ تحقیق اللہ ہے کہ کو معاف کر دیا ہے۔ اور اللہ فضل والا ہے
اہل ایمان پر (۱۵۷) جب کہ تم آؤ پہ جا ہے۔ تمہاری کسی کی طرف نہیں پلٹے
تھے۔ اور اللہ کا رسول تم کو بکارت تھا نیچے سے ایس پہنچایا اللہ تعالیٰ نے تم کو
غم پر غم۔ تاکہ تم اس چیز پر غم نہ کرو۔ جو تم سے فوت ہو گئی ہے۔ اور نہ اس پر
جو تم کو پہنچی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کی خبر کئے دلا ہے، جو تم کہتے
ہو (۱۵۸)

رہنمائیات

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے شرکین اور منافقین کی بات ماننے
سے منع فرمایا۔ اور اس سے پہلے سابقہ ایہ رکھ کر اور ان کے متبعین کا سوء اختیار
کہنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا کہ اگر کافروں اور منافقوں کی بات مانو گے
تو وہ تمہیں الٹا جاہلیت کی طرف سے جانیں گے۔ اور تمہیں تمہارے پاکیزہ
الطریقات سے برگشتہ کر دیں گے جو کہ تمہارے لیے نعمت نقصان کا باعث ہو
گا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ تمہیں مخالفین کے پابگینہ اسے متاثر نہیں ہونا چاہیے بلکہ
اللہ تعالیٰ کی نصرت پر مکمل بھروسہ کرنا چاہیے۔ وہی تمہارا آقا اور مددگار ہے
اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی بیان ہو چکا ہے۔ کہ کفار و شرکین کے نظریات باطل ہیں
وہ جہنم میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں تمہارا عجب ڈال دے گا۔
وہ جہنم کے مستحق ہیں، لہذا ان کی بات کسی صورت میں نہ کرنا۔

غزوہ حد
سری بانوہ

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بیان ہو چکا ہے۔ کہ اے اہل ایمان!
جو تم تھوڑی اور صبر کی راہ پر مستقیم رہو گے، تو یقیناً تم کو مدبری حاصل ہوگی۔ چنانچہ
جنگ احد کے ابتدائی حصہ میں حالات مسلمانوں کے حق میں تھے۔ کافر تعداد
میں بھی زیادہ تھے، اور انہیں مسلمانوں کے ایک ہزار مجاہدین میں سے تین سو کا
لشکر عبداللہ بن ابی منافق کی حیرت میں پہلے ہی غلغلہ ہو گیا۔ کافروں کے پاس
ساہن حرب کی بھی فرمانی تھی مگر مسلمانوں کے پاس محض راہی سامان تھا۔
اس کے باوجود ابتدائے جنگ میں مسلمانوں کا پھہر جاری رہا اور اللہ نے علیہ

عطا فرمایا۔ پس کے قریب کافر و اہل کفر ہو گئے۔ دشمن کے پاؤں اکٹھے گئے اور وہ دور تک بھاگتے چلے گئے۔ کچھ مسلمانوں کی ایک کوتاہی کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پٹ گیا اور اہل اسلام کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک پہاڑی پر حضرت عبداللہ بن جبریلؓ کی قیادت میں پچاس تیر اندازوں کی ایک جماعت مقرر کی تھی اور انہیں حکم دیا تھا کہ جیسے فتح ہو یا شکست تم اپنے مورچے کو مت چھوڑنا۔ جب تیر اندازوں نے دیکھا کہ نیچے مسلمانوں کی فتح حاصل ہو گئی ہے دشمن بھاگ نکلا ہے، تو ان میں اختلاف مئے پیدا ہوا کہ آیا انہیں اپنے مورچے کو چھوڑ دینا چاہیے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق وہیں ٹہر کر رہنا چاہیے۔ ان کے قائد کی رائے یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق انہیں یہیں موجود رہنا چاہیے۔ تاہم اکثریت کی رائے یہ تھی کہ حضور کا موجود رہنے کا حکم مسلمانوں کی فتح تک کے لیے تھا۔ اب جب کہ فتح حاصل ہو گئی ہے تو اب وہاں ٹھہرنا کچھ ضروری نہیں رہا۔ چنانچہ تیر اندازوں کی اکثریت پہاڑ سے نیچے اتر کر مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئی۔ اور پہاڑی پر حضرت عبداللہؓ کے مجاہد صرف دس آدمی باقی رہ گئے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد فرامی ہے المہرب عندی یعنی لڑائی اور فتح سے ہوتی ہے۔ اس ہتھیار کو کفار کے رسالہ کے کانٹہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے آزمایا جو ابھی تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ وہ اپنے دہرے کے تین سو گھوڑوں کے مجاہد اس پہاڑی پر حملہ آور ہوئے جسے مسلمان تیر انداز چھوڑ چکے تھے۔ پہاڑی پر موجود دس مجاہدین کی جماعت حملہ کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئی۔ کفار کے ہجڑے ہوئے سپاہیوں نے جب دیکھا کہ ان کا رسالہ مسلمانوں کے حقیقت میں پہنچ گیا ہے، تو وہ بھی واپس لوٹے اور اس طرح مسلمان جو پہلے ہی قبیل تعلق میں تھے کفار کے دو لشکروں کے درمیان گھبر گئے۔ ان میں ایسی افراتفری پھیلی کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہونے لگے۔

ایک جان چوکر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے اس کے سوا اور انجان میں اسے لگا کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپس میں تنازعہ نہ کیا کرو۔ اس سے تفرقہ پڑ کر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے فتح بزدل ہو جاتی ہے۔ اس کی ہجو اکھڑ جاتی ہے۔ دشمن پر اس کا رعب ختم ہو جاتا ہے۔ مذا جنگ کے دوران مکمل یک جہتی کی فضا برقرار رہنی چاہیے۔

غزوہ احد کے موقع پر یہ حالت برقرار نہ رہ سکی تین سو افراد کا گروہ دینے سے روٹتی کے وقت ہی علحدہ ہو گیا تھا اس کے علاوہ مقام جنگ کے متعلق بھی سمجھوتہ میں اختلاف رائے پیدا ہوا۔ کچھ لوگ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہتے تھے اور بعض دوسرے شہر کے اندر ورجہ بندی کرنا چاہتے تھے اور پھر غریب افتاد یہ ہوا کہ حضور علیہ السلام کی مقرر کردہ پچاس تیر اندازوں کی جماعت اپنے مورچہ پر قائم نہ رہی۔ وحقیقت یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی تھی۔ چنانچہ اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَقَعَبِثَتْ قَوْمٌ تم نے نافرمانی کی جس سے بُرے کام آئے اور کُفر کا بھٹکا بعد اس کے کہ اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھادی جو تم پسند کرتے تھے، تمہاری پسندیدہ چیز تو فتح تھی جو تم نے دیکھ لی۔ دشمن بھاگ رہا تھا اور تم مال غنیمت اکٹھا کر رہے تھے۔ اس کے بعد تم نے نافرمانی کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فوج میں بٹری پھیل گئی۔ اور تمہاری فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔

فرمایا یہ صورت حال اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ مِنْكُمْ مَّنْ يُؤَيِّدُ الذِّبَّ تم میں سے بعض لوگ ایسے تھے جو دنیا کے طالب تھے یہ انہی تیر اندازوں کی طرف اشارہ ہے، جو مورچہ کو چھوڑ کر مال غنیمت اکٹھا کرنے لگے، مال غنیمت کے اسی تعاقب کو حصول دنیا سے تھمیر کیا گیا ہے وَمِنْكُمْ مَّنْ يُؤَيِّدُ الْآخِرَةَ اور تم میں سے بعض دوسرے تھے جو آخرت کے طالب تھے، پچاس میں سے صرف دس گیارہ آدمی رہ گئے تھے جو حضور علیہ السلام کے حکم کی تعمیل میں ہر پچے پر قائم رہے اور شہید ہو گئے۔ بلاشبہ ہاتھوں نے دنیا کے مقابلے میں آخرت

علیہ السلام
علیہ السلام

کو ترجیح دی۔ یہی لوگ آخرت کا ارادہ کرنے لگے تھے۔ فرمایا تَوَصَّوْا فِکُمْ عَنہُمْ
 چہرہ تم کو ان سے پھیر دیا۔ ابتداء میں تم کافروں پر غالب آچکے تھے مگر انہیں
 نافرمانی کی وجہ سے تم کو پیچھے ہٹ پڑا۔ کافروں کے ایک لشکر نے پیچھے سے
 حملہ کر دیا اور دو ستر لشکر سنے واپس ٹپٹ کر مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔
 فرمایا یہ سب کچھ اس لیے ہوا۔ لَیْسَ بِتِلْکَ کُمْ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائش
 میں ڈال دے۔ مقصد یہ کہ میدانِ احد میں کفار کا جو طرہ بھاری ہو گیا تھا۔ یہ مسلمانوں کی
 آزمائش تھی کہ وہ اس قسم کے نامساعد حالات میں بھی کس حد تک ثابت قدم رہتے
 ہیں۔ انسانوں کو اپنی غلطیوں کا خزانہ بھگت ہی پڑتا ہے۔

اس مقام پر بعض حضرات نے غلطی کھائی ہے کہ یہ بعض صحابہ کا حکم و انہی
 دنیا کے طالب تھے۔ سچی بات یہ ہے کہ تمام صحابہؓ سچے اور متخلص اہل ایمان تھے
 ان میں محض دنیا کا طالب کوئی بھی نہیں تھا۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے
 ہیں کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے وہ اپنے مقربین کی معمولی سی مغزش کا بھی
 توفیق دیتا ہے صحابہ کرامؓ بڑے پاکے کے برائی لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان
 کی اس معمولی سی غلطی پر بھی انہیں آزمائش میں ڈال دیا۔ اس موقع پر انکا مال غنیمت
 کا تعاقب بھی محض دنیا کے لیے نہیں بلکہ آخرت ہی کے لیے تھا بشرعی
 قانون کے مطابق مال غنیمت میں سے ہر مجاہد کو حصہ ملتا ہے، خواہ وہ خود سے
 جمع کرے یا کوئی دوسرا یہ فرض انجام دیتا ہے۔ لہذا ان صحابہؓ کا سوچ چھوڑ کر غنیمت
 جمع کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو حصہ سے محروم
 ہو جائیں گے، بلکہ یہ فریضہ بھی وہ تمام مسلمانوں کے مشترک مقصد کی خاطر ہی ادا کر
 رہے تھے۔ لہذا مال غنیمت کے تعاقب کو طلب دنیا سے تعبیر کرنا درست
 نہیں ہے۔ ان کے دوسرے ساتھی جو مورچے پر قائم تھے اور غنیمت کا کچھ
 خیال نہ کیا اور دنیا کی طلب کے بغیر محض آخرت کے طالب تھے۔ گویا دونوں
 ٹمروہ درحقیقت آخرت ہی کے طلبکار تھے۔ ایک ٹمروہ دنیا کے راستے

آخرت کا طالب تھا اور دوسرا بڑا راستہ آخرت چاہتا تھا۔ دنیا سے رغبت کسی کو نہ تھی چونکہ اس وقت مال غنیمت سامنے موجود تھا، اس لیے اسے طلب دین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بائیں ہمہ صحابہ کرامؓ کی دنیا داری سے مراد وہ دنیا طلبی نہیں ہے جو ہماری اور بعد میں آنے والے لوگوں کی ہے۔ ہم لوگ دنیا کے خواہشمند ہیں۔ ہیں جب کہ صحابہ کرامؓ طالب دنیا بالذات نہیں تھے۔ بلکہ طالبِ بالعموم تھے یعنی آخرت کی خاطر دنیا کے طالب تھے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی تنبیہ فرمادی یہ ایک آزمائش تھی۔

غلیظی تھا
ہر گز

اس آزمائش کے بعد فرمایا وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہاری غلطیوں کو معاف فرمایا۔ ظاہر ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ معاف فرماتے۔ وہ پاک ہو گیا۔ یہ غلطی کوئی قصداً یا عمدتاً نہیں ہوئی۔ بلکہ اجتہادی غلطی تھی جسے اللہ نے معاف کر دیا۔ صحابہ کا متعدد یہ تھا کہ دشمن کو نہ ماری ضروری ہے اور مال غنیمت اکٹھا کرنا بھی لازماً ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل ہو۔ چنانچہ اس بات پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمادی اور ساتھ تسلی بھی ہے کہ اللہ نے تمہاری غلطی معاف کر دی ہے کیونکہ وَلِلّٰهِ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اللہ تعالیٰ ہاں ایمان پر فضل کرنے والا ہے اگے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اس ذہول حالی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جب کہ

مسلمانوں کو
ذہول حالی

دوسری افراتفری کے عالم میں مبتلا ہو گئے تھے رش و بے رحمی کا جب تم اور یہ جانتے تھے۔ محمود کا سنی اور پرچہ جانا بھی ہے اور دوسرے جانا بھی مقصد یہ ہے کہ جب کفار نے تم پر دو طرف سے حملہ کر دیا، تو تم دباؤ میں آ گئے اور ان کے سامنے ہتھ پڑ گئے۔ تم دوسرے پہلے گئے حتیٰ کہ پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ وَلَئِنْ تَوَلَّوْا عَلَىٰ آخِرٍ کسی کی طرف تو جہ نہیں کر رہے تھے۔ حالانکہ وَاللّٰهُ سَوَّلَ يَدُ عُوْمِكُمْ فِي الْآخِرِ اللہ کا رسول نہیں دیکھتے پکار رہا تھا آپ فرماتے تھے اَلَيْسَ بِاَعْبَادَ اللّٰهِ اللہ کے بند و امیری طرف تو میں تو یہاں ہوں حضور علیہ السلام کی شادیت کی افواہ نے لوگوں کے

سخت بددلی پیدا کر دی تھی۔ کافروں کا بڑا چڑا۔ تو مسلمان بھاگ نکلے اور ان میں حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سب کو معاف کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا: هَٰذَا نَبَأُكُمْ عَمَّا كَفَرْتُمْ تمہیں غم پر غم دیا۔ ایک شکست کا غم، دوسرے حضور علیہ السلام کی شہادت کا غم تھا۔ فرمایا یہ آزمائش اس لیے تھی کہ لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَحْنُ عَلٰی مَا هَٰؤُلَاءِ نَكُفُّوْا تاکہ تم اس چیز پر غم نہ کرو، جو تم سے فرت ہو گئی ہے۔ یہ تو ابتلا تھی۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کوئی استغفر اپنے شاگرد کی اصلاح کے لیے اُسے سزا دیتا ہے مقصد تہدی اصلاح تھا تاکہ آئندہ اس قسم کی غلطی سے بچ جائے۔ نیز فرمایا ایسی چیز پر بھی غمگین نہ ہو وَلَا مَآ أَصَابَكُمْ مِنْ عَمَلٍ أَوْ مِنْ حِلْمٍ یعنی جو تکلیف اور پریشانی تمہیں آئی ہیں۔ نہ ان پر زیادہ فکر مند ہو اور نہ اس چیز پر جو تہمت ہے جو تم سے نکل گئی ہے۔ یعنی اگر فحش چل نہیں ہو سکی۔ تو کوئی بات نہیں فحش محبت کر دے اللہ تعالیٰ آئندہ بہتر فرامات عطا کرے گا۔ وَاللّٰهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں سے باخبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات موجود ہے۔ کہ تمہاری غلطی محض اجتہادی غلطی تھی۔ لہذا اللہ نے اس غلطی کو معاف کر دیا آئندہ محتاط رہو۔

مسلمانوں پر عتاب سے حملہ ہونے کی وجہ سے جب یہ افواہ اڑی تھی کہ حضور کفر اسلام میں منکالمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں اور لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ تو اللہ کے رسول نے آواز دی کہ بھئی! میں ٹوٹا ہوں۔ پہلے تو کسی نے آپ کو پہچانا ہی نہیں۔ مگر بعد میں آپ کے صحابی حضرت کعبہؓ نے آپ کو پہچان لیا اور مسلمانوں کو آواز دی کہ اللہ کے رسول یہاں زندہ سلامت موجود ہیں۔ اس پر لوگ پھر آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ اس موقع پر ابو سفیان نے پکارا کہ ابن ابی کعبہ کہاں ہے۔ قریش مکہ حضور علیہ السلام کو نماز ان رضاعت کی بنا پر یہ لقب دیتے تھے۔ اور اس سے آپ کی رفقہ و بھلائی کا حقیر مفقود ہوتی تھی۔ پھر ابو سفیان نے کہا ابن ابی قحافہ کہاں

سے نہ صرف بوجہ حقیق کی کینست تھی۔ وہ بھیجا کہ سب شہید ہو گئے ہیں آگے
 سے کوئی جواب نہیں کہ بابت۔ اس پر نصرت عمر نے جواب دیا۔ اللہ کے
 دشمن! ہم سب یہاں موجود ہیں۔ اللہ کا رسول بھی سب سے۔ اگر کچھ بھی ہے اور میں عمر
 بھی ہوں۔ اگر مضمین نے نعرہ دیا، اُنھل جیل یعنی جیل کی بات۔ اس پر حضور علیہ السلام نے
 جرائی نعرہ لگایا اللہ اعلیٰ و جل شہر ہی سب سے بڑا اور بزرگ ہے۔ اگر مضمین
 نے پھر کہا لے العنای و لے عمر ہی لکھ ہمارا حامی عزیزی ہے۔ اور تمہارا کھڑی
 عزیزی نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تمہاری کہو اللہ مولانا و لے مولانا لکھ ہمارا
 مولانا اللہ ہے۔ اور تمہارا کھڑی مولانا نہیں۔ اُنھں نے پھر کہا۔ کہ تمہارے
 شہید اس کے ناک کان کوٹ ڈالے میں۔ میں نے اس کو حکم دیا ہے اور تمہیں
 اس پر مارضی ہوں۔ غرض میدان جنگ میں اس قسم کے کھلمے کھاتے بڑے بڑے مسلمانوں
 نے ان پر دوبارہ تکرار کیا اور وہ واپس لوٹ گئے۔
 ذاتی تفصیلات اگلی آیت میں دو تین رکوع تک آئیں گی۔

لَنْ تَنَالُوا

إِلَ عَمْرَانِ ۳

درس پنجم دس ۵۳

آیت ۱۵۴ ۱۵۵

ثُمَّ أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنٌ نَافِسًا
يُغْنِي طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ
أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ
يَقُولُونَ هَلْ لَّنَا مِنْ أَمْرٍ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنْ
الْأَمْرُ كُلُّهُ لِلَّهِ يُخَفُّونَ فِي أَنفُسِهِمْ مَا لَا
يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ
شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا ههنا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي
بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ
إِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبَيِّنَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ
وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَزِيزٌ
بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑤ إِنْ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى
الْجَمْعَانِ لَمَّا اسْتَنزَلَهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا
وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ⑥

۱۵۴

ترجمہ: پھر اُن پر امن آگیا جو غم کے بعد امن اور کھرجوڑ صاحب مری ہی ایک
گھروہ کو تم میں سے۔ اور ایک گھروہ ایسا تھا کہ ان کو فرزند کیا تھا ان کی جانوں نے۔
وہ گمان کرتے تھے اللہ کے بارے میں ناحق خیال، جاہلیت کا خیال۔ وہ کہتے تھے
کیا سلسل میں ہمارے لیے بھی کچھ ہے؟ آپ کو دیجئے۔ معاملہ سب کا سب اللہ

کے ہاتھ میں سب سے پہلے انفسوں میں ان باتوں کو پہلے دیتے ہیں، جن کو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں اگر حالت میں ہمارے سینے کچھ ہوتا، تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے، آپ کہہ دیجئے، اگر تم اپنے گھروں میں جوتے تودہ لوگ نکلتے جن پر قتل کیا، یا گھروں کا سب سے اپنی قتل گاہوں کی طرف آکر، اللہ تعالیٰ آزمائے اس چیز کو جو تمہارے باطن میں ہے۔ اور تاکہ عاف کر دے اللہ تعالیٰ اس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں کو جانتا ہے (۱۵۶) بیشک تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے کشتہ پھیری جس دن دو چھاتوں کی آپس میں ٹکڑ ہوئی، بیشک ان کو پھسلنا یا شیلٹن نے ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے۔ اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ ان کو عاف کر دیا ہے بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے (۱۵۷)

ان آیات کا تعلق بھی غزوہ احد ہی سے ہے۔ اس جنگ کی تفصیلات بیان ہو چکی ہیں۔ گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ اس جنگ کے دوران مسلمانوں کی کوتاہی کی بنا پر ان پر غم کے پاؤں ٹپٹ پڑے۔ البتہ فی فتح حاصل ہونے کے بعد مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ بہت سے ان کا برسی پر شہید ہوئے خود حضور علیہ السلام زخمیں دے گئے حتیٰ کہ آپ کی شادیت کی خبر بھی مشہور ہو گئی۔ ہم اللہ تعالیٰ نے ہمارے اسلام کی غلطی کو معاف فرمادیا۔ کہ غزوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ فتح حاصل کر گئے۔ کہ باوجود وہاں بھترنے کے بلکہ واپس بھاگ گئے۔ آج کے درس میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر مہربانی فرمائی کہ اس طرح ان کے غم و اندوہ کو اطمینان میں بدل دیا۔

شاد ہوا ہے۔ **ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكَ مِّنَ الْغَمِّ مَدِينَةً**

پھر اللہ تعالیٰ نے غم کے بعد تم پر امن کی عات نازل فرمائی۔ اور وہ امن کیا تھا **فَأَنزَلَ الْغَمَّ** اور کچھ بھی، جو تم پر طاری ہو گئی۔ امام ابو جہر جب عن فرماتے ہیں کہ دوران جنگ میں یا لہ لکھ کا وار د ہو جانا حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی عظیم دلیل

اور مجوزہ ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ بہت سے مجاہدین شہید ہو چکے تھے۔ بہت سے زخمی حالت میں تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غور و زخمی تھے۔ یہ تو سخت پریشانی کا عالم تھا۔ انسان کو غنیمت کہ کجا فوراً ساچیں بھی نصیب نہیں ہو سکتا ایسی حالت میں غنیمت کا آجانا اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی تھی۔ اور عام قانون بھی یہی ہے کہ اگر لڑائی کی حالت میں غنیمت طاری ہو جائے تو مستحق در کامیابی کی علامت ہوتی ہے۔ یہ ایک نیک فال ہوتا ہے۔ کیونکہ ٹھکے ماندے پریشان حال شخص کو کچھ دیر کے لیے نیند آجائے، تو اسے سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ پریشانی دور ہو جاتی ہے۔ اور پھر لطافت کی بات یہ ہے کہ غنیمت کی حالت صرف خالص ایمان والوں پر طاری ہوتی تھی۔ منافق اس نعمت سے محروم ہے۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ غنیمت اور کچھ بھی ایسی طاری ہوئی کہ ہاتھ سے تلوار گھر پڑتی تھی جسے پھر اٹھا پاؤں نہ تھا، عرض اللہ تعالیٰ نے غنیمت کے ذریعے اہل ایمان کا ختم و درگزر دیا، ان کا بوجھ ہلکا کر دیا اور وہ پھر سے تازہ دم ہو گئے۔ سورۃ بنائیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَجَعَلْنَا ذُكُوکُمْ سِبْا اور ہم نے تمہاری غنیمت کو باعث سکون بنایا ہے۔ اور یہ سکون اہل ایمان کو عین جنگ کی حالت میں حاصل ہوا۔ يَنْشُلِيْكُمْ مِنْ يَدِ الْغَنِيْمَةِ یہ اڑکھے ڈھانچ رہی تھی تم میں سے ایک گمراہ کو جو چپکے چپکے مسلمان تھے۔ منافقوں کو یہ چیز نصیب نہیں ہوتی۔

منافقوں کے
عجبات

فرمایا منافقوں کی حالت اس وقت یہ تھی وَمَا يَفْعَلُ قَدْ اَهْقَتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ کہ اس گمراہ کو ان کی جائیں ٹکڑے ٹکڑے کر رہی تھیں ان کو چین نصیب نہیں ہوا۔ بلکہ وہ تو خوفزدہ ہو رہے تھے۔ کہ اب پتہ نہیں کیا ہو گا۔ ہم اس مشکل سے نکل سکیں گے یا نہیں۔ ان کے دلوں میں طرح طرح کے باطل خیالات بہت تھے قَطَعُوْنَ بِاللّٰهِ عَمَلُ الْعَقِيْ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ناحق گمان کرتے تھے۔ غلط خیال قائم کرتے تھے کہ شاید اللہ ان کی مدد نہیں کرے گا۔ اور انہیں مسیح حاصل نہیں ہوگی۔ اور یہ گمان ایسے ہیں كُلُّ الْجَاهِلِيَّةِ جاہلیت کے گمان میں۔ اور ساتھ ساتھ عقیدہ تقدیر کی تکذیب بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ ہو

رہا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے وہ شیت الہی کے مطابق ہے جو کچھ اللہ کی تقدیر میں
موجود ہے اور ہو کر رہے گا۔ تقدیر میں نہیں رکھی۔ لیکن تو اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ جو
بھی خیر و شر آتا ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمت، ارادے اور شیت سے آتا ہے۔ مگر
منافقین زمانہ جاہلیت کے گندے عقائد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں یَقُولُونَ هَلْ لَنَا
مِنْ شَيْءٍ فِي شَيْءٍ کیا معاملے میں ہمارے لیے بھی کچھ ہے؟ یعنی ہمیں تو نعم
پر غم پڑ رہا ہے کیا ہمارے لیے اچھائی میں بھی کچھ حصہ ہے؟ سچ جو سب ارشاد ہوتا
ہے قُلْ لَنْ اَمُرَّكُمْ بِاللَّهِ لَنْ اَمُرَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ دُونِ مَا لَكُمْ مَعَ اللّٰهِ كَیْفَ تَقُولُونَ
اُسے نظر اور شیت میں کسی کو مجاہد نہیں رہا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ بتا رہے ہیں کہ نہ خدا
کی حالت یہ سب ہے یَحْضَرُونَ فِي الْعَرْشِ وَمَا لَیْسَ لَهُمْ شَيْءٌ مِّنْ شَيْءٍ
سازشوں اور گندے خیالات کو چھپاتے ہو آپ پر ظاہر نہیں کر سکتے۔

موت کا وقت
مقرر ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ بہ حکمت اپنی منافقت کا اظہار ان الفاظ میں
کرتے ہیں۔ یَقُولُونَ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ لَهْمِ شَيْءٍ مَّا قَاتَلْنَا
هَٰؤُلَاءِ کہ اگر ہم معاملے میں ہمارے لیے بھی کچھ ہوتا، تو ہم یہاں قتل نہ کرتے
جانتے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کو ہماری جہاد کی منظور ہوتی تو ہمارے اتنے آدمی شہید نہ ہوتے
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زین کا یہ خیال باطل محض ہے کہ اگر جنگ میں شریک ہوتے
تو جیت جاتے۔ بلکہ فرمایا قَاتِلُوا كُفْرًا فِي سَبْعَةِ ثَوْبٍ اَمَّا قَاتِلُوا كُفْرًا
پڑے ہوتے تَبَجَّدَ الَّذِينَ كَتَبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ لِي مَصَاحِبِهِمْ
قرآن لوگوں کی تقدیر میں موت بھی چاچی ہے وہ اپنے قتل گاہ کی طرف منور نکل
آتے۔ یہ تو خدا تعالیٰ کے حکم میں سب سے کہ قتل شخص کی موت کس مقام ایکس وقت
پر واقع ہوگی۔ لہذا یہ ان کی خام خیالی ہے کہ اگر گھروں میں بیٹھ رہے تو قتل نہ ہوتے
جس خداوند کبریا نے ان کے قتل کا مقام مقرر فرمادیا وہ ان کے اس مقام پر پہنچ
جاتے کا انتظام بھی فرمادیتا۔ لہذا اس قسم کے باطل خیالات دل میں نہیں رہنے
چاہئیں بلکہ تقدیر خداوندی پر راضی ہو جانا چاہیے۔

مومن کی
آزمائش

تقدیر پر ایمان لانا ایک مومن کو جزو ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشفہ کے بغیر کوئی چیز ذوق نہیں ہوتی جو انسان پیڑ کیسے گئے ہیں۔ ان کے حواشیا ہی ان کے ساتھ مقدر ہیں۔ غزوہ احد میں جو تکلیف پہنچی وہ مسلمانوں کے مقدر میں بھی جا چکی تھی۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت یوں بیان فرمائی وَلَيْسَ لَكَ فِي صَلَاحِهَا شَيْءٌ تاکہ اللہ تعالیٰ آزمائے اس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے ایسی ہی مشکل صورت حال میں گھرے اور کھوٹے کی پہچان ہوتی ہے۔ مقصد یہ تھا کہ آزمائے دیکھ جائے کہ ان میں سے کون سچے مومن ہیں اور کون کے دلوں میں کھوٹ موجود ہے۔ چنانچہ منافقین کا ایک گروہ تو احد کی طرف تھے پھرتے تھے ہی واپس ہو گیا۔ اور جو میدان جنگ میں پہنچ گئے، ان میں سے بعض کے دلوں میں مختلف دوسرے پیڑ ہونے لگے۔ کہ ہمیں فتح کیوں نہیں حاصل ہو رہی ہے اور یہ کہ اگر ہم اس جنگ کے لیے باہر نہ نکلتے تو شاید قتل ہونے سے بچ جاتے وغیرہ وغیرہ، اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے گھرے اور کھوٹے کی آزمائش فرمائی۔ کیونکہ جو اس عقیدہ سلطان تھے وہ ہر حالت میں ثابت قدم ہے۔

اس آزمائش کی دوسری حکمت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَنَبِيٍّ حَصِّنَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ اور تاکہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو صاف کر دے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ مطلب یہ کہ دلوں میں جو مختلف دوسرے اور شہوات پیدا ہو رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو دور کر کے، ہل ایمان کے دلوں کو ایسی اشیاء سے پاک صاف کر دیا۔

اس مقام پر آزمائش کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے صدور کا لفظ فرمایا کہ تمہارے سینوں میں جو بات پوشیدہ ہے اس کو آزمائے۔ اور گئے جہاں پاک صاف کرنے کا ذکر ہے وہاں قلوب کا لفظ آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقیدہ، ایمان اور غداں کا مرکز دل ہے لہذا اس کی پاکیزگی کی ضرورت ہے۔ تاکہ انسان کا عقیدہ اور ایمان درست ہو جائے اور اس میں دین کے لیے اخلاص پیدا ہو جائے

یہی وجہ ہے کہ مومن لوگ امتحان میں بالکل پاک صاف ہو کر نکلتے ہیں۔ جب کہ
 روٹی رزق سے تباہ و مہربود ہو جاتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ فرمایا کہ اس آزمائش سے
 فریبے ہم نے تھا سب سے دلوں میں موجود میل چیل کو صاف فرمادیا۔ تمہیں احساس ہو
 گیا کہ فلاں غلطی کی وجہ سے ہم پر یہ سختی آئی ہے۔ لہذا گندہ مکے سے خبردار اور
 مستحضر ہو گئے۔ اسی لیے علامہ اقبال کہتے ہیں: ”مرد را روز بلا و روز صفا هست“
 یعنی مرد مومن کسی لیے مصائب و مشکلات کا دن اس کے لیے بلی صفا
 کا دن ہوتا ہے۔ اسی طرح پڑنے شعر و بھی کہتے ہیں

تجارتات ابر مصائب کی خوبی اللہ ہی کے ہیت ہے کیونکہ یہ مصائب کھینچوں
 کے لئے رنگ آلودگی اور شریعت لوگوں کے لیے دلوں کی حسیٹل کا باعث ہوتے
 ہیں۔ سی طرح لوبہ کی زبان سے کہلایا۔

میں فقط ایک ٹوڑا تھا۔ پھر تو نے مجھے مصائب میں ڈال کر ٹوڑا بنا دیا۔ اور
 حوادث کی گھر کشش نے میری دھار کو تیز کر دیا۔ مطلب یہ کہ انسان مصائب کی
 ہفتی سے کندن بن کر نکلتا ہے۔ جب آزمائش آئے تو اس پر تیز فزع کرنے
 کی بجائے اُسے خوش دلی سے قبول کرنا چاہیے۔ اور اپنے سختی سے پرہیز تمام
 رہنا چاہیے۔

اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ریاضت و عبادت کا مقصد انسان
 کے ضمیر کی پاکیزگی ہے۔ فہم سے مزبور روح ہے جو مصائب و مشکلات میں پاک
 صاف ہوتا ہے۔ اسی طرح اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ضمیر کو
 پاک کر دیا۔ اُن کے دلوں کی گجیاں دور ہو گئیں۔ وَلِلّٰہِ تَسْلِيْمٌ بِذَاتِ اللّٰہِ اُذِ
 اللہ تعالیٰ تھا سب سے دلوں کے زردوں کو جاننے والا ہے۔ اس سے تمہاری کوئی
 چیز پوشیدہ نہیں، خواہ وہ زبان پر ہو یا سینے میں ہو۔ لہذا اپنے ضمیر کو پاک صاف
 رکھو۔ اس میں بڑے خیانت کو جگہ نہ دو۔ ہر اچھائی اور تکلیف اللہ کی مقرر کردہ
 تقدیر کے مطابق واقع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مطابق وقتاً فوقتاً تمہارا

شبانی کا
بھیلاؤ

لیت رہتا ہے۔ اور سب کچھ اس کے مستحق ہیں وہ لڑکے جو اس امتحان میں پوزہ کرتے ہیں
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو دستہ لڑکے دو کھوکھڑے لڑکے جو اس امتحان میں
پوزہ نہ کرتے۔ اور پھر اس لغزش کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہے۔

رَبُّكَ الَّذِي يُكْوِئُ فَنُكِّمُهُ يُكْوِئُ أَنْتَ خِيَالُ الْمُجِئِينَ قُرْبَىٰ سَ مِنْهُ وَكَانَ يُنْهَوْنَ مِنْهُ
پشت پھیری اٹھانے والی جس روز وہ جہان قرآن کی طرف مبعوض ہوئی۔ اور یہ جگہ اہل اسلام
اور کفار کے درمیان تھی۔ اس جگہ میں شلمان تخت اور انصاری کے عالم میں مبتلا
ہو گئے اور ان کی اکثریت میدان جنگ سے ہنگامہ بکھی۔ صرف فاضل تعداد میں
مخلص لوگ ثابت قدم رہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ تھی اَلَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا
الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ اَعْمَالِهِمْ اِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ هُمْ اُولُو عِلْمٍ
شیطان نے انہیں پھسلا دیا تم میں سے ایمان والوں میں سے کچھ تھے بلکہ ان میں سے
بعض نے کمزوری دکھائی حالانکہ اس سے پہلے اسلام کے لیے ان کی بڑی
ثبوتی قربانیاں موجود تھیں۔ ان میں حضرت عثمانؓ بھی شامل یہ جبرساتین الابرار اور
پہلی ہجرت یعنی حبشہ کی ہجرت کرنے والوں میں سے ہیں۔ مگر اس موقع پر ثابت قدم
نہ رہ سکے۔ بعض بزرگوارین دین فرماتے ہیں کہ اس موقع پر آپ کے دل میں کچھ کدورت
پیدا ہو گئی تھی۔ بہشت سے کاہل و صاف شہید ہوئے۔ خود حضورؐ میرے سامنے فرماتے کہ
سناؤ سن کی خبر مشہور ہوئی۔ خدا انصاری کے عالم میں حضرت عثمانؓ کے پاس سے ثابت
میں لغزش آئی جس سے کئی عہدہ خالی ہوئے۔ اس نے دوسرے ڈال دیا اور پھر آپ تک
نہ کے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ بھڑکے بول کی دو میل گیل صاف ہو گئی جنہوں نے
کے زندہ ہونے کی خبر دی اور آپ واپس آ گئے۔ اس کے بعد چہر گھمان کی لڑائی ہوئی
اور کافروں کو ہجاس گئے بنی۔ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پھر دستہ قسم
کمرہ دیا۔

بہر حال صحابہ کی شہادت کی یہ لغزش تھی کہ وہ ثابت قدم نہ رہ سکے۔ اللہ کا نبی
ذخعی حالت میں موجود رہے اور پکار رہا ہے کہ اللہ کے بندو! کہ جسے جاسبت ہو۔

اس طرف آدایہ قیدی غاصی تھی، جو بعض کوتاہیوں کی وجہ سے واقع ہوئی شیطان نے دوسرے مذہبی کی۔ مگر اس کے باوجود اَللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَللّٰهُ عَنْهُمْ اَللّٰهُ نے اُن کو معاف فرمادیا۔ پہلے بھی گزر چکا ہے۔ "وَلَقَدْ عَفَا عَنْكَ"۔ اب پھر دہرایا جا رہا ہے کہ اللہ نے اُن غلطیوں سے درگزر فرمایا۔ لَقَدْ تَاٰكِيہ کے لیے ہوتا ہے۔ البتہ تحقیق اللہ اُن کو معاف فرما چکا ہے۔ صحابہ کی اس عام معافی کے بعد اب کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اُن پر سختہ چینی کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر اعتراض کیا کہ آپ جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ واقعہ یہاں یہ ہے مگر سب سے پہلے یہ کہتی۔ وہ نہ عمرؓ کی شریک جہود ہونا چاہتے تھے۔ بلکہ حضور علیہ السلامؐ نے منع فرمادیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلمؐ کی بیٹی اور آپؐ کی زوجہ بیا تھیں، اللہ کے رسولؐ نے حضرت عثمانؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کی بیمار درمی کے لیے مدینہ میں عسیر جائیں آپؐ نے اُن کی تسلی کے لیے فرمایا۔ کہ آپؐ کی اس جنگ میں عدم شرکت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو شریک ہونے والوں جیسا اجر عطا کر دیا۔ اور اللہ کا رسولؐ غنیمت میں دیا ہی حصہ عطا کر دیا۔ جیسا کہ جہاد میں شرکت کرنے والوں کو ملے گا۔ بات واضح ہو گئی۔ کہ جنگ بدر میں حضرت عثمانؓ کی عدم شرکت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلمؐ کے حکم کی وجہ سے تھی۔ حضور علیہ السلامؐ کی سخت جگہ اسی دوران فوت ہو گئی۔ اور حضور علیہ السلامؐ نے حضرت عثمانؓ کو نال غنیمت سے برابر کا حصہ دیا۔ چنانچہ حدیث میں حضرت عثمانؓ کا نام بدری صحابہ میں موجود ہے۔

آپؐ پر یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ بیعت رضوان حدیث میں بھی شریک نہیں ہوئے۔ اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کو حضور علیہ السلامؐ نے کھانہ کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا۔ اس وقت اس کام کے لیے آپؐ سے بہتر کوئی شخص نہیں تھا۔ اور بیعت رضوان کی ضرورت اس وقت پیش آنی جبکہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر مشہور ہو گئی۔ بیعت رضوان

قوائن کی شہادت کا یہ کہ لینے کے لیے سر دھڑکی بڑی ٹکاسے کے لیے ہوئی تھی
لہذا اس واقعہ میں ان کی شرکت کیونکر ممکن تھی۔ غرضیکہ لوگوں کا یہ اعتراض بھی قابل
مستبول نہیں۔

حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہؓ کی ان لغزشوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان
کی صحافی کا اعلان فرما دیا۔ لہذا جو شخص اس کے بعد بھی صحابہؓ پر طعن و تشنیع کا مرتکب
ہوگا۔ اس کے اپنے بیان میں فتور ہوگا۔ حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کو دشمن کے متعین
تو خود قرآن پاک میں ارشاد فرمایا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ اللَّهُ تَعَالَى
اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ صحابہؓ کو دشمن کو رضا الہی کی
ڈھکری حاصل ہو چکی ہے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ بِشَاكِبِ اللّٰهِ تَعَالٰی
بخشش کرنے والے اور بردبار ہے۔ وہ فوراً گرفت نہیں کرتا۔ بلکہ اہل ایمان
کو موقع دیتا ہے۔ کہ اس قسم کی لغزشوں سے پرہیز کریں۔

لَنْ تَنَالُوا

الْعَصْرَانِ ۳

درس پنجم و چار ۴۲

آیت ۱۵۷ تا ۱۵۸

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا
وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا
عِزِّي لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا تَوَأَّمُوا مَا قَتَلُوا لِيَجْعَلَ
اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝۱۵۷ وَلَئِنْ قَتَلْتُمْ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ
خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝۱۵۸ وَلَئِنْ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ
لَا إِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ۝۱۵۹

ترجمہ
اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائی بندوں سے
کہا جب کہ انہوں نے زمین میں سفر کیا یا وہ مجاہد تھے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے
تو ضرورتاً نہ مارے جاتے، تاکہ کفر سے اللہ اس بات کو حسرت اُن کے دلوں
میں۔ اور اللہ تعالیٰ نذرہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ
تم کام کرتے ہو ۝۱۵۷ اور اگر تم اللہ کے راستے میں مارے گئے یا مار گئے
اللہ بخشش اللہ کی جانب سے اور مہربانی، بہتر ہے اس چیز سے جس کو
یہ جمع کرتے ہیں ۝۱۵۸ اور اگر تم مار گئے یا مارے گئے تو اللہ تعالیٰ کی
طرف تم سب اکٹھے کئے جاؤ گے ۝۱۵۹

تفصیلات
گذشتہ درس میں گذر چکا ہے اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کی خاص طور پر متعین فرمائی ہے۔
ایک بات یہ کہ اے مسلمانو! صبر و استقلال سے کام لینا اور اللہ کے فرستادہ

بنیاد علیہم السلام اور ان کے متبعین کا اسود اختیار کیا۔ اور دوسری بات یہ کہ کافروں
 کا کفر نہ ماننا۔ سہ ماہی آپت میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور منافقین پر من فقیس کے
 خط پر پکڑا ہے۔ تاثر نہ ہونے کی تفتیں کی ہے۔ مغرورہ اعدائیں تین سو من فقیس ابتداء
 ہی میں لشکر اسلام سے عہدہ ہو گئے جو کہ صبر و حذر ہی تھی۔ پھر ان میں سے جو کہ
 شریک جنگ بھی ہوئے اور بھی دل شکستگی کے ساتھ اگر سندھ آیت میں بیان
 ہو چکا ہے کہ کس لیسرت انوں — نے ہندی کا مظاہرہ کیا جس کا نتیجہ یہ
 ہوا کہ عدلیہ فوج کی وقتی شکست کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان پر فائدہ کی صورت میں
 اس میں نازل فرمایا جب کہ منافق اس نصرت سے محروم ہے۔ انہیں اپنی جانوں
 کی فکر لاحق ہو رہی تھی۔ رد ایام محسوس کہ ہے تھے کہ ان پر وہ اب نذرہ سلامت
 واپس نہیں جاسکتے گے۔ بہر حال آج کے درس کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے
 مسلمانوں کی توجہ من فقیس کی ایک سازش کی طرف دلائل پیش کی ہے۔

من فقیس کی
 تفسیر

ارشاد ہوتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا كُفَرًا کا تفسیر یہ ہے کہ
 اے ایمان والو! ان لوگوں کی عمت نہ ہو جا جنہوں نے کفر کو راستہ اختیار کیا۔ ان
 کفار میں من فقیس کا گروہ بھی شامل ہے۔ خاص طور پر اعتقادی منافق اس جماعت
 کے بدترین لوگ ہوتے ہیں جن کے متعلق خود قرآن پاک کا فیصلہ ہے کہ لَا تَتَّبِعُوا
الْمُنَافِقِينَ فِي الدِّينِ لَا يَتَّبِعُوا فِي الدِّينِ یعنی یہ سے منافقین
 کا تمھارا پیغمبر کے سب سے بڑے خطرناک گروہوں میں سے ایک ہے۔ ان کی سازش اس پر
 ہے۔ وَقَدْ تَوَلَّوْا دُبُرَهُمْ کہ انہوں نے اپنے بھائی بندوں کے بارے
 میں کہا تھا۔ اور بھائی بندوں سے براہِ ایمان ہیں۔ اور یہ بات انہوں نے اس
 وقت کہی إِذَا صُغِرُوا جب انہوں نے بچپن میں انہوں نے بچپن میں
 زمین میں سفر کیا اور ان کے اندر بھی ایک ہی وجہ وہ جہاد میں شریک ہوئے۔ طلب
 یہ کہ جب بھی مسلمان تجارتی یا دینی سفر پر گئے اور وہاں دوست ان کی یہ پیر کی جہاد
 میں شریک ہوئے کہ شہادت نصیب ہو گئی۔ اسی صورت حال میں منافقین کے

لگے تو کفار و عتدنا اگر یہ مسلمان بہائے پاس ہوئے یعنی مذکورہ سفر پر نہ
جائے یا جنگ میں شریک نہ ہوتے تو کیا ہوتا؟ وَمَا فَتَرَلُوا
تو وہ سر نہ اور نہ مائے جاتے جی ان کی جان بچ جاتی۔ دراصل منافق مسلمانوں
کو سفر اور جہاد سے بظن کمر ناپاہتے تھے۔ کہ یہی چیزیں ان کی موت کا سبب
بن رہی ہیں، لہذا ان کو نہ کسی سفر پر جانا چاہیے۔ در نہ کسی جہاد میں شریک ہونا چاہیے۔
اس آیت کرمہ میں أَحْوَإِنھُمْ کا لفظ توجہ طلب ہے۔ منافقین
اور مسلمانوں کو بھائی بند کہا گیا ہے۔ اور یہ اس اعتبار سے کہ دینے میں بہتے
و اسے سارے قومی بھائی تھے۔ مختلف خاندانوں سے تعلق رکھنے کے باوجود
بجائیت قوم یہ لوگ بھائی بھائی تھے۔ ایسا بھی تھا کہ ایک ہی خاندان کے افراد
برنے کے باوجود بعض لوگ مسلمان ہو گئے بعض منافق اور کافر رہے اور انہیں
سے بعض یہودی تھے۔ لہذا یہ سب لوگ آپس میں ایک ہی برادر سے تعلق رکھتے
تھے۔ اور پھر ان میں رشتہ داری در قرابت بھی تھی اس واسطے آخر کا لفظ سَبَّال
ہوا ہے کہ منافق کافروں نے اپنے مسلمان بھائی بدلوں سے کہا کہ تم غواہ بخدا
دور دراز نہ سفر کیا کرتے ہو اور جہاد میں شریک ہو کر اپنی موت کو دعوت دیتے
سو ہماری طرح تمہیں بہتے بہتے تو تمہاری جان بچ جاتی۔

حشر دیاں ایسی بات کرنے سے منافقین کا مقصود یہ ہے۔ لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ
حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ تاکہ اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کے دلوں میں حسرت
پیدا کر دے۔ ان کے دل میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ منافقین بابت تو عین حق
ہیں۔ واقعی اگر جہاد میں شریک نہ ہوتے تو بہتے آدمیوں کی جان بچ جاتی۔ اللہ تعالیٰ
نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی ہے۔ کہ منافقین کی ایسی فالس گن باتوں میں نہ آئیں۔ بلکہ اللہ
کے حکم کے مطابق جہاد میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوں کیونکہ دینی اسلام کو مسلمانوں کی
جناہی دوزخ میں گھر رہے۔

حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ کا دور نہ مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

منافقین کے دلوں میں حسرت پیدا کر دے۔ اگر مسلمان کفار و منافقین کی اس چال میں نہ آئیں اور وہ مسافر اور جہاد میں برابر شریک ہو سکتے رہیں تو یہ چیز خود منافقین کے لیے باعث حسرت ہوگی کہ ان کی تمام تر سعی کے باوجود مسلمان ان کے بسکاوے میں نہیں آئے۔ لہذا ان کے دلوں میں حسرت ویسا پیدا ہوگی اور وہ خود اپنی ہی لگائی ہوئی آگ میں جلتے رہیں گے۔

موت و حیات
کا سرشتہ

گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ موت و حیات کا سرشتہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کہ کسی شخص اپنے مقررہ وقت سے پہلے نہیں مرنے جتن شخص کی جس وقت موت مقرر ہو چکی ہے، الامحالہ اس میں سر مو فرق نہیں آ سکتا، کوئی گھر میں بیٹھا ہے یا مسافر و جہاد میں شامل ہو موت کا وقت بہر حال معین ہے۔ کوئی بھی اس سے بچ نہیں سکتا۔ لہذا کفار و منافقین کا یہ کہنا کہ مسلمان جہاد میں شریک ہو کر خود موت کے منہ میں جاتے ہیں۔ ناقابلِ فہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بات سمجھا دی کہ اگر اس قسم

کا عقیدہ مسلمانوں میں بھی پیدا ہو جائے تو یہ بہت بُری بات ہے۔ انہیں اپنے عقیدہ و موت و حیات پر ثابت قدم رہنا چاہیے۔ کیونکہ وَاللّٰهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ و فَذَكَرْنَا اور موت دینا تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ موت و حیات کا مالک تو وہ ہے جب تک چاہے کسی کو زندہ رکھے اور جب چاہے اسے اپنے پاس بلا لے۔ اس کی حکمت کو وہی مالک الملک جانتا ہے، محض جہاد میں شرکت موت کو دعوت دینے کی بات، بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ دیکھیے حضرت خالد بن ولیدؓ اسلام کے عظیم سپاہی اور قابلِ جریں تھے۔ انہوں نے یرموک اور موثہ جیسے عظیم معرکے سر کیے۔ ان کے جسم کا ایک باشت بقیہ بھی ایسا نہیں تھا۔ جہاں پر تیرا، توہر یا نیزہ کا زخم نہ آیا ہو مگر میدانِ جہاد میں شہادت نصیب نہیں ہوئی۔ زندگی کے آخری حصہ میں انہوں نے اظہار کیا کرتے تھے کہ بے شمار جنگوں میں حصہ لیا۔ مگر تمام تر خواہشات کے باوجود شہادت نصیب نہیں ہوئی اور موت بستر پر آرہی ہے۔ فرماتے تھے فَلَا قُوَّةَ لَنَا إِلَّا بِالْحَبَّتِ لہذا اس بزدل کی آنکھیں ٹھنڈی نہ رکھے۔

جو موت کے ڈر سے جہاد میں شریک نہیں ہوتا۔ اسے میری حالتِ عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ میں نے کتنے جہاد کیے بسا اوقات دشمن کے ترغیب میں رہا ہوں مگر اُسکے ہاتھوں موت نہیں آئی۔ لہذا جہاد سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ موت کا خوف نہ دانا منہ فہن کی چال ہے اس سے خبردار رہنا چاہیے۔ وَاللّٰهُ يَمَّا تَعْمَلُوْنَ لَيَبْصُرُ۔ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ تم کام کرتے ہو۔

شہدائے
سیدہ الغمام

اُسکے ارشاد ہوتا ہے فَلَمَنْ قَاتَلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اُكْرِمَ اللّٰهُ کی زد میں شہید ہو گئے اور مُسْتَشْمُ طبعی موت مرے تو اس کا حاصل یہ ہوگا۔

اَلْحَقُّ مَوْزِعَةٌ مِنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری بخشش کا اعلان ہو جائے گا۔ تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ غصیاں قلم نہ کر دی جائیں گی۔ اور یہ

بہت بڑی کاسافی ہے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ کسی شخص کی عبادت کے پس منظر میں تین نظریات ہوتے ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کی عبادت کرتا ہے۔ وہ امورِ اہل بیت اور منیات کو اس سے انجم دیتا ہے کہ کہیں خدا کی گرفت میں نہ آجائے۔ اس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہوتا ہے فَقَصَّ زُحْرُوحَ عَنِ الشَّارِ قَادُ خَلِ الْجَنَّةِ فَقَدْ قَاتَرَ کہ جس شخص کو دوزخ کی آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ وہی کامیاب و کامران ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر عبادت کرنے کو خدا کی جانب سے مغفرت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کی طرف سے ہمارے گناہوں کی معاف کر دی گئی ہیں۔ غزوہ احد میں مسلمانوں سے غلطی ہوئی۔ مگر وہ باطن خدا پر بہت لوگ تھے۔ جو نبی غلطی کا احساس ہوا۔ پھر اکٹھے ہو گئے اور جاننا کہ نبوت پر ایمانوں نے بلاشبہ اللہ کی مغفرت حاصل کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو فرمادیا وَلَقَدْ صَحَّتْ لِّلّٰهِ عَنَّا نَهْمُ۔ اللہ نے ان کو معاف فرمادیا۔

مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ عبادت کرتے وقت کسی شخص کے پیٹس نظر نہ ہو۔ سب سے بڑی چیز ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں حاصل ہوں، اس کی خوشنودی و تقرب حاصل ہو اور اس کے عمل میں اسے بلند درجہ نصیب ہو۔ فرمایا اے شخص

کام تمام رحمت ہے۔ اسی لیے فرمایا اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کا عہدہ
 مغفرت اور رحمت ہے۔ بہر حال یہ مسئلہ سبب دیو کا کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت
 حقیقہً بہتاً بجز عقول ان چیزوں سے بہتر ہے جن کو یہ دنیاوی لوگ مانتے ہیں۔
 یہ چند روزہ دنیا ہے۔ اس کو بال و کتاب اور دوسرے پل اللہ تعالیٰ کی زبان سے
 کتابت میں مغفرت۔ نسل چیز دیاں اور نیکی ہے۔ مدد اس کو عطا کیا، پھر پل ہے۔ اور
 نامعلوم کی پال میں نہیں آتا چاہیے۔ مولانا شاہ اشرف علی قادری فرماتے ہیں کہ کسی
 عبادت گزار کے پیش نظر تیسرا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے دلنسی ہو جائے
 وہ بھی دعا کرتا ہے اس کے لئے کہ خداوند سے مودت و محبت میں تیری رہنمائی بنا ہوں۔
 اور یہ سب سے بلند مقام ہے۔

اللہ کے
 حضور پریشی

آگے ارشاد ہوتا ہے وَلَیْسَ مُشْتَرِکٌ فِی شَیْءٍ مِّنْ شَیْءٍ کہ اللہ تعالیٰ کی شرفیہ
 مرد و شہید ہو جاؤ گے کہ اللہ بخشش دے تو لا محالہ تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی
 اکٹھے کیے جاؤ گے۔ یونہی کہ یہ ایمان ہے کہ مرنے کے بعد اسے ہر راستہ فطرتی
 کے حضور پریشی ہونا ہے بعد از جد الہی پر اس کا یقین ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ زندہ
 رہنے میں بنی تمام فائدہ ہے، مرنے کے بعد محروم ہو جاؤ گے۔ بلکہ یاد کرو کہ تمہیں
 بہر حال اللہ کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ اور وہ باری تعالیٰ کی کھڑکتا ہے۔ لہذا اللہ
 کے در سے جہاد سے اہتمام نہ کرو۔ مجرم اور گنہگار بن کر رب العزت کے حضور
 پیش نہ ہون بلکہ ایسے اعمال کے کہ حاضر ہونا جن کی وجہ سے تمہیں اللہ کی مغفرت
 اور مہربانی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو منع فرمادیا کہ کافروں و مشرکوں
 کی مشابہت اختیار نہ کریں۔ ان کی سازش کا شکار نہ ہوں اور اپنے دین پر قائم رہیں۔

نن تن لو ۴

ال عمران ۳

درس پنجاویں ۵۵

آیت ۱۵۹ تا ۱۶۰

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا
 غَلِيظَ الْقَلْبِ لَأَفَضُّوا مِنْ حَوَائِثَ فَاعْتَصِمْ بِهِمْ
 وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا
 عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿۱۵۹﴾
 إِنْ يَتُصَرَّعْ كُفَّ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذَلْكُمْ
 فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصَرُّكُمْ مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ
 فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۶۰﴾

ترجمہ: پس اللہ کی رحمت سے آپ ان کے لیے نرم خو ہیں۔ اور اگر آپ سخت مزاج و درنگ دہل ہوتے، تو یہ لوگ آپ کے رد و گھروے پر اگندہ ہو جاتے ہیں ان کو معاف کر دیں اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگیں اور معاملے میں ان سے مشورہ کریں۔ پس جب آپ نے نچتہ زادہ کریں، تو اللہ پر بھروسہ کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۵۹﴾ کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا، پس تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اور اگر وہ تمہیں سوا کر دے گا تو کوئی ہے جو اس کے سوا تمہاری مدد کرے۔ اور چاہیے کہ ایمان دارانے اللہ پر بھروسہ کریں ﴿۱۶۰﴾

گد شدہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نصیحت کیا کہ کافروں کے ساتھ مشابہت نہ کریں۔ وہ تمہیں بد دل بنا کر دین اسلام سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں۔ نہ ان کی اور موت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جہاد میں شریک ہونے والا لازماً ہی

نشید نہیں ہوگا، بلکہ اگر اس کی زندگی اُتی ہے، تو وہ میدان جنگ سے بھی زندہ مٹتا
واپس آئے گا۔ اور جس شخص کی موت کبھی جاچکی ہے وہ اگر اپنے گھر میں بھی بیٹھا ہوگا
تو یوں موقع پر اپنی قاتل گاہ پر پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بھی یاد دلایا
کہ اگر وہ روئے خداوندی میں نشید ہو گئے، تو اللہ کی مہربانی ان کے شامل حال ہوگی۔ اور
دنیا کے اس مال و متاع سے بے تر ہوگی جسے لوگ زندگی بھر اکٹھا کر کے بستے ہیں۔
فرمایا اسی طبعی موت سرے یا روح میں نشید ہوا ہے، سب کو اللہ رب العزت
کی بارگاہ میں اکٹھا ہوتا ہے، جہاں تمہاری بہتری کے واسطے سامان موجود ہیں، لہذا موت
سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔

اب آج کے درس کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام
کی تعریف فرمائی ہے، کہ اللہ کے فضل سے آپ نہایت ہی نرم دل، مہینق اور
مہربان ہیں۔ اپنے صحابہ کے ساتھ حسن سلوک فرماتے ہیں۔ غزوہ اُحد کے موقع پر
انہوں نے غلطی ضرور کی۔ جس کی وجہ سے بہت سی تکلیف اٹھانی پڑی۔ مگر بہر حال
یہ لوگ مخلص تھے۔ آپ ان کی غلطیوں کی اصلاح فرماتے اور آپ تلک دل ہو
کہ ان پر ناراض نہ ہوں، اگر ایسا ہوتا تو دین کی ترقی ترک جائے گی اور مسلمانوں کی جو
مقتدری سی جماعت قائم ہو گئی ہے۔ اس کے ٹوٹ جانے کا خطرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے اخلاق حمیدہ اور اپنی خصوصی عنایت
کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے: **وَبِمَا نَحْنُ بِمُتَّقِينَ اللّٰہِ لَیْسَ اللّٰہُ تَعَالٰی بِالرَّحِیْمِ**
کے سبب لکھتے ہیں کہ آپ ان کے لیے نرم ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی یہ
خاص مہربانی ہے کہ آپ کو اپنے صحابہ کے لیے نرم بنایا۔ یہاں پر فرمایا
میں حکماً مزید ہے۔ عربی زبان میں یہ تاکید کے لیے آتا ہے اور اس کی مثالیں
قرآن پاک میں مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ جیسے: **وَبِمَا نَقْضُ بَعْدَ مِثْقَاتِ النُّجُومِ**
پس یہ سبب بنی اسرائیل کے عہد و پیمان توڑنے کے ہم نے ان پر سختیاں کیں
اور ان کو گرفت میں لیا۔ عربی کا مشہور شاعر سخی بھی اپنے کلام میں اس کا لفظ اپنی

نبی علیہ السلام
کی رحمت فرمائی

معنوں میں استعمال کرتا ہے

انہی مالیک ادرکتی الخلف

عدنی عنہم حکم شفسافی

جاؤ اب میرے اندر برو باری آگئی ہے۔ تم جس شوق و محبت سے مجھے بھارتی
تھی اب مجھ سے دور ہو گئی۔ مجھے خود بھی نظروں لاحق ہو گیا ہے۔

ہر حال یہ حکم آگیدہ ہے۔ اگر اس کو درمیان سے ہٹا بھی دیا جائے تو معنی
میں نہ اس فرق نہیں آئے گا جیسے فَسِرْ حَمَتِ هَذَا اللّٰهِ اللہ کی مہربانی سے
لَسْتُ لَهُمْ آپ ان کے لیے نرم ہیں۔ وَكُنْتُ كُنْتُ فقط اللہ آپ تہذیب
ہوتے یا محنت مزاج ہوتے، یا صبر و عینیت، اَنْتَلِبْ تنگ دل ہوتے لَا نَفَقَ وَ
مِنْ حَوْضِكَ تو یہ لوگ آپ کے ارد گرد سے پرانہ ہو جاتے۔ یہ اللہ کا فضل و عظیم
ہے کہ آپ غانی و ضلّٰق اور نرم مزاج ہیں۔ آپ کی رحم دلی کا یہ علم ہے کہ غزوہ ہند
میں جیل القدر صیبا کے تتر بتر ہو جانے کے باوجود آپ نے ان کو علامت نہیں
کی اور نہ ان کے سختی سے پیش آئے۔ آپ نے ہر ممکن مدد و عیاد کی اصلاح
فرمائی ہے۔ اگر آپ دنیوی سلاطین کی طرح صاحب اقتدار ہوتے تو صوبہ کی
اس عطی کا سختی سے نوٹس لیتے اور ان کو سزا دیتے۔ مگر ایسی کوئی بات نہیں
ہوئی کہ ان کو آپ نرم دل اور تامل مزاج تھے۔ اگر آپ میں یہ عالمی ظرف نہ ہوتی، تو
لوگ آپ کے گرد و جمع نہ ہوتے۔

بخشش معانی اس بات کا امکان تھا کہ حضور علیہ السلام کے دل میں کچھ رنجش باقی رہتی
مستورہ کہ صابہ کرام نے خلافت تو قیام کیوں کیا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سزا
کر دی فَاَعْلَفْتُ عَنْهُمْ مے نبی کریم اپنے صحابہ کی یہ بے وفائی محسوس کر دیں
دل میں ان کے متعلق کسی قسم کا رنج نہ رکھیں بلکہ وَأَسْتَغْفِرُ لَهُمْ ان کے
لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کے لیے اللہ
کا رنج و بخشش طلب کر لیا۔ وہ ضرور نافرمانی کا مرتکب ہو گا۔

اس بات کہ بھی مکان تھا کہ حضور علیہ السلام کے دل میں کوئی رنج تو باقی نہ رہے۔ مگر ان کی
الغرض کی وجہ سے آپ صبح سے مشورہ ہی نہ کیا کریں۔ جیسے مشورہ احمد کے موقع
پر کیا تھا۔ پس یہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں بھی صاف فرمایا کہ شک و شبہ
فی الذہن اور معاملات میں ان سے مشورہ فرمایا کہ جس حضور علیہ السلام کی عادت
مبارکہ تھی کہ آپ جنگ یا دیگر معاملات میں صحابہ سے مشورہ کو لیا کرتے تھے۔

اس مشورہ کی ضرورت ان امور میں پیش آتی تھی جن میں وحی الہی کے ذریعے
واضح حکم موجود نہیں ہوتا ہے کیونکہ جہاں اللہ کا حکم موجود ہو وہاں اس کا اتباع
الزام ہے، جیسا کہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا يَكُنْ لَكُمْ فِي شَيْءٍ مِنْ حُكْمٍ أَنْ تَتَّبِعُوا
أَهْلَ الْبَيْتِ اور اگر وحی نہ آئے تو پھر پیغمبر علیہ السلام اجتہاد بھی کرتے ہیں اور مشورہ بھی
انہی کے معاملہ میں مہذبہ و وحی نہ آنے کی وجہ سے آپ پریشان تھے۔ آپ نہر
پہنچنے سے ہو کر فرماتے تھے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَتَيْتُمُونِي بِمَنْ لَكُمْ مِنْكُمْ
مشورہ دو کر اس معاملہ میں کیا کرنا چاہیے۔ میں نے تو اپنی بیوی میں کوئی ہائی نہیں دیکھی
مگر جس لوگ بڑائی کا خیال ظاہر کرتے ہیں۔ پھر جب وحی نہیں آتی تو سارے اہل
اور بہتان قائم ہو گئے۔ آپ کی تعلیم کوئی اور پھر ہوں کہ سزا دی گئی۔ منافقوں کو جیش کے
سبب جو بھی قرار دے دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کے متعلق درود کو نازل فرماتے۔

حضور علیہ السلام نے بہت سے معاملات میں اپنے صحابہ کو شمشیر سے مشورہ
کیا۔ بخبر وہ خندق کے موقع پر خندق کھودنے کا مشورہ سلمان فارسی نے دیا تھا۔
انہوں نے عرض کیا: حضور! میں نے اپنے ملک میں دیکھا ہے کہ جب دشمن جویم
کرے ہے تو کہا اوقات اپنے شہروں اور بستیوں کے ارد گرد خندق کھود کر
دفع کیا جاتا ہے۔ آپ نے اس مشورہ کو شرف قبولیت بخشا۔ وہ خندق کھودنے
کا حکم دیا۔ چنانچہ مدینہ کی تین اطراف میں خندق کھود دیا گیا۔ اور ایک طرف خود دشمن
کا دفاع کیا۔ مجاہدین صرف تین چار ہزار تھے۔ جب کہ مقابلے میں پچیس ہزار کا
جیم غفیر تھا۔ بیشتر کین نے بڑی تیاری اور ساز و سامان کے ساتھ حملہ کیا مگر ناکام رہے

مشاورت
کی مثالیں

آپ نے فرمایا مشرکوں کا یہ آخری حملہ تھا، اُندھ وہ حملہ کرنے کی جرأت نہیں کریں گے بلکہ اللہ کے فضل و کرم سے ہم ہی ان پر حملہ آور ہوں گے۔

اسی جنگ کے دوران جب دشمن کا دباؤ زیادہ بڑھ گیا تو حضور علیہ السلام کا خیال بڑھا کہ قبیلہ غطفان کے بعض سرداروں سے صلہ کر لیا جائے۔ آپ کا خیال تھا کہ مدینہ کے درختوں کی آمدنی یا پھل کا کچھ حصہ اس قبیلہ کو پیش کر دیا جائے اور اس کے بدلے میں ان سے عہد کیا جائے کہ وہ مشرکوں کا ساتھ نہ دیں معاملہ بڑا ہی بڑک تھا۔ خطرے کی وجہ سے مسلمانوں کے دلی اپیل کر گئے تھے کہ آپ سے تھے۔ اس منظر کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب میں فرمایا تَبَكَّتِ الْقُلُوبُ لِمَا جَاءَهُمْ اَسْ تَمَامِ تَمَرِ دَابُوسَ کے باوجود مدینہ کے انصار صحابہ شہرت سعد بن حذافہ اور حضرت سعد بن عبادہؓ نے حضور علیہ السلام کی رائے سے اتفاق کر لیا بلکہ عرض کیا حضور! ہم اپنے فلاح کی سرنگھڑا کشش کریں، ہمیں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے بہتری کا سامان پیدا کرے گا، بلکہ مدینہ کی آمدنی کا کچھ حصہ قبیلہ غطفان کو دینا منظور نہیں ہے حضور! نے ان صحابہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ آپ نے مجوزہ معاہدہ نہ کیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اس اسلام کی مدد فرمائی اور مشرکوں کا کام و نامراد واپس لوٹ گئے۔

اسی طرح مغزوہ بدر کے موقع پر جالب بن منذر نے مشورہ دیا تھا کہ اگر ہم فلاں مقام پر پناہ ڈالیں تو ہمیں پانی اور دیگر ضروریات کے حصول میں سہولت ملے گی۔ آپ نے اس رائے کو قبول فرما کر اسے اسی مقام پر ڈیرا جگایا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی مسلمانوں کی مدد فرمائی اور انہیں فتح عظیم سے نوازا۔ غرضیکہ اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں جن میں نبی کریم علیہ السلام نے صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ کا واضح حکم پذیر رہی نہیں ملتی تھی تو آپ مشورہ بھی کرتے تھے اور اجتہاد بھی فرماتے تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مشورہ کا قانون بھی سنبھال دیا۔

مشورے کی فقہی حیثیت کے متعلق بعض محققین کا یہ فرما ہے کہ یہ نبی کریم علیہ السلام کے لیے مستحب تھا۔ لیکن بعض دوسرے محققین فرماتے ہیں کہ

مستور ہونے کا صحیح معنی ہے۔ خداوند تعالیٰ کا صواب سے مشورہ نہ کرنا
 ورجوع کا درجہ رکھنا ہے جو حضرات تعجب ہونے کے قابل ہیں وہ حضرات
 ہیں کہ آپ کے لیے مشورہ کہنا ضروری نہیں تھا۔ بلکہ صحابہ کرام کی غلیب خاصہ کے
 لیے تھا۔ اہم البتہ کہ جماعت بہت بڑے عرصہ قرآن جو سنتے ہیں۔ انوں نے قرآن کے
 احکام پر غلطی کتاب کبھی جس میں صرف احکام پر بحث کی گئی ہے۔ آپ حنفی اہم تھے
 مگر اس کے سبب سے تھے۔ یہ علاقہ بڑا سرد ہے خیر خفہ خواجہ میں امام عبدالقادر رازقی
 عبد اللہ بن مبارک۔ امام فخر الدین رازی وغیرہ ہوتے ہیں۔ امام ابو جعفر جصاص فرماتے
 ہیں کہ مشورہ نہ تھا کہ کائنات میں جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف وحی نازل ہو
 اس معاملہ میں مشورہ کا صحابہ سے مشورہ کرنا واجب تھا۔ البتہ یہ بات قابل غور ہے کہ
 مشورہ کن صحابہ سے کیا جائے۔ بہر تقدیر مشورہ شیخ کا اہل نہیں ہوتا۔ اس کا الگ
 قانون موجود ہے۔ تاہم مشورہ علیہ السلام اکثر معاملات میں کیا صحابہ سے مشورہ فرمایا
 کرتے تھے۔ آپ نے ہر سب کے قبلوں کے متعلق مشورہ کیا اور پھر حضرت ابو بکر صدیق
 کی رائے کو تسلیم کیا۔ مگر چہ حضرت عمرؓ کی رائے مختلف تھی۔ مسند احمد کی حدیث میں
 یہ لفظ آئے ہیں کہ مشورہ علیہ السلام حضرت صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ سے
 فرمایا لوجہ جمعہ ما خالفنا لکما مگر تم دونوں کسی معاملہ میں متفق نہ ہو
 تو میں تمہارے خلاف نہیں کروں گا۔ یعنی تمہاری رائے کو اختیار کروں گا۔ شیخان
 اور بعض دوسرے صحابی پڑ نہایت تھک گئے تھے، صاحب فہم موقع شناس
 اور سمجھدار تھے۔ لہذا آپؐ ایسے ہی لوگوں سے مشورہ فرمایا کرتے۔ غرضیکہ اکثر مشورے
 کی رائے یہ ہے کہ مشورہ کا حکم وجوبی ہے۔

مومن علیہ السلام نہ ہی بھی فرماتے ہیں کہ مشورہ واجب ہے اور یہ صحابہ کرام
 لوگوں سے ہونی چاہیے۔ مگر آج کے مسلمان امرا، محرم اور سلاطین صحیح لوگوں سے
 مشورہ کہنا ترک کر چکے ہیں۔ برخلاف اس کے منہ کی کارروائیاں کر رہے ہیں۔
 ان کی جیسے قوم ہدایت کو ہر نقصان پہنچا ہے۔ جب خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مشورہ کرنے کے پابند تھے۔ تو کسی حاکم کو یہ حق نہیں پہنچتا وہ اصحابِ صلہ و عقہ سے مشورہ کے بغیر اپنی خواہشات نفسانہ کے پیچھے چلتا ہے۔ ہماری تاریخ میں جو عباس کے زمانے سے یہ مصیبت چلی آرہی ہے۔ کہ حاکم مشورہ سے معاملہ سلجھانے کی بجائے من مانی کرتے ہیں۔ اور اگر مشیر کے کہے پر سنے ہیں تو ایسے جو محض اُن کی ہاں میں ہاں ملائے والے ہوں، جو کچھ صاحبِ اقتدار نے کہ دیا انہوں نے اُس پر ہر تصدیق ثبت کر دی۔ یہی چیز قوم کو تباہی کی طرف لے جانے والی ہے۔

حضرت علیؑ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا حضور! جو بات ہے قرآن و سنت میں نہ مل سکے اُس کے متعلق کیا طریقہ اختیار کیا جائے آپ نے فرمایا شاوروا فقہاء انساب دین یعنی دین میں سمجھ رکھنے والے اور نیک لوگوں سے مشورہ کیا کرو ولا تصموا رايۃ الخاصۃ اور کسی خاص ٹکے دُکے کی بات نہ کرو کسی فاجر فاسق کو اپنا مشیر نہ بناؤ بلکہ نیک اور صالح لوگوں سے مشورہ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں میں برکت دے گا۔

آئی کی در سنت کا مسئلہ یہ آیا تو حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا اس کا حل میں قرآن و سنت میں تو نہیں پائے گا لوگوں سے مشورہ کرو گے۔ آپ نے اس کے لیے اعلان فرمایا پھر جس کے پاس علم تھا اُس نے آئندہ کو اسی طریقہ معاملہ طے ہوا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ بھی اہل لوگوں سے مشورہ کیا کرتے تھے حتیٰ کہ بعض معاملات میں عورتوں کی رائے بھی لے لیتے تھے۔

انفرض! اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ اپنے معاملات میں مشورہ کر لیا کریں فَارْأَوْا عِدَّتِمْ پھر جب آپ سخت ارادہ کر لیں۔ آپ معاملہ کے متعلق کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں مشورہ کے ذریعے کوئی بات طے ہو جائے فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ تو اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اُس معاملہ میں عمل پیرا بن جائیں اور کوئی حکم ہو تو اُس کو جاری کر دیں۔ اس سے مضمرین کو لازم سننے قانون اخذ کیا ہے کہ اگر کسی معاملہ میں ارادہ مختلف ہوں تو پھر امیر کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اکثریت کے

نہیں گرفتار بول کرے باقیہ کی لئے کوئی کمرہ ہے جو ہے اپنا آخری فیہ لاجاری
 کمرے۔ عام دنیوی امور میں کثرت لئے کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے۔ مگر اسلام
 کا اصول یہ ہے کہ اگر کوئی عاملہ تفاق لئے سے ملے ہوتا ہے تو لئے معینہ تقسیم
 کر لیا جائے اور اگر اس میں خلوت لئے واقع ہو جائے تو پھر میرا ہی عواہد
 سے اکثریت یا اقلیت میں سے کوئی بھی لئے تسلیم کر کے فیصلہ لئے سکتے ہیں
 وہ کثرت لئے کو تسلیم کرنے کا پابند نہیں ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ لئے بنی کہیم !
 جب تک کسی کام کا پختہ ارادہ نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس
 کو اپنے تکمیل پر پہنچا دیں کیونکہ محکمہ جنگ کا ہوا کوئی اور ہوا اس کا بنا دیا بلکہ اللہ تعالیٰ
 کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ سبب الاسباب ہے۔ آپ اس کے بھروسہ پر
 کام شروع کر دیں کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ یُحِیْتُ الْمَوْتُوکَیْنِ، بیشک اللہ تعالیٰ انہی
 کو پسند فرماتا ہے جو اس پر بھروسہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مکرمل علی اللہ وہی
 لوگ ہوتے ہیں جو اپنے وجود حقیقی کو پہچانتے ہیں۔

نصر الہی

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے دوسرا قانون یہ بیان فرمایا یَنْصَحُکُمْ
اللّٰهُ فَارْتَدِبْ لَعَلَّکُمْ تَرْحَمُوْنَ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا تو کوئی دوسرا
 تم پر غالب نہیں آسکتا۔ اللہ تعالیٰ نبی کے کاموں میں مدد کرے گا۔ ضیق و فحشاء
 عیاشی، خجاشی اور فحش کے کاموں میں مدد نہیں کرے گا اور نہ وہ ایسے لوگوں کو
 غالب کرے گا۔ اور دوسری بات یہ وَ اِنْ یَکْشَکُمْ دَرَ اَکْثَرُ دَرِ اَکْثَرِ دَرِ اَکْثَرِ
 ہے۔ اور وہ برائی، بیجانی، ظلم اور کھٹکھٹ لئے دلوں کو ذلیل و خوار بھی کر دیتا ہے
 مگر ایسی صورت پیدا ہو جائے تو فرمایا یَا دُرُکْھُوْا اِنَّکُمْ کَانَ الَّذِیْ یَنْصَحُکُمْ مِنْ لَّدُنْہِ
 پھر اس کے سر تمہاری کون مدد کرے گا۔ کوئی بڑے سے بڑا حکم بادشاہ یا دیگر
 کوئی بھی جو تمہاری مدد کر نہیں سکتا کیونکہ حکم الہی کہیں سے تمہاری مدد روک نہیں
 اور اس سے بڑی سپر پاور اور کوئی نہیں جو اس کے حکم اور اس کے کوئی
 سکتے۔ لہذا تم میں اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہو گا، اس کی مشق

خلافت کوئی بھی تمہاری مدد کو نہیں پہنچے گا۔ فرمایا جب یہ اصول اہل سب سے تمہیر پر بھی
 حقیقت ہے۔ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ کہ جن لوگوں کے دل
 نور ایمان سے منور ہیں وہ اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ وہ اور حیرانہ حیرے
 میں بکریاں نہیں مارتے۔ غیر اللہ کے دروازوں پر نہیں جاتے بلکہ فقط اسی ذات
 وحدہ لا شریک پر بھروسہ کرتے ہوتے اپنے معاملات اسی کے سپرد کرتے ہیں۔

ال عمران ۳

آیت ۱۶۱، ۱۶۲

لن تنالوا

درس چہارم و شش ۵۶

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكْفُرَ وَمَنْ يَكْفُرْ يَأْتِ بِمَآثِلَ
يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ
وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (۱۶۱) أَفَمِنْ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ
كَمَنْ آذَى بَسْطِ مَنْ اللَّهِ وَمَا أُولَئِكَ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ
الْمَصِيرُ (۱۶۲) هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ
بَصِيرٌ يَمَّا يَعْمَلُونَ (۱۶۳)

ترجمہ: اور نہیں لائق نبی کے یہ بات کہ وہ خیانت کرے۔ اور جو شخص خیانت
کرے گا، تو وہ لایکچائس چیز کو جو اس نے خیانت کی قیامت کے دن۔ پھر لوہا پورا
یاد دیا جائے گا کہ نفس کو جو اس نے کہا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا (۱۶۱) بھلا
جس شخص نے اللہ کی رضا مندی کی، بعد ازیں کی، کیا وہ اس شخص کی حرمت پر سخت
ہے جو اللہ کی ناراضگی اور غضب سے کر لیا ہے۔ اور اس کا ٹھکانا جہنم میں ہے
اور وہ لوٹ کر جانے کی بہت ہی بڑی جگہ ہے (۱۶۲) اللہ کے نزدیک یہ
مختلف درجات ہیں۔ اور اللہ تمہارے میں رکھتا ہے ان کا سو کو جن کو یہ لوگ
کہتے ہیں۔ (۱۶۳)

گفتہ شدہ درس میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاق عالمیہ ربط ایت
کا تذکرہ فرمایا تھا کہ آپ کا حق اخلاق کامیابی کی دلیل ہے۔ اسلام کی تبلیغ کے
سلسلہ میں کسی امت کا علم قانون ہی ہے تو حق الحی سید علی نقیؑ بابا جنت
والنصر عظیمہ کہ تبلیغ اسلام کا فریضہ آپ کے طریقے سے اور خوش اخلاقی سے

انجام دو۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کی طرف روانہ کئے
وقت فرمایا تھا کہ تم ایک اکٹھے مزاج اور ظالم قوم کے پاس جا سبے ہو۔ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَفْعَلُونَ
لَقَدْ عَلِمْنَا لَئِنَّكَ لَمِنَ الْفٰسِقِیْنَ لٰہے فرعون کے ساتھ نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید
وہ نصیحت حاصل کرے اسے غرضیکہ اسلام نے ہمیشہ غرض غلطی کی تعلیم دی ہے۔

حضور علیہ السلام کے صحابہ سے اصرار کے موقع پر جب بغزش ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے
آپ کو فرمایا کہ ان کو معاف کر دیں، اُن کے سینے خشش کی دھاکریں اور اُن سے
مشورہ بھی کر سکتے ہیں۔ کہیں دل بدداشتہ ہو کہ آپ بھی یہ سے مشورہ کرنا ترک نہ
کر دیں بلکہ انہیں ہمیشہ اعتقاد میں سے لیا کریں کیونکہ مشورہ بڑی اہم چیز ہے اللہ تعالیٰ
نے حضور علیہ السلام کو یہ بھی فرمایا کہ مشورہ کے بعد جب آپ کسی معاملہ کے متعلق کوئی
حتمی فیصلہ کر دیں تو پھر اللہ کے بھروسہ پر سے انجام دے دیں۔ کیونکہ مشورہ مصلحتیں اللہ
کے محبوب ہیں۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر محمد علیہ السلام کو اس کے اخلاق
کو ایک اور پہلو سے بیان فرمایا ہے۔ اللہ کا نبی جس طرح نرم مزاج اور رحم دل
ہوتا ہے اسی طرح وہ امین اور دیانت دار بھی ہوتا ہے۔ کسی نبی کے متعلق یہ گمان
کرنا کہ وہ (لغو و باطل) خیانت کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے اپنی کے منصب کے
خلافت ہے۔ اللہ کا نبی معصوم معن اخطا یا ہوتا ہے۔ وہ است کے لیے بہترین
نمونہ ہوتا ہے۔ سزاؤہ کسی غیر اخلاقی فعل کا موجب نہیں کرتا۔

شبان نوری

ارشاد ہوتا ہے۔ وَتَکَانَ لَیْلَیْنِیْ اَتٰی یُعْذِرُ بِہِ بَیِّنَاتٍ کَیْفَیْ سَمِعَ رَافِقُ
نہیں کہ وہ خیانت کرے یا کسی چیز کو چھپائے۔ مفسرین کرم فرماتے ہیں کہ اس
سیت کا متعلق غزوہ بدر سے متعلق ایک واقعہ کے ساتھ ہے۔ جنگ بدر میں
جبریل غیبت مسالوں کو حاصل ہوا اس میں سے ایک کھیل یا چادر گم پائی گئی اس
کے متعلق لوگوں نے مختلف خیانات کا اظہار کیا۔ بعض نے کہا کہ شاید یہ چادر
حضور علیہ السلام نے خود لیے لی ہو اس قسم کی بات اگر متعلق کرے تو اس سے

چہر بعد نہیں کیونکہ انہیں تو بات کرنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ چاہیے۔ البتہ اگر کسی نے اس نے یہ بات کی ہوگی تو یہ سمجھ کر کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوئی بھی چیز حاصل کرنے کا مکمل حق حاصل ہے۔ لہذا اسی حق کی بنا پر آپ سے یہ چادر لے لی ہوگی۔ یہیں ہمہ اللہ تعالیٰ نے نبی کی طرف سے ایسے فعل کے ارتکاب کی سختی سے ترمیم فرمائی۔ اور لوگوں کو خبر دلایا کہ تمہارا نبی اخلاق کے عالی مرتبت پر فائز ہے۔ لہذا یہ گمان بھی نہ کرنا کہ مسلمانوں کی اصلاح کے بغیر خود بخود بھی کوئی چیز اپنے لیے رکھ لے گا۔

غلول
مقصود

غلول اصل میں مالِ قیمتی میں سے کسی چیز کے چھپا لینے کو کہتے ہیں اس کے علاوہ غلول کا اطلاق مطلقاً خیانت پر بھی ہوتا ہے۔ یہ لفظ کسی دوسرے کے حق کے متعلق پر بھی بولا جاتا ہے۔

ترمذی شریعت میں حضور علیہ السلام کی حدیث مبارکہ ہے ان اللہ لا یقبل صلوٰۃ بغیب طہور ولا صدقۃ من غلول یعنی اللہ تعالیٰ طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں کرتا اور خیانت کے مال میں سے صدقہ قبول نہیں کرتا۔ مقصد یہ کہ غلول مطلقاً خیانت پر بھی بولا جاتا ہے اور مالِ عظیمی میں سے کسی چیز کے چھپا لینے کو بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی تہلہ مسلمانوں کے ساتھ خیانت کا ارتکاب ہوتا ہے اسلام نے اس ضمن میں بڑی واضح ہدایت دی ہے۔

خیانت
کے
مقصود

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے لا یجوز لامر و مسلم حالاً غیباً بطیب ذنوبہ کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے کہ کسی دوسرے مسلمان کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر قبضہ میں لے۔ اگر اپنی خوشی سے ایک مسلمان دوسرے کو کوئی چیز دیتا ہے تو وہ جائز ہے اور چوری، خیانت، دغا بازی یا سوا اس سے کوئی چیز حاصل کرنا دوسرے بھائی کو حق ضائع کرتا ہے۔ مسلم شریعت کی حدیث میں تو یہ بھی آتا ہے کہ اگر کچھ آدمی اکٹھے کھجوریں کھا رہے ہوں تو کسی کے جبے روانہ نہیں کہ وہ ایک کی سبائے دو دو کھجوریں کا قلم بنائے البتہ اگر اس کے

شریکِ نعم اُس کو اجازت فرمائی، اور پھر جائز ہے۔ غرضیکہ کسی مسلمان کے لیے نہ سبب نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو بھائی کا حق بغیر اُس کی اجازت کے چھل کرے چہ جائیکہ اللہ کا جی ایسا کام کرے۔

ترمذی شریف میں غزوہ خیبر یا کسی اور جنگ سے متعلق واقعہ آتا ہے حضور ﷺ کا ذکر کردہ نامی ایک غلام تھا۔ وہ جنگ میں مار گیا۔ لوگوں نے کہا کہ اُس کے لیے شہادت مبارک ہو۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کئے ہرگز نہیں، وہ تو جہنی ہے۔ اُس غلام نے غنیمت کے نام میں سے ایک چارہ بھجوا دیا، وہ اس پر شعلے بن کر چمٹ رہی ہے۔ یہ سن کر لوگ سخت خوفزدہ ہوئے۔ اور جس کسی نے کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی مالِ غنیمت میں سے تقسیم کے بغیر حاصل کی وہ جہنی سب واپس کر دی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر کسی شخص نے جوئے کا ایک کمر یا وہ قیسے بھی ناحق وصول کئے ہیں۔ تو وہ بھی روزِ آخر میں لے جانے کا باعث ہیں۔ آپ نے فرمایا: شراک فی النار و شریکان فی النار ایک شخص نے مشترکہ مال میں سے ایک معمولی دھاکا دیکھ لیا تھا۔ جب حضور علیہ السلام کی وعید شنی برود دھاگے کے حوالہ پر گویا آپ نے فرمایا: اب تو وہ مال تقسیم ہو چکا ہے۔ اس دھکے کو میں اب باقی مسلمانوں میں کیسے تقسیم کروں۔ تم نے غلط کام کیا ہے غرضیکہ آپ نے سخت مار چھوڑی کا قصد فرمایا۔ گویا خیانت کیسے کرنا ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت ثربان سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: من خرج روحه لحسد و هو یمن ثلاثاً دخل الجنة الکبیر و انفلو و لدین یعنی جس شخص کی روح اس حالت میں اُس کے جسم سے جدا ہوئی کہ وہ تین چیزوں سے پاک ہے یعنی تکبر، خیانت اور قرض، تو وہ شخص جنت کا عقدار ہے۔

تکبر صرف ذاتِ باری تعالیٰ کو ہی سزا دے دینے کی نالی کے لیے یہ بیت ہی بُری تفسیر ہے۔ تکبر کا معنی ہے نصِ الحق و غفلت الناس

یعنی سچی بات کو ٹھکرا دینا اور لوگوں کو حقیر جاننا۔ طاقت، دولت، اقتدار، قومیت وغیرہ کی بناء پر دوسرے کو حقیر جاننا اور سچی بات کو ٹھکرا دینا تکبر کی نشانی ہے۔ یہ وہی بیماری ہے۔ جو انیس کو لاحق ہوئی اَلْبَاطِلُ وَاسْتَكْبَرُوا وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ

انیس نے انکار کیا اور تکبر کیا حتیٰ کہ جس سے وہ جہنمی بھڑا، اُس نے کہ کہ میں ناری ہو کہ غامی کے سامنے کیسے جھک سکتا ہوں، میں آدم کی تعظیم نہیں کر سکتا، کیونکہ نَاخِيْنٌ قُلُوْبُهُمْ اِس سے اعلیٰ ہوں۔ تکبر بہت بُری بیماری ہے۔ اور اس کا علاج اس سے زیادہ مشکل ہے۔ جبہ گان دین فرماتے ہیں کہ ایک پادشاه کو سوئی کے ساتھ اٹھا کہ دوسری جگہ منتقل کرنا آں ہے مگر تکبر کو کسی کی طبیعت سے نکلنا بہت مشکل ہے، ہزار گان دین لوگوں کی تربیت کراتے وقت سب سے آخر میں تکبر کو ان کے دل و دماغ سے نکالتے ہیں، یہ ایسی بیماری ہے۔ جس کا علاج بڑا مشکل ہے

فرمایا دوسری چیز غلول یعنی خیانت ہے جس کی وجہ سے لوگ جنت سے محروم ہو کہ دوزخ میں پہلے جائیں گے۔ خیانت خیر مال غنیمت سے ہوا مطلق خیانت، یہ بہر حال بہت بُری فعلیت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنت میں داغ کے لیے اس سے بریعت ضروری ہے قسری اہم چیز قرض ہے۔ فرمایا کسی شخص کے ذمہ قرض نہ نہیں ہونا چاہیے جبکہ کہ وہ زندگی کی آحسنی سانس سے رہا ہو۔ قرض دوسرے کا حق ہوتا ہے جسے لازماً واپس لوٹنا چاہیے اسے اور کسی بغیر جان نہیں بھیج سکتی، آخرت میں پچھ جائے گا۔ عورتوں کا ہر عمل ان کے ذمہ قرض نہ ہوتا ہے۔ جو لوگ اور انہیں کہتے وہ مجرم ہیں۔ اگر معاف بھی کرنا ہے تو عورت خوشی سے معاف کرے۔ اگر محض رواجی طور پر معافی کا لفظ ادا کر دیا، تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ انوس کا مقام ہے کہ بڑے بڑے مالدار لوگ مہر اور انہیں کہتے اور معافی کے چکر میں پڑے رہتے ہیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ قرض کو خدا بھی معاف نہیں کرتا جب تک حقدار اُسے معاف نہ کرے۔ اسے معمولی بات سمجھ کر اس سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ بہتر ہے کہ ہر مکان

حتیٰ الاکان قرعہ لیٹنے سے اجتناب کرے۔ اسکی بجائے تکالیف برداشت کرے
صبر کرے مگر قرعہ نہ لے کیونکہ اس کی اورنگی میں بڑی مشکلات پیش آتی ہیں۔
جب قرعہ ادا نہیں کرتا اور مثال مٹول اور جھوٹے دھڑے کر کے تو مزید صدمہ کا ارتکاب
کرتا ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو ان تین چیزوں
یعنی کجکر، خیانت اور قرعہ سے بچ کر آگیا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

عائشہؓ کا کہنا: الغرض! فرمایا بھی نبی کے یہ لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے وَمَنْ يَخْلُقْ
اور جو کوئی خیانت کا ارتکاب کرے گایاتِ پسماعل یَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَوُہ
خیانت شدہ چیز کو قیامت کے دن اپنے ساتھ لے کر آئے گا۔ اور پھر اس کی پڑائی
ہوگی۔ حضور غنیہ لَعْنَتُہُ وَالسَّلَامُ کا فرمان ہے۔ سے نہ گواہ میں نے تم کو خبردار کر دیا
ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا اونٹ چوری کرے گا، تو قیامت کے
دن اُسے اپنی گردن پر اٹھا کر لائے گا۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے کسی دوسرے کی زمین
پر ناجائز قبضہ کیا ہے۔ تو زمین کا وہ ٹکڑا ساتوں زمین نیچے تک اُٹس کے گلے میں
ڈال دیا جائے گا۔ جو اُسے کھینچتا ہوا لائے گا۔ اسی طرح فرمایا۔ اگر کسی نے سواونٹ
چوری کیے ہیں، تو سب سے پہلی گردن پر اٹھا کر لائے گا۔ بعض لوگوں نے اس شکل کا
انداز کیا ہے کہ زمین جیسی بڑی چیز سواونٹ ایک آدمی کیسے اٹھا کر لائے گا۔ اس
ضمن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ایسی باتیں مغربی ذہن کے انجینیئرین
لوگ کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہی سوال بھی صحابی نے حضور علیہ السلام
کی خدمت میں پیش کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز کفار کے جسم سے
بڑے بڑے ہوجاؤں گے کہ ان کی ایک دھڑا ہڈ پائٹس کے برابر ہوگی اور ان کے
پیشے کی جگہ دین سے رجزہ تک یعنی جہنم میں نمی چوڑی ہوگی۔ تو سب سے بڑے جسم
کے لیے سواونٹ یا کوئی اور بڑی چیز اٹھانے کے مشکل ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ بھی
ہو سکتا ہے کہ اٹھائی جانے والی چیز حقیقی نہ ہو بلکہ مثالی ہو۔ اونٹ سو ہول یا ہزار مثلاً
دُک میں پیش کرتا کوئی شکل ہے۔ اور اگر کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے تو بھی گھدی

کھڑا ہو گا بمقصد یہ ہے کہ جس دین پر بڑا فعل ظاہر کر دیا جائے گا۔ انسان جس چیز کو زندگی بھر چھپائے پھر تارک، قیامت کے دن سب کے سامنے ہوگی ابہر حال حضور علیہ السلام نے فرمایا: بیچ جاؤ! میں نے تم کو خبر دیا کہ دیا ہے۔ جو کوئی خیانت سے کسی چیز پر قبضہ کرے گا۔ وہ سب قیامت کو ظاہر ہو جائے گا۔

جسٹس کل

فرمایا قیامت کے دن تمام پرشیدہ اعمال ظاہر کر دینے کے بعد
 تَحْرُكُوهُنَّ كُلَّ كَفَّسٍ مَّا كَسَبَتْ ہر نفس کو اس کے عمل کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ وَهَسْرُكَ لَا يُغْلَصُونَ اود کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ تمہارے خود کردہ اعمال ہیں، میں نے ان کو شمار کر رکھا ہے اب اس کا جھگڑا کرو۔ ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہوگا۔ کسی کا عمل کسی دوسرے کے ذمے نہیں لگایا جائیگا۔ اود ہر جرم کی مناجرم کی نیکی کے مطابق دی جائے گی۔ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔ انبئہ اللہ تعالیٰ کی خبر باتیں یہ حد و پیمانہ ہونٹی اس کی رحمت کے دروازے کھلے ہوں گے۔ نیکی کا اجر کم از کم دس گنا ہوگا جو بڑھ کر سات سو تک یا لاکھوں گنا تک بھی ہو سکتا ہے۔

نیکو
بروئے نہیں

اے ارشاد ہوتا ہے۔ اَقْبَلْنَا اِسْمَاعِيلَ رِضْوَانُ اللّٰهِ كَمَنْ اَبَاءَ بِسَخِطِ
 وَنَ اللّٰهُ کیا وہ شخص جو اللہ کی رضا چاہتا ہے اس شخص کی مانند جو اللہ کی ناراضگی سے کڑوا ہے۔ کفر، شرک، نافرمانی، حق تعالیٰ پر چوری، خیانت وغیرہ خدا کی ناراضگی کے کام ہیں۔ جو شخص عمر بھر ان کاموں میں لگا رہا وہ اس شخص کی طرح کیے ہو سکتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرتا ہے، اس کے احکام پر عمل کرتا ہے۔ اور حقوق خدا کی خدمت کرتا ہے۔ اللہ کی ناراضگی مول لینے والے کے متعلق فرمایا وَمَا وُسَّ جَهَنَّمَ اِیْہِ شَخْصٌ کَاثَمًا وَاذْنُہُ۔ وَیَسُّنُ الْمَصْنُوعِ اور یہ لوٹ کر جانے کی نہایت ہی بُری جگہ ہے۔

نیکی اللہ
ہی ہے رجا

ہر نیک و بر کے متعلق فرمایا مَسْرُورٌ رَجَتْ عِنْدَ اللّٰہِ اَمْرُہُ
 ہوں اُن سب کے درجات ہیں نیکی کے بھی درجات ہیں اور بُرائی کے بھی درجات

ہیں۔ جس قسم کا عمل ہو گا، اُسی قسم کی عجز ہوگی۔ مگر میں نے اس سے حذر ڈاکو اور خائن و بفر کا درجہ سمجھ لیا ہو گا۔ کافر لگے ہوں گے، مشرک اور بدعتی چپتے درجے میں ہوں گے عیاشی، افحاشی اور شراب نوشی کرنے والے اس درجہ میں ہوں گے۔ اور ان سے ایک ایک جرم کا موازنہ کیا جائے گا۔ اور درجہ بدرجہ سزا دی جائیگی۔ اسی طرح نیکی کے بھی درجات ہوں گے۔ اللہ نے فرمایا وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِّمَّا عَمِلُوا مِنْ شَيْءٍ كَرَامَاتٌ اُن کے عمل کے مطابق ہوں گے، جس طرح دنیا میں اونچے نیچے ہے اسی طرح آخرت میں بھی تفاوت ہو گا۔ بعض لوگ نہایت بلند درجوں میں ہوں گے اور بعض نہایت ہی پستی میں ہوں گے۔ فرمایا وَاللّٰهُ يَبْصُرُ اَبْعَاثُكُمْ لَتُنْفَخُنَّ اَنْفُسُكُمْ فَاَنْتُمْ اِلٰی رَبِّكُمْ تَرْجِعُونَ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ لہذا وہ اعمال کے مطابق ہی عجز اور سزا کا فیصلہ کرے گا۔

آل عمران ۲

آیت ۱۶۴

لَنْ تَنَالُوا

درس پنجم و ہفت ۵۴

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا
مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي
ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿١٦٤﴾

ترجمہ: تحقیق اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے اندر انہی میں
سے ایک رسول بھیجا ہے۔ وہ ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ وہ ان کا تزکیہ کرتا
ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ وہ بیشک اس سے پہلے یہ لوگ گمراہی
میں تھے ﴿۱۶۴﴾

گزشتہ درس میں سبحان اللہ تعالیٰ نے اس چیز کی وضاحت فرمائی تھی کہ نبی کی شان کے
شایاں نہیں کر وہ مابین تعلیمت میں سے کوئی چیز از خود پیشہ پاس رکھتا ہے۔ وہ دوسرے
جماعت کا سربراہ ہے۔ اس کو اللہ نے اجازت دی ہے کہ جو چیز چاہتے سرعام
اپنی تحویل میں لے۔ لہذا اُسے کیا ضرورت ہے کہ کوئی چیز تخفیہ طور پر لے لے۔
اللہ کا پیغمبر ایسا نہیں کر سکتا۔ اللہ نے ان لوگوں کی ترویج فرمائی جو اس قسم کا کام
کرتے تھے۔ آج کے درس میں سبحان اللہ جل جلالہ نے اپنے رسول کو اہل ایمان کے
لیے بطور نعمت پیش کیا ہے۔ آپ کے اوصاف حمیدہ اور آپ کے فرائض
کا تذکرہ کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اللہ تعالیٰ نے
ایمان والوں پر بڑا احسان کیا ہے۔ کج کام فہم معنی احسان کرتا ہے۔ جب کہ
اس کا اصل معنی قطع کرنا ہے۔ غریب معنی دے کے مبالغہ جس شخص کو نعمت حاصل ہو
جیسے اس کی تکلیف قطع ہو جاتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہوتا ہے۔ چنانچہ

جزائے عمل کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فَكَفَّهُمْ أَجْرَ عَيْنٍ مَّحْمُودٍ۔ اُن کے لیے ایسا اجر ہوگا جو منقطع نہیں ہوگا۔ کبھی زل نہیں ہوگا بلکہ ابدی ہوگا۔ اونٹوں کے پلنے سے جو گمردہ وغیرہ اٹھتا ہے اُسے سینہ سکتے ہیں کیونکہ وہ بھی آہستہ آہستہ منقطع ہوتا رہتا ہے مگر نیکی و نیکوئی کا لفظی معنی قطع کرنا اور مظلوم کی معافی احسان کرنا آتا ہے۔ اسی سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر بڑا احسان فرمایا ہے۔

قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کے لیے عموماً اور متقیین اور مومنین کے لیے خصوصاً فرلوحہ ہدایت فرمایا ہے۔ جیسے هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ "مُتَّقِیْنَ" یہ متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔ هُدًى وَبُشْرَىٰ لِّلْمُسْلِمِينَ "مُسْلِمِیْنَ" یہ مومنوں کے لیے ہدایت اور اُپشہدیت ہے۔ نیز هُدًى لِّلنَّاسِ وَبُشْرَىٰ قَرِيبٍ "لِّلنَّاسِ" عام لوگوں کے لیے مسیح ہدایت ہے اس طرح حضور علیہ السلام کی یہ دو حیثیتیں بھی بیان فرمائی ہیں۔ جیسے آپ کی زبان سے کہلایا قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ رَافِعَتْ سَنُوفُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا "اے نبی علیہ السلام! آپ فرمادیں کہ اُسے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ سب کی ہدایت اور اُپشہدائی کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔ اور آپ کی لائی ہوئی ہدایت اور اُپشہدائی سے سب سے زیادہ مستفید و متقین اور مومنین ہی ہوتے ہیں۔ لہذا حضور علیہ السلام کی رسالت کا زیادہ احسان بھی انہی پر ہے اور وہ احسان یہ ہے إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ "اَللّٰهُ تَعَالٰی کی دو عظیم نعمتوں میں سے پہلی نعمت حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجہ و مبارک سبب ہے۔ جو تمام انسانیت کے لیے بالعموم اور اہل ایمان کے لیے بالخصوص بہت بڑی نعمت ہے۔ کسی انسان کو جس قدر کمالات حاصل ہو سکتے ہیں، وہ صرف پیغمبر علیہ السلام کے واسطے سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ پیغمبر کی ذات ایک مومن کے لیے حصول کمال کا ذریعہ بھی ہے اور اقرب الی اللہ کا بھی اور پھر بالآخر نجات کا ذریعہ بھی یہی ہے۔ لہذا عظیم ترین نعمت یہی ہے

نصرت کریم اہم جعفر کا قرلی بیان کرتے ہیں۔ کہ دنیا کی مادی نعمتیں تو عام ہیں۔ کوئی انسان ان سے غالی نہیں۔ "أَسْبَغَ عَلَيْكُمْ فَعَمَلَهُ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا" اللہ نے تمہیں ظاہر و باطن کی تمام نعمتیں عطا کی ہیں۔ اور ان کی تعداد اس قدر ہے کہ تمہارے اعلاط شمار سے باہر ہے، اسی لیے فرمایا "وَلَنْ تَعْدُوا نِعْمَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْصَاكُمْ" اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو، تو ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں۔ ان کے اپنے وجود اور اس کی باطنی قوتوں سے ملے کہ ظاہری جسم کے تمام تعلقات اور اس کے ارد گرد اللہ کی اتنی نعمتیں موجود ہیں کہ وہ ان سے بروقت استفادہ کرنا ہوتا ہے۔ اہم صاحب فرماتے ہیں کہ اتنی کثیر تعداد میں نعمتیں موجود ہونے کے علاوہ دو نعمتیں ایسی ہیں جو ان سب سے بڑھ کر ہیں۔ فرمایا ایک نعمت پیغمبر خدا کا وجود ہے اور دوسری اللہ کا کلام قرآن پاک ہے اور یہ دونوں نعمتیں صرف ایمان والوں کو حاصل ہیں۔ مادی نعمتیں تو بعض اوقات ایمان سے محروم لوگوں کو اہل ایمان سے بھی زیادہ حاصل ہوتی ہیں۔ مگر عظیم ترین نعمتیں یعنی پیغمبر خدا اور قرآن پاک صرف اہل ایمان کا حصہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو نازل ان فی میں پیدا کر کے ان کے عروج، ترقی اور اعلیٰ مراتب کا بندوبست کر دیا ہے اور قرآن پاک جو اللہ کا کلام اور اس کی صفت ہے، اُسے نازل کر کے انسانیت کی عظمت کو مزید بلند کر دیا ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے متعلق اس کا عام قانون یہ ہے "لَنْ يَكْفُرَ كُفْرًا يَكْفُرُ اللَّهُ" اگر حصول نعمت پر میرا انکار اوکرو گے تو میں انعامات میں اضافہ کروں گا "وَلَنْ يَكْفُرَ كُفْرًا يَكْفُرُ اللَّهُ" عَذَابِي لَشَدِيدٌ اگر کفران نعمت کرو گے تو میرا عذاب بھی بڑا شدید ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر احسان فرمایا کہ ان میں ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا "وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ" پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ملائکہ یا جنات میں سے نہیں فرمایا بلکہ اہل ایمان کی جنس انسانی میں سے اٹھایا ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے۔

پیغمبر اور جنس
انسانی

کہ عرب و عجم میں سے اللہ نے آپ کو عربوں میں پیدا فرمایا۔ اور پھر عربوں کے قبائل میں سے بہتر قبیلہ میں پیدا کیا: یعنی اللہ نے آپ کو عرب کے سبب اشرف قبیلہ میں اٹھایا
گو یا اس مغلطہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء انانہ
بشر ہیں بلکہ سید البشر ہیں یعنی آپ تمام انسانوں کے سرور ہیں اور اسی نسل انانی میں سے ہیں
کسی دوسری جنس سے نہیں ہیں۔

سید محمد اکرمی بنداویؒ سنہ ۱۲۶۰ھ آخری دو دہائی کے عظیم مفسر گزشتے ہیں۔ آپ نے
روح المعانی جیسی عظیم تفسیر بیستیں جلدوں میں تالیف کی ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ یہ تفسیر انہوں نے
جوانی کے عالم میں لکھی ہے۔ آپ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ہم عصر تھے۔ شاہ صاحب زور ۱۲۳۹ھ
میں ہی وفات پا گئے، تاہم آپ کا زمانہ ۱۲۶۰ھ تک جاتا ہے۔ علم تفسیر کے ساتھ ساتھ
آپ کو فقہ اور علم حدیث پر بھی عبور حاصل تھا۔ آپ نے اپنی تفسیر میں یہ واقعہ بیان کیا ہے۔
کہ کسی نے امام عراقیؒ سے دریافت کیا کہ حضرت! ایمان کے صحیح ہونے کے لیے کیا
یہ شرط ہے کہ اللہ کا رسول بشر ہے، عربوں میں ہے اور بھی نہیں ہے؟ آپ نے جواب دیا
بیشک شرط ہے۔ جو شخص حضور علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ نہ رکھے اس کا ایمان صحیح نہیں
ہوگا، کیونکہ اس پر نفوس قرآنی کا انکار لازم آئیگا۔ اور آدمی کا فر ہو جائے گا۔ تو گو کہ میں
الْفَرَسِہم میں یہ تمام تعلقات شامل ہیں۔ اگر اس معاملہ میں کوئی ناواقف ہے۔ مسئلے
کا پوری طرح علم نہیں تو اسے بنا پڑے گا کہ بھائی! چھی طرح سمجھ لو کہ ہم نے بنی الان سے
اور عربوں میں سے تھے اور بھی نہیں تھے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص آپ کی بشریت
یا عربی ہونے کا انکار کرتا ہے تو وہ دائرہ کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔

بڑے انوس کا اقسام ہے کہ اس زمانے میں لوگوں نے عیسائیوں کی طرز پر نور میں
نور اللہ کا عقیدہ وضع کر لیا ہے۔ گو، انہوں نے وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِثْلَ جُودِہ
اللہ کے رسول کو اس کا جزو بنا دیا ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام
خدا کے بیٹے ہیں۔ جو بیٹا ہوتا ہے وہ باپ کا جزو ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس چیز سے
پاک ہے۔ انہوں نے بیٹا بنا کر خدا کا جزو بنایا، ہم نے اللہ کے نور میں سے نور کو کہ جسے

ہوئے فی تصدیق کردی۔ فرق کیا رہ گیا؟۔ ہاں بھی حضور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نور ہدایت یقیناً ہیں۔ آپ کے نور ہدایت کی روشنی چار دلائل عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ آپ انسان اور بشر ہیں اور بڑے بڑے عالمی مرتبے والے ہیں حضور علیہ السلام کی بشریت کا قرضہ قطعاً باعث توہین نہیں بلکہ شرف المخلوقات میں سے ہونے کی بنا پر آپ کی عظمت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق پر اللہ نے بطور انعام اس بات کا اعلان فرمایا کہ دیکھو میں نے مٹی سے کس قدر باکمال سستی کو پیدا کیا ہے۔ میری ترقی تیرے لئے اس بات کی ترجمانی یوں کی ہے میرے مالک نے میرے حق میں یہ جان کیا

خاکو نامیز تھا میں سوچھے انسان نمیب

لہذا بشر ہونا کمال کی علامت ہے نہ کہ توہین کی۔ صحابہ کرام بھی حضور علیہ السلام کے متعلق یہی بھیدہ کہتے تھے۔ اُن کے زمانہ میں نور اللہ کا کوئی بھیدہ موجود نہیں تھا۔ آپ نور ہدایت ہیں مگر انسان ہیں۔ عائشہ صدیقہؓ سے باکل بالوضاحت مروی ہے کہ رسول اللہ بشر اکمل البشر حضور علیہ السلام انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ مسلم کی روایت میں موجود ہے کہ بنی علیہ السلام نے خود سزا دیا میں بھی انسان ہوں۔ میں بھی کبھی بھول جاتا ہوں۔ اللہ نازل میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کہ وہ دلائل پر ذکر ہوئی کے الفاظ موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ خط اور نیا انسان سے ہی سرزد ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کے تمام لوازمات کھانا، پینا، قضا کے حاجت پوری پنچے، صحت، بیماری، زندگی اور موت وغیرہ تمام انبیاء کے ساتھ بھی یکساں ہیں۔ امور طبعیہ وراثت و غیرہ انبیاء کے ساتھ بھی لازم ہے۔ البتہ یہ ہے کہ انبیاء کا ایمان، اعتقاد، اور اخلاق غایت درجے کا ہوتا ہے اور وہ حد کمال تک پہنچے ہوئے ہیں، مگر میں بہر حال انسان۔

آیت کے الگ حصے میں اللہ نے اپنے نبی کے وہ کلام بیان فرمائے ہیں: ہر وہ انجام دیتا ہے پیغمبر خدا علیہ السلام کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ یسئلوا علیہم

وہ لوگوں کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ وہ لوگوں کو اللہ کے کلام اور اس کے احکام سے آگاہ کرتا ہے۔ یہ تلاوت پاک ہے اور اس لحاظ سے ضروری طبعی نظام اولین مینغ اسلام میں تلاوت قرآن عموماً دو مقاصد کے لیے ہوتی ہے۔ پہلا مقصد نقل و کتب اور دینی ایٹیکٹس میں ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے اس کی تلاوت کریں تاکہ لوگوں کو اللہ کے احکام و قوانین کا علم ہو سکے۔ اس کو تلاوت برائے تبلیغ بھی کہہ سکتے ہیں۔ تلاوت کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ انسان خود تلاوت کر کے قرب الہی حاصل کر سکے۔ نماز کے دوران تلاوت کلام پاک بہترین عمل ہے۔ اور اس کا اجر کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ اس وقت انسان اللہ کی صفت کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور اسے درجہ کمال حاصل ہوتا ہے۔

۱۔ اعتبار در تلاوت قرآن سب سے اعلیٰ درجہ حضور علیہ السلام نے تلاوت قرآن کو افضل الامور قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو شخص ایمان کی حالت میں نیک نیتی کے ساتھ تلاوت قرآن کرے گا۔ میں اسے مانگنے والوں سے زیادہ درجہ دے گا۔ وہ مجھ سے کوئی سوال نہ کرے۔ تلاوت کلام پاک کا اجر اس قدر زیادہ ہے۔ کہ ایک ایک حرف کے بدلے اللہ تعالیٰ دس دس نیکیاں عطا فرمائیگا۔ یہ شرط صرف قرآن پاک کو ہی حاصل ہے کہ کوئی اسے سمجھ کر پڑھے یا بغیر سمجھنے۔ حسبِ قیاس نہیں رہیگا۔ یہ ہے وہ قرآن مجید جس کے متعلق فرمایا کہ اللہ کا نبی اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔

فرمایا حضور اکرم علیہ السلام کا دوسرا فریضہ یہ ہے کہ ستر کتبہ صحر اور ان کو تار کر کے تار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لحاظ سے امت کے لیے مرشد ہیں کیونکہ تذکرہ نفس کو نامرتد کا کام ہے تذکرہ کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے انسان کی باطنی گندگی دور ہو جائے۔ اس عمل کو بزرگانِ دین تخلیہ سے تعبیر کرتے ہیں کہ انسان کی تمام رذائل خصلتیں دور ہو جائیں، کفر، شرک، نفاق اور بدعتیاتی وغیرہ سے پاک ہو جائے۔ اور اس کے بجائے انسان اوصافِ حمید سے متصف

میں لکھا

ہو جائے شرک کی جگہ تو حیدر آجائے کفر کی بجائے ایمان چل جیو اور بدھستوں کی برائیوں میں بدل جائے۔ یہ ہے وہ فکر کیسے مرشد برحق انجام دیتا ہے۔ جب یہ عمل پائے گئیں کو پہنچتا ہے تو معصیت کی بجائے عبادت کی صفت اُماتی ہے۔ اور تمام کدورتیں دور ہو کر انسان کا عقیدہ اور دین و وطن بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام تمام کائنات کے لیے باعہوم اور اہل ایمان کے لیے بالخصوص مرشد کامل ہیں۔ آپ نے اپنے صحابہ کی تربیت اسی طریقہ پر فرمائی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاقِ حمیدہ اور تربیتِ فاضلہ سے متعلق بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز میں کلام کرنا جو داخل نماز ہے کچھ لوگوں نے اندازے اندازے سے مجھے ڈنکا۔ مجھے بھی غصہ آیا۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو حضور علیہ السلام نے نہایت شفقت سے مجھے بلایا۔ پاس بلا کر فرمایا دیکھو! نمازیں اُن کی کلام کی گنجائش نہیں ہوتی۔ نماز تو اللہ سے کیے ذکر کے لیے ہے۔ اس میں بیچ و میل قرآن کی تلاوت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ نماز ہوتی ہے۔ لہذا نماز میں کوئی دوسرا کلام نہیں کہنا چاہیے۔ آپ نے مجھے سرزنش کی اور فرمایا: بھلا کہا بلکہ نہایت مشفقانہ انداز میں بات سمجھا دی۔ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم ہمارا آپؐ مصلحتاً میں نے کبھی ایسا شخص محکم نہیں دیکھا۔

اسی طرح ایک آدمی نے مسی میں پیشاب کر دیا۔ لوگوں نے اس شخص کی طرف قہر آور نظروں سے دیکھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُسے کچھ نہ کہو، یہ دوسرا دھرم بھانگے گا تو باقی مسجد کہہ بھی سکتا ہے کہ یہاں۔ جب وہ شخص پیشاب کر چکا تو آپؐ نے فرمایا یہاں پانی بہا کر جگہ کو صاف کر دو۔ ابو داؤد شریعت کی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے وہاں سے تھوڑی سی مٹی بھی نکلوا دی اس کے بعد آپؐ اُس آدمی کو نرمی سے سمجھایا کہ یہ اللہ کا گھر ہے۔ یہاں تلاوتِ قرآن پاک، نماز اور ذکرِ عبادت ہوتی ہیں۔ یہاں گندگی پھیلانا مناسب نہیں۔

ایک شخص نے آکر عرض کیا: حضور! میں ایمان قبول کر سنے کے لیے تیار ہوں۔
 اے مسلم چاہتا ہوں کہ تم اسے (فیاض)

شکر بکھنے نہا کی مت نہ چکی ہے محمد سے چھوٹی نہیں حضور علیہ السلام نے اُسے نہ
 قریب بلایا۔ اُس پہ اپنا دست شفقت رکھا اور دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کو بہشت
 نصیب فرما۔ پھر آپ نے اُس شخص کو کھجایا کہ دیکھو اگر کوئی دوسرا شخص تمہاری اس
 بات پر یا میری اسکے ساتھ اسی حرکت کرے، تو کیا تم پسند کرو گے۔ عرض کیا۔ حضور! ہرگز
 نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جن کے ساتھ تم زیادتی کرتے ہو وہ بھی کسی کی اس بات
 میں ہوتی ہے۔ یہ سن کر وہ شخص سخت ادھر ہوا۔ اور اس قبیح فعل سے ہمیشہ سکے
 سینے تا ثوب ہو گیا۔ اسی چیز کو ہم سب کہہ انسان سے بُری خصلتوں کو نکال جائے
 اور اس میں اچھی خصلتیں پیدا کی جائیں۔ یہی وہ فریضہ ہے۔ جو ہی علیہ السلام انجام
 دیتے تھے۔

فرمایا اللہ کا نبی تیسرا کام یہ کہ تم سبے قُلُوبُكُمْ اَنْ تَكْذِبَ وہ لوگوں کو
 کتاب کی تعلیم دیتا ہے۔ کتاب اُسے مردِ قرآن پاک ہے قرآن پاک اگرچہ عربی زبان میں
 نازل ہوا اور اس سے وہیں مثنیٰ بھیجیں بھی عرب ہی تھے۔ اس کے بعد اور اس کے روز کا
 یہ وضاحت کی ضرورت پیش آتی تھی بعض اوقات بعض امور کو سمجھنے میں ہل نہ
 بھی وقت محسوس کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی نبی کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ امت کو منزل
 من اللہ کتاب کی تعلیم دے۔ قرآن پاک کی یہ بات جب نازل ہوئی تھی یَسْتَبَيِّنْ
 لَكُمْ اَلْحِكْمَۃَ الَّذِیْضُ مِنَ الْخٰیظِ اَلَا سُوْدٌ مِّنْیَیْ جِبْ سَفِیْدٌ دھماکہ سیاہ دھماکہ سے
 سے ظاہر ہو جائے۔ گو سحری کھانا بند کر دے تو بعض اہل زبان نے بھی سفید اور سیاہ دھماکہ
 پاس رکھ دیتے، تاکہ اختتام سحری کا تعین کر سکیں۔ جب یہ بات حضور علیہ السلام کے پاس
 میں کی گئی تو آپ مکرانے اور فرمایا تمہارا تمہارا چہرہ اسے جس میں تم نے رات درون
 کو لپیٹ کر رکھ دیا ہے۔ فرمایا سیاہ اور سفید دھماکہ سے مراد رات درون ہیں۔
 یہ عام دھماکہ مراد نہیں ہیں۔ چنانچہ اس ہشتیابہ کو روز کر کے کیلے شہر خانے
 سے عِبَّ الْعِبَّ کے الفاظ کا اضافہ فرمایا۔

اِنَّ وَرَ اٰیۃً پسنے سے لوگوں کی یہ صفت بیان ہوئی لَذِیْنِ اٰمَنُوْا

فَرِيًّا وَإِنْ كَانَ مِنَ الْقَبِيلِ كَفَىٰ حَذِيرٌ مُّبِينٌ۔ بیشک حضور کی مشیت سے
 قبیل یہ لوگ سرسبز گھر ہی ہیں جسے یعنی اس قدر پیش کی ہوئی قوم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
 تعلیم قرآن و حکمت، تہذیب نفس اور تادیت قرآن کے ذریعے ایکہ باطن
 اور تمدن قوم بنا دیا۔ اس زمانے میں جگہ جگہ بت رکھے ہوئے تھے حتیٰ کہ خود بیت اللہ
 شریف میں ۲۶۰ بت تھے، پوری کی پوری قوم مشرک کی مشیت میں گرفتار تھی تو وحید
 کا تصور رکھنے والا کوئی اکاؤنٹ آدمی ہی ملتا تھا۔ انہوں نے مشیت ہر ایسے کے سوا
 کو جگہ کر رکھا، بتا۔ گزشتہ چار سو پانچ صدیوں سے پوری دنیا مشرک کی پیمت میں آچکی
 تھی۔ ان حادثات میں اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص احسان فرمایا کہ ایک عظیم الشان رسول مبعوث
 فرما کہ ایمان اور فیکی کی دولت عطا فرمائی، قرآن و سنت جیسی عظیم نعمتیں عطا کیں، اس
 سے زیادہ اللہ کا کیا احسان ہو سکتا ہے۔

اَنْ تَسْأَلُوْا

اَلْعَمْرٰن ۳

درس نفاذِ حُریت ۵۸۔

آیت ۱۶۵ تا ۱۶۸

وَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَهَا
 قُلْتُمْ اِلٰی هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۚ اِنَّ
 اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَا اَصَابَكُمْ یَوْمَ
 التَّقٰی الْجَافِیْنَ فِیْ اَذِنِ اللّٰهِ وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۶۶﴾
 وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ تَافَقُوْا عَلٰی وُقُیْلِ لَّهْمْ تَعَالَوْا
 قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاذْفَعُوْا ۚ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ
 فِیْ سَالٍ لَا تَبْعُنَاكُمْ مِّمَّنْ لِّلْکُفْرِ یَوْمٌ اَقْرَبُ
 مِنْهُمْ لِلْاِیْمَانِ ۚ یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا کِیْسَ
 فِیْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَکْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾
 الَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اِطَاعُوْا مَا
 قُتِلُوْا قُلْ فَاذْرُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمْ لِّمَوْتٍ اِنْ
 كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۶۸﴾

ترجمہ: جب کہ جس وقت پہنچے تم کو مصیبت، تو تم سے پہچان تھی اس سے ڈو گئی۔ تم نے کہا یہ کہاں سے آئی ہے، اسے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے، وہ تمہارے نفس کی طرف سے آئی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿۱۶۵﴾ اللہ جو کہ تم کو اس دن پہنچا جس دن دو جماعتیں آسنے سے ملے ہوئیں، پس اللہ کے حکم سے اور تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان والوں کو ﴿۱۶۶﴾ اور تاکہ تمہارے ان لوگوں کو جنہوں نے منہ سے نفرت اختیار کی، اور ان سے کہا گیا کہ اللہ و اللہ کے راستے میں یا دشمن کو نفع

کرو تو دیکھنے لگے کہ اگر ہم جانستے کر لی لڑائی تو ضرور قتل و املاک کرتے۔ وہ لوگ گھبرا کر
 طرف اس دن زیادہ قریب تھے برائیت ایمان کے۔ اپنے مومنوں سے وہ بات
 کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اُس چیز کو
 جس کو وہ چھپاتے ہیں (۱۳۷) وہ لوگ جنہوں نے اپنے بھائی بندہ کے ارے
 میں کہا اور خود بیٹھ گئے، اگر میری ہماری دست مان لیتے تو دے مائے جلتے۔
 اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ میں نے اپنے نفسوں سے موت کو اگر تم یہ
 بھ (۱۳۸)

اس درس کی آیات بھی واقعہ احمد کے سلسلہ ہی کی کہیاں ہیں۔ پہلی آیات
 میں گنہگار کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں یا کافروں کی بات ماننے سے
 منع فرما دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ جن لوگوں سے
 غلطی سرزد ہوگئی تھی ان کے ساتھ نرمی، رنج و کدیں اور ان کی غلطیوں کو کرنا بیہوش
 کی اللہ رب العزت سے معافی طلب کریں اور آئندہ اس کے ساتھ مشورہ
 کیا کریں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے منافقیت میں خیانت کے مسئلہ کو
 بیان فرمایا۔ پھر خداوند کریم نے اپنے اُس عظیمہ حال کا تذکرہ فرمایا جو اس نے
 بنی نوح، انس پر بالعموم اور اہل ایمان پر بالخصوص کیا۔ اور وہ جہان پر سب سے
 کہ اس کی سب سے اور خاندان میں سے ایک عظیمہ انسان رسول مبعوث فرمایا، جو
 اللہ کا پیغام ان تک پہنچاتا ہے۔ ان کا مزکہ کرتا ہے اور کتاب و حکمت
 کی تعلیم دیتا ہے۔

آج کے درس کی آیات بھی خزوہ احمد کے ضمن میں ہی ہیں۔ سس
 جنگ میں مسلمانوں کی کوتاہی کی وجہ سے فتح شکست میں تبدیلی جوئی مشترک
 مسلمان تیر ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کے جسم پر چوڑیاں تھیں۔ ان تمام غول کا مسلمانوں کو بہت عذاب تھا۔ لہذا
 اللہ تعالیٰ نے انہیں مختلف طریقوں اور مختلف الفاظ سے تسلی دی۔ وہ

آئندہ کے لیے محتاط رہنے کی تعلیم دی۔ ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بنادیا کہ آخر یہ
اس واقعہ میں اہل ایمان کو تکلیف پہنچی جسے نہ کہ اس تکلیف میں بھی بہت سی نعمتیں ہیں
جن کا تذکرہ آگے کر رہا ہے۔

اس مقام پر اللہ جل شانہ نے اہل ایمان کی نفس کے لیے ارشاد فرمایا
اُولَٰئِكَ اَصْحَابُ الْكُفْرِ مُصِيبَةٌ لَّهُمْ فِيهِ مَوْءَدَةٌ لِّلْاَشْوَءِ فِيهِ تَلْخِيفٌ لِّلسِّنِّ مَوْءَدَةٌ
تمہیں یاد ہونا چاہیئے۔ قَدْ صَبَّبْتُ فَحْشًا يَكْتُمُ اس سے پہلے دشمن
کو دہنی تکلیف پہنچا چکے ہو۔ اُس کے مقام پر تو مسلمانوں کے صرف ستر آدمی تھے
ہوئے ہیں مگر ہر کی جنگ میں کفار کے نہ صرف ستر اکابر مارے گئے تھے بلکہ
اتنی ہی تعداد میں وہ قیدی بھی بنے تھے۔ گویا تم ان کو دُکھ نصیب پہنچا چکے ہو۔ لہٰذا
احد کی شکست سے دل برداشتہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی شکست کے باوجود
اُن پر بہرحال فرمایا کہ کافروں کے دلوں میں کمالوں کا رعب ڈال دیا۔ وہ تو مسلمان
کو قیدی بنائے اور نہ خود دیاں زیادہ دیر بھر کے بلکہ جی حاکمیت اسی میں سمجھی کہ مکے و اہل
پلٹ جائیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اس وقت کی کیفیت بیان فرمائی ہے
کہ جب شکست ہوئی، تکلیف پہنچی قَدْ صَبَّبْتُ اِلَيْهِمْ فَحْشًا اَتَمُّ پکار اُٹھے۔ یہ کیا ہو گیا
بہشتِ کست کے ہو گئی۔ ہم توقع پر تھے۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے
واسے ہیں۔ ہمیں کیوں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ
نے فرمایا وَاِنَّ لَكُمْ فِيْغِيْرٍ اِلَيْكُمْ فَهَؤُلَاءِ جُنُودُ اَلْفِیْکُمْ
یہ تکلیف تمہیں خاص تھا کہ اے ہی رسول کی طرف پہنچی ہے۔ تم نے اللہ کے
رسول کی حکم خود کی کیا اس کے مقرر کردہ محمدؐ کو چھوڑ دیا۔ جبکہ جو شکست
دوچار ہونا پڑا کہ اے تکلیف تمہاری اپنی ہی غلطی کا نتیجہ ہے۔

دنیا کے جنگی ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ حضورؐ کی مدد پر اللہ کا جنگی پلان
بالکل درست تھا۔ اور اس میں کوئی خامی نہیں تھی۔ اگرچہ لوہے کی مورچیں بھی تسلیم

مسلمانوں کے
لیے تسلی

کہتے ہیں کہ غزوہ احد کے موقع پر سید سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی خنکس بنی
منایت اعلیٰ درجے کی تھی۔ مگر بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی غلطی تھی کہ وہ
پہاڑی درہ پر قائم نہ رہے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اس درے کو کسی صورت
میں بھی ترک نہیں کرنا۔ مگر ان کی کفریت نہ صرف پہاڑ سے نیچے اُتے آئی بلکہ آپس
میں بھی لڑائی یا جس کی وجہ سے اہل ایمان کو مجموعی طور پر نقصان اٹھانا پڑا۔ بہر حال میں
مسلمانوں کی غلطی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تکلیف تمہارے ہی غصوں
کی طرف سے پہنچی تھی اس میں تمہارا اپنا ہی قصور تھا۔ اور یہ بھی یاد رکھو۔ إِنَّ اللَّهَ
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جو مالک الملک
فتح سے جکڑ کر رکھتا ہے، وہ منہج کو شکست میں تبدیل کرنے پر بھی قادر
ہے۔ اور وہ تمہیں تمہاری غلطیوں پر تنبیہ بھی کر سکتا ہے۔

شکست کی
حکمت

اگے اللہ تعالیٰ نے اس شکست کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے ارشاد فرماتا ہے
وَمَا أَصَابَكُمْ كَوْمًا تَتَفَتَحُونَ دونوں جماعتوں یعنی اہل کفر و
اہل اسلام کے اکٹھا ہونے کے دن یعنی غزوہ احد کے موقع پر جو تکلیف تمہیں
پہنچی ہے اس میں کفار نے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔ بلکہ فَبِذْنِ اللَّهِ اللہ
کے حکم سے ہی ایسا ہوا ہے۔ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اس کی مشیت
اور ارادے کے بغیر واقع نہیں ہو سکتی۔ لہذا اس پر افسوس کا زیادہ اظہار نہ کرو۔
اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا۔ اور اس میں حکمت تھی وَلِكَيْلَعَذَابِ الْمُؤْمِنِينَ
کہ اللہ تعالیٰ معلوم کرے کہ مومن کون لوگ ہیں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم
میں تو ہر چیز ہر وقت موجود ہے۔ اسے تکلیف میں مبتلا کرنے کے اہل ایمان کا
ایمان جلد پسپائی کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ یہاں یہ علم کا معنی اختیار کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ
ہے کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو باقی لوگوں سے امت نہ کرنا چاہتا تھا۔
اس قسم کی آزمائش سنی تو سب لوگوں کو علم ہو گیا۔ کہ بچے بچے مومن کو

سنے انہیں گھڑ در ایمان والوں سے علیحدہ کر دیا۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کا اس واقعہ سے یہ منشاء بھی تھا وَلَيَعْلَمَنَّ الَّذِينَ سَفَقُوا
تاکہ منافقوں کو بھی متذکرہ ہو، اہل ایمان سے علیحدہ کر دے کہ یہ ہیں وہ لوگ جو مومن
میں بلکہ کافر ہیں اور آخر اہل ایمان اُن کے دھوکے میں نہ آئیں۔ منافقین نے
اپنے نفاق کا اظہار تو ابتدائے خزوہ میں ہی کر دیا تھا جب کہ اُن کا ایک جتھہ راستے
پر ہی سے واپس لوٹ گیا تھا۔ اور _____ میدان
ادھ تک پہنچ ہی نہیں۔ اُن میں سے جو میراں جنگ میں پہنچ گئے وہ بڑے فوج مند
تھے۔ انہوں نے طرح طرح کی باتیں بنائیں جن سے اُن کی بزدلی کا اندازہ ہوتا تھا
مسلمانوں کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ ان جنگ میں اُن پر نینہ طاری کر دی
جسکی وجہ سے وہ تازہ دم ہو گئے اور اُن کے تمام تفکرات رفع ہو گئے۔ مگر
منافقوں کو یہ سعادت ہی نصیب نہ ہوئی، سہرا مال اللہ تعالیٰ نے مختلف مواقع
پر واضح کر دیا کہ اہل ایمان کون ہیں اور منافق کون۔ تو یہاں پر بھی ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں
کے گمراہ کو تکلیف پہنچنے میں ایک حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ مومنوں اور منافقوں
کو ایک دوسرے سے متذکرہ کرے۔

جہاد نامہ
مذہب
جنگ

”گئے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے تعلق سے جنگی حکمت عملی کہ مذکورہ فرمایا ہے
ارشاد ہوا ہے۔ وَفِي ذَلِكَ لَعْنَةٌ لِّلَّذِينَ سَفَقُوا وَلَئِن سَفَقُوا لَئِن سَفَقُوا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ لِلنَّاسِ أُولَٰئِكَ لَفِي جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ لَفِي جَهَنَّمَ
جنگ دوم ہی ظہور یقین سے لڑائی جاتی ہے اقدامی جنگ (OFFENSIVE WAR)

ہوتی ہے یا دفاعی جنگ (DEFENSIVE WAR) ہوتی ہے۔ اسلام میں دونوں قسم
کے جہاد روا ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اسلام نے جنگ میں پل
کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ اگر کسی علاقے میں دشمن نے ظلم و ستم اور فتنہ و فساد کا بازار
گرم کر رکھا ہو، شرفا کی عزت و مال محفوظ نہ ہو۔ اسلام کے خلاف سازش کا گمراہ بنا
ہوا ہو۔ تو ایسی صورت میں گندے ہتھکڑی سے تیرا تیرا کر دینا جائز ہے۔ اور اسلام جنگ

میں اللہ تم کی اجازت دیتا ہے۔ دوسری صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب جب دشمن خود چڑھائی کرے جیسا کہ جنگ خندق کے موقع پر ہوا تھا۔ تو ایسی حالت میں نفاس جنگ شری باقی ہے۔ ایسے موقع پر مرد، عورت، جوان، لڑکا سب پر فرض عاید ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنا دفاع کرے عام حالت میں تو جہاد فرض کفایہ ہے۔ مسلمانوں کی فوج موجود ہے وہ دشمن کے ساتھ نہ رہنا ہو، باقی لوگوں کو میدان جنگ میں جانے کی ضرورت نہیں ہوتی مگر جب دشمن اہل اسلام پر چڑھ دوڑے تو یہ جنگ فرض عین بن جاتی ہے۔ اس میں ہر مرد و زن کی شرکت لازم ہوتی ہے۔ تو یہاں پر منافقوں سے کہا جا رہا ہے کہ اؤ اللہ کے راستے میں جہاد نہ کرو یا کم از کم دفاع میں ہی شریک ہو جاؤ۔ بعض اوقات بھرپور دفاعی طاقت دیکھ کر بھی دشمن مرعوب ہو جاتا ہے۔ لہذا اے گمراہ منافقین اگر تم حملہ کرنے کے لیے باہر نہیں نکل سکتے تو کم از کم دشمن کے حملہ کو روکنے کے لیے تو مسلمانوں کے ساتھ قدم سے قدم مل کر کھڑے ہو جاؤ۔

منافقوں کا
چیلہ ساندی

فرمایا اس کے جواب میں منافقین اپنے نفاق کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ اَلَا لَوْ نَفَعُكُمْ قَاتِلَاؤُكُمْ تَبَعْنَاكُمْ۔ گمراہ یہ کسی طرح کہہ سکتے تو ضرور تمہارا اتباع کرتے جیسا کہ تمہارے ساتھ جنگ میں شریک ہو جاتے۔ مگر یہ کہ کسی طرح آپ کی لڑائی ہی نہیں۔ دشمن کی تعداد زیادہ ہے اور ہم قلیل تعداد میں ہیں۔ پھر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے، لہذا ہم اس لڑائی میں تمہارے ساتھ شامل ہونے کو تیار نہیں۔ اس طرح منافقین جنگ سے بچنے کے لیے یہ ساندی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَسْ حَرَانِ اِنَّ كَيْدَ نَافِقٍ كَا بِلٍ کُفْلُ گیا۔ اور ان کی حالت یہ ہو گئی۔ هُمْ يَلْعَنُونَ كَيْدَ هَٰؤُلَاءِ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلرَّيْصَانِ وہ لوگ اس حُرانِ ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب ہو گئے۔ پہلے تو یہ لوگ صرف دُور سے منافق تھے اور زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے تھے مگر اس دن انہوں نے زبان سے بھی ایسی بات کہہ دی جس کی وجہ سے ظہری طور پر بھی کفر کے قریب تر ہو گئے۔

عشرِ تعالیٰ سے فرمایا۔ اہلِ نبی کی خصلت یہ ہے يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ اپنے
 مونہوں سے ایسی بات کہتے ہیں مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ اور جوہرِ جون کے
 دلوں میں نہیں ہے۔ نہ بان سے تو مسلمانوں کی حمایت کا دم بھرتے ہیں مگر دل
 میں لُغائی بہر ابرو ہے۔ کہ کسی طرح جنگ میں شریک ہونے سے بچ جائیں۔
 جرنی و نہ بان کا یہی قصاصِ منافقت کی نشانی ہے۔ عَبْدُ اللَّهِ بن ابی لہب بھی یہی بات
 کہتی تھی کہ ہماری تو بات ہی نہیں مانی گئی رسم کہتے تھے شہر میں رہ کر دفاع کریں گے
 مگر بہر باہر نکل گئے۔ لہذا ہم ایسی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان
 کی منافقت کا پردہ یہ کہ کر فاش کر دیا وَلِلَّهِ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ اللہ تعالیٰ نے
 خوب جانتا ہے جس چیز کو چھوڑ چھپاتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں چھپے
 ہوئے دازوں سے بھی واقف ہے۔ لہذا اللہ کو دھوکا نہیں دے سکتے بلکہ خود ہی
 نقصان اٹھائیں گے۔

آئیے اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ایک اور خصلت کا تذکرہ کیا ہے الَّذِينَ
قَالُوا لِرَبِّهِمْ هُوَ الْفَعْلُ وہ لوگ جنہوں نے اپنے بھائی بندوں یعنی
 مسلمانوں کے متعلق یوں کہا اور خود میٹھ سبے لَوْ كُنَّا عَوْنًا لَهُ قَاتِلُوهُ
 اگر یہ ہماری بات مان لیتے، تو قتل نہ ہوتے۔ یعنی ہم تو شہر میں رہ کر دفاع کے حق
 میں تھے۔ مگر انہوں نے ہماری بات نہیں مانی لہذا باہر میدان میں جا کر مارے گئے۔
 غرضیکہ طرح طرح کے چیلے بجاتے کیے کہ مسلمانوں کو اس وجہ سے شکست ہوئی ہے
 ان کی جنگی حکمتِ عملی درست نہیں تھی یا انہی صفتِ بندہ اور مورچہ بندہ کی ضرورت تھی۔
 اللہ نے فرمایا کہ یہ سب ان کی بلا سازی ہے۔ اصل میں یہ لوگ اسلام کے دشمن ہیں
 اور اُسے پھٹا پھوٹا دیکھنا نہیں چاہتے۔

موتِ فزیر
 ممکن نہیں

اللہ تعالیٰ نے ایسے بہادر بن کر کہ مسلمانوں کو جواب دیا

قَالَ اے نبی علیہ السلام، ان سے کہ دیں فَادْرَعُو عَنْ اَنْفُسِكُمُ الصَّوْبَ
 آپ سے کہیں کہ انہوں نے کہا تھا کہ اگر مسلمان باہر نکل کر

نہ لڑتے تو شدید نہ ہوتے، ہم جنگ میں عدم شرکت کی بنا پر بچ گئے۔ اللہ نے منہ بٹا
 اگر تم موت کو وارد ہونے سے اس طرح روک سکتے ہو، تو روک کر دیکھ دو۔ تم خواہ
 گھر میں بیٹھے رہو یا کہیں پہلے جاؤ، موت ہر عورت اپنے وقت پر آکر سب کی تم کو
 ٹال نہیں سکتی۔ کیونکہ موت و حیات قبضہ قدرت میں ہے۔ اُس کا پروگرام یقیناً
 اٹل ہے۔ اِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ
 جب کسی کی موت کا معین وقت آجاتا ہے تو پھر ایک سیکنڈ بھی اُس کے پیچھے
 نہیں ہو سکتا۔ نذایر تہاری عدم خیالی ہے۔ کہ تم گھر میں میٹھ بیٹھنے سے موت کو ٹال سکتے
 ہو نہ! اوقات جنگ میں شریک لوگ بخیر و عافیت واپس آتے ہیں۔ اور پیچھے
 رہ جانے والے سر جاتے ہیں شیخ سعدیؒ نے ایک شخص کا واقعہ بیان کیا ہے۔ کہ
 ساری رات بیمار کے پاس بیٹھا رہتا رہا کہ بچا بہت جلد مر جائیگا۔ مگر جب صبح
 ہوئی تو خود مقرر اجل بن گیا جب کہ مر لیں ابھی زندہ تھا، غرضیکہ اللہ نے سنسرایا
 اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ حَيَاتِيْ اَكْرَمُ مِنْ سَيِّئَةٍ يَّوْلَعِيْكُمْ بِمَوْتٍ
 کہ وارد ہونے سے روک سکتے ہو، کوئی سے روک کر دکھا دو۔ مگر تم ہرگز ایسا نہ
 کرو سکو گے۔

الغرض! غزوہ امد میں مسلمانوں کی شکست میں توجہ پختگیں پوشیدہ تھیں اللہ نے
 اُن کو بیان فرمایا۔ بَنَدُ اُنْ كَيْ اَيَّ حَكْمَتٍ يَّهِيَ كَرَمَاتُ نَفْسٍ كَا طَرِئَ مَعْلٍ وَاضِحٍ
 ہو جائے۔ اس طرح اللہ جل جلالہ نے اس ایک واقعہ کے ذریعے ہزاروں مہول
 سمجھا دیے۔ اور آئندہ کے یہ مسلمانوں کو مستعد بننے کی تعلیم دی۔

دین، اہل دین اور ملت کو جہاد کی حربہ عزت نصیب ہوتی ہے۔ جہاد کہیں
گئے تو کامیابی ہوگی، غلبہ حاصل ہوگا۔ اور جہاد ترک کر دیں گے تو ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں
گے۔ دوسروں کے محکوم ہو جائیں گے۔ مذہب، ملت اور خود بھی ادا کا شکار ہو
جائیں گے۔

اس سے پہلے سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے۔ "وَلَا تَقْتُلُوا اَرْوَاحَكُمْ" **یَقْتُلُ فِی سَبِيلِ اللّٰهِ** اُتُوْا تَعْنِی اللّٰہ کے راستے میں جان دینے والوں
کو مردہ مت کہو۔ ان کو تو حقیقی سیاست لیسب ہو چکی ہے جس میں دنیا کی زندگی سے
لاکھوں گم دروس **سبب** اعلیٰ دارِ نبی ہے۔ یہاں ارشاد ہے کہ اللہ کی راہ میں شہید
ہونے والوں کو مردہ مت کہو۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ بالکل ختم ہو چکے ہیں۔ بس
اَحْبَبُ بلکہ وہ تو زندہ ہیں ان کو ایسی زندگی ملی ہے جو اس زندگی سے بہت
فائق ہے اور وہ زندگی ہے کہاں، فرمایا **عِشْدُ** دیکھو جو اپنے پروردگار
کے پاس سورۃ البقرہ میں شہداء کی زندگی کے متعلق فرمایا **لَا تَقْتُلُوْا**
تم کو اس زندگی کا شعور نہیں ہے۔ شہداء جس جہاں اور جس مقام پر موجود ہیں، وہ
پنیر تمہاری عقل میں نہیں آسکتی اور نہ ہی تمہاری نگاہ سے دیکھ سکتی ہے۔ وہ دوسرا
جہاں ہے۔ جہاں کے احکامات مختلف ہیں۔ تمہیں اس کا شعور حاصل نہیں ہے۔
اس مقام پر فرمایا، وہ اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں اور **یُسْرَدُوْنَ**
ان کو روزی دی جاتی ہے۔ یہ شہداء کی خصوصیت ہے کہ مرنے کے بعد وہ
عائشان مقام اور نعمتوں میں رہتے ہیں۔ جس قسم کی ان کی خواہش ہوتی ہے اسی قسم کی ان
کو روزی دی جاتی ہے۔ گویا شہداء کو فی الوقت باعزت روزی مل رہی ہے۔

شہداء کے فضائل کے متعلق حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ شہید
کاملاً قطرہ خون زمین پر گرتے ہی اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے۔
البتہ حقوق العباد اور دین (قرض) پھر بھی اس کے ذمہ واجب ملا دیتے ہیں۔
کسی کا حق تلف کیا ہے۔ قرض سے گروا پس نہیں کیا تو جب تک صاحب حق

معاف نہیں کرے گا۔ اس سے خلاصی نہیں ہوگی۔ مظلومانم الکک کی روایت میں آیا ہے کہ شہدار کی اول سبز رنگ کے پرندوں کے جموں میں سوار ہو کر تیسری مرتبہ الحاکمۃ حیات جنت کو جہاں چاہتے ہیں سیر و تفریح کرتے ہیں کھاتے پیتے ہیں اور پھر ان قندیلوں کی طرف آجاتے ہیں جو عرش الہی کے ساتھ لٹک رہی ہیں۔ روایت میں آیا ہے کہ جنت اخرویہ میں جنت کا سب سے علیٰ درجہ سبز عرش تھا جس کے اوپر ہے جس کے ساتھ قندیل ہیں جن میں شہدار سیر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایشا اعلیٰ مقام عطا کیا ہے۔

قاضی ثناء اللہ بانی پتی اپنے وقت کے فقیر، محدث اور نہایت صالح آدمی تھے ساری عمر علم و مملوق خدا کی خدمت میں گزاری۔ آپ شاہ ولی اللہ کے شاگرد ہیں۔ شاہ عبدالعزیز نے آپ کے متعلق فرمایا کہ آپ وقت کے بقی ہیں۔ امام بیہقی چوتھی صدی میں گزرے ہیں۔ آپ امام شافعی کے مقلد تھے۔ آپ نے حدیث کی بہت کتابیں جمع کی ہیں جن میں سن کبریٰ آپ کی بڑی مشہور کتاب ہے۔ قاضی ثناء اللہ کے پیر مظہر جان جاناں تھے جو عالمگیر کے خاندان اور بھائی تھے۔ شاہ ولی اللہ کے ہم عصر تھے شاہ صاحب نے اسی بڑی تعریف کی ہے۔ انہوں نے بھی شاہ صاحب کے متعلق بڑے تعریفی کلمات کہے ہیں۔ آپ بڑے کامل صحیح کے مردوں میں تھے۔ آپ رخص کے بڑے خلاف تھے۔ اس لیے رافضیوں نے آپ کو گول مار کر شہید کر دیا تھا۔ اس زمانے میں رافضیوں کا بڑا دور دور تھا۔ دسویں صدی ہجری کے بعد جب صفوی خاندان ایران میں آیا، اس وقت سے اس لعنت کو بڑا عروج حاصل ہوا اب رقص کے ساتھ ساتھ خارجیت بھی پھیل رہی ہے۔ ہمارے ملک میں ایسے ہی حالات ہیں۔ ہر روز کوئی نہ کوئی نیا فتنہ کھڑا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان فتنوں سے محفوظ رکھے۔ اب تو تعمیر کے کی حفاظت بڑا مشکل کام ہو گیا ہے۔

قاضی ثناء اللہ بانی پتی بہت ہی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ فارسی زبان میں آپ کی کتاب مالا بدھنہ دربر نظامی میں بڑے حالی پائی ہے۔ یہ فقہ کی مشہور

کتاب الی باقی ہے۔ آپ کی سبک زارہ محروفتِ مالیت تفسیر ظہری ہے۔ جواب
نے اپنے پیرو مشرک مزاحمت پر باجائ کی حریت مذہب کی۔ قاضی صاحب نے اپنی
تفسیر میں لکھا ہے کہ میرے مرشد نے فرمایا کہ میں کشتی نگاہ سے دیکھ رہا ہوں کہ شہداء
پر اللہ کی ذاتی تجلیات پڑ رہی ہیں۔ انہیں یہ انعام اس لیے حاصل ہوا ہے کہ انہوں
نے اپنی سبک قیمتی صنایع یعنی جان اللہ کی راہ میں قربان کر دی۔ یہ خلعتِ حریت شہداء تک
ہی محدود ہے۔ کیونکہ مقررین فرشتوں پر بھی خداوند تعالیٰ کی ذاتی تجلیات نہیں پڑتیں، ان
پر صفاتی تجلیات ہی پڑتی ہیں۔ ذاتی تجلیات صرف ان لوگوں کے لیے خاص ہیں۔
شہداء کے بعد صدیقوں کا درجہ اُن سے بھی بلند ہے۔ اور پھر ائمہ کا درجہ سب سے
اعلیٰ وارفع ہے۔ ہر جانب قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ ان کے مرشد نے بیان کیا کہ
میں کشتی نگاہ سے دیکھ رہا ہوں کہ شہداء پر اللہ تعالیٰ کی ذاتی تجلیات پڑ رہی ہیں۔ یہ
خدا تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ شہداء کی زندگی عام مومنین کی نسبت بہت اعلیٰ درجے
کی زندگی ہے۔

جہاں تک مذہبی زندگی کا تعلق ہے، وہاں تو ہر شخص کی زندگی صورت میں
زندہ ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام، محدثین و شہداء کا درجہ تو بلند ہے۔ عام مومنین کے
بھی ہر لمحہ میں زندگی حاصل ہوتی ہے۔ جس میں، نیس راحت کا احساس بھی ہوتا ہے
اسی طرح کافروں اور منافقوں کی ارواں بھی ہر لمحہ میں زندہ ہوتی ہیں۔ جمہور انہیں خدا سے
کامیاب ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کے متعلق خاص طور پر فرمایا کہ انہیں مردہ
نہ کہہ دو، بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور وہاں انہیں روزی ملی جاتی
ہے۔ صرف معتزلہ فرقہ ایسا ہے جو برزخی زندگی کا قائل نہیں، ان کے نزدیک
اس دنیا کی زندگی کے بعد میں آخرت کی زندگی ہے۔ حالانکہ یہ بات خطہ ہے
حقیقت یہ ہے کہ شہداء کو اس زندگی کے منقطع ہونے کے فوراً بعد ہر لمحہ کی
زندگی ملے ہو جاتی ہے۔ جہاں انہیں روزی ملتی ہے اور دیگر نعمتیں بھی حاصل ہوں
ہیں، تاہم اہل ایمان کو حقیقی انعاماتِ حشر کے بعد حاصل ہوں گے ہر لمحہ میں اس کا

اللہ تعالیٰ کی
زندگی

کچھ تو یہ حاصل ہوتا ہے۔ وہاں جو کچھ بھی انہیں حاصل ہوتا ہے۔ اس کے متعلق فرمادیا
فَمَنْ حَبِطَ لِشَيْءٍ مِنَ الشَّيْءِ نَصْرُهُ اللہ نے جو کچھ انہیں اپنے فضل سے
 عطا کیا ہے، اُس پر خوش ہوئے وائے میں۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ انعامات پر وہ
 خوش ہو رہے ہیں۔

بجائوں کے
 متعلق بات

اُس کے، اللہ تعالیٰ نے دو بشارتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جو شہداء کو عالم برزخ میں
 حاصل ہوتی ہیں۔ پہلی بشارت کے متعلق فرمایا يَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلِدْهُمْ
وَمَا لَهُمْ حَلْفٌ عَلَيْهِمْ وہ بشارت حاصل کرتے ہیں اُن لوگوں کے بارے میں جو ان سے
 نہیں ہے۔ یعنی شہداء کے عزیز و اقارب، رشتہ دار، احباب وغیرہ جو میدانِ
 ہین اور ابھی تک دُنیوی زندگی بسر کر رہے ہیں، اُن کے متعلق انہیں یہ خوشخبری ملتی
 ہے اَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کہ ان پر بھی خوف نہیں
 ہوگا اور وہ بھی غمگین نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں خوشخبری دی
 جاتی ہے کہ تمہارے فلاں فلاں اعزہ و اقارب بھی تمہاری طرح دنیا میں نیکی کے
 راستے پر چل رہے ہیں۔ اور یہی صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے وہ بھی تمہاری طرح نجات
 کے مقام میں پہنچیں گے۔ چنانچہ یہ خوشخبری شہداء کے لیے مزید خوشی کا باعث
 ہوتی ہے۔ فرمایا دوسری بشارت یہ ہے يَسْتَبْشِرُونَ بِمَا فِي
رُحُومِ النَّاسِ وہ بشارت انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت اور احسان حاصل ہے
 اور اللہ تعالیٰ کا فضل بھی ان کے شامل حال ہے۔ قیامت کے بعد تو سب
 لوگوں کو انعام و کرم سے نوازا جائے گا مگر شہداء کو یہ یقین ہی الوقتِ قبل رہی
 ہیں۔ اور اب انہیں یہ یقین حاصل ہو گیا ہے وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِلُّ أَجْرَ
الْمُتَّقِينَ بیشک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا۔
 اہل ایمان اپنے اور اچھے عقیدے کے ساتھ جو نیک عمل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ
 اس کا اجر و بدلہ دے گا۔ یہ تو عام مومنین کے متعلق ہے مگر شہداء کو تو نہایت اعلیٰ مقام
 حاصل ہے۔ انہوں نے اپنی عزیز ترین متاع اللہ کی راہ میں قربان کر دی، اللہ کے

وہی کے قیام کے لیے سرحد شری باہری لگا دی، لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کو بہترین اجر عطا فرمایا۔

ہر ہمیشہ شریعت میں آتا ہے۔ کہ کافروں کے ہاتھوں شہادت پانے والے **عہد انکس** شہیدوں کو غسل دینے کا حکم نہیں ہے۔ ان کو اسی حرج خون میں ات بہت قبر میں اتار دیا **اد جازہ**

جائے شہدائے عہد کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا ان کے ہتھیار، زبرد و غیرہ زائد لباس میں آستے ہیں یہ ان کے جسم سے تار دو اور ان کے اصل لباس کھرتہ، قمیض، تہجد پاجامہ وغیرہ سمیت دفن کر دو۔ فرمایا شہدار کا خون قیامت کے دن دوبارہ تہ و تارہ

ہو جائے گا۔ جس سے کستوری جیسی خوشبو نکلے گی اور یہ ایسی حالت میں خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ البتہ فضلے کرام، محدثین، حاضرین فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جنابت کی حالت میں شہید ہو جائے تو اس کے غسل کے مسئلہ میں اختلاف رائے

ہے۔ اہم، ناکٹ اور شافعی فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں بھی شہید کو غسل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اہم، ابو حنیفہ اور اہم، احمد فرماتے ہیں کہ جنابی شہید کے لیے غسل ضروری ہے۔ دلیل کے طور پر فرماتے ہیں کہ حضرت خضد جنابت کی حالت میں شہید ہوئے تھے، انہوں نے اپنی بیوی سے ہم بستری کی جنگ زوروں پر تھی۔

نہیں غسل کا موقع نہ ملا۔ اسی حالت میں میدان جنگ میں کوڑے لگے اور شہید ہو گئے۔

حضور علیہ السلام نے ان سے بارے میں فرمایا تھا کہ میں نے دیکھا ہے کہ فرشتے

بارش کے پاکیزہ پانی سے چاندی کے برتن میں زمین و آسمان کے درمیان حضرت خضد کو غسل دے رہے تھے۔ لہذا ثابت ہوا کہ جنابی شہید کا غسل ضروری ہے۔

شہد کا جنازہ پڑھنے کے متعلق اہم شافعی فرماتے ہیں کہ ان کا جنازہ پڑھنے کی

بھی ضرورت نہیں کیونکہ ان کی مغفرت تو ہو چکی ہے۔ اہم، ابو حنیفہ، امام مالک

اور اہم احمد کی رائے ہے کہ جنازہ پڑھا جائے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جنازہ صرف

گناہوں کی معافی کے لیے ہی نہیں بلکہ درجات کی بلندی کے لیے بھی پڑھا جاتا

ہے شہد کا جنازہ پڑھنے کا مقصد یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے

بیر معونہ کے مقام پر ستر صحابہ کرام، جو قز، فضلا اور منتخب بزرگوار تھے، شہید

کر دیے گئے۔ یہ کفار کی سارش تھی۔ ابوہریرہؓ کا منہ پر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔
 کہ ملک پہنچا میں تحلیل اسلام کے لیے مبلغین کی ضرورت ہے۔ چنانچہ آپؐ سے
 شتر جاری کر کے ان کے ساتھ بھیج دیے۔ جب یہ قافلہ ہیر کوٹہ کے مقام پر پہنچا تو
 انہیں دھوکے سے شدید کر دیا گیا۔ ان قتلہ اور شہداء کے قتل کے متعلق بتجاری شریعت
 میں رویت ہے کہ انہوں نے عالم پر خر میں اپنی اچھی حالت اور لشکر کی ظروف
 سے اہل عام و اکابر کے متعلق تمنائی تھی کہ ان کی اس حالت کا حمد دنیا میں پہنچے
 مئے ان کے بھائیوں کو جو جلسے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں
 تمہاری حالت کو تمہارے بھائیوں کو پہنچا تا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان
 سے وحی نازل فرمائی بلغوا عن قوما انا لانہم ربنا غرضی عنا ورضینا عنہ
 ہماری قوم پر کہ یہ بات پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے ہیں۔ دوہرے سے رضی تو گیا
 اور ہم اس سے بھی ہر گز نہیں بدقول پان کی پیت تھی۔ جو کافی عرصہ پہنچا جاتی رہی، بعد میں غصہ ہو کر
 الغرض! اللہ تعالیٰ نے اس شام پر شہداء کی نفییلست بیان فرمائی ہے اور
 خیر شجری منائی۔ ہے کہ وہ دونوں کے نیک اعمال کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ان کا بستر
 جزو عطا کر دے۔

یہ آیات بھی غزوہ احد ہی کے ضمن میں ہیں۔ سابقہ درس میں اللہ تعالیٰ نے شہداء کی فضیلت بیان فرمائی اور ان منافقوں کی مذمت کی جو کہتے تھے کہ اگر مسلمان ہماری بات نہ سنتے، لڑائی کے لیے باہر نہ نکلتے، تو نہ مارتے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے شہداء کو مردہ کہنے سے منع فرمایا، بکرات کی حیثیتہ جاذبان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں روزی دی جا رہی ہے اور وہ صدق اور قرب کے مقام پر فائز ہیں۔ اپنے پس ماندگان کے متعلق انہیں شدت ملتی ہے کہ اگر وہ بھی عراط مستقیم پر گنہگار نہ ہوں، تو شہداء کے ساتھ نہیں لگے۔ اللہ نے وضع فرمادیا کہ وہ ایمان والوں کے اجر کی عتد میں غنائم میں حصہ لیں۔ یہ بات بھی گزشتہ درس میں بیان ہو چکی ہے۔ کہ غزوہ احد میں مشرکین کے مال، لشکر ابوسفیان تھے۔ بڑے بڑے، ائمہ کھر تو جنگ بدر میں ہی مارے گئے تھے۔ اب یہ دت ابوسفیان کو حاصل تھی۔ اگرچہ مشکلتوں کو ابتدائی طور پر فتح حاصل ہوئی، مگر بعض صحابہ کی غلطی کی وجہ سے یہ فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔ مسلمانوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ مگر اللہ تعالیٰ پھر مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی، کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ فتح حاصل کر کے باوجود پس پا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ اب ہم ابوسفیانؓ سے ملنے وقت اعلان کیا۔ کہ مسلمانوں کے ساتھ اگلے سال پھر بدر کے مقام پر تہمیر کر ہوگا۔ گویا اہل اسلام کو چیلنج کیا۔ کہ اگلے سال بدر کے مقام پر پھر مقابلہ کے لیے تیار ہو کر آئیں۔

تو آج کے درس کی پہلی آیت دو مختلف واقعات سے تعلق میں در اس لحاظ سے ان کے شاہد نزول بھی مختلف ہیں۔ پس اہمیت میں اتنا حد و قیاس کا ذکر ہے۔ جنہوں نے تکلیف کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف بیان کی ہے۔ مفسرین کہہ رہے ہیں اس آیت کا پس منظر غزوہ احد ہی بیان کرتے ہیں۔ مشرکین اہل اسلام کو کار می ضرب لگانے کے بعد جب واپس ہوئے تو راستے میں ابوسفیانؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ کہ مشکلتوں پر غلبہ حاصل کرنے کے باوجود نہ انہوں نے کوئی قیدی نہ لیا۔ نہ ہی کوئی اور مفاد حاصل کر سکے ہیں۔

مصلحتی بہر مسلمان ہیں۔ اب بھی پلٹ کر ان کا صفایا کر دینا چاہیے۔ اہل مکہ کے ان

بڑے ارادے کی خبر جب حضور علیہ السلام کو پہنچی۔ تو اپنے اپنے کچھ زخمی صحابہ کو جمع فرمایا اور اس خبر سے مطلع فرمایا، اس کے ساتھ ہی یہ مشورہ بھی کیا کہ پیشتر اس کے کہ مشرکین ہٹ کر ہم پر حملہ نہ کریں، کیوں نہ ہم خود ان کا تعاقب کر کے ان کے ہاں کہ ارادے کو خاک میں ملادیں۔ صحابہ کو کلام اگرچہ سننے کا انداز سے اور زخم خوردہ تھے مگر وہ حضور علیہ السلام کی ساز پر لبیک کہتے ہوئے مشرکین کے تعاقب میں نکل پھڑپھڑے ہوئے۔ مسلمان مدینہ طیبہ سے آٹھ میل دور عسلا کے مقام تک کھانہ کے پیچھے گئے، جب مشرکین کو علم ہوا، ترانہوں نے پانی میں ہی اپنی خیر متائی اور اس طرح دونوں لشکروں کی دوبارہ ہلچل بھڑک نہ ہو سکی۔ حضور علیہ السلام کا لشکر وہاں تین دن تک ٹھہرا۔ وہاں پر سبقتی عین دین میں منافع بھی حاصل کیا اور پھر باعزت مدینہ نوٹ آئے۔ تو یہی آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ زخم خوردہ اہل ایمان نے بنی علیہ السلام کے حکم کو بسر و حکم تسلیم کیا اور اس کی تعمیل کی۔

آج کے دور میں دوسری آیت کا پس منظر سامنے کا واقعہ ہے۔ احد کے موقع پر اہل مدینہ نے مسلمانوں کو پیچھے کر گیا تھا کہ آئندہ سال پھر ہمارا تھا۔ بدر کے مقام پر مقابلہ ہو گا۔ اس پلان کے تحت، اہل مدینہ کا لشکر لے کر جس طرح کچاس کے قریب ٹھہرا ہوا بھی تھے مکہ سے نکلا۔ مسلمانوں کا یہ عیب تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ان کے دلوں میں ڈال دیا تھا۔ جب یہ لشکر مدینہ کے مقام پر پہنچا، تو انہوں نے مسلمانوں کو بڑل کرنے کے لیے ایک اور منصوبہ بنایا۔ اور وہ یہ تھا کہ کسی طرح مدینہ میں رہنبر طرہا چڑھا کر پہنچائی جائے کہ اہل مکہ بہت بڑے لشکر اور ہتھیاروں کے ساتھ مقابلہ کے لیے آئے ہیں۔ اب مسلمان ان سے بچ نہیں سکتے۔ کفار کا خیال تھا کہ اس قسم کے پراپیگنڈہ سے مسلمان ہر عیب ہو کر خود ہی ہتھیار ڈال دیں گے۔ اور مقابلے کی جرأت نہیں کریں گے۔ چنانچہ اس مقام پر مشرکین کو معذرتہ بھی نامی ایک شخص ہلچل مدینہ کی طرف جا۔ ہتھیاروں نے ہلچل لگا کر کام اس سے لینا چاہا۔ وہ شخص اگرچہ اس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا۔ مگر دل سے حضور علیہ السلام کا طرفدار تھا۔ اس شخص نے مشرکین کو بتایا کہ وہ مسلمانوں کی

ملاقات احمد خیر ایمانی سے واقعہ ہے۔ تم ان کا مقصد بل نہیں کر سکتے، لہذا بہتر ہے کہ یہیں سے واپس چلے جاؤ، ورنہ سخت نقصان اٹھاؤ گے۔ اس سے کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا مزید رعب داخل ہو گیا۔ مختصر وہ جس قبیح مقصد کے لیے آئے تھے اس سے دستبردار ہونے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے مطلوبہ پراپیگنڈہ کے لیے دوسرے لوگوں کی خدمات حاصل کیں۔ قبیحہ عنہ شیخ کا ایک قافلہ دیرینے کی طرف رلاں تھا اس کے قائدین کی کچھ منیت ساجست کی، کچھ لکچ دیا اور انہیں پہنچنے حق میں پراپیگنڈہ کرنے پر آمادہ کر دیا۔ چنانچہ جب یہ قافلہ دیرینہ پہنچا اور انہوں نے لشکر کفار کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ تو اہل اسلام پر اس پراپیگنڈہ کا اثر یہ ہوا کہ جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر ان کی قسمت ایمانی میں اور اضافہ ہو گیا۔ آج کی دوسری آیت کریمہ میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

پراپیگنڈہ اگر ہمیشہ سے ایک مؤثر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے معاملہ مذہبی ہر ایسی ہی اجتماعی ہر یا معاشرتی ہر صورت میں پراپیگنڈہ کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے میں پراپیگنڈہ اہم کردار ادا کرتا ہے۔ خاص طور پر جنگ کے دوران اپنی قوم کی حوصلہ افزائی اور دشمن کی اعصاب شکنی کے لیے پراپیگنڈہ ابستریں ہتھیار ثابت ہوا ہے۔ اس زمانے میں پراپیگنڈہ کی ابتداء تو انگریزوں نے کی تھی۔ اس کا اصول یہ تھا کہ اگر کسی کو بھی مارنا مقصد وہو تو پہلے سخت پراپیگنڈہ کر دے کہ وہ باور لائے، اس کے بعد اس کو گولی مار دو۔ آجکل اس ہتھیار کا سب سے زیادہ استعمال اشتر کی ممالک خصوصاً روس کے ہاں ہوتا ہے۔ اس پراپیگنڈہ کی ابتدا مغربی کی حمایت سے ہوتی ہے۔ لوگوں کے ذہنوں کو سر پر داری کے غلام تیار کیا جاتا ہے۔ جب لوگوں کے دلوں میں اشتر اکیت کے لیے قوم کو شہید ہوا ہو جاتا ہے، تو پھر ہمسایہ ملک پر حملہ کر دیا جاتا ہے اور اُسے ہمیشہ کے لیے اشتر اکیت کے جنم میں جھوٹا ملک دیا جاتا ہے۔ بہر حال کفار کو کہنے بھی اسی ہتھیار کو آزمایا مگر اہل ایمان کے ناقابل شکست ایمان پر اس کا کوئی منفی اثر

پراپیگنڈہ کا طریقہ
مؤثر ہتھیار

مرتب نہ ہوا۔ بلکہ ان کے ایمان مضبوط سے مضبوط تر ہو گئے۔

لغرض! اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صحابہ کرام کے ایمان کی کتنی بڑی قدر فرمایا ہے۔ لَذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور رسول کا حکم مانا، بَعْدَ مَا نَصَّا بَنِي إِسْرَءِيلَ بعد اس کے کہ وہ زخم خوردہ تھے، انہیں اللہ کے مقام پر سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا، مگر صحابہ کرام شہید ہو چکے تھے، باقیوں میں پیشتر بھی تھے مگر جب اللہ کے رسول نے منشا نے یزیدی کے مطابق دشمنی

تغالب کا حکم دیا، تو

پچھلے کچھ زخمی صحابہ نے اس حکم پر دل و جان سے نیک کام اور دشمن کے تغالب میں ہٹاؤں پیل چلے گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر صحابہ کی مدد باریاں فرما کر تمام اہل اسلام کو ترجیح دی ہے، کہ وہ بھی اسلام کے اولین جانثاروں کی فہم میں اللہ و رسول کے حکم کی تعمیل کے لیے ہمیشہ تیار رہیں۔ اللَّهُ يَرْفَعُ الَّذِينَ احْسَنُوا مِنْكُمْ ان میں سے جن لوگوں نے نیکی کا رستہ اختیار کیا، وَيُخَسِّرُ الَّذِينَ كَفَرُوا انہیں اللہ تعالیٰ نے ہر طریقہ سے نیک لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر طریقہ سے نیک لوگوں کو انعامات سے نواز رہا ہے، اللہ بھی نیک کمر بستہ دلوں کو بلند درجہ تک پہنچا رہا ہے۔

ایمان میں
پہنچاؤ

اب ملکی آیت میں وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ انہیں اللہ تعالیٰ نے نیک کام اور دشمن کے تغالب میں ہٹاؤں پیل چلے گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر صحابہ کی مدد باریاں فرما کر تمام اہل اسلام کو ترجیح دی ہے، کہ وہ بھی اسلام کے اولین جانثاروں کی فہم میں اللہ و رسول کے حکم کی تعمیل کے لیے ہمیشہ تیار رہیں۔ اللَّهُ يَرْفَعُ الَّذِينَ احْسَنُوا مِنْكُمْ ان میں سے جن لوگوں نے نیکی کا رستہ اختیار کیا، وَيُخَسِّرُ الَّذِينَ كَفَرُوا انہیں اللہ تعالیٰ نے ہر طریقہ سے نیک لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر طریقہ سے نیک لوگوں کو انعامات سے نواز رہا ہے، اللہ بھی نیک کمر بستہ دلوں کو بلند درجہ تک پہنچا رہا ہے۔

خُشْبِنَا اللّٰهَ وَفِيْهِ لَوْ كُنْ عِيْلٌ لِّمَنْ يُّقْصِدُ كَيْلَهُ بَظَرًا اِجْمَاعًا وَطَلْفًا هُوَ ۔

اہم البتہ جصاص فرماتے ہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اور عام اہل ایمان کو یہ بات سمجھائی ہے کہ تم بھی اسی کا طریقہ اختیار کرو۔ ان مجاہدوں کو تکلیف بھی آتی ہے تو عزیزانِ فتنہ انہیں کیستے تھے۔ بلکہ اللہ کے مین پر مزید حجم جالتے تھے۔ احاد کے موقع پر فراموشی اجتہاد ہی غلطی ہوئی تھی، تو حق نسبت میں تبدیل ہو گئی۔ انہوں نے سب سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعبیر سمجھا اور۔

بھیر جانی فروری پرستہ ہو گئے۔ اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر زخم خوردہ صحابہ نے دشمن کا آٹھ میل تک تعاقب کیا اور تین دن تک وہاں ٹھہرے۔ اگلے سال مسدوم میں جب ابو سفیان کے لشکر کی خبر ملی تو حضور علیہ السلام پندرہ سو جاٹاروں کے ساتھ بدر کے مقام پر پہنچے وہاں پر آٹھ دن تک انتظار کیا مگر ابو سفیان کو سدھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہ غزوہ بدر ضرر ہی کہلاتا ہے۔ دیاں پر جنگ تو تہہ ہوئی۔ البتہ صحابہ پر غلے وہاں کی مٹری میں تجارت کی جس سے کافی نفع حاصل ہوا۔ جسے تمام مجاہدین میں برابر برابر تقسیم کر دیا گیا۔ اسی بابیہ سے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَقَدْ كَسَبُوا رِبًا عَظِيمًا رَبَّنَّ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَنِيُّ الْكَرِيمُ اس انعام سے سبھا۔ لی منافع اور آخری ثواب دونوں مراد ہیں۔ اور فضل سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ خاص مہربانی ہے جو ان کے شامل حال تھی۔ اس کے علاوہ وہ بالکل صحیح سلامت واپس آئے اَلَمْ يَكْفِ يَسْئَلُهُمْ رَبُّكَ اِنْ اَبْرَأْتَ اِلَى الْاِيْمَانِ کو کوئی تکلیف بھی نہ پہنچی اور ان کی خدمت میں ہے وَمَا تَبَعُوا اَمْرًا اللہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی پیروی کی۔ اللہ کے حکم کے سامنے تسلیم خم کر دیا۔ جب انہوں نے اپنے آپکو اللہ کی رضا کے آج کر دے تو کبھی وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ اللہ تعالیٰ ہی بہت بڑے فضل والا ہے۔ اس نے دنیا میں بھی ان کو غائب کیا۔ اور آخرت میں بھی ان کو

واقف عطا کر دیا۔

مشرکین کی اس سازش کے متعلق سب سے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا تَبَعُوا اَمْرًا

صحابہ کرام کی فضیلت

النَّاسُ صُنُّوا لِحُفَّتِ اُولَئِكَ الشَّيْطَانُ ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے یعنی اس کو
 جھوٹے یہ پہنچنے سے شیطان کے اپنے دوست اور اسی کو کمزور دیکھانے سے درمیان میں
 دل تو ڈر سکتے ہیں مگر بل بندہ پاس کا کچھ نہیں ہو سکتا (امام شاہ ولی اللہ نے اس کی تفسیر
 کو اختیار کیا ہے دیکھو فتح الرحمن اور ہم بیضاوی نے دونوں تفسیر میں کو اختیار کیا ہے)
 اس کا ترجمہ معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان نے اپنے حواریوں کے ذریعے جھوٹا
 پہنچا کر دیا، مگر ممکن نہ رہ جائیں۔ اور مشرکین کی اعانت قبول کر لیں۔ اللہ تعالیٰ

نے مسلمانوں کو فرمایا اَلَا تَحٰقُّ قَوْلُهُمْ قَوْمٌ مِّنْ سَمْتِ ثَمْرٍ اُنْ کے مقابلہ میں
 اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ اس کے بجائے وَخَافُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ صِلٰہِ
 اگر تم بچے سچے مومن ہو تو مجھ سے ڈرو کہ کہیں میرے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو جائے
 اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں صحابہ کرام کا نمونہ بیان فرما کر ان کے بعد آنے
 والے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی ہے کہ تم کو بھی صحابہ کی طرح تکلیف کے باوجود دین
 کی خاطر ہمتیں تیار رہنا چاہیئے اور تہاڑی زبان پر بھی حَسْبُ اللّٰہُ وَیَعْمَلُ اُوْکُلُ
 کے اعلا ہوئے چاہئیں۔ انھار اللہ کی ذات پر بھروسہ کر کے دشمن کے مقابلہ میں
 جاؤ گے تو مسیح و نصرت تمہارا استقبال کرے گی، جب کوئی اِتِّمٰن اپنے آپ کو
 ہمہ تن اللہ کے سپرد کر دیتا ہے تو کھڑا نَفْسُکُمْ کا مصداق بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ
 کے انعام اور فضل اس کے شامل حال ہو جاتے ہیں گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کا
 وعدہ مکرر چکا ہے کہ اگر تم ایمان اور اخلاص پر قائم رہو گے تو ہم کافروں کے دلوں میں
 تہاڑا عجب ڈال دیں گے مگر انھوں کا مقام ہے کہ آج کافروں کے دلوں میں مسلمانوں
 کا عجب باقی نہیں رہا، کیونکہ مسلمان سپہ سرگزشت کو ترک کر چکے ہیں۔ آج ہم اسی کے اور دوس
 کے آکر کاربند ہوئے ہیں۔ ہم ان کی ناداری مدد کے محتاج ہو کر رہ گئے ہیں۔ چار عرب
 ان پر کیسے درو ہو سکتا ہے۔ آج مسلمانوں میں صحابہ کرام والی جانفشانی کا کچھ ڈال حصہ
 بھی باقی نہیں رہا۔ کیونکہ ہمارا ایمان کمزور ہو چکا ہے۔ اور دنیا صرف ایمان سے ڈرتی
 ہے الغرض اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کا نمونہ بیان فرما کر آئندہ آنے والے مسلمانوں
 کے لئے راہ عمل متعین کر دی ہے۔

وَلَا يَحْزَنُكَ الَّذِينَ يَسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ هَهُمْ
 لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ
 حِصًّا فِي الْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤٦﴾
 الَّذِينَ اسْتَرَوْا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوا
 اللَّهَ شَيْئًا وَنَهُمْ عَذَابُ الْيَمِّ ﴿١٤٧﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ
 الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُضِلُّهُمْ خَيْرٌ لَّأَنفُسِهِمْ
 إِنَّمَا نُضِلُّهُمْ لِيُزَادُوا تَوَّابًا وَلَهُمْ عَذَابٌ
 مُّهِينٌ ﴿١٤٨﴾

ترجمہ :- اور آپ کو وہ لوگ غم میں نہ ڈالیں جو کفر کی طرف دوڑتے ہیں۔ بیشک یہ لوگ
 اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ کہیں کے لیے آخرت
 میں حصہ نہ دے اور ان لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے ﴿۱۴۶﴾ بیشک وہ لوگ جنوں سے
 ایمان کے واسطے کفر کو فرما، اللہ تعالیٰ کو ہرگز کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور ان کے
 لیے دردناک عذاب ہے ﴿۱۴۷﴾ اور نہ گمان کریں وہ لوگ جنوں نے کفر کی کہ بیشک
 جو مملکت ہم ان کو دے سب سے بہتر ہے اور ان کے نفوس کے لیے بہتر ہے بیشک ہم
 حلت دیتے ہیں تاکہ وہ مزید گمراہ نہ ہوں۔ اور ان کے لیے وقت کا عذاب ہے ﴿۱۴۸﴾

ترجمہ کے فضائل بیان کر سنے کے بعد گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ اور ان
 کی فیصلہ کی فرمائی تھی غزوہ احد کے اختتام پر عذاب کے دشمنوں کے بھی خون بھی
 بند نہیں ہوئے تھے کہ وہ اللہ اور رسول کے حکم کی تعمیل میں کفار کے تعاقب میں نکل

کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ سنائے کہ اپنے انجمن کی بشارت سنائی۔ پھر مشرکین نے
 سنے مٹسائوں کو مرعوب کرنے کے لیے جو پاپکینہ کا اختیار اٹھائے کیا تھا، اہل ایمان
 نے اس کا بھی کوئی اثر قبول نہ کیا، بلکہ ان کے ایمان مزید مضبوط ہو گئے۔ ان کی زبان پر
 حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ کے الفاظ تھے، گویا انہوں نے دشمن
 سے خوفزدہ ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسے کا عملی نمونہ پیش کر دیا۔ اس
 کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیوی انعام سے بھی مایوس کیا اور آخرت میں ان
 کے لیے واقف حصہ مقرر کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے پاپکینہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا اَنْصَارُ لَكُمْ
 السَّيِّئُ مِنْ شَيْطَانِي فَعَلْ هُوَ اَسَ۔ جس کے ذریعے وہ اپنے دوستوں کو توڑا
 سکتا ہے، مگر اہل ایمان پر اس کا کوئی بس نہیں چلتا۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے
 اس کا ترجمہ یوں کیا ہے ”یہ جو عیسوی شیطان ہے، کہ ٹیڑھا اپنے دوستوں سے“۔ یعنی
 اپنے حواریوں کے ذریعے اہل ایمان کو ٹیڑھا ہے۔ موجودہ زمانے میں بھی دشمن کہ مغلوب
 کرنے کے لیے اس قسم کے ذریعے اختیار کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ آج کی سرد جنگ
 (GOLD WAR) اور عیسائی جنگ (NEW NUCS WAR) اسی قبیل سے ہیں۔ مگر جن
 لوگوں کو خدا کی ذات پر بھروسہ ہے وہ مادی سبب کو بھی جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
 کی صفات سے بھی واقف ہیں۔ انہیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر چیز پر
 مادی ہے۔ مومن اللہ کے حکم کے مطابق اسباب کو اختیار کرتے ہیں مگر وہ خوب
 سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر اسباب کے بھی کامیابی بخا کر سکتا ہے۔ ہر حال مخالفین
 کا پاپکینہ شیطانی فعل ہے، جس کے ذریعے وہ اہل ایمان کو خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں۔
 مگر اہل ایمان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لیے اللہ نے فرمایا کہ شیطانی تدابیر سے
 ڈرو بلکہ محض میری نافرمانی سے ڈرو۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے ان منہجین کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جو مشرکین کے
 غلط پاپکینہ سے منہ پر کر کھڑی طرف۔ ٹرے ہیں تاکہ ان کے ساتھ تعلقات

امتحان کا وقت آئیگا تو پھر تم سے غٹ لوں گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں کہ تمہیں جوڑھیل دی جا رہی ہے یہ تمہارے فائدے کے لیے نہیں لکھا لَمْ يَلِكْ لَكُمْ لِيَكُوْا قَادِرًا اِثْمًا بلکہ اس واسطے کہ تم نیرنگانہ میں مبتلا ہو جاؤ۔ اور پھر صیب میری پکڑائیگی تو تم ذلیل و خوار ہو کر رہ جاؤ گے۔ سورۃ الرحمن میں جنوں اور انسانوں سب کو مخاطب کر کے فرمایا مَنْ فَرَّجَ لَكُمْ كَوْفُ الْفَقِيْرِ انہم تمہاری خبر لینے کے لیے عنقریب فارغ ہوا چاہتے ہیں۔ تمہارے کئے کی سزا تمہیں مل کر رہیگی۔ یہاں بھی یہی چیز سمجائی جا رہی ہے۔ کہ زندگی کی قیمت پر منجی کو اچھی تجارت میں لگا کر اس سے آخرت کا سامان خرید لو۔ اس عمر کو غنیمت جانو۔ صحت سے فائدہ اٹھاؤ مال کو اچھے مصروف میں لگاؤ۔ اگر اس پونجی سے فائدہ نہ اٹھایا تو یاد رکھو! فَلَكُمْ مِّنْ عَذَابٍ مُّهِينٍ ایسے لوگوں کے لیے ذلت ناک عذاب بھی تیار ہے۔ وہ بچ نہیں سکیں گے۔

لَنْ تَنَالُوا

الْأَعْمَارُ ۳

درس شست دوا

آیت ۱۴۹

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ
عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَيْبَ مِنَ النَّصِيبِ ۚ وَمَا
كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي
مَنْ يُرْسِلُ مِنْ يَشَاءُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ
وَإِنْ تَوَلَّوْا وَتَقَرَّبُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٤٩﴾

ترجمہ : اللہ تعالیٰ ای نہیں ہے کہ تمہاری گزشتہ حالت میں چھوڑ دے، جس پر تم جو
دعا کر رہے ہو کہ اللہ تمہیں نصیب کرے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ تم کو نصیب
پر مطلع کرے۔ مگر اللہ منتخب فرماتا ہے جس کو چاہے اپنے رسولوں میں سے۔ پس
ایمان لاؤ اللہ پر اور اس سے رسولوں پر اور اللہ تم ایمان لاؤ گے اور نیکے رہو گے ،

پس تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے ﴿۱۴۹﴾

نوٹ آیت گزشتہ درس میں نافرمان لوگوں کی مالی آسودگی اور ان کو اللہ کی طرف سے
سے مہلت دینے کا تذکرہ تھا۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ اگر ایسے لوگوں کو دنیا کی
مقتضی حاصل ہو جائیں، ایسی غمزدگی جسے اللہ وہ کفر و شرک اور عیب کی تائید کر رہے
ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اللہ کے محبوب بن سکتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات
اللہ تعالیٰ اس سبب سے مہلت دیتا ہے تاکہ وہ محصیت میں دوزخ تک پہنچ جائیں ،
اور پھر اس کی انتہا یہ ہوگی کہ وہ عذاب میں کاشکار ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس
اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے متعلق فرمایا کہ اگر انہیں کسی وقت تکلیف آجائے
وہ مصیبت کاشکار ہو جائیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اللہ کے مقبول بندے
نہیں رہیں گے، بلکہ خداوند تعالیٰ کی نگاہ میں ان کی بڑی قدر و منزلت ہے اور وہ

روح میں ایمان اور توحید بھری ہوئی ہے۔ وہ پاک نہیں ہوتی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی یہ
توحیدی حکمت ہے کہ وہ مخلصین کو منافقین سے الگ کر دے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوا ہے کیا یہ ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تختہ
لئے محمد ہی منافقوں کو ممتاز کر دے، وہ الکسب المکاب ہے، وحی کے ذریعے منافقوں
کی نشاندہی کرنے پر قادر تھا۔ بعض دیگر مواقع پر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ہی
بتدریج فلاحی شخص منفق ہے۔ سورہ قمر میں اس کی مثال موجود ہے اور یوں
اَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَافٍ مَّوْنَةٍ وَمِنْ يَنْتُهِ وَرَبِّهِمْ مَنَافِقُونَ کی ضرور
رسوالتی ہوئی ہے۔ جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ کون کون منافق ہے بعض منافقین
کے متعلق سورج یات بھی نازل ہوئی ہیں، مگر یہ لوگ پھر بھی نہ اپنے نفاق کا اقرار
کرتے ہیں اور نہ توبہ کرتے ہیں۔ اگر غزوہ احد کے موقع پر ان کو محض وحی کے
ذریعے بخبر کیا جاتا تو یہ لوگ اعتراض کر سکتے تھے کہ ہم تو سچے مسلمان ہیں، ہمیں
کیوں خبر کیا گیا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے وحی کی بجائے مومنوں کو بالفعل مشاہدہ
کرا دیا۔ کہ دیکھ لو یہ لوگ منافق ہیں۔ ان میں سے تین سو کے قریب توراتی ہی سے
عبداللہ بن ابی کی معیت میں واپس چلے گئے، اور جب جنگ میں شریک بھی ہوئے
انہوں نے بزدلی کی بعض ایسی باتیں کہیں جس سے ان کا نفاق ظاہر ہو گیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ
نے فرمایا کہ وہ اب عذر نہیں کر سکیں گے کہ انہیں بلا وجہ جاکر لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ
سے منافقوں کو ہل، ایمان سے جدا کرنے کی توحیدی حکمت یہی فرمادی۔

غیب کی
خبر دینا

آگے دوسری بات اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْهِرَكُمْ
عَلَى الْغَيْبِ اللَّهُ تَعَالٰی ایسا بھی نہیں ہے کہ ہر ایماندار کو غیب پر مطلع کر دے۔
یعنی اللہ یہ یہ لازم نہیں ہے ہر ایک کو در سکر کے حال سے واقف کر دے۔
کہ فلاں مومن یا فلاں منافق ہے۔ فلاں توحید پرست ہے اور فلاں مشرک ہے
اس کے بجائے وَلَٰكِنَّ اللَّهَ لَيُخَيِّبُنِي مِنْ سُلَيْمِهِ مَنْ يَّكْتُمُ مَا أَمَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی بِإِنْ
رسولوں میں سے جو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ بلاشبہ رسول اللہ کے

مستحب لوگ ہوتے ہیں۔ ”اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفٰیْنَ الْاَخْيَارِ“ ہوتے لوگ ہوتے ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ خاص صلاحیت اور استعداد رکھتا ہے اور پھر ان کو غیب کی بات بتلاتا ہے۔ اور اس میں کسی دوسرے کو ذیل نہیں ہونے دیتا۔ جب وحی آئے تو فرشتوں کا ہیرا لگ جاتا ہے۔ سورۃ جن میں ملاحظہ فرمائیے۔
 فَانَّهُ كَسَلَتْ مِنْ اَسْبَابٍ مِّنْ دُوْنِهِ وَفِيْهَا رَحْمَةٌ لِّرَّسُوْلٍ وَّحٰی كَے وقت اللہ تعالیٰ آگے بھیجے پھر پڑ لگا دیتا ہے۔ اور مظلوم چیز براہ راست بنی کے قلب پر دروہرتی ہے۔ اور یہ وحی بنا بر غیب یعنی غیب کی خبریں جاتی ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ذلِكَ مِنْ اَنْبَاِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ لِيَايِلْتَ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اسی طرح نبی علیہ السلام کے واقعات کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی کی اور ان کو نبوت عطا کی مگر اسے بغیر آپ خود تو وہاں موجود نہیں تھے۔ یہ سب خبریں ہم نے آپ کو وحی کے ذریعے بتائیں۔ یہ چیزیں اخبار غیب کہلاتی ہیں

غیب کی قسم

غیب کا معنی مخفی اور پوشیدہ ہے۔ عربی زبان میں پست جگہ کو بھی غیب کہتے ہیں۔ گھر کے کمرے کے اندر جو دیا ہوا حصہ ہوتا ہے اس کو بھی غیب کہتے ہیں۔ علامہ بیضاوی نے غیب کا مفہوم یہ بھی بیان کیا ہے مَا لَا يَدْرِكُهُ الْحِسُّ اسی چیز جسے حواس کے ذریعے معلوم نہ کیا جاسکے۔ حواس ظاہرہ ہوں یا باطنیہ لَا تَقْتَضِيْهِ بَدَاهَةُ الْعَقْلِ واما انک عقل کی رسائی نہ ہو سکے۔ جو چیز عقل و حواس کے ذریعے معلوم ہوگی، وہ غیب نہیں ہوگی بلکہ اخبار غیب بن جائیگی۔ غرض غیب وہ چیز ہے جو حواس سے معلوم ہو سکے اور نہ عقل کا دامن تک اور ک ہو۔

غیب کا
 خدا تعالیٰ ہے

غیب اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے درجے ہیں۔ پہلے کہ غیب لَدُنْہِ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ذاتی ہے کسی کا عطا کردہ نہیں۔ اس کے علاوہ مخلوق کے پاس جس قدر علم ہے وہ سب اللہ کا دیا ہوا

ہے کسی فرد کے پاس ذاتی علم غیب نہیں ہے یہ تو سیدھا سادہ مسئلہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی کی ذات اور اتنی بھی اس کی ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے تو علم جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے وہ یکے ذاتی اور مختص ہے۔ جبکہ ہر صفت بشمول علم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ علم محیط بھی اللہ کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ اس کے سوا کسی کا علم علم محیط نہیں۔ قرآن پاک میں بار بار آیا ہے۔ **وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ** یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ نیز **وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّخِطٌ** ازل سے لے کر اب تک کے ذرہ ذرہ کا احاطہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ اس کے علاوہ کسی کو ذاتی علم ہے اور نہ وہ ہر چیز پر محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے سب سے زیادہ غلہ انبیاء علیہم السلام کو عطا کر آیا ہے۔ اور پھر تمام انبیاء میں سے سب سے زیادہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے۔ لیکن آپ کا علم بھی نہ ذاتی ہے اور نہ محیط ہے۔ آج کے دور میں تو کہا جاتا ہے کہ نبی علیہ السلام ذرے ذرے کا علم جانتے ہیں۔ اہل بدعت نے اس آیت کو غلط معنی پہنائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نبی کو علم غیب عطا کر دیتا ہے۔ یہ عقیدہ کتاب، سنت اور اجماع امت کے خلاف ہے لہذا باطل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی علم کسی کو نہیں دیا قرآن پاک میں بیسیوں آیات ہیں جو اس مسئلہ کو واضح کرتی ہیں مگر ان پاک سنے توصیف کر رہا ہے **وَمَا عَلَّمْنَاهُ لِيُذْهِقَ وَ مَا يَنْفَخُ فِي كَنٍّ لَّهُمْ لَمْ يَلْمِزْهُمْ** کہ ہم نے اپنے نبی کو نہ شعر و نہاء ہی سکھائی ہے اور نہ یہ اس کی شان کے شیان ہے شاعری کتابت فن ہے۔ دنیا میں اس کی لاکھوں کتابیں موجود ہیں مگر یہ چیز نبی کو نہیں سکھائی گئی۔ دنیا میں کتنے علوم ہیں جن سے شریعت نے منع فرمایا ہے جیسے جادو، کمانت، شعر وغیرہ۔ کیا ہم ہر علم کو نبی کی ذات میں جمع کریں گے۔ نبی علیہ السلام نے تو خود دُعا کی **اَللّٰهُمَّ سَرِّ اَنْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ** اے اللہ! میں بغیر نفع بخش علم سے حضور علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور مجھے نہ دیا جائے۔ تو ایسی صورت میں نبی علیہ السلام کے لئے علم محیط کیسے تسلیم کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ یہ انتہائی گہری بات ہے۔ وہ بھی اللہ کے حکم کے مطابق بدل دے گا۔ شیہ کی وضاحت کرتا ہے، نہ کہ علت و حتمیت کا اختیار خدا رکھتا ہے جب تک یہ کہ یہ اختیار عمل نہیں تو اموں کو کیسے بدل ہو گیا۔

بہر حال اہم بیضاویؒ آیت وَكَانَ اللَّهُ بِصَلَاتِكُمْ عَلٰی الْغَيْبِ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے منتخب رسولوں میں سے جس کو یہ سبب بعض الغیب یعنی غیب کی بعض باتیں بتلا دیتا ہے۔ اور یہ بعض ہوتا ہے۔ مکمل نہیں ہوتا۔ تقدیر یا یہی جملہ قاضی ثناء اللہ پائی پتی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب کی بعض خبریں اپنے امیہ کو وحی کے ذریعے بتا دیتا ہے۔ جتنی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے مطلع ہو دیتا ہے۔ مگر ذاتی علم یا ظہر میں جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی ہے فرمایا لَمْ يَشَأْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ تمہارا فرض ہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ کیونکہ اسی میں تمہاری فلاح ہے وَإِنْ تَوَلَّوْاْ كُنْتُمْ كَافِرًا ایمان لائے گے ورنہ کفار اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو گے، کفر و مشرک، بدعت، معاصی اور ذنوب سے بچتے رہو گے۔ اللہ کی مقرر کردہ حدوں کی حفاظت کرو گے فَلَكُمْ مَوَاجِبُ عَلَيْكُمْ تو تمہارے سبب بہت بڑا اجر ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ اپنی کتاب الصفات القدسیہ میں فرماتے ہیں کہ تقویٰ محافطت بہ حدود و شریعہ کا نام ہے۔ شریعت کی حدود میں سب سے ہونے حلال و حرام کا امتیاز کرنا، جہنم اور عذاب میں فریق کرنا ہی تقویٰ کہلاتا ہے۔ جو شخص تقویٰ کے معیار پر پورا اترے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بہت اجر ہے اللہ کا وعدہ فرمایا ہے۔

ابن عظیم

لَنْ تَمْلُؤَا

الْعِثْرَانِ ۲

درس شصت و نہ ۲۳

آیت ۱۸۰

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْغُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ وَ لِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ ۱۸۰

ترجمہ: پادشہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اُس چیز پر جو اللہ نے ان کو دی ہے اپنے نفع سے کہ وہ ان کے لیے بہتر ہے، بلکہ وہ اُن کے لیے بُری ہے اُن کے گمے میں وہ چیز طوق بنا کر ڈالی جائیگی جس کے ساتھ انہوں نے بخل کی فیات کے دل۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے وراثت آسمانوں کی و زمین کی۔ اور جو کچھ وہ کام کرتے ہیں اللہ اس کی خبر رکھتا ہے ۝ ۱۸۰

اس سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا ذکر فرمایا، اور ان کے فسادِ عقیدے کے بیان کیا۔ یہاں پر زیادہ تر مذکورہ نصاریٰ لکھے۔ مگر مختصر یہودیوں کو بھی کچھ بیان آیا ہے۔ اُس کے بعد جناب احد سے متعلق بہت کچھ آچکا ہے۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی باتیں سمجھائی ہیں اور آخر میں نبیؐ اور طیب کے اقبانہ کا ذکر کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اچھے اور بُرے عقیدے میں ایمان پر اُن کے چھوڑے ہوئے اور نفع ہو جائیگا کہ سچے مومن کون ہیں اور کون سے عقیدے واسے منافق کون ہیں۔ اس طرح، تاکہ فدا الجلال سے غرور، حد میں شکست کی تکوینی حکمت بھی بیان فرمادی۔

اللہ تعالیٰ کے دین کی تقویت کے لیے جاوہرِ بڑا عمل ہے جس

کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو انسان بذاتِ خود جہاد میں شریک ہو کر جسم و جان کی بڑی قربانی
 ہے۔ یا پھر مال خرچ کر کے مجاہدین کے لیے سامانِ بیکراں ہے۔ کچھ مشقت و دوس میں
 اُن منافقین کا ذکر آچکا ہے۔ جنہوں نے اپنی جان بچانے کی خاطر مختلف حیلوں بہانوں
 سے جہاد میں حصہ لینے سے عراض کیا۔ اب آج کے درس میں اُن بخیل لوگوں کا
 تذکرہ ہے جو ضرورت کے وقت خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ اتفاقاً نبیل
 کا حکم سورۃ بقرہ میں بھی آچکا ہے۔ وَالْفُقُوَا۟فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُؤۡفُو۟ا۟
بِاَیۡ۟کُمۡ اِلَی التَّهٰنُکَۃِ اِنَّہٗ رَاسُہٗ فِی خُرُوجِکُمۡ وَاُوۡرَیۡنَہٗ اَیۡ۟کُمۡ
بِاَلۡسِتۡ فِیۡہِ تَاۡوِیۡلُہٗۤ اِنَّہٗ فِیۡ سَبِیْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی سَے بخل کرنے والوں کی مذمت
 بیان فرماتی ہے۔ وَلَا یُؤۡفُو۟ا۟ اَیۡ۟کُمۡ فِیۡ سَبِیْلِ اللّٰهِ
اِنَّہٗ فِیۡ سَبِیْلِ اللّٰهِ فِیۡ سَبِیْلِہٗۤ اِنَّہٗ فِیۡ سَبِیْلِہٗۤ
 کہیں کہ جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے وہ اُن کے لیے بہتر
 ہے۔ بَلۡ اِنَّہٗ فِیۡ سَبِیْلِہٗۤ اِنَّہٗ فِیۡ سَبِیْلِہٗۤ
 اس میں کہیں کہیں بَلۡ اِنَّہٗ فِیۡ سَبِیْلِہٗۤ کے الفاظ خاص طور پر قابلِ توجہ

ہیں۔ اللہ حکیم انسان کہ یہ جتنا چاہتے ہیں جس مال کے تہذیب کا اُس سے
 تقاضا کیا جا رہا ہے۔ وہ اُس کا ذاتی نہیں بلکہ اللہ ہی کا عطا کردہ ہے۔ انسان
 کا تو جسم اور قری بھی ذاتی نہیں ہیں چہ جائیکہ مال ذاتی ہو۔ اللہ تعالیٰ مختلف لوگوں
 کو مختلف ذرائع سے مال عطا کر دیتا ہے اور انسان یہ سمجھتا ہے کہ یہ اُس کے
 عقل و بہتر کاموں پر منت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اسباب پیدا کر کے اس
 دیا ہے۔ اب پھر اس میں سے اپنے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے
 مگر بخوشی دینی سمجھتا ہے۔ کہ بخوشی اس کے حق میں بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
 فرمایا ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ نکل اُن کے حق میں بہت بڑی چیز ہے۔

بخل کی بیماری ایسی جنگ بيماری ہے جس کی وجہ سے انسان نہ صرف دنیاوی
 سے محروم ہو جاتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کر کے جلاکت میں پڑ جاتا

بخل کی بیماری

ہے۔ بخل کی وجہ سے انسان فراغت نہیں کر سکتا مثال کے طور پر جو شخص سینے
 مال سے اللہ کی غرض کو وہ زکوٰۃ اور نہیں کرتا۔ وہ سقون اور متعب صدقہ وغیرہ است
 کب کہ پکارا اسی لیے بخل کو بدترین افلاقی بیماری کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمودہ ہے
 حَنْفٌ يُثَقِّلُ ثِقَلَهُمْ قُلُوْبُهُمْ هُمْ الْمُفْلِحُونَ جس شخص کو اس
 کے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا، یقیناً وہ خود کامیاب ہو گیا۔ انسان کا مزاج تو
 دیتے ہی مال کی محبت میں فرو پا ہوا ہے اِنَّهُ لَجُلٌّ الْخَلْقِ لَكَسْبٍ رِيدٌ
 انسان مال کی شد یہ محبت میں گرفتار رہے تب ہی اسے مال حاصل کرنا چاہتا ہے
 اور پھر خرچ کر لے میں بخل کہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو صالح کے باب میں بھی فرمایا
 ہے وَلَمْ يَجْعَلْ اِلَّا لِنَفْسٍ الشَّيْءِ یعنی مال خرچ کر کے بھی صحیح کر لینی چاہیے
 انفسوں کے پاس بخل ماضی ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ خرچ کرنے سے روکتا
 جاتے ہیں۔

حضرت علیہ السلام کے سامنے عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! بخل میں بخل کی بیماری
 پائی جاتی ہے فرمایا کہی کہ اِنَّ اَوَّلَ دُرُوسٍ اَنْ يُّبْعَلَ بَخْلٌ سے بڑھ کر کمرہ ہی بیماری
 کوئی ہو سکتی ہے۔ اگلی آیت میں یہودیوں کی اس بیماری کا ذکر بھی آ رہا ہے۔ قرآن پاک نے
 یہودیوں کی ظالمیوں میں بخل کو بھی شامل کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے مطلقاً بخل سے منع
 فرمایا ہے۔ یہ بدترین بیماریاں ہیں۔

نسائی شریف کی روایت میں آتا ہے لَا يَجْتَمِعُ الشَّيْءُ اِلَّا فِي رِيْقٍ
 قَلْبٍ عَنِ اَهْلٍ اَلَيْسَ كَيْسٍ مَوْسِمٍ بَدَسَ کے دل میں بخل اور میان جمع نہیں ہو
 سکتے جو سچا مومن ہوگا، وہ بخل نہیں ہو سکتا۔ اگر بخل ہے تو ناقص الایمان ہے
 اسے اپنے ایمان کی اصلاح کرنا ہوگی۔

جس طرح مال اللہ کا فضل ہے، اسی طرح علم کو بھی اللہ کا فضل کہا گیا ہے
 اور بخل نہ مال میں روا ہے اور نہ علم میں اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم عینی دولت
 عطا فرمائی ہے اور وہ اس کو اگلے نہیں پہنچاتا۔ بخل کرتا ہے، کہ حضرت علیہ السلام نے

یہ شخص کی خدمت میں فرمائی ہے۔ مَنْ مُسَلِّلٌ عِلْمًا فَكَتَمَهُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مِنْ
 نَادٍ۔ یَوْمَ لَقِیْہِہُ یعنی جس شخص سے کوئی علم کی بات پوچھی گئی جسے وہ جانتا تھا مگر اس
 نے وہ بات چھپا دی، فرمایا قسمت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائیگی۔ سال
 عمر کا محتاج تھا مگر صاحبِ علم نے اس کی ضرورت کو برداشت کیا، لہذا اس نے سبھل کیا اس
 لحاظ سے علم کا سبھل مال کے سبھل سے بھی بڑا ہے۔ سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
 اَلَّذِیْنَ یُکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنْ اَلْنَبِیِّ وَالْہُدٰی
 جو لوگ ہماری نازل کردہ واضح باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں، فرمایا اُوْلٰئِکَ یَلْعَنُہُمْ
 اللہ و یلعننہمُ الْعٰلَمِیْنَ "ایسے لوگ، اپنا منہ بھی لعنت کرتا ہے اور دوسرے
 لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ یہ ملعون لوگ ہیں۔" یہ بعض مفسرین
 فرماتے ہیں کہ اس آیت کے پیش نظر مسلمانوں پر بہت بڑی ذمہ داری آتی ہے۔
 مسلمان حاملِ قرآن ہیں مگر اس وقت حالت یہ ہے کہ دنیا کی پانچ ارب کی آبادی میں
 سے سو چار ارب اس نعمت سے محروم ہیں۔ انہیں قرآنی ہدایت کی ضرورت ہے۔
 اور اگر قرآن کا علم ان تک نہ پہنچے اور وہ لکھ، فکر، اور معاشی میں مبتلا رہیں تو اس کے
 ذمہ دارِ آسمان، ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن جیسی عظیم نعمت دی جسے انہوں نے
 چھپائے رکھا اور ضرورت مند تک آگے نہیں پہنچایا۔ قرآن پاک کی طرح نعمت رسول
 صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت بڑی نعمت ہے مگر اس کو بھی مستحقین تک نہیں پہنچایا جا رہا
 ہے۔ یہ بھی حق بات کو چھپانے "یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" کے مترادف ہے
 اللہ کے راستے سے روکنے والی بات ہے۔ لہذا اہل اسلام کی ذمہ داری ہے۔
 کہ وہ دین اسلام کے علم کو دوسروں تک پہنچائیں۔ نہ خود ہلکی کا آئینہ نکالیں اور
 نہ دوسروں کو کہنے دیں۔ یہ سب کچھ فضل میں شامل ہے۔

فضل کے لفظ میں اور بھی بہت سی چیزیں آتی ہیں مثلاً سورۃ فتح میں نبی علیہ السلام
 کے صحابہ کی طرح ہیں آتا ہے۔ "یُؤْتُوْنَ قَضًا" وَلِلّٰہِ قَضَاۃٌ وَ لِلّٰہِ الْکَرَمُ
 فضل اور عزت ان تلاش کرتے ہیں۔ شاہ دلی ایہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ رضوان کے

مرد اللہ تعالیٰ کا تقرب اور خوشنودی ہے۔ اور فضل میں ارتفاق معاش پانا ہوتا ہے۔ جس شخص کو جائزہ ذائقہ سے رزق حلال میسر آ رہا ہے یہ خدا کا فضل اور ارتفاق ہے۔ دوستی فرائض کے بعد کسب رزق حلال بھی انسان کے لیے فرض ہے اگر اللہ نے یہ نعمت عطا کی ہے۔ تو اس کے خرچ کرنے میں تنگی نہ کرو۔ کیونکہ بس ذات باری تعالیٰ نے یہ عطا کیا ہے، وہ چھین بھی سکتا ہے۔ ہم نے اپنی زندگی میں کتنے مشاہدات کیے ہیں کہ بڑے بڑے امیر کبیر اور دولت مند چند دنوں میں قلاش ہو گئے۔ لہذا مال کے ساتھ مدد و جبر کی محبت نہیں کرنی چاہیے بلکہ بنے باندہ سے خرچ کر دینا چاہیے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے یا بن آدم ان تبدل الفضل خیر من ثمنہ آدم کے بیٹے! اگر تمنا ہے اس ضرورت سے زیادہ مال بہت ترسے خرچ کر دو۔ یہ تمنا ہے حق میں بہتر ہے و انما خصت شہادت اور اگر روکے رکھو گے تو یہ تمنا ہے بیٹ بڑا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر تم نے ماں کے فرائض ادا نہیں کیے تو جہنم لازم ہوگی اور اگر فرائض ادا کر لیے ہیں پھر بھی فضیلت سے محروم رہو گے۔ اس میں شر کا کوئی نہ کوئی درجہ ضرور پایا جائے گا۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے اللہم اجعل مرنق اہل محمد قوتاً لئلا یزال اللہ آل محمد کی روزی بس اتنی کہ جس سے گزرا و قاتل ہو جائے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ کہیں شر میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

اخلاق کا
بگاڑ

حضرت ابو نعیم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عظیم کتاب ہے گزشتہ بارہ صدیوں میں اسلام کی تائید و خدمت میں ایسی کتاب نہیں ملتی، یہ کتاب جہان سے درمحل میں پڑھائی جاتی ہے۔ آپ کی دوسری محکمہ آثار کتاب ازالة الخلفاء عن خلافة الخلفاء ہے۔ اس میں غلط فہمی ارجحہ کی سوانح حیات اور ان کا نظم حکومت مذکور ہے شاہ صاحب ان دونوں کتابوں میں فرماتے ہیں کہ دنیا میں اخلاق کا بگاڑ پیرا کھنے

دلی اور چیزیں ہیں ایک امپریلزم جسے شمشادیت یا ملکیت کہا جاتا ہے اور دوسری
 سرمایہ دہی۔ انبیاء علیہم السلام ایسی ہی چیزوں کی اصلاح کے لیے تشریف لائے ہیں
 ملکیت میں من مانی کاروائیاں کی جاتی ہیں، کبھی کے حقوق کا خیال نہیں کیا جاتا جس کی
 وجہ سے خلاق میں جگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اور سرمایہ دہی میں بھی ان ان حلال و حرام کی
 تعمیر کے بغیر مال اکٹھا کرنے کی فکر میں لگ رہتا ہے، جس سے دوسرے لوگوں کے
 حقوق متعلق ہوتے ہیں، لہذا یہ دونوں چیزیں انسانی اخلاق کے بجائے موجب ہیں۔
 اللہ تعالیٰ نے سورۃ فجر میں فرمایا وَتَجِبُونَ الْمَالَ حُبَّ جَمَعْتُمْ بِهِ بھڑک کر
 مال سے محبت کرتے ہو، غریب، مساکین کا خیال نہیں رکھتے۔ قیصروں کی سرپرستی،
 نہیں کرتے، لہذا دولت کا فکار ہو کر رہو گے۔ ہم مشرقی ممالک کے باشندے
 سرمایہ دہی کا فکار نہیں۔ برعکس اس کے بعض ممالک میں ستر کی نظامہ رائج
 ہے۔ یہ سب نظامہ خدا اور اس کے دین سے انکار پر مبنی ہیں اس لیے دعوتِ پی
 ٹل۔ اسلامی نظام ہی وہ نظام ہے جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آخرت کے
 مواخذہ پر رکھی گئی ہے۔ لہذا اس میں حق تعالیٰ کی بچائے حق رہی ہوتی ہے۔ ذرائع آمدنی
 پر سزاؤں کی سزا کے ساتھ دوسرے کو دینا کیا جاتا ہے۔ سرمایہ دہی کی حوصلہ افزائی
 کی بجائے جس کی اصلاح کی جاتی ہے۔ رزق ملاں کھانے کی تمغیب دی جاتی ہے
 اسی لیے شاہ صمد شاہ فرماتے ہیں کہ سلام نے باطل نظاموں کو ختم کر کے اپنی
 اعلیٰ ذریعہ نظام قائم کیا ہے۔ جب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اقتدار دیا تو انہوں
 نے قیصر و کسری کے غلط نظاموں کو یکدم تبدیل کر دیا اور دنیا میں ایک صالح نظام
 قائم کیا خلافتِ راشدہ کا نظام دنیا میں مثالی نظام تھا، مگر آج مسلمان اس نظام کو بھول چکے ہیں۔
 قرآن مجید میں جو کچھ اللہ نے فرمایا ہے، وہ اُسے اپنے حق میں بہتر نہ بھیجیں
 بلکہ ان کے لیے شر ہے۔ اور ان کے بدلے کی آخرت میں سزا یہ ہوگی۔
 مَسِيحٌ صَلَوْتُ لَكَ مَا يَخْلُقُ بِهِ كَيْتُمْ اَبْقِيَا قِيَامَتِ كَيْتُمْ دَنَ بَخِيلُونَ كَيْتُمْ
 گلے میں اس چیز کو طوق بنا کر ڈالا جائے گا، جس کے ساتھ انہوں نے بخل کیا۔

بخیل
 سزا

بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے سونے پاندی کی دولت عطا کی اور اس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی، قیامت کے دن یہ مالی سائب بن جائیگا۔ اور اس کے گلے میں پڑ کر اس کو کاٹے گا۔ اور کہے گا۔
 اِنَّكَ تُوْتُكَ اَنَا مَا لَكَ مِنْ تِلْكَ اُولَہٗ ہٰل ہوں، میں تیرا وہ شہداء ہوں جسے تو سیرٹ
 سمیٹ کر رکھتا تھا، ایسے تو عیاشی اور فحاشی میں صرف کرتا تھا اور جس کے ساتھ تو
 غریب و مسکین کی پیرکشی نہیں کرتا تھا۔ فرمایا اسی طرح اگر کسی کے پاس مال ہو تو اسے
 اور اس سے حق کا حق ادا نہیں کیا۔ تو وہ اس شخص کو لٹ کر اس کے اوپر ست جائیگا
 اس کو رونہ میں لگے، اس کو سینک مار دیں گے۔ اور اس کو کاٹیں گے۔

فرمایا یہ نہ سمجھو کہ اگر دنیا میں کسی کو مال مل گیا تو وہ اس کی ذاتی مصلحت بن گیا۔
 بَلْكَرَہُ لَہٗ وَیُحِبُّہٗ اَللّٰہُ لَہٗ وَیُحِبُّہٗ رَہْمٰنُہٗ وَرَہْمٰتُہٗ شَمَعَا
 کی ہے، ہر چیز کا خالق بھی مہربان ہے۔ اور مالک بھی مہربان ہے۔ اچھا ہے
 علیہ السلام نے تم پر احسان فرمایا کہ تمہیں عارضی طور پر اس کا مالک بنایا۔ پھر
 اپنے احکام بھیجے تاکہ ان کے مطابق عمل کرو گے اس مال سے نیکی کا لوہہ اس
 کے دل کو اسی کے راستے میں ضرر پہنچ کر وہ بھل نہ کرے۔ اور یاد رکھو اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ
 لَقَمَلُوْنَ خَیْرًا مِّنْہٗمَا سَے ہر فعل کی اللہ تعالیٰ کو خیر ہے۔ یَسْتَبِیْہُ
 یُحِبُّہٗ لَہٗ تَمَّ جَوَہْرٌ دُنْیَا مِیں کر رہے ہو، وہ سب کچھ تمہارے سامنے آجائیگا
 اور پھر تمہیں اس کا بھگناں کرنا ہوگا۔

یعنی اللہ سے ڈرنا اور ایمان لے آؤ کیونکہ قسم جانتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برحق رسول ہیں اور اس بات کی گواہی خود تمہاری کتب میں موجود ہے اَلَّذِي يَخْلُقُ وَهُوَ مَكْنُونٌ عِنْدَهُمْ فِي السَّمُورَةِ وَالْإِنْجِيلِ۔ نیز یہ بھی کہ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، واقربہ وصو، اللہ سے مناجات کرو اور اللہ کو قرض حسن دو۔ حضرت صدیق اکبرؓ فرمایا یہ مکتوب لے کر بنی قینقار کے پاس پہنچے اُس وقت یہودیوں کا بڑا عالم نفاص بن عازوراد بیت المقدس میں تعلیم دے رہا تھا۔ حضور علیہ السلام کا مکتوب پڑھ کر کہنے لگا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں اسی سے توروہ ہم سے قرض طلب کرتے ہیں (انعیاذ باللہ) یہودی عالم نے یہ بھی کہا کہ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سود عظیم کیا ہے اور تمہارے لیے جائز بنایا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرمایا یہ سن کر برداشت نہ کر سکے اور اُس یہودی عالم کے پیچھے چلے مارا۔ آپؓ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تمہارے اہل تمہارے درمیان معاہدہ عامل نہ ہوتا تو میں تلوار سے تمہارا کام تمام کر دیتا۔

روایت میں آتا ہے کہ نفاص بن عازورائے حضور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُس کے ساتھ زیادتی کی ہے آپؓ دریافت کرنے پر صدیق اکبرؓ نے کہا کہ لے اللہ کے رسول! اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی تھی، کہتا تھا اِنَّ اللّٰهَ فَفِيْ ذَنْبٍ عَنِيْ کہ یعنی اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول کی اس گستاخی کا جواب دیا ہے۔

جہاں تک اللہ کو قرض حسن دینے کی بات ہے۔ اُسے یہودی اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے نہ سمجھ سکے۔ اللہ تعالیٰ نہ فقیر ہے نہ غنی (اللہ) اور نہ اُسے اپنی مخلوق سے قرض کی ضرورت ہے۔ اُس نے جس قرض حسن کا ذکر کیا ہے اس سے مُرد یتیموں، یتیموں، یتیموں، یتیموں اور دیگر مستحقین پر خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ تم اپنے مال میں سے مستحقین پر خرچ کرو۔ اور اُس کا اجر مجھ سے وصول کرو۔

فَرَأَيْنَاكَ ذَا الَّذِي يَفْعَلُهُ اللَّهُ فَرَضًا حَسَنًا فَيَضَعُكَ لَهُ جَزَائِرًا
 کو فرض دیکھا، میں اس کا دکن چرگن اجڑ عطا کر دینگا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے راستے
 میں خرچ کمرے والوں کو بخش دیا ہے کہ تمہارا خرچ کیا ہو انا مل سناج نہیں جائیگا
 بلکہ اس کے عوض میں تمہیں بڑھا چڑھا کر عطا کیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ تو غنی ہے اُس کے
 سامنے تمام مخلوق محتاج ہے۔ جیسا کہ اُس کا اپنا ارشاد ہے يَا أَيُّهَا النَّاسُ
 أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ اُس کی راست
 سے نیاز ہے اور تم سب اس کے سامنے فقیر اور محتاج ہو۔

عادل و حرام
 کی حکمت

یہاں ہم یہ بات سمجھ لیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے حلت و حرمت کے
 جتنے احکام نازل فرمائے ہیں وہ سب ان نازل ہی کے فائدے کے لیے ہیں
 یا ان کے نقصان سے بچنے کے لیے ہیں۔ دیکھ جس قدر صدقہ خیرات کمرے
 ہیں یا زکوٰۃ لڑا کرتے ہیں، ان میں سے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی چیز نہیں جاتی اور
 نہ ہی اُس کو ان چیزوں کی ضرورت ہے۔ وہ تو غنی ہے۔ اس میں باقی ان نازل
 کے لیے فائدہ ہے۔ امیر آدمی کے صدقہ خیرات سے محتاج کی پرورش
 ہو جاتی ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے آپس میں چھوڑ دی اور غنیمت کی ذریعہ پیدا فرمادیا
 ہے اس سے پاکیزہ جذبات پیدا ہوتے ہیں اور انسان کو تندیب نفس حاصل ہوتی
 ہے۔ اس سے انسان کے اخلاق کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ چیزیں بہر حال بنی نوع
 انسان کے لیے مفید ہوتی ہیں۔ اسی طرح اللہ جل جلالہ نے جن چیزوں کو حرام
 ٹھہرایا ہے۔ ان میں لوگوں کے لیے نقصانات ہیں۔ اول تو کوئی نہ کوئی جسمانی
 نقصان ہوگا، دگر نہ روحانی نقصان تو لازمی ہوگا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان
 چیزوں کو انسانوں کے لیے حرام قرار دے دیا ہے۔

یہودیوں نے حرص اور بخل کی وجہ سے اللہ جل شانہ کی شان میں بہت
 سنی گستاخیاں کیں جن کا تذکرہ قرآن پاک میں متعدد ہے۔ جب ان بد بختوں کو ملی
 پریشانی کا سامن کرنا پڑا تو کہنے لگے۔ يٰۤاَيُّهَا اللّٰهُ مَقْلُوۡا۟هُمۡ مِّنۡ اَعۡنَانِہُمۡ

یہودیوں
 گستاخیاں

ہر چیز کے لئے یہ دو ہمہ رفا فیاضی نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جو سبب میں فرمایا
 نَلَّكَ بِذِيكَهُمْ وَلَقَدْ نَفَخْنَا فِي سِجِّينَ نَفْثَ الشَّيْطَانِ کے سبب سے ہاتھ بڑھ کر دے ہوئے
 ہیں اور ان پر اللہ کی رحمت برس رہی ہے فرمایا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ
 بَعْدَ ذَٰلِكَ تَعَالَىٰ سَعْدُ ہاتھ دوگنا دوہیں مود و مہر اپنی فیاضی کی باہشش مانیں فرما رہا ہے۔ وہ
 جس طرح سے چاہے شہر کو کمر بستہ اس کے سامنے کر لی رکھ دے نہیں ہتھت
 یہ ہے کہ یہودی کفر کے کل سببوں کو ان کا ایک کتاب کر رہے ہیں اور سببوں میں مبتلا
 ہیں۔ ہنرمند مومن علیہ السلام کے زمانے کا وہ سورہ البقرہ میں بیان ہو چکا ہے۔ افراس
 مری طایر السلام سے کہ اُس تُوْا مِنْ لَدُنْكَ حَتَّىٰ يَسْمَعُوا اللّٰهَ جَهَنَّمَ بَرَكْرُ اِيَانِ
 یہاں سبب ملے گی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ان کھلی سچائیوں سے نہ دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ
 نے اس گستاخی کی فرد سزا دی اور وہ گرفت میں آگئے۔

آج کے درس کی تیس کمرہ میں بھی یہودیوں کی گستاخی کہ مذکورہ کمرہ سے ہوئے
 فرمایا لَقَدْ سَبَّحَ اللّٰهُ قَوْلُكَ الْمَدِينِ مَا لَوْ اَنَّ اللّٰهَ فَصِيحٌ وَتَحْنُ الْعَنْبِيَا
 ایک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ رحمان رحیم
 فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ فرمایا یہودیوں کے اس گستاخانہ کلام کا بدلہ یہ ہے کہ
 سَبَّحَ كَتَبُ مَا قَالُوا اہم اس بات کو ضرور کوٹھیں گے۔ اللہ تعالیٰ تو علیم کل ہے
 سب سے سمجھنے کی یہی ضرورت نہیں۔ ہر چیز اس کے علم میں ہے۔ تاہم انصاف کے
 تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ان کی یہ بات ٹھک لی جائیگی۔ وہ دفتر میں محفوظ ہو
 جائیگی۔ پھر حساب کتاب کے دن لا کر ان کے سامنے رکھ دی جائیگی۔ تاکہ وہ
 اس کا انکار نہ کر سکیں۔

اس گستاخی کے علاوہ یہودیوں کی ایک بدستور مری خدمت اپنی قتل انیس ہے
 فرمایا وَكَفَّ يَهُدَىٰ الدِّينِيَا اَبْرَهَامَ بِيَسْحَقَ رَن کی جانب سے اللہ کے نبیوں
 کا حق قتل بھی جو سبب سے ٹھکر رکھا ہے۔ ہم اسی بھی کو کہ ضرور سزا دیں گے۔ بنی لا قتل تو
 یقیناً ناحق ہوتا ہے۔ بلکہ کسی ہمارے مسلمان کا قتل ناحق نہیں اگر لکھنا تو میں سے ہے۔

یہ بدترین جرم ہے۔ تاہم یہاں پر فقط بغیر حق سے مراد یہ ہے کہ انبیاء کا قتل خود ان
قائمین کے نزدیک بھی ناحق تھا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اللہ کے نزدیک
سب سے سخت منکر کا مستحق وہ شخص ہوگا جس نے اللہ کے نبی کو شہید کیا ہوگا۔ یادہ
شخص سب سے زیادہ ملعون ہوگا جسے اللہ کا نبی قتل کر دے۔ ایسے شخص کی مثال ابلیس ^{خلعت}
کی ہے۔ جو عزوہ احد میں نبی عبیدہ السلام کے نیزہ کی زد میں آکر جہنم داخل ہوا تھا۔
بنی اسرائیل کے قتل کا ذکر تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ کیا ہے
خود حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں بھی یہودیوں نے نبی عبیدہ السلام کو شہید کرنے
کی کئی مذموم کوششیں کیں۔ فیہر میں آپ کو زہر دیا گیا مگر اللہ نے آپ کو محفوظ
رکھا۔ پھر تنی انیس کے علاقے میں دیوار کے اوپر سے آپ علیہ السلام پر پتھر گرنے
کی سعی لامحال کی گئی۔ یہ لوگ اپنے باؤ اجداد کے ان قبیح کارناموں کو نظر اٹھان نہ سکتے
تھے اور ان پر فخر کرتے تھے۔ اگرچہ حضور علیہ السلام کے مارنے کے یہودی قاتلین
انبیاء کے صدیقین بعد اُسے مگر اپنے سابقین کی بُرائی کی حمایت کرنے کی وجہ سے
یہ اس قتل ناحق میں شریک سمجھے گئے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ایک شخص
بالفضل بُرائی نہیں کرتا، مگر بُرائی کرنے والے کو دل سے اچھا سمجھتا ہے، تو وہ بھی
بُرائی کرنے والے کے ساتھ شامیں سمجھا جائے گا۔ لہذا یہ شخص جو اپنے مستند بُرائی
ہوتی دیکھ کر دل سے برا مانتا ہے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

ان گناہوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ ^{گناہ کی سزا} وَقَدْ قُولُوا أَغْدَابُ الْخَنِيفِ
اور پھر ہم جزائے عمل کے وقت کہیں گے جلاسنے والے عذاب کا سزا چکھو۔
تم خدا تعالیٰ کی شان میں یہودہ کلمات بولتے تھے کہ خدا فقیر ہو گیا ہے جو ہم سے
قرض مانگتا ہے۔ لو آج اس گستاخی کی سزا بھیگت لو، فرمایا ہماری سخت سزا تمہارے
ساتھ زیادتی نہیں ہوگی بلکہ ذَآئِبٌ يَمْصَاقٌ مِّمَّتْ آید یہ کھڑے اس وجہ سے
ہے جو کچھ تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا تم نے دین میں جس قسم کے اعمال انجام
دیے یہ ابھی کا بدلہ ہے۔ سورۃ البقرہ میں بھی گزر چکا ہے لَهَا مَا كَسَبَتْ

رَغِيهَا صَ الْكَتَّ سَيِّدَتِ تَهَارِی اپنی ہی کالی تہا سے سامنے آئے گی۔ یہ تہا ری
 برا اعمالوں کا صلہ ہے۔ جو تمہیں مل رہا ہے۔ اور یاد رکھو! وَلَٰكِنَّا اللَّهُ لَنُنَبِّئَنَّ
 بِالظَّالِمِ الْفَعِيلِ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا، اور تو انصاف
 کرنے والا ہے۔ رحیم و کریم ہے۔ یہاں یہ ظلال کو سبالتہ کا صیغہ ہے۔ اور معنی
 یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بالکل ظلم نہیں کرتا یا ذرہ بھر بھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔
 مگر انسان خود اپنی نافرمانی، بد اعتقادی، بد اعمالی اور معاصی کی وجہ سے شدید تر سزا
 کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

لَنْ تَنَالُوا

الْعَصْرَانِ ۲

رِسْمَتُ بَيْتِ ۵۵

آیت ۱۸۳ ۱۸۵

الَّذِينَ قَاتَلُوا اللَّهَ عَهْدَ الْبَيْتِ لَا تُؤْمِنُ لِرَسُولٍ حَتَّى
يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَكُلُهُ لَنَارًا قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ
قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِنْ
كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٨٣﴾ فَإِنْ كَذَّبْتُمْ فَلَقَدْ كَذَّبَ رَسُولٌ
مِّنْ قَبْلِكُمْ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿١٨٤﴾
كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّقُونَ أُجُورَكُمْ
يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ
فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الشُّعُورِ ﴿١٨٥﴾

ترجمہ: وہ وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد کر رکھا ہے
کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قرآنی باتیں نہ لائے، جس کو
اُگ کھا جائے۔ یہ پھر میری زندگی پر ظلم! آپ کہ دیجئے، تحقیق تمہارے پاس مجھ سے
پلے رسول آئے واضح نشانیاں لے کر، اور اُس چیز کو لے کر جو تم نے کہی ہے۔ پس
تم نے اُن کو کیوں قتل کیا، اگر تم سچے ہو ﴿۱۸۳﴾ پس اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں۔ تو
بیشک آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے ہیں، جو لاسے رہے۔
کھلی نشانیاں، اور صحیفے اور روشنی کتابیں ﴿۱۸۴﴾ ہر ایک نفس موت کا ذائقہ
چکھنے والا ہے۔ اور بیشک تم کو تمہارا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا قیامت کے دن
پس جو شخص دوزخ کی آگ سے دور کر دیا گیا۔ اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو بیشک
وہ کامیاب ہو گیا، اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر دھوکے کا سامان ﴿۱۸۵﴾

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے تخیل اور حرص کا تذکرہ کر کے ان کی مذمت کی تھی۔ وہاں ان کی الشرب العزیز کی بارگاہ میں اس گستاخی کا بیان بھی تھا جس میں انہوں نے کہا۔ کہ اگر اللہ ہم سے قرض حسنہ لگتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم بالذکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں پر متنبہ کر دیا تھا کہ اس نے ان گت خانہ کلمات کو تحریر کر لیا ہے۔ نیز یہ بھی بتا دیا تھا کہ ان کے آباؤ اجداد کے قتل انبیاء کے فعل کو بھی اس سے لکھ رکھا ہے۔ اور قیامت کے دن انہیں جلائیے والے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ دراصل قبولیت اسلام کے خلاف اہل کتاب کی یہ حید سازگی تھی۔ وگرنہ وہ اسلام کی سچی و رہی بر حقیقت دعوت کو ٹھکرا نہیں سکتے تھے۔ انہیں حقیقت ماں کا علم ہو چکا تھا۔ مگر وہ محض اپنی ہمت و حرمی عن وادہ ضد کی وجہ سے اسلام قبول کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے۔ انہیں علم تھا کہ اگر انہوں نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کر لیا تو پھر ان کی میادت قائم نہیں رہ سکیگی اور ان کے اکابر و مشرک و سود کے تمام ہاتھ بند ہو جائیں گے۔ سب کچھ کے درمیں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ایک اور چیلے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو صرف اسی صورت میں ایمان لائیں گے جب اللہ کا رسول ہمارے پاس ایسی قربانی سے کمرے جھے آگے جائے۔ سامنے کھنڈا جائے۔ اس درس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس بیہودہ ہمنے کا جواب بھی دیا ہے۔

سرخ فیزی
کی لغت

سرخ فیزی داری ہمیشہ متوجہ ہواں حق میں مانع رہی ہے۔ رابطہ انبیاء کے دور میں بھی یہی چیز تھی۔ بڑے بڑے درویش ستوں نے ہر جائز و ناجائز طریقے سے دولت اکٹھی کر رکھی تھی۔ مال اکٹھا کرنا اور پھر اسے جاننے کی بجائے ناجائز امور پر خرچ کرنا ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ اللہ کے نبی انہیں حرام راستے سے دولت کمانے اور حرام راستے پر خرچ کرنے سے روکتے تھے۔

عدل و انصاف کا حکم دیتے تھے، جس کی وجہ سے سرخ فیزی ذرا ذرہ فریبیت کے

لوگ انبیاء کے گمراہ جمع نہیں ہو سکتے تھے، بلکہ ان کی مخالفت پر گمراہ ہو جاتے تھے۔ سورۃ ہود میں حضرت شعیب علیہ السلام کی تقریر موجود ہے۔ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا، اے میری قوم! خالص اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں۔ نیز یہ کہ ناپ تول میں ڈنڈی نہ مارو کسی کا حق نہ کھاؤ، زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ مَّا يَخْتَارُ** اللہ تعالیٰ لوگوں کے حق نہ کمر لے کے بعد جو چیز تمہارے پاس بیچ جائیگی۔ وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ اور اگر تم نے حقداروں کے حق ادا نہ کئے۔ تو وہ چیز تمہارے لیے بہتر نہیں ہوگی۔ اس وعظ پر قوم سخت چین چہین ہوئی۔ اور کہنے لگی **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُنْزُوا لِنَفْسِكُمْ مَّا يَخْتَارُ** اے شعیب! کیا تمہاری مثالیں یہ کہتی ہیں کہ ہم اپنے مالوں میں جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ تم ہمیں اس کلام سے بھی روکنا چاہتے ہو۔ تم ہمارے مال پر پابندی لگانا چاہتے ہو۔ ہمیں تمہاری یہ بات ہرگز قبول نہیں۔ اور اگر اللہ کا نبی جیسے کہ مجھ پر ایمان رکھو تو چاہے کدو کے پھرد۔ تو پھر وہ سانسے کے سانسے نبی کے گمراہ کھٹے ہو جائیں گے مگر اللہ کا پیغمبر تو ہمیں شیعہ سے جدا نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ تو حذل و طرام اور جائز و ناجائز کی تمیز سمجھائیگا۔ اللہ کا نبی انہیں جائز و ناجائز سے کھانے اور جاننا پر قہر فرما کر کے تقیہ کرنا ہے اسی لیے تو لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اُسے تسلیم کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں، طرح طرح کے چیلے بناتے کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں مکہ کے دولت مند مشرکین کا بھی یہی حال تھا۔ وہ بھی حضور علیہ السلام کو نبی ماننے کے لیے تیار نہ تھے اور اس کے لیے کئی باتیں بناتے تھے۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ایک اور جملہ کا ذکر کیا ہے ایمان لانے کے لیے انہوں نے نبی علیہ السلام کے سامنے ایک اور شرط پیش کی ارشاد ہوتا ہے **الَّذِيْنَ قُلُوْا اِنَّ لِلّٰهِ عِنْدَ اَكْثَرِ مِنْكُمْ**

قرآنی کی
لکھنؤ

لَسْتُ سَوْدِي حَتَّى بَأْتِيَا بِقَسْبٍ بَانَ فَاصْطَبْهُمَا لَمَّا رَأَى رَجُلٌ مِنْهُمْ كَمَا كَرَّمَ اللَّهُ
 لے ہمارے ساتھ محمدؐ کیس ہے کہ ہم کسی رسولؐ پر جس دولت تک یہاں نہ لائیں ،
 جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جس کو آگ کھا جائے ، امام رازیؒ
 اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ عیساؑ اللہ تعالیٰ نے سابقہ بنیاء عیسیمہ السلام کے
 متعلق تو ایسی بات کی تھی کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے اُسے اس قسم کی سوغتی قربانی
 پیش کرنے کو کہ جائے مگر دونی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
 کو اس شرط سے مستثنیٰ قرار دے دیا ۔

سابقہ رسولؐ میں مال غنیمت کو استعمال بھی جائز نہیں تھا ۔ نہ احمی ذبائگ
 سے حاصل ہونے والے مال لوگ استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ سارے سامان ایک مقام
 پر اکٹھا کر دیا جاتا تھا ۔ آسمان سے سفید رنگ کی معجزانہ آگ آتی تھی جو اُسے جلا کر رکھ
 کر دیتی تھی ۔ اور یہاں بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ یہاں ان لوگوں کے لیے حلال نہیں
 تھا اس لیے وہ خود ہی اُسے آگ لگا کر ضائع کر دیتے ہوں ۔ مگر نبی آخر الزمانؐ کی
 اہل بیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو حلال قرار دیا ہے صحیح حدیث میں
 حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری عاجزیا
 اور ضعف کو دیکھ کر ہمارے لیے مال غنیمت جائز قرار دے دیا ہے ۔ سورۃ الفاتحہ
 میں بھی موجود ہے فَكُنُوا مِنْهَا غَنِيْمَةً حَالِدَةً طَيِّبًا مال غنیمت
 کے حلال اور طیب مال میں سے کھاؤ ۔

بائبل کی روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانی کی قبولیت کی نشانی
 یہ تھی کہ آسمان سے آگ نازل ہو کر اُسے جلا دیتی تھی ۔ چنانچہ بعض مواقع پر کوئی نبی
 سوغتی قربانی کرتا تھا تو آگ اُسے جلا دیتی تھی ۔ جدی کی عداوت کی دلیل بھی جاتی
 تھی سورۃ مدہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا ذکر ہے کہ
 ان میں سے ایک کی قبول ہو گئی اور دوسرے کی نہ ہوئی ۔ جنس روایات کے
 مطابق دلوں بھی مقبولیت کی نشانی یہی تھی کہ اُسے آگ نے جلا دیا تھا جب کہ

دوسری غیر مقبول قرآنی صیغہ سلامت پہنچ گئی تھی۔ الغرض! اہل کاتبین نے بنی علیہ الصلوٰۃ سے ایسی ہی متعجب نہ قرآنی کی فرمائش کی۔ اور کہہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد کر رکھا ہے کہ جب تک ایسی قرآنی کا مشاہدہ نہ کریں ہم کسی رسول پر ایمان نہیں لائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس فرمائش کے جواب میں فرمایا قَتَلَ سَيِّدِي مُحَمَّدًا عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ كَرِيحِي قَدْ جَاءَكُمْ مِمَّنْ رُسُلًا قَبْلِي مَجْهُوسًا سَلَّمَ تَهَا سَاسَ بَسِيتَ سے رسول آئے ہیں بِالْبَيِّنَاتِ واضح باتیں سے کہ۔ بینات مجھ سے کو بھی گئے ہیں اور واضح دلائل اور واضح احکام پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، صبر، شکر، خد کا ذکر وغیرہ سب بینات اور دین کے بڑے سے ہم اصول ہیں۔ اللہ کے نبی برائے میں واضح دلائل پیش کرتے ہیں۔ خاص طور پر کو حید کے متعلق تو بڑے بڑے عقلی اور عقلی دلائل اور مشاہدہ کے ہزاروں دلائل پیش کیے گئے ہیں جن کو سن کر اور دیکھ کر ہر حکیم لفطرت انسان تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور عنادی ذہن والے لاجواب ہو جاتے ہیں اور جہالت پر اتر آتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر علیہ السلام کے ترجمہ باری تعالیٰ کے متعلق عقلی، نقلی، وراثتی دلائل دلائل کثرت مضبوط تھے جن کا جواب نہ باپ سے سکا۔ نہ بادشاہ وقت اور نہ ساری قوم متعجب ہو کہ دلائل کا جواب دلائل سے مینے کی بجائے داریٹ پر تیار ہو گئے، باپ نے گھر سے نکال دیا۔ حتیٰ کہ پوری قوم دشمن جان بن گئی۔ اسی لیے فرمایا کہ اے پیغمبر علیہ السلام آپ ان سے کہ دیں کہ مجھ سے پہلے بھی اللہ کے رسول واضح دلائل سے کہ آئے ہیں وَ بِالْاٰذْيِ قُلْتُمْ اور وہ چیز بھی لائے ہیں جسکی تم لوگ فرمائش کر رہے ہو یعنی مجھ سے پہلے اللہ کے نبی موفقی قرآنی کی انیل بھی تمہارے آباء اجداد کے سامنے پیش کر چکے ہیں مگر انہوں نے پھر بھی انکار کر دیا۔

تو راستہ میں حضرت الیاس علیہ السلام کی قرآنی کا ذکر موجود ہے۔ بعل نامی بت کے سکھاری ہی یہودی تھے۔ ان کو حضرت الیاس علیہ السلام نے کہا کہ اؤ میدان میں نکلو، ایک پل میں اللہ کے نام ہو قرآن کراہوں، تم ایک پل پہنچتے بت بعل

کے نام پر قربان کرو، پھر دیکھتے ہیں کہ کس کی قربانی کو آسمانی آگ جلا کر قبولیت کے درجہ تک پہنچا لی ہے۔ چنانچہ دونوں قربانیاں کی گئیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کو آگ نے جلا دیا اور اسٹریٹس کی قربانی کی دھواں کی ویسی رہی۔ چاہیے کہ یہ تھا کہ اسب یہودی حضرت الیاس علیہ السلام کو اللہ کا نبی تسلیم کر سیتے مگر وہ اپنی ضد پر اٹھتے رہے، بلکہ آپ کے اور زیادہ دشمن ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے نبی کو پہاڑوں میں پناہ لے کر جان بچانا پڑی۔ حتیٰ کہ وہ اپنے ملک سے ہجرت کر گئے۔ فرمایا تمہارے آباؤ اجداد نے منہ مانگا معجزہ دیکھنے کے باوجود فَلَمَّا قَسَتْهُمْ هُوَ لَهُمْ پس تم نے یعنی تمہارے آباؤ اجداد نے ان کو کیوں قتل کیا۔ کیوں ان کی جان کے دشمن بنے۔ فرمایا اس بات کا جواب دو اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ، مگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ مقصد یہ کہ آج غم مجھ سے وہی پڑنا قربانی والا معجزہ طلب کر رہے ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری فرمائش پوری بھی کرے، پھر بھی تم منہ پر تیار نہ ہو گے بلکہ کسی اور چیز سے بدلنے سے انکار کر دو گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور اس کے متبعین کو تسلی دی اور فرمایا اِنَّ اِلٰهَ اَبْرٰهٖمَ آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ بیشک یہ لوگ آپ کی تعزیر کر رہے ہیں فَلَمَّا كَذَبُوْا اگر یہ لوگ ایسا کرتے ہیں، تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے فَقَدْ كَذَّبَ رُسُلُ وَّحٰشَ قبلاً بیشک آپ سے پہلے بھی اللہ کے رسول جھٹلائے گئے ہیں۔ جس طرح آج آپ کی قوم آپ کا انکار کر رہی ہے اسی طرح سابقہ قریں سابقہ نبیاء علیہم السلام کا انکار کرتی رہی ہیں اور نبی بھی ایسے جبار و فاجر پائے اِنْ يَنْتَظِرُوْا یعنی معجزات اور دلائل ملے کہ آئے۔ اور بڑی نصیحت آموز باتیں ملے کہ اللہ کی طرف سے بعثت ہوئے۔ زبردستی سمجھ کر کہتے ہیں جس میں وسط و نصیحت کی باتیں ہوں۔ اسی لیے حضرت داؤد علیہ السلام کا صحیفہ زبور کھلا ہے۔ صحیفہ میں احکام آتے زیادہ نہیں ہوتے البتہ معاشرتی بند و فصل آتے ہوتے ہیں۔ فرمایا اس کے علاوہ اللہ کے وہ پیغمبر و انبیا اَلْاَنْبِیَآءُ روئے زمین کتاب بھی ملے کہ آئے، مگر پھر بھی تمہاری

قوم نے انہیں تسلیم نہ کی۔ روشن کتاب سے مراد ایسی کتاب ہے جس میں وہ خط و نصیحت کے علاوہ ہر قسم کے احکام، منجملہ حلال و حرام کے احکام، سیاسی اور معاشی احکام، جہاد، عبادت، اور دیگر معاشرتی احکام موجود نہ ہوں۔ فرمایا اللہ کے نبیوں نے تمام صحبت پر ہی کسروی مگر ان لوگوں نے ان کا نہ صرف نکار کیا، بلکہ ان کے قتل کے لیے ہونے لگے۔ لہذا اے پیغمبر! آپ بد دل نہ ہوں۔ پیغمبروں کو جھٹلانا ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی ہے۔ یہ لوگ اپنی عادت سے باز نہیں آئیں گے لہذا آپ اپنا کام کرتے چلے جائیں۔

موت اور
جولنے کا

فَرَأَى كُلَّ نَفْسٍ ذَا نَفْسَةٍ تَمُوتُ ہر ایک نفس نے موت کا ڈنٹہ چھنا ہے، کوئی فری و روح موت سے نہیں بچ سکتا۔ یہ قطعی اور یقینی بات ہے۔ اَفَاَمِنْ مِثَّتْ فَنُفُسُهُمْ اَخْذَلُوْنَ اَنْ تَحْسُ طَرَحَ نَبِيٍّ اور اس کے ماننے والے مریت سے ہمکنار ہوں گے، اسی طرح ان کے مخالفین کو بھی یہ گھائی لازماً مجبور کرنا ہوگی۔ یہ زندگی ختم ہو جانے کی اور سب کو نئی زندگی میں داخل ہو کر رب العزت کی بارگاہ میں پیش ہونا ہوگا۔ وَ اِنْ شَاؤُاْ قَوْلًا كَجَوْزٍ مِّنْكُمْ يَوْمَ الْاُخْتِمَةِ اور پھر فیصلے کے دن تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اس میں نہ کمی ہوگی اور نہ کسی پر ظلم کیا جائے گا۔ ہر شخص کو اس کے کئے کا پھل مل جائے گا۔ وریہ ایک ایسی حقیقت ہے جب انسان کا اپنا وجود جس طرح انسان کے اپنے جسم کے موجود ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں، اسی طرح جبرائے عمل بھی لازماً واقع ہو کر رہیگی۔ فَصَلِّ نَحْنُ حُجَّجٌ عَنِ الْمَدْرَةِ اَدْخِلَ الْجَنَّةَ فَفَقَدْ قَارَأَ بِسْمِ جِ شَخْصِ دَفْعِ سے دور کر دیا گیا، اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ وہ کامیاب ہو گیا یہ ایسی کامیابی ہے جس کے مقابلے میں دنیا کی بڑی سے بڑی دولت، سرورِ بادشاہی، اقتدارِ سرِ پست، سب بیکار ہیں۔ اصل کامیابی یہ ہے کہ انسان دوزخ سے بچ کر جنت کا داخلہ حاصل کرے جو ہمیشہ کے لیے خدا تعالیٰ کی رحمت کا مقام ہے۔ جو وہاں پہنچ گیا، وہ حقیر اللہ سے کامیاب ہو گیا اور اسی کے لیے فلاح و کامیابی ہے۔

فرمایا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعٌ اَلْعٰقِبَةُ خَيْرٌ وَّاُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰسٰخُونَ فِی الدُّنْيَا
 محض دھوکے کا سالن ہے شیطان بہت بڑا دھوکے باز ہے، اُس نے
 لوگوں کو دھوکے میں ڈرائی رکھا ہے۔ آدمی اس دنیا کے کاموں میں مگن ہو کر اس کو
 مستقل ٹھکانا سمجھنے لگتا ہے اور آخرت کے انجام سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس
 کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر لوگ حقیقت سے بے بہرہ ہو کر دین حق کی مخالفت
 پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں اور پھر باجمالی اور بدعتیہ کی کا ذخیرو جمع کر کے آخرت
 میں نامراد و ناکام ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے فرمایا کہ دنیا دھوکے کا سالن ہے اس
 سے ہر شیاء رہنا چاہیئے۔

برہان اللہ تعالیٰ نے قبول حق میں اہل کتاب کے جھوٹے چلے بالوں کی
 مذمت بیان فرمائی اور نبی علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو تسلی دی کہ تکذیب حق
 سے یہ پیشان نہ ہوں۔ اللہ والوں کو ایسی آزمائشوں سے ہمیشہ گزرنا پڑا ہے۔

الْإِسْلَامِ ۲

لَنْ تَنَالُوا

آیت ۱۸۶

در شصت و شش

لَتَبْلُوَنَّ فِيْ أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فَوَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ذِي كِبَرٍ
وَأَنْ نَّصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝ (۱۸۶)

ترجمہ: البتہ تحقیق تم ضرور آزمائے جانے والے اور جانوں میں اور مال میں ضرور
سنو گے اُن لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی تھی تم سے پہلے اور اُن لوگوں سے جنہوں نے
شرک کیا بہت سی تکلیف وہ باتیں اور اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ کی راہ پر قائم
رہو گے تو بیشک یہ مقدس دینی کاموں میں سے ہے (۱۸۶)

رابطہ

گزشتہ درس میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو اہل کتاب
کی ایذا رسانیوں کے خلاف کسی دی گئی تھی کہ اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں
تو آپ اس سے دل برداشتہ نہ ہوں کیونکہ یہ لوگ تو ہمیشہ سے اللہ کے پیروں کی
تکذیب کرتے رہے ہیں حالانکہ وہ پیغمبر اللہ کی طرف سے واضح نشانیاں رکھتا
ہو نصیحت آموز باتیں سننے کو آتے رہے۔ فرمایا اہل کتاب کی یہودہ باتوں سے
قطع نظر آپ جیلخ دین کا کام جاری رکھیں۔ نیز فرمایا کہ ہر نفس نے موت کا مژہ
چکھنا ہے۔ اور اس گھمٹائی کو بخیر کر کے اللہ تعالیٰ کی عزت میں پیش کرنا ہے
وہاں ہر ایک کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا۔ کسی کے ساتھ زیادتی
نہیں ہوگی۔ آج کے درس میں بھی اہل کتاب اور مشرکین کی اسی قسم کی اذیت سنا
باتوں کا تذکرہ کر کے حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام کو تسلی دی گئی ہے۔
کہ آپ اپنا کام جاری رکھیں۔

ارشاد ہوتا ہے لَسْتُمْ بِاٰیٰمِ اٰہِلِ اٰیْمَانٍ ! البتہ تم ضرور آزمائے جانے گے۔
یہاں پہلے تاکید اور ان لَقَیْنٰہُ دونوں آیتیں ہیں اور یہ دونوں حدوت تاکید کے ہیں۔
آیتیں ہیں، بعد ازاں یہ ہوا کہ تمہاری آزمائش ہوگی۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی
گنجائش نہیں۔ اور آزمائش کس چیز میں ہوگی، فرمایا فِیْ مَوٰلِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ
تمہارے۔ مومن بھی آزمائش ہوگی اور جانوں میں بھی ہوگی۔ یعنی دیندار لوگوں۔۔۔۔۔
کرمالی اور جانی ہر دو لحاظ سے آزمائش میں مبتلا کیا جائے گا۔ تاکہ پتہ چل جائے کہ
دین کے معاملہ میں پیہلے کون ہے اور کمتر در ایمان والا کون ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ
و السلام کا ارشاد گرامی ہے یُبْتَلٰی الرَّجُلُ عَلٰی فِدْمٰہِ دِیْنِہِ انسان
اپنے دین کے مرتبے اور مقام کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔ کوئی شخص جس قدر
دین میں مضبوط ہوگا، ایسا اوقات اُسکی آزمائش بھی اسی قدر سخت ہوتی ہے۔
آزمائش کا یہ قانون اللہ تعالیٰ نے کئی ایک سورتوں میں بیان فرمایا ہے۔
سورۃ البقرہ میں گنہگار ہے وَلَسْبُلُوْا نَفْسَکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجَوْعِ
وَلَقَصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَاَنْفُسِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ اور ہم تمہاری ضرورت آزمائش
کریں گے خوف اور بھوک کے ذریعے اور ماں، جان اور پھلوں کے نقصان
کے ذریعے۔ جب ایسی مالی یا جانی نقصان ہو رہا ہے، اہل ایمان کے لیے آزمائش
ہوتی ہے۔ کہ اس تکلیف پر وہ کمال تکس ثابت قدم رہتا ہے۔ سورۃ انبیاء
میں آتا ہے وَنَبْلُوْکُمْ بِالْمُنٰی وَالْمُنٰی وَالْمُنٰی فِتْنٰہُ ہم خیر و شر
دونوں طریقوں سے آزمائے ہیں۔ اسی وجہ سے اس دنیا کو دارِ مابتلہ کہا جاتا ہے
اس دنیا کو کوئی مستقل گھر نہ سمجھنی چاہیے، یہ خود آزمائش کا گھر ہے۔ اکثر مقامات
پر آزمائش کے سلسلہ میں مال و جان کا نوکری کیا ہے بمعہ یہ ہے۔ کہ کسی کو
مال اور اولاد دیکھ کر آزمایا جاتا ہے اور کسی سے یہ چیزیں واپس لے کر آزمائش
میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ کبھی بیمار سی میں مبتلا کر کے آزمایا جاتا ہے اور کبھی جہاد میں
جائے شہادت بلا کر انسان کی کھڑی آزمائش ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عام قانون

بتا دیا کہ اللہ واسطے ہر وقت امتحان سے گزرنے سے پہلے تیار رہیں۔ ایک ابتلاء جنگ احمد میں آئی تھی تو اس کے بعد بھی کوئی امتحان آ سکتا ہے۔ لہذا اہل ایمان کو اس سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

المصدق الی نے اہل ایمان کو ایک دوسری آزمائش کے متعلق خبر دیا۔
 وَتَسْمَعُونَ مِنَ الَّذِينَ أُزْلِفُوا إِلَىٰ الْكِتَابِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَدْخُلُوا فِيهِمْ قَوْمٌ ضَالُّونَ
 اُن لوگوں کی طرف سے جنہں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، لہذا اُن لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا اذی کشیں بہت سی تکلیف دہ باتیں، یعنی بے پروا نصاریٰ اور مشرکین کی طرف سے نہیں اذیت ناک باتیں سننا پڑیں گے۔
 ایسی تکلیف دہ باتیں دو پہلے بھی کرتے آئے ہیں اور آئندہ بھی باز نہیں آئیں گے لہذا اہل ایمان کو اس کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ مشرکین کے متعلق تو کسی سورتوں میں آپ جگہ جگہ پڑھتے ہیں کہ وہ قرآن پاک، پیغمبر خدا اور اہل ایمان کے متعلق کس قسم کی زبان استعمال کرتے تھے۔ اُس وقت سے لیکر یہ اذیت ناک سلسلہ آج تک جاری ہے۔ مشرکین کو دنیا میں جہاں کہیں غلبہ حاصل ہوا ہے، انہیں موقع ملتا ہے۔ وہ اہل ایمان کو ذلیل کرنے سے باز نہیں آتے۔ باقی سب اہل کتاب تو ان کے متعلق آپ جانتے ہیں کہ ہجرت کے وقت مدینہ کے گرد و نواح میں جو یہودی آیا کرتے انہوں نے اہل اسلام کے متعلق کیا شوشہ جموڑے، اور سنئے مسلمانوں پر کس طرح غرضہ جات تنگ کرنے کی کوشش کی۔ کعب بن اشرف یہودیوں کا دولت مند تاجر اور سردار تھا۔ وہ پر غیبت شعر بھی کہتا تھا۔ اور اپنے اشعار میں حضور علیہ السلام کی بھرمان کرتا تھا۔ اور ایسے قبیح اشعار سر عام پڑھنے کی دوسروں کو بھی ترغیب دیتا تھا۔ یہ عین اپنے شعروں میں مسلمان باگداس اور اعزازت عورتوں کے ساتھ پینے پینے محبت کا اظہار کرتا تھا۔ مسلمانوں کے لیے یہ چیز نہایت ہی تکلیف دہ تھی۔ بد میں مسلمانوں کے دشمنوں مشرکین کی ذلت ناک شخصیت کے بعد یہ شخص مکر گیا اور اپنا مکر کو مسلمانوں کے خلاف حملہ کرنے پر ڈالنا

وہ کتنا کتنا تھا کہ مسلمانوں کے دین کی نسبت مشرکین کا دین بہتر ہے۔ اس شخص نے معاہدہ کی خلاف ورزی بھی کی تھی، آؤ حضور علیہ السلام کے حکم سے مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ بعض دوسرے یہودی بھی بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن بن گئے۔ چنانچہ خیبر کے یہودیوں نے کھدے میں زہر ملا کر حضور علیہ السلام کو شہید کر دیا۔ ان کا نام کہشش کی۔ بعض دیگر مذہب بھی کہیں، جو آج تک جاری ہیں۔ امیر شکیب از سندن شاہ کے رئیس اور عالم تھے۔ ترکی خلافت میں عہدیدار ہے۔ یہی جنگ عظیم میں ہسپانیہ کے امپراج تھے۔ آپ نے طرابلس کی لڑائی میں بطور مجاہد شرکت کی۔ اور دوسری جنگ عظیم میں ہی انگریزوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ انگریزوں نے شام پر قبضہ کر کے ان کو بندوق دین کر دیا تھا۔ بسنے میں سال تک یورپ میں ہندوئی کی زندگی گزاری ورنہ ۱۹۴۶ء میں فوت ہوئے۔

ایک نامور انگریز نے *THE NEW WORLD OF ISLAM* (دنیویں کے دوبانے جدید) کے نام سے کتاب بھی جس میں موجودہ دور کے مسلمانوں کے حالات قلمبند کئے۔ ایک مصری شخص نے اس کا ایک جلد میں عربی ترجمہ کیا۔ جس کا نام حاضر العالم الاسلامی رکھا۔ اور اسے امیر شکیب از سندن کو پیش کیا کہ وہ اس کتاب کا مقدمہ تحریر فرمادیں۔ آپ نے تین جلدوں پر محیط ایک عظیم مقدمہ لکھا جس میں انگریز مصنف کی غلط بیانی کا بھی پروردہ چاک کیا۔ اور اہل اسلام کے حالات کو حقیقی رنگ میں پیش کیا۔ جنگ عظیم اول و دوم کے درمیانی عرصہ کی یہ ایک عظیم کتاب تھی۔ امیر شکیب از سندن نے اسے یورپ اور امریکہ کے عیسائیوں نے قرآن کریم اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریباً چھ لاکھ کتابیں شائع کی ہیں۔ اہل کتاب کی طرف سے مسلمانوں کی ذہنی آزاری کا اندازہ اس ایک بات سے ہی لگایا جاسکتا ہے۔

جرمنی کے فوڈرک نامی ایک ناہنجار نے لکھا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر (نفوذ باللہ) مرگی کے اور سے پڑے تھے اس دن رات جو کچھ آپ بڑا کرتے لوگوں

نے اُسے قرآن کا نام دے دیا۔ العیاذ باللہ غرضیکہ ان لوگوں سے جیسا بھی بن چڑھا
 انہوں نے دین کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کیا۔ یودری تہ اذنی لہدی
 ملاشی میں، اسلام کے خلاف اسٹول نے امریکی جرمینی اور فرانسیسی انگریزوں
 کو بھی شامل کر لیا ہے، بلکہ اب خود پس منظر میں رہ کر دوسروں کے ہاتھ
 سے اپنی خباثت کا اظہار کر رہے ہیں۔ یہ سب اہل اسلام کی ذیل آزاری کی باقی تہ
 ہندوستان میں اپنے دورِ اقتدار میں ایک تحریک نے چلنے کئے کا نام لیا
 رکھا تھا۔ اس پر ماری دنیا میں احتجاج ہوا، تو اُس نے معافی مانگی کہ مجھے علم نہیں تھا
 کہ میں نے کس قدر گھناؤنے فعل کا ارتکاب کیا ہے۔ بعض اوقات یہ بدبخت
 جھوٹے حقیم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی تصویریں شائع کرتے ہیں یا ان سے
 کارٹون اور نقیصہ بناتے ہیں۔ پچھلے دنوں بعض خبیثوں نے کپڑے پر قرآن پاک
 کی آیات شائع کر کے اس کی تذلیل کا پہلو نکالا۔ اور پھر ایسے کپڑے سے ایسی
 قمیصیں تیار کیں کہ بیچنے پر آیتِ آخری جیٹھ کے نیچے آجائے۔ اس قسم کے
 ملبوسات یودیوں نے امریکہ اور کینیڈا سے تیار کروا کر بیچنے تاکہ اسلام اور
 اہل اسلام کی تذلیل ہو۔ بعض اوقات یہ لوگ قرآن (اسلام) کو بدعتِ پسند مذہب
 اور مسلمانوں کو بدعتِ پسند لوگ کہتے ہیں۔

مسلمانوں کی دین نامی کا اس بات میں بھی ہتھ سامان ہے۔ کہ عبدالمی
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ یعنی اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ انہوں نے لغت
 کی کتاب (معجم) میں مکتبہ کہ مسیح کا حق ہی ابن اللہ ہے۔ العیاذ باللہ یہ
 اللہ تعالیٰ پر کٹھ بڑا بہتان ہے۔ وہ تو خود قرآن میں فرمانا ہے کہ زمین و آسمان
 چھٹ جائیں، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اس بات پر کہ دَعَوُا لِلرَّحْمٰنِ فَلَمَّا
 کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا پکار جائے۔ یہ اتنی سخت بات ہے۔ مگر ان لوگوں کے منہ
 اس قدر چھٹ چکے ہیں کہ انہیں و ابی تباہی بکھیر میں کچھ عجیب محسوس نہیں ہوتی۔
 دوسری بھی جگہ لکھے ہوئے مسیحی اور عیسائی ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی

کے ساتھ میں چاہے کئی سب یہ بھی اہل اسلام کو تنگ کرنے میں کوئی دقیقہ
فروگذار نہ ہو کہ سب سے پہلے ان کے لئے سب سے پہلے ان کے لئے سب سے پہلے
ہندوستان میں ہندو نے بھی اس سلسلہ میں جو الجور پارٹ اور کیا ہے۔ راجپال نے
زید رسول نامی کتاب لکھی کہ اہل اسلام کو غلط بنانے کا نصاب بنایا۔ اُسے ایک غریب
برصی نوجوان مسلمان غازی علی الدین شریف نے قتل کیا۔ دینا سر سوئی نے اپنی کتاب چورمال
باب قرآن پاک کی نزہت میں لکھا تھا کہ مختلف آیات قرآن کے ساتھ اس نے قتل
کیا تھا جعفریت صاحب علیہ السلام کی اونٹنی کے متعلق لکھا کہ مضمون یہ تھا کہ مسلمانوں
کو خدا کوئی بہ وقت جو اونٹ چرایا کرتا تھا اسی لیے اس صاحب علیہ السلام کی اونٹنی کو فائدہ ^{للہ}
یعنی اللہ کی اونٹنی کہا گیا ہے۔ ان ہندوؤں نے بھی اللہ تعالیٰ سے بغیر لہ اور قرآن پاک
کے متعلق ایسی ایسی باتیں کہیں اس معاملہ میں تصانیف یہود و زبور
سب لکھتے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف ذہن لگاتے ہیں کہ ان کی سوغ و جہت سے نہیں پاسنے
سمیتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسی باتیں نہ چلیں یہی سچے ہوا اور سچے ہی صغنی
پڑیگی۔ اس کے لیے ہمیشہ تیار رہو۔

صبر کی تعین

ان دو باتوں یعنی ان دو باتوں میں تراکب اور محی عین کی طرف سے تحفیف دو
باتیں سننے کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان دو کتابت کا علاج بھی
میان فرمایا ہے۔ وَلْتَصْبِرُوا اور اگر تم صبر کرو گے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ
نے صبر کی بہت زیادہ تعین فرمائی ہے۔ میں فرماتا ہوں اللہ مع الصابین
یعنی اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ
أَلَمْ يَجْعَلْ لَكُمْ فِتْنَةً بِالصَّابِرِينَ وَالصَّالِحِينَ اے اہل ایمان! صبر کرو۔
نماز کے ساتھ استقامت پڑھو سورۃ احقاف میں حضور طیر السلام کو مخاطب کرتے
ہوئے اللہ نے فرمایا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَرْشِ مِنَ النَّارِ
وَلَا تَسْتَبِيعْ لَهَا آپ جگہ بازی نہ کریں بلکہ اُولو العزم رسولوں کی طرح صبر
کے کام لیں۔ مقدمہ یہ کہنے پر قیصر علیہ السلام اگر آپ کے مخلصین آپ کو مختلف

طریقین سے اذیت پہنچاتے ہیں تو آپ بھی ان کا اسی طریقے سے تکرار نہ کریں جو
 نہ دیں، بلکہ صبر کا دامن تھامے رکھیں۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا اہل حق کا شیوہ
 نہیں، دشمن کا مقابلہ احسن طریقے سے کریں۔ اگر کسی نے کتاب کچھ کر مخالفت کی
 ہے۔ تو آپ اس کا جواب اُسی معروف طریقے سے دیں۔ یا اگر کوئی صورت
 باقی نہیں رہی تو ان کے خلاف جاو کریں، تاکہ دنیا سے فتنے کو ختم کیا جاسکے۔

محض اشتعال انگیزانیں سن کر شعل ہو جانا اصول صبر کے خلاف ہے۔

ایسی ہی اذیت ناک باتوں کا دوسرا علاج فرمایا وَتَذَقُّواْ اثرِ تم تقویٰ کی رہ
 اختیار کر دو گے۔ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی بھی بار بار تاکید کی ہے۔ تقویٰ کا معنی
 محافظت پر محدود و شرع ہے۔ یعنی کسی بھی حالت میں شریعت کی حدود کو تجاوز
 نہیں کرنا چاہیے۔ لہٰذا ان کا جواب گالی سے نہیں دینا چاہیے۔ یہودگی کا جواب
 یہودگی نہیں ہے۔ بلکہ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ برائی کا جواب اچھائی سے دو

ایسا کرنے سے لوگوں پر اس کا بہت اچھا اثر مرتب ہوگا۔ تہلے اخلاق اور صبر سے
 محافظین کے دل گھمز رہ جائیں گے اور وہ جلد ہی مغلوب ہو جائیں گے۔ غد میں اکہ

یہاں کہیں کہ اگر اہل کتاب نے حضور علیہ السلام کی شان میں کوئی ایسی دلیسی بہت کی
 ہے تو آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کوئی نازیبا الفاظ کہ

دیں۔ العیاذ باللہ الیہ انہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا کہ تم کے پیچھے ہونے
 تمام دونوں در تمام آسمانی کتابوں پر بیان لاؤ۔ اہل اسلام تو ایسا ہی کہتے ہیں۔ مگر

تورات کی طرف، اپنی نسبت کہنے والے یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر تسلیم
 کرتے اور یہ حضور قائم النبیین کو۔ اسی طرح نصاریٰ جو انجیل کے حامل ہونے کے

دعویدار ہیں، نہ قرآن پاک کہ اللہ کی کتاب مانتے ہیں اور نہ محمد الیہ السلام اللہ کو اللہ کا
 رسول تسلیم کرتے ہیں۔ یہ سب ضد، حق و دلو، تعصب کی وجہ سے ہے۔

فرمایا اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ کا دامن پکڑو گے فَإِنَّ ذٰلِكَ مِنْ
 عَزْمِ الْأُمُورِ تو یہ مقصود ہی اس میں، یعنی ایسا ہی ہونا چاہیے شاہ ولی اللہ

تقویٰ کی
 احوال

مقصود

محدث و طبعی اس کا ترجمہ کرتے ہیں "ابن انکار" ہے مقصود اس سے یہ چیزیں ہیں
 کاموں میں سے ہیں کہ جن پر نچتر عزم ہونا چاہیے۔ ایک مسلمان کے لیے لازم ہے
 کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین بل و جان و سبوں کر سے۔ خیر یا صبر اور تقویٰ سے
 اپنی عزم یا نچتر عزم میں سے ہیں۔

لَنْ تَنَالُوا

إِلَىٰ عَصَاكَ

در شصت و چھت ۶۷

آیت ۱۸۷

وَلَا تَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَا

لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ

وَأَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبَيَّسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ یہ ہے اور (اس بات کو کہنے میں) اُن کو جب کہ اللہ تعالیٰ نے پختہ عہد دیا ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی کہ اس کو نہ بندھ دو لوگوں کے سامنے ظاہر کر دو گے۔ اور اس کو چھپا ڈالو گے نہیں۔ پس انہوں نے اُسے پس پشت چھینک دیا۔ اور اس سے جسے میں خریدی تھوئی

سی قیمت۔ پس بہت بُری چیز ہے جو انہوں نے خریدی ﴿۱۸۷﴾

یہ بات کہ گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے کونائش کا اصول بیان فرمایا تھا۔ اور مسلمان کو

خبردار کر دیا تھا۔ کہ تم میں تمہارے ماموں اور جانوروں کے ذریعے لازمی طور پر آزمایا جائیگا۔

لہذا اس قسم کے امتحان کے لیے چھ وقت تیار رہو۔ نیز یہ کہ کبھی مومن کا ایمان جس قدر

پختہ ہوتا ہے، اس کی آزمائش بھی اُسی قدر سخت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا

کہ تم میں اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے بڑی دل آزر باتیں چھنی پڑیں گی۔ مگر

ان سے دل برداشتہ ہو کہ تبلیغ دین کا کام ترک نہ کر بیٹھنا، بلکہ اپنا کام ہمیشہ اور ہر

حالت میں جاری رکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تکلیف دہ امور پر اہل ایمان کو تسلی

دینے ہوئے فرمایا۔ کہ اگر تم صبر کا واسطہ پڑے، ہر گز کہ صبرِ حلت ابراہیمی کا بہت

بڑا اصول ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ تقویٰ کی راہ پر گامزن رہو گے، تو یہ

باتیں مقصود ہی امور میں سے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صبر اور تقویٰ کی راہ

اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ کہ ان دو سنہری اصولوں کو مضبوطی سے پکڑے

رکھو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس امتحان میں کامیاب فرمائیگا۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ

نے بنی اسرائیل کے اُس عہد و پیمان کا ذکر فرمایا جو ان سے عہد لیا گیا کہ تم میں میری

طرف سے جو احکام پہنچیں گے، تم انہیں لوگوں کے سامنے بلا کم و کاست واضح طور پر بیان کر دو گے اور اس میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھو گے۔ لیکن اہل کتاب اس عہد پر قنم نہ رکھو گے اور انہوں نے اچھی چیز کے بدلے کم قیمت چیز خرید لی جسکی وجہ سے وہ امتحان میں لڑنے کے اور ان کا کام چھوٹ گئے۔

یشاقی اہل کتاب

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَسْمِ عَلَيْهِمْ أُلُوهُمْ،** اس بات کو پہنچے دعیان میں اللہ جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ہتھ بندہ لیا۔ **مِيثَاقَ** یعنی وہ سے ہے اور اس کا معنی پہنچنا دینے کا ہوتا ہے۔ ایسا عہد جسکی پابندی بنائیت ضروری ہوتی ہے۔ یہ اس عہد کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے بارے میں بنی اسرائیل سے کیا تھا، حالانکہ جو یہودیوں کو اور بھی ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے مثلاً عبد الست جو عالم ارواح میں تمام نوع انسانی کی ارواح سے لیا گیا تھا۔ اللہ نے پوچھا تھا **أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ** کتاب میں تمہارا رب نہیں ہوں؛ تو تمام ارواح نے بیک زبان اقرار کیا تھا **قَالُوا بَلَىٰ** ہاں مولانا کریم! تو ہی ہمارا رب ہے۔ بنی اسرائیل کے خصوصی طور پر دیے گئے عہدوں کا ذکر بھی سورۃ بقرہ میں فرمایا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے ہتھ بندہ لیا **لَا تَقْسِبُ دُونَنَا** اللہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبارت نہیں کریں گے اور والدین اقرب، بیٹیوں اور مکیفوں کے ساتھ تو حسن سلوک کریں گے۔ اسی طرح سورہ فائدہ میں **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْسِبُوا عَلَى الْبَرِّ مَا هُوَ نَجَسٌ وَلَا يَمُوتُ وَلَا يَحْيَىٰ** ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی عزت میں بھیجے مگر انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی میں بعض بدولت کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کر دیا۔

بہر حال یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے اس عہد کا ذکر فرمایا ہے جس میں ان کو دی گئی کتاب کے متعلق فرمایا تھا **لَتَجِيبَنَّ اللَّهُ لَكُم بِرَحْمَةٍ** تم اپنے لوگوں کے سامنے دلائل پر محرم گے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر اللہ کی نصیر کتاب کی طرف لٹوتی ہے اور معنی یہ ہوتا ہے کہ تم اس کتاب کو

عز و کرامت پر مبنی ہے، بعض دوسرے حضرات کہہ رہے ہیں کہ لا اظہیر من شاق کی صراحت
 بھی نہ تو ہو سکتی تھی کہ تم لوگوں کے سامنے اس عہد کا واضح اعلان کر دے کہ ہم سے
 اللہ سے یہ بہتر وعدہ کیا ہے۔ بہر حال عہد یہ تھا کہ تم ان لوگوں کے سامنے
 بلا کہم کا مسرت واضح طور پر بیان کر دے کہ نہ کہ تم کو نہ اور اُسے چھپاؤ گے نہیں
 یہ عہد قرأت و انجیل دونوں کتابوں میں موجود تھا بلکہ موجودہ تحریف شدہ کتابوں میں اب
 بھی ایسی آیتیں موجود ہیں جن سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
 بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ جو کتاب میں سے تم کو کوئی سب سے اس کو لوگوں کے سامنے
 سنی لا اعلان بیان کرنا، اس کے ساتھ کو ظاہر کرنا جو چیز میں سے تمہیں اذہمیر سے میں
 دتی ہے سے تم پر دشمنی میں نہیں ہے۔ بیان کرنا، انہیں مقامات پر آگاہ ہے کہ
 اس کے متعلق اپنی اولادوں کو بتاؤ۔ انہیں یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں نے تمہیں اعلان
 کو تمہیں اور تمہارے پر کرنا اور منادی کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتلائی ہے۔ اور
 اس کو چھپانے کی کوشش نہ کرنا۔

عز و کرامت

مگر اس بہتر عہد کے باوجود اللہ نے فرمایا: فَلْيَذَكِّرُوا وَلْيُذَكِّرُوا ظُفُورًا هُمْ
 منوں نے اس کتاب کو یا عہد کو پس پشت ڈال دیا۔ دوسری جگہ یہ ہے کہ انہوں نے
 اللہ کی کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور پھر یہ بھی کہ کتاب میں جو چیزیں ان کے
 مفاد میں تھیں انہیں غائب کر دیا اور باقی باتوں کو چھپ دیا۔ قرآن پاک کی شہادت کے
 مطالب جن چیزوں کو انہوں نے چھپ دیا وہ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق
 پیش گزریاں تھیں جو اللہ نے قرأت و انجیل میں بیان فرمائی تھیں۔ سورۃ اعراف میں
 موجود ہے کہ یہ لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ یہ وہ
 نبی ہیں الَّذِي يَجِدُ ذُنُوبَكُمْ تَوْبًا عَنْكُمْ هُمْ فِي التَّوْبَةِ وَالْإِجَابَةِ
 ہیں کہ قرآن کی قرأت و انجیل میں لکھا ہوا موجود ہے۔ سورۃ بقرہ میں بھی تحریر ہے
 يَصْرِفُوْنَ كَمَا يَفْسُرُوْنَ اٰتَاكَ هُوَ اللّٰهُ كَتَبَ كُوْنُكُمْ
 پہناتے ہیں۔ جیسے اپنی اولادوں کو پہناتے ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب

ان سنتے ہیں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے لَا تَشْرِكُوا الْخَمْرَ فَإِنَّهُ مُفْتَاَحُ كُلِّ سُوءٍ
 شراب سب پر کھیر بر بڑائی کا دروازہ کھولتی ہے۔ مقصد یہ کہ اہل کتاب اپنی من الٰہی غرضتوں
 کی بنا پر اللہ کا قرین اور اس کے نبی کا فرمان اپنانے کے لیے تیار نہیں۔ وگرنہ وہ خوب
 جانتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں برحق ہیں اور اس کی شہادت ان کی اپنی کتابوں میں موجود
 ہے۔ مگر وہ اسے چھپا جاتے ہیں۔

آخری امت
 کی بیماری

ان غرضتوں فاسدہ کی وجہ سے حق کو چھپا جاتا ہے۔ اس آخری امت میں بھی محمدی آیات
 شرک و بدعت کی ترہیج اسی قلیل سے ہے۔ اہل بدعت حق سے روگردانی کرتے
 ہو کر اپنے پیٹ کی خاطر سنت کی بجائے بدعت اور ترجیح کی بجائے شرک کو اختیار
 کرتے ہیں اور اسی کے حق میں پر پگینہ اکرتے ہیں۔ مگر صحیح مسئلہ بتایا جائے تو لوگوں کی
 کایا نیٹ جلنے لگے گی کیا جائے ان نام نہاد عالمانِ دین کا جو فریضے کے غلط مسائل
 بیان کرتے ہیں اور حق کو چھپاتے ہیں۔ بعض مولوی سو روپے کی خاطر کھج پر تلے پڑھا
 جیتے ہیں۔ انہیں ذرہ خدا کا خوف نہیں آتا کہ وہ حرام میں حصہ دار بن سکتے ہیں۔ ہمارے
 معاشرے کی روٹا ٹروس، تہی، چالیسواں وغیرہ سب باطل طریقے ہیں جن کے درپے
 لوگوں کا مال بھگم کیا جاتا ہے۔ قبروں پر چادریں چڑھائی جاتی ہیں، ان پر گنبد بنائے
 جاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے فرمان کی خلاف ورزی ہو رہی ہے حضور علیہ السلام نے
 نے تو فرمایا کہ تَخَصَّصُوا قُبُورَ بَنِي إِسْرَءِیْلَ نہ لگاؤ، چونا اور سمنٹ مست لگاؤ
 مگر آج عالیشان گنبد بنائے جاتے ہیں۔ یہ کہاں کا دین ہے۔ آج کون ہے جو
 نہیں دین کا صل مسئلہ بنائے اور کون ہے جو اس پر عمل کرے۔ حضرت
 خواجہ معین الدین چشتیؒ کا بہت بڑا دربار تو بنادیا مگر ان کی تعلیم کو بھی کسی نے پڑھا ہے
 آپ کے عقائد غلطی میں موجود ہے کہ کسی نے دریافت کی، حضرت! بعض اوقات
 بارش کی وجہ سے قبر کی مٹی مٹاؤ ہو جاتی ہے، کیا اسے پختہ کیا جاسکتا ہے؟ آپ نے
 فرمایا، نہیں۔ قبر مٹی پر سیدہ ہوگی، اس پر اللہ کی رحمت اتنی ہی زیادہ بہسے گی۔

خواجہ صاحب اور سید علی جوہرؒ نے کو اپنے لیے جھنڈ پڑی تک نہیں بنائی مگر آج

ساتھ تیار کیا جاتا ہے تو یہ پورا کونجی میں مگر علم سے لیے مناسب نہیں۔
 الغرض: حق بات کہ چھپا دینا اہل کتاب کی بیماری اور افسوسناک بیماری ہے۔
 خیر عیداً سلام کے زمانہ مبارک میں عربیہ طیبہ میں یہودیوں کے دس بڑے عالم تھے
 جن میں سے اسلام کی دعوت صرف حضرت عیہ اللہ بن حزم کے حصے میں آئی۔ باقی
 سب مکررم ہے۔ حالانکہ وہ حقیقت کے پیچھے تھے مگر ان کی اعتراض فاسدان
 کے اڑے آتی تھیں۔ وہ قہ جہنم میں شامل بڑے پادری کے بھائی نے دورانِ سفر
 ان بات کی تھی کہ اگر تم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا سچا رسول مانتے
 تو تو کلمہ کہیں نہیں کہہ لیتے۔ کہ وہ کہنے لگا کہ اگر سچ حق کہہ دیتا کہ میں تو ہم رومی
 ہوش سحر کی طرف گردہ جاگیروں سے محروم ہو جائیں گے۔ جہاں سے سحر و جادو
 جاییں گے۔ اور ہماری اعتراض کی یہی نہیں بھولے گی۔

فرمایا اہل کتاب نے یہ بھی کہی اور اللہ کی کتاب میں یہ ثبت ہے کہ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ**
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَؤُلَاءِ اللہ کے سوا کسی دین کا عقیدہ نہ رکھو۔ چنانچہ ان کی
 دین حق کرنا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ سے بڑے کلمہ جی میں لی کہ تم میری جگہ پر
 اور اللہ کی افعال کو ان کے گمان کی بجائے اللہ کے اور تعویذ کے ذریعے دنیا کا عقیدہ رکھنا
 کیا۔ اللہ کا فرمان ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَؤُلَاءِ** دنیا کا مذاق الٰہی نہیں ہے۔
 آخرت کے مقابلے میں کئی کئی چیزیں نہیں۔ تہذیبی شریعت کی روایت میں
 آتے ہیں کہ دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی شخص ہندو میں سوئی ڈوب کر نکال سے
 سوئی کے ذریعہ وہ کتنا پانی حاصل کرے گا۔ فرمایا آخرت کی نسبت پوری دنیا ایک
 سوئی کے برابر ہے۔ اگر کوئی شخص پوری دنیا کا مال و متاع بھی جمع کرے کہ
 لے لے کر سکتے رہے اس کے پاس سب گناہ آخری امت کی تو عمر جی بھڑکی ہے
 پہلی امتوں کے لوگ چار چار پانچ پانچ سو سال تک بھی عمر میں پاتے تھے۔ مگر
 وہ بھی دنیا کا مال دنیا میں ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ ہذا اس دنیا کے بڑے سے بڑے
 مال کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔ مگر دوزخ کی جگہ میں یہ بات نہیں آتی، وہ ہر وقت

خیر دنیا
 کی طلب

دنیل کے حقیران کے پیچہ دوڑ رہے ہیں جنسور علیہ السلام نے فرمایا تھا، ہر اسمتہ
 کا کوئی نہ کوئی نعت ہو جائے اور میری اسمت کا نعت مال سبہ، لڑکے سی سبہ اپنے
 دوڑتے میں گئے چھپیں کی روایت میں آتا ہے جنسور بنی کوریم علی المدلیہ کو سلم
 نے فرمایا مجھے اپنی اسمت پر فقر و آوری سے کاؤر نہیں بلکہ خوف یہ سب ۔
 اَنْ تَبْسُطَ عَلَیْكَ نَدَائِیْ کَوْمٍ بِدُنْیَا یَصِلَادِیْ یَا سَعِیْ وَ تَهْنِکَ کُمْ
 کَمَا اَهْلَکَ کُمْ اَوْرِیَہ تمہیں اسی طرح مینا کہہ دیجی جس طرح پہلے لوگوں کو
 کیا۔ سی بیٹے فرمایا کہ جن لوگوں نے دنیا خریدی فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ
 بہت بُری چیز ہے جو سوں نے خریدی۔ میان کو برباد کر کے دنیا کا حقیر و آل خرید
 انہوں نے نہایت ہی گھٹے کا سودا کیا۔

لَا تَسْأَلُوهُ

الْإِمْرَانُ ۲

در شصت و ہشت ۶۸

کیت ۱۸۸/۱۸۹

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُجِبُونَ أَنَّ تُخَدُّوا
بِمَالِهِمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبْنَهُمْ بِمَقَارِفَةٍ مِنَ الْعَذَابِ
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۸۸ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَ
الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۸۹

۱۹
ع ۱۰

ترجمہ : نہ مومن کہیں آپ ان لوگوں کے پاس سے جو خوش ہوتے ہیں انھیں جبر
پر جبر انہوں نے کی ہے۔ اور پسند کرتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ان
باتوں پر جو انہوں نے نہیں کیں۔ پس نہ مومن کہیں آپ کو ان کو عذاب سے
کامیابی حاصل ہوگی۔ اور ان کے لیے تو دردناک عذاب ہے (۱۸۸) اور فرشتے
ہی کہتے ہیں بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (۱۸۹)
گنہگار کئی درد سے اہل کتاب اور منافقین کی قیامتوں کا ذکر ہو رہا ہے
اہل کتاب کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کئی گنا، نہ تکا نہ دوست نہ بنا اور پھر اسے
کہہ دینا، اسلام قبول کر سنے میں معقت جیلے ہانے گمراہ اور پیروہ مطالبہ کرتے
کے متعلق تفصیلات بیان ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تسلی دی اور مسند
کو تھا۔ ہی آزمائش بھی بند ہو گئی اس کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے۔ اور
جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اسے
اہل ایمان باتیں اہل کتاب اور مشرکین کی جانب سے بہت سی تکلیف دہ
باتیں سننا پڑیں گی، جن کی وجہ سے تم میں کوفت ہوگی اور فرمایا کہ ایسی باتوں کا
مقابلہ تم صبر اور تقویٰ کے ذریعے کرنا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور کامیاب کرے گا
اہل کتاب کی اس خدائی کا بھی تذکرہ ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے

گزشتہ
صفحہ پر

حمد لیا تھا کہ وہ اللہ کی کتاب کو لوگوں کے سامنے ظاہر کریں گے۔ اور اسے چھپائیں گے نہیں۔ مگر انہوں نے اس سچے محمد کو پس پشت ڈال دیا اور ان تمام پیشین گوئیوں کو چھپا لیا۔ پھر اللہ کے آخری نبی، اس کے صحابہ اور قرآن حکیم کے متعلق اپنی اپنی کتابوں میں موجود تھیں۔ اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے اپنی ان اراغی نامہ کی بنا پر ایسا کیا، اور حق کے بدلے میں دنیا کا حقیر مال خریدا۔

منافقوں کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں مگر دل میں کفر سمجھ رہے ہیں۔ ان کا حال ایسا ہے کہ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور جب کفار کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اسلام کی نسبت تمنا بدین اچھا ہے۔ اس طرح سے یہ لوگ دونوں طرف کے مفاد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جب جہاد کا موقع آتا ہے تو مختلف جیلوں میں انہوں سے لے لیتے ہیں۔ سورۃ قورۃ اور بعض دیگر سورتوں میں ایسی تفصیلات موجود ہیں۔ اب آج کے درس میں اللہ جل جلالہ سے اہل کتاب اور منافقین کی ایک اور بری خصلت کا تذکرہ کیا ہے۔

اِذَا دُعِيَ إِلَىٰ مَلَأِ الْخُسْبَيْنِ الَّذِي يَفْعَلُونَ بِمَا آتَوْهُ فَان كَرِهَ اَب
اُن لوگوں کے بارے میں جو اس چیز پر خوش ہوتے ہیں جو انہوں نے کی۔ وَ يَجْتَبِئُونَ
اَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا اَدِر چاہتے ہیں کہ اُن کی اُن باتوں پر تعریف کی
جائے جو انہوں نے نہیں کیں۔ فرمایا اے لوگوں کے متعلق فَلَا تَحْسَبَنَّهَا
يَمْعَانَةً مِّنَ الْفُتُوحِ اَب یہ مت گمان کریں کہ وہ ہزاروں جھوٹ
جائیں گے۔ یہاں پر خُسْبَيْنٌ اور يَجْتَبِئُونَ دونوں قرأتیں منقول ہیں خُسْبَيْنٌ
مخاطب کا صیغہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر علیہ السلام یا اے دیگر
مخاطبین۔ ظاہر ہے کہ اول مخاطب تو نبی علیہ السلام کی ذات مبارکہ ہے اور اس
کے بعد صحابہ کرام اور پھر دیگر اہل ایمان۔ یعنی آپ اُن لوگوں کے متعلق گمان نہ کریں
کہ اپنے لیے پر خوش ہوتے ہیں اور نہ کہ وہ پر تعریف چاہتے ہیں۔ اور اگر اسے

اہل کتاب کی
خام خیالی

یکھیں۔ پہلے پڑھا جائے، قرآن فائز ہے، درمیان میں پڑھا، کہ جو لوگ
 پہنچ سکتے ہیں خوش ہوئے ہیں اور ان کو درہم پر درہم پاسبان ہیں، وہ یہ گمان نہ کریں کہ خدا
 سے بچ جائیں گے۔ اب رہا یہ سوال کہ اسوں نے کیا کیا اور کیا کیا۔ جو کچھ پہلے کیا
 اور منافقین نے کیا وہ تو کہہ رہے ہیں کہ حق بات کو چھپایا اور اس کے بدلے میں دنیا
 کا حقیر مال وصول کیا۔ ہر قسم کی جڑی دھوکہ اور فریب کیا، اور اس پر بھی خوش ہوئے
 ہیں۔ کہ ہم نے بہت بڑا سود کر لیا ہے۔ اور جو کام نہیں کیا، وہ نیچے کا کام ہے
 حق بات کو ظاہر نہیں کیا۔ حضور علیہ السلام اور قرآن پاک کے متعلق پیشین گوئیوں کو
 ظاہر نہیں کیا۔ اور چاہتے ہیں کہ ان کے انکار وہ کاموں پر بھی لوگ ان کی تعریف
 کریں کہ یہ بہت اچھے دیندار آدمی ہیں، اللہ نے فرمایا کہ یہ محض ان کی غامضی ہے
 اس قسم کی ہوشیاری اور چالاک کر کے وہ عذاب الہی سے نہیں بچ سکتے۔ انہیں
 پہنچنے کے دھروے کا حساب دینا ہوگا۔ منافقین کو کبھی یہی حال ہے۔ وہ سمجھتے ہیں
 کہ مجھے شاق کا کسی کو غم نہیں، میں کوئی گرفت نہیں کر سکتا، لہذا توقع رکھتے
 ہیں کہ لوگ ہیں نیکو، پھر عابد و زاہد سمجھ کر ہی تعریف کریں۔ اللہ نے فرمایا وَيَقُولُ
عَذَابُ اللَّهِ أَكْبَرُ۔ اے لوگوں کے لیے اللہ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔
 اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے متعلق سورۃ مؤمنون میں فرمایا
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ۔ انہوں نے کام کرنے کے
 باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں أَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَاتٌ أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لَهُمْ۔ کہ وہ
 پسند نہ کریں کہ صرف لوگ کرنا ہے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کئی آیتیں
 رکھی ہیں۔ چنانچہ بزرگان دین کا مقولہ ہے کہ بعض نیک آدمی نماز پڑھ کر بھی اس
 قدر گنہگار ہوتے ہیں جیسے کوئی چور کی گتے نہ لکھتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ نامعادم
 فرض میں کس قدر کوتاہی اور غلطی واقع ہوئی ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائے
 امام غزالی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہتر احوال کی توقع
 رکھنی چاہیے اور خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ان کی توفیق بخشی۔ اور ساتھ ہی

بھی رہنا چاہیے۔ کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو، اسی حرج روزہ ہے۔ روزہ رکھ کر بھی دل میں خوف رہنا چاہیے۔ کہ یہ قبولیت کے قابل بھی ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے تو فرمایا اَزْیَمَانٍ سَبِّحَ الْخَوْفِ وَالشَّجَا یعنی ایمان خوف اور شہد کے درمیان پایہ ثابت ہے صحیح ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بھی ڈرتا رہے اور اُس کے ساتھ امید کا دامن بھی والبتہ رکھے۔ اللہ فرمایا ہے کہ ہم سے بنی بھی نہ عَوْنًا مَرَكِبًا وَرَهْبًا تَہِیں رغبت اور خوف کے ساتھ پہنکتے ہیں۔ اور ہمارے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔

حج کے
طالب یا کار

اپنی تعریف کرنے کی باری یہودیوں سے نکل کر اہل اسلام تک بھی پہنچ چکی ہے اللہ نے تو یہی کرنے کے بعد بھی اپنی تعریف نہیں مانتے مگر آج کا ہر چھوٹا بڑا ایسی چیز میں پڑا ہوا ہے کہ کسی طرح اخبار میں نام آجائے تو وہ چھپ چسکے تو بیت پڑا مقصد پورا ہو چکے گا۔ حکومت کے کارپروڈان خصوصاً صدر، وزیر اعظم، روزنامے اعلیٰ اور دیگر دار و مدار حضرات اپنی ہر کردہ اور ناکردہ پر تعریف شن چاہتے ہیں۔ یہ تو صریحاً ریا کاری ہے۔ اور بالکل کام بھی پانی پیرنے کے مترادف ہے، لہذا اگر اللہ نے کسی کو نیکی کی توفیق عطا کی ہے۔ تو اسے شہرت کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے بلکہ حتی الامکان اسے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

البتہ ایک چیز ہے۔ نیک کام کر کے اگر مومن کے دل میں خوشی پیدا ہو۔ تو یہ طبعی امر ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ بضرر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ روزہ دار کو دو وقت خوشی حاصل ہوتی ہے۔ ایک خوشی اسے افطاری کے وقت حاصل ہوتی ہے۔ کہ اس کی ذمہ داری پوری ہوتی اور دوسری خوشی اس وقت حاصل ہوگی۔ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ روزے کا اجر عطا فرمائیں گے۔ یہ سب خوشی ہے اور جانز ہے۔ ہاں اگر خوشی اس وجہ سے ہے کہ لوگ اسے روزہ دار کہیں یا نازی اور پرہیزگار تصور کریں، تو یہ خطرناک پیام ہے۔ یہ چیز ریا کاری کہلاتی ہے اور نفاق کی تعریف میں بھی آتی ہے۔ ایسے شخص کو آخرت میں سخت ترین عذاب

سے سابلتہ پڑے گا۔

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک لمبی حدیث آتی ہے۔
 قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک شہید سے اس کے اعمال کے تعلق دریافت
 فرمائیں گے: تُو وہ عرض کرے گا: مولاکم! میں نے تیرے راستے میں جہاد کیا
 اور اپنی جان جیسی قیمتی متاع تیرے راستے میں قربان کر دی۔ اللہ کریم فرمائیں گے
 تھوٹ کتا ہے۔ تو سنہ جہاد میں اس لیے حصہ لیا کہ تمہاری بہادری کے چرچے
 ہوں۔ تیرا یہ مقصد دنیا میں پورا ہو چکا ہے۔ اس کے بعد وہ اوندھے منہ جہنم میں ال
 دیا جائے گا۔ اسی طرح ایک عالم سے دریافت کیا جائے گا۔ کہ میں نے جتنے
 دنیا میں علم کی دولت عطا کی، تو نے اسے کہاں صرف کیا؟ عرض کرے گا: کہ میں نے دینی
 کا علم حاصل کر کے دوسروں تک پہنچایا۔ آپ کی کتاب قرآن پاک میں شغول رہا اللہ
 فرمائے گا کہ تھوٹ کتا ہے۔ تو قرآن اس لیے پڑھا تھا کہ لوگ تجھے عالم اور فاری
 کہیں۔ تیرا یہ مقصد دنیا میں پورا ہو چکا اب تیرا نکاح ختم ہو گیا ہے۔ اسی طرح ایک
 ایک تیسرے شخص کو اس معاملہ پیش ہوگا۔ وہ بھی کہے گا کہ دنیا میں میں نے تیرا عطا
 کردہ مال تیری رضا کے لیے تیرے بندے ہونے پر خرچ کیا۔ مولاکم! میں
 فرمائیں گے تو بھی تھوٹا ہے۔ تو نے سبھی کو لاسنے کے لیے ال صرف کیا، اگر تیری
 سختی کے چرچے ہوں۔ تیرا بھی یہ مقصد دنیا میں پورا ہو چکا۔ پھر حکم ہوگا اور وہ
 بھی اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

الغرض! موجودہ زمانہ میں ذالی نمود و فائز ایک فیشن بن چکا ہے۔ ہر شخص
 اس دور میں سب سے آگے نکلنا چاہتا ہے۔ ہاں اللہ کے بندے کچھ ایسے بھی
 ہیں جو ہر نیک کام و رضاے الہی کی خاطر کھڑے ہیں۔ اس میں کمی قسم کی خود نمائی نہیں
 کرتے بلکہ اپنے آپ کو ہمیشہ پیچھے سمجھتے ہیں۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ خط لکھتے تو آخر
 میں اپنے آپ کو احقر الانام لکھتے یعنی سب سے انانوں میں حقیر زندہ۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے
 اپنے آپ کو غلبہ اسلاف اسلاف کے لیے یا عدت شرم سے تعبیر کرتے تھے۔

تہا ولی اللہ محدث دہلوی اپنا تعارف فقیر ولی اللہ کی حیثیت سے کرتے تھے ۔
 شیخ السنہ مولانا محمود الحسن اپنے آپکے بندہ محمود یعنی اللہ کا بندہ محمود کہتے تھے مگر آج تو
 آوارہی اُلٹ چکا ہے۔ ہر کس و ناقص اپنے آپ کو سب سے بڑا محدث، سب سے بڑا صوفی
 اور سب سے بڑا زاہد و عابد کہلاتے پڑھ رہے ہیں۔ بڑے بڑے پوٹروں پر اور جیلے جلوسوں
 میں ناموں کے ساتھ لیے لیے 'لقابات کی فہرست پر غور فرمائیں در پھر دیکھیں کہ یہ
 لوگ اس طرح کی فرش غالی پر کس قدر غرض ہوتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ایک آدمی میں
 داخل ہیں۔ مقصد یہ کہ جس طرح یہود اپنے ہر گمراہ کام پر خوش ہوتے تھے۔ اور ناکورہ
 پر تعریف پاتے تھے، آج اہل اسلام بھی اسی بیماری میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ لاشعرا اللہ
 اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی فرمائے۔ آمین۔

اقتدار علی

فرمایا: دیکھو! وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ سَوَآءٌ عِندَ ٱللّٰهِ ؕ أَسَآءٌ مَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ
 اللہ ہی کی سب۔ جب حقیقی اقتدار اعلیٰ اس ملک کے پاس ہے۔ تو پھر
 کون حق کہنے والے بھروسہ بن جھوٹ کو باہت کی بجائے گمراہی کے راستے پر چلنے
 والے، جھوٹ تعریف پر خوش ہونے والے اور دیکھا لوگ اللہ کی منزل سے کیسے بچ سکتے
 ہیں۔ وہ تو ایک دن کچڑے جا بیکر بن جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھائی ہے۔ کہ
 دنیا میں لوگ جس مال کی خاطر دھوکہ کھاتے تھے۔ غلط بیانی کرتے تھے، اس پر بھی اللہ
 کا قبضہ نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ کی ملکیت میں ہے۔ وہ جب چاہے کسی کو عطا کرے
 اور جب چاہے واپس لے لے لے لے اس کے سامنے سب حقیر اور بے بس ہیں۔ دنیا
 کی یہ چند روزہ بادشاہت، اسی ملک کی عطا کردہ ہے اور انسانوں کے پاس نہ انت
 ہے۔ انہیں اس کا حساب دینا ہو گا۔ مسلم شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد
 مبارک ہے کہ بڑے بڑے حکمرانوں، بادشاہوں اور عہدہ داروں کو قیامت کے دن
 سب سے زیادہ افسوس ہو گا۔ وہ حسرت کے ساتھ کہیں گے کاش ہم اس اقتدار کو فنا نہ
 نہ ہوتے۔ کسی کو جتن بڑا اقتدار حاصل ہو گا۔ فہم داری بھی اتنی ہی بڑی ہوگی۔ جس دن صاحبان
 اقتدار بعد حسرت کہیں گے هَلَاكَ عَنِّي سُلْطٰنِيَّةٌ اَآجَ يَوْمَ اَقْدَارُنِي

مجھے کچھ فائدہ نہ دیا، سب کچھ تباہ ہو گیا۔ نہ فوج کام آئی۔ نہ پولیس اور نہ کوئی سپکوری
 کاوش میں دنیا میں حکومت پر ناکر نہ ہوا۔ اس دج ہی بچ سکیں گے۔ جنہوں نے اقتدار
 کا تصرف عدل و انصاف کے ساتھ کیا ہو گا۔ جو اہل اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے
 انکسار پر عمل کرتے ہیں۔ انہیں یقین رکھنا چاہیے کہ بادشاہی تو خدا تعالیٰ کی ہے۔
 اگر اس کے حکم پر چلتے نہیں گئے۔ تو اللہ تعالیٰ فلاح عطا فرمائے گا، وہ اس دنیا میں
 بھی کامیاب ہوں گے اور آخرت کی کامیابی بھی انہی کے مقدر میں ہے۔ فَسُرِّدَا
وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ ہر قسم کی باریاں
 اسی کی ہے۔ ہر چیز پر بھی وہ قادر ہے۔ لہذا جمعہ کے منکار اور کفان حق کرنے
 والے لوگوں کو اکابر ملک کی گرفت کا انتظار کرنا چاہیے۔ اور صاحبِ بصیرت
 لوگوں کو اللہ کی طرف سے بہتر جزا کی امید رکھنی چاہیے۔ وہ ضرور کامیاب ہونگے۔

ال عمران ۳

لَنْ تَنَالُوا

آیت ۴۰، ۱۹۱

درس شصت و نہ

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَخِلَافِ لَيْلٍ وَالنَّهَارِ
لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ (۱۹۰) الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا
وَقَعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَنَكَ
فَقِنَا عَذَابَ السَّارِ ۝ (۱۹۱)

تقریباً ہر ایک آسمانوں اور زمین کے پانچ طرف سے اور دن کے اختلاف
میں ایسے نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے (۱۹۰) وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ
کو، کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں یا گھوموں گے بل پیٹے ہوں اور وہ غور و فکر کرتے
ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! تو نے
میں پیدا کیا اس کو بطل، پاک ہے تیری ذات، پس بچاؤ ہمیں اگے کے عذاب
سے (۱۹۱)

سورۃ کی ابتدا
موسم

آج کے درس سے سورۃ آل عمران کا آخری رکوع شروع ہو رہا ہے۔ سورۃ کی ابتدا
میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید بیان فرمایا تھا اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ
یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ اور قائم ہے
اب سورۃ کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید کے دلائل بیان فرمائے
ہیں۔ گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور حاکمیت کا دعویٰ کیا گیا تھا۔
وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تَامَ سُلْطٰنُ اللّٰہِ کی ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰی
كُلِّ شَيْءٍ قَدِیْرٌ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ قادر مطلق اور معبود بہ حق
رہی ہے۔ اب آئینہ آیات میں دعویٰ ملکیت، قدرت نامہ اور توحید کے دلائل

بیان ہوئے ہیں۔ یہ ایسی صفات ہیں جو صرف اللہ رب العزت کے ساتھ مختص ہیں۔
متصرف فی الامور قادر مطلق مستحق عبادت، نافع، ضار، معرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے
ہے۔ ان امور میں کسی کوہ کو کوئی دوس حاصل نہیں۔

شان نزول

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ یودو نصاریٰ اور مشرکین حضور علیہ السلام سے
مصرح طرح کے یہود و سوال کرتے تھے، آپؐ معجزات طلب کرتے تھے، اور
جیسے ہاتھ سے خود اسلام قبول نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو قبول کرنے سے
بکرتے تھے۔ چنانچہ اس آیت کے نشان نزول کے متعلق فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ
مشرکین نے یودیوں سے سوال کیا کہ تمہارے نبی موسیٰ علیہ السلام کیسے تھے۔ ۵۵
کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام عصا اور پیر جیسا نشانیاں رکھتے تھے۔ ان کے ہاتھ
پر کسی معجزے کا سر ہونے، پانی میں راستہ بن گیا، بارہ چٹھے جاری ہو گئے، امن و سکون
نازل ہوا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد مشرکین نے نصاریٰ سے دریافت کیا کہ
تمہارے نبی عیسیٰ علیہ السلام کیسے تھے۔ عیسائیوں نے کہا، وہ مردوں کو زندہ کھاتے
تھے، مادہ زاد اندھوں کو دیکھتے تھے اور کوڑھی کو شفا دیتے تھے۔ اس پر مشرکین
نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ دیکھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی اپنی است کے ساتھ کیسی کیسی نشانیاں دکھیں۔
آپؐ بھی ہمارے سامنے معجزہ پیش کریں اور وہ یہ کہ صفا پہاڑی کو سونے کا بنا دیں۔
مشرکین کے اس قسم کے مطالبات کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل میں موجود ہے۔ انہوں
نے اجر سے چشمہ کا معجزہ طلب کیا۔ اور کہا کہ آپؐ کے لیے گھوڑا اور انگوڑ کا باغ ہونا
چاہیئے جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔ یا ہم پر آسمان گرا دے یا اللہ اور فرشتوں کو
ہمارے پاس لے آئے تمہارے لیے سونے کا ٹھل ہونا چاہیئے یا آپؐ کو آسمان پر
چڑھ جانا، چاہیئے اور پھر ہمارے سامنے آسمان سے کتاب نازل ہوتی چاہیئے وغیرہ
اور اس مقام پر مشرکین نے صفا پہاڑی کو سونے کا بنانے کا مطالبہ پیش کیا تو اللہ تعالیٰ
نے اس کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت عطاء کی روایت میں ہے کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عرض کیا کہ حضور نبی کریم علیہ السلام کا کوئی عجیب و غریب واقعہ بیان کریں۔ انہوں نے فرمایا حضور علیہ السلام کے تمام حالات عجیب و غریب تھے۔ تاہم انہوں نے بتایا کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام رات کو میرے گھر تشریف لائے۔ میں محاف میں لیٹ ہوئی تھی۔ آپ بھی بخونری درجہ محاف میں لیٹ گئے اور پھر فرمایا، عائشہ! مجھے عبادتِ رب میں بہتے رہنے کی عبادت کہ لوں۔ چنانچہ اٹھ کر آپ نے وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ یہ آیت اَنۡ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وقت پڑھتے رہے اور پڑھتے سہے جی کو سیزہ مبارک آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ اس طرح کافی وقت گزرتا گیا اور صبح ہو گئی۔ حضرت بلالؓ اذان کے لیے آئے اور عرض کیا۔ آپ اس قدر گریہ نزاری کیوں کرتے ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف کر دی ہیں۔ آپ نے فرمایا اَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا سَکُوْرًا۔ کیا میں اپنے پروردگار کا شکریہ گزار بندہ نہ بن جاؤں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آج رات مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْخِلَافِ الْمُبِیْلِ وَلَکُمْ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِیِّ الْاَلْبَابِ

بہر حال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے حوالے سے جو سب میں اپنی الوہیت اور ملکیت کے متعلق دلائل پیش فرمائے ہیں، دلائل عقلی اور نقلی دونوں قسم کے ہو سکتے ہیں تاہم یہاں عقلی دلائل کا تذکرہ ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے دلائل تو عام ہیں جن کا مشاہدہ تمام انسان شب و روز دیکھتے ہیں۔ لہٰذا ان کی موجودگی میں کوئی رد و منکر مجوزہ طلب کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

تاہم یہ لوگ تعصب اور عداوت کی بنا پر حضور علیہ السلام سے ہر مذہب کے لئے معجزات کی فراہمی کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اِنَّ فِیْ حَتٰوِ الْعَصٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَبِشَکِّ زَمِیْنٍ وَّاسْمٰنٍ کِی تَخْلُقُ فِیْہِمْ وَاٰخِیَافَ لَیْلِ وَالنَّہَارِ

اور شب و روز کے اختلاف میں آگے پیچھے آنے میں لایمیت لایمیت اَلَا لَکُمۡ اَلْبَآبِ

البتہ عقل مند کیسے نشانیاں ہیں۔

ظاہر ہے کہ آٹھ بڑے بڑے کائناتوں اور تین وسیع و عریض زمین کی تخلیق کوئی کوئی بات بتیس ہے۔ ان اشیاء کی پیدائش جن دانس کے بس کی بات نہیں۔ پھر اس زمین میں بڑے بڑے دریا چلائے اور سمندر پیدا کئے، بلند و بالا پہاڑ پیدا کئے، ان کے اندر انسانی فائدہ کے لیے معدنیات پیدا کیں۔ اسی زمین پر پھیل، پھیل، پھیل اور نرج پیدا کیے۔ اللہ جل جلالہ کی پہچان کے لیے کیا یہ کوئی کم دلائل ہیں۔ اس کے علاوہ رات اور دن کا آگے پیچھے مقرر اور قیاس میں آنا اور پھر مومنوں کا تغیر و تبدل، کبھی تحرشی ہے، کبھی سرودی ہے، کبھی ہوا ہے اور کبھی خزاں ہے، کبھی بدرخشش برس کھینچتا ہے اور پھلوں کو روک دیتا ہے، وہی ہے۔ در کھائی سخت دھوپ پھلوں اور فصلوں کو کھاتا ہے۔ آخر یہ سب کچھ کیا خود بخود یعنی (AUTOMATIC) ہی ہو رہا ہے؟ اس پورے نظام کو چلانے والی کوئی ہستی موجود ہے یا نہیں۔ انسان پوری زندگی غور کرتا ہے، آخر کار اسے تعلیم کس پڑھے گا کہ اس پورے کائنات کی قدر کی چلائے والی واحد ذات ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو ہر چیز پر قادر ہے، یہ اسی کی قدرت اور حکمت کا کام ہے، جو الٰہیت میں معتقد ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی قدرت اتم کے یہ کم دلائل ہیں؟ نہیں بلکہ صاحبان عقل و فکر کے۔ بے یہی دلائل کافی ہیں بشرطیکہ وہ غور و فکر کر کے ان کو سمجھنا چاہے۔

اولی الالباب الباب لب کی جمع ہے اور لب مغز یا خلاصہ کو کہتے ہیں۔ اور ام احمد رب و غیرہ کا مغز ہوتا ہے جسے انسان استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا لب الباب اس کے عقل ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ دوران زندگی بڑے بڑے فیصلے کرتا ہے، محنت مزدوری، کاروبار، تعلیم و تعلم ہر چیز عقل پر موقوف ہے۔ انسان بچی اور حق و باطل کی پہچان بھی اسی عقل کے ذریعے کرتا ہے۔ چنانچہ انسان کے لیے کسی قانون کی پابندی کا درود بھی عقل پر ہی ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان تکلف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل عیاں کمال جو برحق فرمایا ہے، جس کو بڑے کار بار انسان بڑے بڑے کام انجام دیتا ہے، تو فرمایا کہ تخلیق کر میں دھا اور شب روز کے تغیر و تبدل کے دلائل جو ہم سب پر ہیں۔

کہ ہیں۔ ان سے عقلمند ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ دوا کی دلائل قدرت میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتے ہیں۔

فرمایا جو انہاں عقل کو بروئے کار نہیں لاتے، وہ انسان نہیں بلکہ جانور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں فرمایا: لَنْ نَسْأَلَكَ الدَّيْتَ عِنْدَ اللَّهِ الْقَسْمُ الْبُكْمُ لَذِينَ لَا يَعْقِلُونَ بعد جانوروں سے بھی بد تمیز گوشتے اور ہرے ہیں۔ جانور بھی اپنے مال کو پسپا کرتا ہے۔ مگر حضرت انسان ہے جسے اللہ نے عقل عظیم عفت عطا فرمائی ہے۔ مگر اسے بروئے کار لا کر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کرتا۔ وہ تو آسمان وزمین کو دیکھ کر ہی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین کر لیتے ہیں کہ یہ کام سوائے اُس مالک الممالک کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ وَانْزِلْهُ مِنَ الْغَيْثِ اُسْبٰی کے حکم سے سُبٰی سے يَقْلِبُ لِيْلًا وَالنَّهَارَ یعنی رات و روز کو پٹیاں دینا انہی کا کام ہے۔ اس میں کسی دوسرے کو تصرف حاصل نہیں۔ نہ اجرو شغس اپنی عقل کو استعمال کرے گا وہ انسانیت میں کامل حاصل کرے گا اور اعلیٰ درجہ پائیگا۔

باقی ہے مادہ پرست لوگ۔ قریہ دنیا کا کتنی بھی تمہ چاہ لیں یہ اللہ تعالیٰ کی مصروفیات کی تہوں میں ہی اگیچھ کر رہ جاتے ہیں اور صلاح کی صحیح معرفت حاصل نہیں کر سکتے۔ ایسے لوگ بڑے بڑے سَافِرِ دن تو جوسکتے ہیں، بڑے بڑے فلاسفہ تو کہلا سکتے ہیں، محقق اور دانشور بھی ہو سکتے ہیں، اسخو قرآن پاک کی زبان میں وہی الطباب نہیں ہو سکتے۔ جو غزوہ فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت تک نہیں پہنچ سکے وہ احمق ہیں۔ انہیں دنیا کے بڑے سے بڑے علم نے بھی کچھ فائدہ نہیں دیا جس سے غدا کو پہچان کر اسکی عبادت نہیں کی۔ اللہ کا ذکر نہیں کیا وہ کیسا سکار ہے۔ وہ تو باہل ہے اسے عقلمند نہیں کہہ سکتے۔

اُسے فرمایا عَلَّمْنَاهُ وَه لَوَّك میں لَذِينَ يَذْكُرُونَ اللہ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں فَتِلْكَ اَوْسَلٰى جَنَّۃً اُولٰٓئِکَ کَثُرَتْ ہُوں یا بیٹھے جو اپنی کراتوں کے بنیئے سول جہالت میں رہنے لگے وہ لَاک کو یاد کرتے ہیں۔ اور اس

یاد آوری میں آگے ان کی دعاؤں کا ذکر بھی رہا ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں
 کس قسم کی التجا کرتے ہیں جس سے پتہ چلا ہے کہ ان کی فکر کسی بھی چیز سے، اور ان
 کے عقائد کیسے بنے ہوئے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی عقائد پہنچتے جاتے ہیں یہی ان
 کی علامت ہے۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام صلی اللہ علیہ وسلم
 تَبَيَّنَ كَرَّمَ اللَّهُ فِي سُكُلِ أَحْيَانِهِمْ أَيْبَ تَمَامِ أَوْقَاتِهِمْ فِي بَيْتِهِ رَبِّكَ كَوَيْدَ كَرْتِ
 سَبْتِ تَقَى، آپ کا کوئی وقت ذکر الہی کے بغیر نہ گزرتا تھا۔ عمران بن حصینؓ کی
 روایت میں آتا ہے کہ ذکر میں ہر قسم کی عبادت بھی شامل ہے جو کہ ہر حالت میں
 کی جاسکتی ہے۔ جیسے فرمایا صَلِّ قَائِمًا نَازِ كَهْرُمَ ہو کر کھڑے ہو کر اور اگر کھڑے ہو کر
 اور ابٹیں کر سکتے فَصَلِّ قَائِمًا تَوْبِيْطًا كَهْرُمَ اور اب بھی نہیں کر سکتے تَوْبَعًا
 جَنِيْدًا پہلے کہ بل لیٹ کر ہی داکر لہ۔ آگے فقہائے کرام نے اجتہاد سے
 یہ اشارہ فرمایا ہے۔ اگر لیٹ کر بھی نماز پڑھنے سے عذر دہی ہو تو اٹھائے سے
 بھی پڑھ لینی چاہیے۔ کیونکہ یہ اہم ترین عبادت ہے اور بہترین ذکر۔ جیسا کہ
 أَقْبَرُ الصَّلَاةِ رُكُودُ كَرْتِ مِيلَ ذِكْرُ كَرْتِ كَرْتِ كَرْتِ كَرْتِ كَرْتِ كَرْتِ كَرْتِ كَرْتِ
 تمام عبادت بھی شامل ہیں۔

ب ذکر الہی بھی ہے اور زبانی بھی۔ ہم عوام لوگوں کے لیے زبانی ذکر ہی بہت
 بڑی عبادت ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت تمام اوراد کا سرور ہے۔ یا پھر وہ اذکار و کلمات
 جو قرآن پاک میں یا مستحق خیر الانام میں درج ہوئے ہیں یا پھر اسلاف کرام نے
 بتائے ہیں۔ ہمیں ایسے اذکار کی پابندی کرنی چاہیے۔ اس کے علاوہ مختلف
 اوقات کے خصوصی ذکر ہیں جیسے رات کا ذکر، صبح کا ذکر، وضو کرتے وقت کا
 کھاتے وقت، بازار چلتے وقت، نیند سے بیداری کے وقت وغیرہ وغیرہ۔

غرضیکہ کوئی وقت اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہونا چاہیے، جس قدر کثرت سے
 ذکر کریں، اُسی قدر فلاح حاصل ہوگی وَادْكُرْ وَللَّهِ كِتَابٌ لِّعَالَمٍ

تُفْلِحُ حَقًّا اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ، کامیاب ہو جاؤ۔ ذکر الہی ایک ایسی عبادت ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ باقی تمام عبادات کی کوئی ذکر کوئی حد (limit) ہے۔ سب سے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسی عبادات محدود ہیں مگر ذکر الہی کی کوئی حد نہیں۔ سنا احمد کی روایت میں آتا ہے اَکْثَرُ ذِكْرِ اللَّهِ حَتَّى يَقُولُوا هَاجَرْنَا لِلَّهِ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ کہنے لگیں یہ پاگل ہے۔ غرضیکہ ذکر اللہ انسان کی بلندی کا ذریعہ ہے۔

آب ذکر الہی سے دو چیزیں حاصل ہوتی ہیں یعنی حکمت نہادہ و انسانیّت کی تکمیل۔ اگر انسانیت میں کفر، شرک اور معاصی کی جڑیں قائم رہیں جو جائے، تو حکمت باطل ہو جاتی ہے۔ زمین و آسمان کو پیدا کرنے کا مقصد یہی ہے کہ انسانیت کی تکمیل ہو۔ لوگ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو پہنچیں، اور خالص اس کی عبادت کریں۔ اور اگر انہی چیزوں میں فساد پیدا ہو جائے، تو حکمت کا ابطال لازم آئے گا۔ انسان اپنے مقام سے گمراہ ہو جائے گا۔ جب انسان نے تخلیق ارض و سما، اور اختلاف میل و جناب میں خود کو کھینچ لیا۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی تو وہ اختلافات و میل و مشاغل پر چڑھنے والوں کی نشانی اور علامت یہ ہے کہ وہ ہر حالت اور ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔

نبائی ذکر تو عام ہے۔ اس کے علاوہ قلبی ذکر بھی ہے۔ جو لوگ بزرگان دین سے تربیت حاصل کر لے ہیں، وہ بزرگان دین انہیں قلبی ذکر بھی سکھاتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کا دل ہمیشہ میلا رہتا ہے اور ذکر الہی میں مشغول رہتا ہے۔ ان کا کوئی سانس ذکر سے خالی نہیں رہا حتیٰ کہ ان کے لطائف باطنی بھی ذکر کرنے لگتے ہیں۔ یہ چیزیں ایسے لوگوں کو حاصل ہوتی ہیں جو سوگ کے منازل طے کر چکے ہیں۔ اور مرشدان برحق کا یہ طریقہ ہے کہ وہ ہر حال میں اس کی تربیت اسکی صلاحیت کے مطابق کرتے ہیں۔

خواجہ شمس الدین عجمیؒ کے پاس جو شخص ذکر کی تربیت کے لیے جاتا، آپ اس کی مناسبت اس کے لئے الہی کے ساتھ معلوم کرتے اور پھر جس اسم کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوتی، اسی اسم پر پاک کا ذکر کرتے۔ اگر کسی شخص کی اساتذہ کرام

میں سے کسی کے ساتھ بھی مناسبت نہ پاتے تو اس سے فرماتے کہ تم عقیدہ وحدت

اور میان پر قائم رہو، اور یہی کہتے رہو تمہارے سینے ہی کافی ہے،

عقل مندوں کے وصفات میں کہتے ہوئے فرمایا کہ ان کی پہلی صفت

محض خداوندی
میں غور و فکر

یہ ہے کہ وہ اپنے، اپنے اور اپنے اللہ کی کا ذکر کرتے ہیں۔ اور دوسری

صفت یہ بیان فرمائی وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ کہ وہ اپنے

کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں اس غور و فکر کے نتیجے میں انسان اللہ کی وحدانیت اور

ہمکی صفات کمال کو سمجھ سکے گا چنانچہ سنرتش شرح اسلامہ لکھتے ہیں کہ اس بیت

سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین اور دیگر مسموعات میں اللہ میں غور و فکر وہی کامیاب سمجھا

جائے گا جس کا نتیجہ خدا تعالیٰ کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ ہو۔ حضرت جن بصری و

کی روایت میں آتا ہے کہ تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ ستین سنتہ

یعنی ساٹھ سال کی عبادت کی نسبت ایک گھنٹہ ہی فکر کا غور و فکر زیادہ قیمتی ہے۔

اگر کسی نے غور و فکر کے بعد اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی تو یہ چیز سال بہ سال کی

عبادت بلا معرفت سے بدرجہا بہتر ہوگی۔

محض خداوندی
عین غیبیہ

فرمایا صاحب عقل وہ لوگ ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور مسموعات پر قدرت

میں غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں سَرَبْنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا

سے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب چیزیں بیکار پیدا نہیں کیں۔ ان اشیا کی تخلیق

میں سرور کوئی حکمت ہے۔ اور دنیا کی حکمت آخرت ہے۔ اللہ یا مہر علیہ

الاحقرۃ فرما دینا آخرت کی حکمت ہے۔ یہ اگلی منزل کا راستہ ہے۔ اس راستے پر

چل کر انسان آخرت میں پہنچ سکتا ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ کمال ہے اسے آخرت

میں پاینگا۔ مثلاً یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق بیکار محض یا کوئی کھیل نمائش نہیں بلکہ

اس کی کوئی غرض و نیت ہے اور وہ ہے آخرت۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے

عرض کی گئی ہے سُبْحٰنَكَ لَمْ يَكُنْ لَكَ تَرْجِيْ ذَاتُكَ پاک ہے

تو تمام عیوب، افعال اور کمزوریوں سے پاک ہے یہ تفسیر یہ فی حقیر ہو گیا۔

اے اللہ! ہم تیری تسبیح و درپائیزی بیان کرتے ہیں "فَتَعَالَىٰ مَلِكُهُمْ يَوْمَ يُنْفَخُ
 اَلْعُرْشَاتُ" کا کوئی شریک نہیں ہے۔ نہ کوئی عبادت میں شریک ہے نہ اختیار میں
 نہ شکل کشائی میں۔ نہ حاجت روائی میں۔ اس میں عقیدہ کی اصلاح کا پورا مواد موجود ہے
 اگر عقیدہ درست رہیں، خدا کی تفسیر یہ کاغذی نہیں تو ایسا شخص حکماء نہیں ہو سکتا، وہ
 بروقت ہو گا۔

دورِ زمانہ سے
 نجات
 جب عقیدہ صاف ہو گیا اور قیامت کے دن پر یقین ہو گیا تو ایسے لوگ
 پھر اللہ کے حضور دعا کرنے میں فقط اَلْعُرْشَاتُ کے لئے مولا کریم! ہمیں
 دوزخ کے عذاب سے بچا سے، غمگینوں کی پہلی دعا ہے جو غور و فکر کے نتیجے
 میں اُن کے دل سے نکلی ہے۔ اس کے ایسے اعلیٰ آیات میں باقی دعاؤں کا ذکر آئیگا۔

کُنْ تَسْلُو ۲

ال عمران ۳

درس ہفتم

آیت ۹۱، ۹۲

رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تَدْخِلِ الْبَارِقَدْ أَخْزَيْتَهُ دَوْمًا
بِظُلْمٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ ۝ رَبَّنَا إِنَّنا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي
لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا
ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۝
رَبَّنَا وَإِنَّا مِمَّا وَعَدْتَنَا عَلَى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ
الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝

تمہاری ہمت پر ہمارے پیر و نگار! بیشک تمہیں کہہ دوں کہ آگ میں داخل کر دیا پس
بیشک تمہیں کہہ دوں کہ آگ میں ہو گا ظالموں کے لیے کوئی مددگار ۝ (۹۱)
ہم نے ہمارے پیر و نگار! بیشک ہم نے سنا ہے، ایک پکارنے والے کو جو پکارتا ہے
ایمان لانے کے لیے کہ ایمان لاؤ اپنے چہرہ دگار پر! ہم ایمان لے آئے ہیں۔
ہم نے ہمارے پیر و نگار! بخشش سے ہم کو ہمارے گناہ درمنا سے ہم سے ہماری برائیاں
اور موت سے ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ ۝ (۹۲) ہم نے ہمارے پیر و نگار! اور
سے سے ہمیں جو تو نے وعدہ کیا ہے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانوں پر اور رسول
کمر تو ہیں قیامت، دوسرے دن۔ بیشک تو وعدے کا خدمت نہیں کرتا ۝ (۹۳)

جیسا کہ گذشتہ درس میں عرض کیا تھا کہ اس سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایمان
اور توحید کے مسائل بیان فرمائے ہیں۔ اور ان میں عقلی اور سمعی یا عقلی دونوں قسم کے
دلائل موجود ہیں۔ گذشتہ درس میں عقلی دلائل بیان ہو چکے ہیں اور اب عقلی دلائل پیش
ہو رہے ہیں۔ ابتدا میں ذکر آچکا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور شب و روز کے

ربطیات

اختلاف میں بل عقل کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ جن کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی حکمت کا اندازہ قدرت نامہ کو سمجھ سکتا ہے اور ایمان اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو اختیار کر سکتا ہے۔ پھر عقلمندوں کی علامت یہ بتائیں کہ وہ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ہاں اللہ! تو نے یہ سب کچھ عبث پیدا نہیں کیا۔

تخلیق ارض و سماں غور و فکر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی معنویت میں تو غور و فکر کر سکتا ہے اور اس کی صفت اور وحدانیت کو سمجھ سکتا ہے، مگر خود خدا تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر نہیں کر سکتا۔ یہ بات امام غزالیؒ نے اپنی متعدد کتابوں میں درج کی ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی حجۃ اللہ الیہ میں یہ اصول بیان کیا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ لَا فِكْرَ لِي فِي لَوْثٍ یعنی رب تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر نہیں ہو سکتا۔ تَفَكَّرُوا فِي الْخَلْقِ وَلَا تَفَكَّرُوا فِي الْخَلَّاقِ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیا میں غور و فکر کرو، خود خالق کا نامہ کی ذات میں فکر مت کرو، کیونکہ ذات خداوندی وہ ذات ہے، جسے غور و فکر کے ذریعے نہیں پایا جاسکتا۔ منطوق میں غور و فکر سے اللہ تعالیٰ کی صفت کچھ میں آتی ہے اور اس کی وحدانیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ عقلمند لوگ غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اے مولا کہیم! تو نے یہ تمام چیزیں بیکار پیدا نہیں کیں، ہم قیمری تسبیح بیان کرتے ہیں تو وحدۃ لا شریک ہے۔ اس طرح گویا توحید کا منطوقی نتیجہ میں آیا۔ سورۃ یوسف میں موجود ہے وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا يَسْتَوِيٰ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُقْبِلُونَ لوگ زمین و آسمان کی بیشمار نشانوں کے قریب سے گزر جاتے ہیں مگر ان میں غور و فکر کر کے نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے، بلکہ غافل رہتے ہیں۔ مقصد یہ کہ زمین و آسمان، اس کے تہ سے اور سراسر ہر وقت انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔

جس نظام شمسی (SOLAR SYSTEM) میں ہم رہتے ہیں۔ اس کے سات نظام شمسی

مشہور سیانے زہرہ، قمر، شمس، عطارد، مریخ، مشتری اور زحل ہیں۔ ان کے انجمل
 بڑے چھپے ہوئے ہیں۔ غلا یا سائنس دان ان سیاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں۔
 بلکہ ان سائنس دان میں قمر ہمارے پر کرانہ کی پہلی چمک ہے اور اسکی وضع قطع معلوم ہو چکی
 ہے۔ چاند پر سرد ترین علاقہ بھی معلوم ہوا ہے، اگر انسان وہاں پہنچ جائے تو برف کا ٹھٹھا
 ہی جائے اسی طرح وہاں پر اشیاء کی سوسنی گندہ ٹمک گرم ترین علاقہ بھی موجود ہے۔
 جو لوگ چاند پر پہنچے ہیں وہ اس زمینی لباس میں نہیں گئے۔ یہ تو فوراً جل جائیگا، وہاں پر
 غلا کی لباس پہن کر ہی پہنچا جاسکتا ہے۔ اور یہ ایسا لباس ہے جس کی تیاری پر اڑھائی تین لاکھ روپے
 خرچ آتا ہے۔ قرآن پاک کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند پر انسانی رہائش
 قریب ناممکن ہے۔ انسان وہاں پہنچا بھی ہے تو محدود وقت کے لیے۔ ماہرین فلکیات
 بتاتے ہیں کہ چاند پر ایک پونڈ انسانی خوراک پہنچانے پر تیس ہزار پونڈ خرچ کئے گا۔
 ظاہر ہے کہ اس قدر فصول بیاختی کی کرن جرات کرے گا۔ یہ اس سیانے کی بات
 ہے جو زمین سے قریب ترین ہے۔ نظام شمسی کا دوسرا سیدہ سورج زمین سے
 نو لاکھ نو تیس لاکھ میل دور ہے۔ یہ اپنی پیدائش سے لے کر پورے نظام شمسی کو گرمی
 اور روشنی پہنچا رہا ہے۔ اس کی روشنی ہم تک سائنس دانٹ اور آکٹو سینڈ میں
 پہنچتی ہے۔ مگر اللہ کا ملک الملک نے فرمایا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا۔
 اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ "جب یہ سورج اور اس کی روشنی پھیل دی جائے گی
 یہ پورا نظام شمسی درجہ برہم ہو جائے گا۔ اس کے بعد ایک دوسرا نظام قائم ہوگا، جسے آخرت
 اور حشر کا نظام کہا جاسکتا ہے۔

علامت
۴

ستاروں سے متعلق علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم نجوم ہے۔ جس میں ستاروں کے
 تغیر و تبدل کے حساب سے کسی شخص کی قسمت یا سعادت اور شقاوت کا حال معلوم
 کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے علم کو حضور علیہ السلام نے شرک کا حصہ قرار دیا ہے۔ اور سحر
 کی طرح حرام کہا ہے۔ اِنِّیْ مُنْتَحَا فَرَاہُ جو کوئی شخص نجومی کے پاس جا کر
 قسمت کا حال معلوم کرے، وہ شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا انکار کر رہا ہے

ایسے شخص کو تو یہ کہہ کے تجدید ایمان کرنی چاہیے۔ قرآن پاک میں ایسے متائے کا بھی ذکر ہے جسے عرب کے لوگ پوجا کرتے تھے۔ سورۃ نجم میں موجود ہے۔ وَإِذْ هُمْ يُشْرِكُونَ۔ لہذا تم اس بتائے کی پوجا کیوں کرتے ہو۔ تَضِلُّوا كَمَا ضَلُّوا۔ جو چاند اور سورج کا خدا ہے، اور ماہرین فلکیات بھی بتاتے ہیں کہ شعریٰ ستارہ ہمارے سورج سے سترس ہزار گنا بڑا ہے۔

ستاروں سے متعلق دو سرائے علم فلکیات یا (ASTRONOMY) کہلاتا ہے۔ اور اس کے ذریعے خلا میں موجود ستاروں کے حالات معلوم کیے جاتے ہیں جن پر غور و فکر کر کے انسان کے لیے ترقی کی راہیں کھینچی ہیں۔ شعریٰ ستارے کا حجم اسی علم کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ پھر ماہرین فلکیات ASTRONOMISTS یہ بھی بتاتے ہیں کہ ہماری یہ زمین سورج سے اس قدر چھوٹی ہے کہ ان کے حجم کی نسبت ایک اور تیرہ لاکھ گنا ہے۔ گو یہ زمین سورج سے تیرہ لاکھ گنا چھوٹی ہے مگر بہت دوری کی وجہ سے اتنا بڑا فرق نظر نہیں آتا۔ اور پھر چاند زمین سے بھی چھوٹا ہے۔ مریخ سورج سے ستر گنا دور ہے، مانتھان اس پر بھی پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کی تصدیق اور دیگر حالات معلوم کئے جا رہے ہیں۔

بہر حال ان سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیں رکھی ہیں۔ مومن ان میں غور کر کے خدائے کریم کا قائل ہو جاتا ہے کہ جس مالک الملک نے یہ سارا نظام قائم کیا ہے، وہ وحدہ لا شریک ہے۔ یہ نظام شمسی ہے، اس کے اوپر عالم بالا اور پھر ملاز علیٰ حقیقۃ القدس اور آخرت کا نظام ہے۔ اور یہ سب نظام اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ ان تمام پر اللہ تعالیٰ کا تصرف ہے۔ سورۃ کی ابتدا میں ذکر ہو چکا ہے۔ کہ ہر چیز کو تقاضے والی حقوق ذاتی اور مذہبی ہے۔ درجیت بھی اسی کے ساتھ مختص ہے۔ ہر چیز کو وہی مدد کال تک پہنچاتا ہے۔ فنون کے تمام سامان پیدا کرنے والا بھی وہی مالک الملک ہے۔ لہذا اس کے

سوا محدود بھی کوئی نہیں ہو سکتا، نافع، ضرر، جسم دان، جسم بین اور غیر ذلک صرف اللہ ہی
 وہی ہے۔ اسی لیے انسان یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے سُبْحٰنَكَ اے اللہ! بڑی
قوات پاک ہے۔

آخرت کی
 سزا

انقرض! جب انسان تخلیق کائنات میں غرور و فخر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے
 کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا تَدْرُوهُ اس حقیقت کو بھی پالینا ہے کہ لا محالہ
 یہ تمام نظام آخرت پر منتج ہونے والا ہے اس لیے وہ رب العزت سے دعا کرتا
 ہے فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اے مولا کریم! آخرت میں پیش آنے والے
 دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ وہ سمجھ چکا ہے کہ دوزخ کا عذاب کس قدر ہولناک ہے
 اس لیے مزید دعا کرتا ہے۔ کہ تَبَّتْ رُكُوتُكَ مَنْ تُدْخِلُ النَّارَ فَقَدْ خَلَقْنَا تَنْفَكَ
 اے اللہ! جس کو تو نے دوزخ کی آگ میں ڈال دیا تو اسے اُس کو رسوا کر دیا۔ کافروں
 کی رسوائی تو واضح ہے کیونکہ وہ ابدی نہیں ہیں تاہم بعض مومن بھی کچھ عرصہ کے لیے
 دوزخ میں جاویں گے اگرچہ اُن کا یہ قید و بند دائمی نہیں ہو گا بلکہ اُن کے ترکہ کے
 لیے ہو گا۔ تاکہ گناہوں کی وجہ سے جو سبیل گمراہی اُن پر جم چکا ہے، اُسے صاف کر کے
 اُس شخص کو پاک مقام پر جانے کا اہل بنایا جاسکے گا۔ تو ہر حال میں مفسرینِ کلام فرماتے
 ہیں کہ مومن جتنا عرصہ بھی دوزخ میں رہے گا، اتنا عرصہ تو رسوائی ضرور ہوگی۔ اسی
 لیے بندہ عرض کرتا ہے۔ کہ مولا کریم! دوزخ سے بچنے کیونکہ وہ رسوائی کا مقام
 ہے۔ اور پھر وہ یہ بھی جانتا ہے وَمَا لِلظَّالِمِيْنَ مِنْ نَّصْرٍ فَکَیْفَ جَرَّ مَوْجُودِہٖ
 گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں چلا گیا، اُس کے لیے دہائی کوئی مددگار نہیں ہو گا
 اس دنیا میں تو لوگ چلے بھٹے اور مغالطات کے ذریعے کسی نہ کسی طرح منزلے
 بچ جاتے ہیں مگر دہائی پر چھٹکا دے کی کوئی صورت نہیں ہوگی، مقررہ منزل ابراہیم
 جھکتا ہوگی۔

ایمان کی دھڑ

اب بس تو عقلی دلائل کی بات ہو رہی تھی کہ ان عقلی طور پر غور و فکر کر کے
 کسی نتیجے پر پہنچ جاتا ہے۔ اب آگے نقلی یا سمعی دلیل کا بیان آ رہا ہے جو مومن یا گمراہ

رب العزت میں عرض کرتا ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا فِيمَا نَسَاوُا يَٰ مَنَّادِي لِلّٰہِ اِنَّا
اَنۡ اٰمَنُوۡا بِکُمْ اے مہربانِ کھیمبر! بیشک ہم نے ایک منادی کو کہنے والے کی آواز
 کو سنا جو ایمان کی دعوت دیتا ہے۔ کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ۔ اب سوال پیدا ہوتا
 ہے کہ منادی کیسے نہ والا کہن ہے۔ تو حضورؐ کی کلام فرماتے ہیں۔ کہ اگر اس سے
 عصاست یعنی خاموشی منادی کیسے نہ والا مراد لیا جائے تو وہ قرآن پاک ہے۔ اور اگر
 ناطق یعنی بولنے والا منادی ہو تو وہ پیغمبر علیہ السلام کی ذات مبارک ہے۔

قرآن پاک بظاہر خاموش ہے۔ مگر وہ زبانِ حال سے پکار پکار کر ایمان کی دعوت
 دے رہا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ جس وقت انسان صراطِ مستقیم پر
 قدم رکھتا ہے۔ تو کوئی شخص اُس کو کہتا ہے وَرَّكَعْذُیْنِیْ یعنی یہ سے پہلے
 جان اور رازیں بائیں و مٹنارہ جب صراطِ مستقیم کا مسافر آگے کی طرف سفر شروع کرتا
 ہے۔ تو دائیں بائیں طرف موجود دیواروں پر اسے پردہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے
 ہر پردے کے کوئی دوسرا شخص آواز دیتا ہے کہ بھائی پردہ نہ اٹھاؤ، ایسا کہہ دے گا تو
 راستے پر چل پڑو گے۔ ہاں سے واپس نہیں آ سکو گے۔ فرمایا یہ صراطِ مستقیم
 اسلام کا راستہ ہے۔ اور جو ہستی انسان کو اس پر سیدھا چلنے کی دعوت دیتی
 ہے۔ وہ قرآن پاک ہے۔ اور جب کوئی شخص حرام یا ناجائز چیز کی طرف جاتا ہے
 تو گویا دیوار کا پردہ اٹھاتا ہے۔ اُس وقت جو شخص اُسے ایسا کہنے سے منع کرتا ہے
 وہ انسان کا زندہ منہمک رہتا ہے۔ وہ انسان کو جھنجھوڑ کر کہتا ہے۔ کہ غلط راستے
 پر مت جاؤ۔ بلکہ جب کوئی شخص گناہوں پر اصرار کرتا ہے تو اس کا منہمک پردہ
 ہوتا ہے۔ جو آخر کار ایسے غلط کار کو منع کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے اور مسلسل
 گناہوں کی جستجو انسان کے دل پہ پڑتی چھا بات سے تَعْلَاہُکَیْ سکتا
وَاَنۡ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ مَّحَاقُ دُا یکسے یقین، قرآن لوگوں کے گناہوں
 کی جستجو ان کے دلوں پر نہ لگ چڑھ جاتا ہے۔ جس طرح مٹی گٹھے سے
 لوہا بچتا ہے۔ اسی طرح گٹھے ہوں کی وجہ سے لوگوں کے دل سیاہ

ہو جاتے ہیں۔

اگر اس منادی سے مراد نطق مندی لیا جائے تو وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارک ہے۔ آپ بلا واسطہ منادی ہیں جنہوں نے ہر مقام پر براہ راست ایمان کی دعوت دی۔ آپ کے کوہ صفا پر ایمان کی دعوت دی، کعبۃ التہجد کے پاس اعلان کیا۔ حاکمیت پہنچ کر اللہ کا پیغام پہنچایا۔ گلیوں میں، بازاروں میں، درمنگہیوں میں۔ آپ نے ہر جگہ یہی دعوت دی **يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ**۔ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہ دو، فلاح پا جاؤ گے۔ یہ دعوت حضرت علیہ السلام نے اپنے صحابہ کے واسطے سے لوگوں تک آگے بھی پہنچی۔ یہ دعوت واسطہ ہو گئی۔ صحابہ کے بعد تابعین، تبع تابعین، بزرگوارانِ دین، عالمانِ دین، مفسرین اور متفکرین اس دعوت کو دوسریں تک پہنچا کر رسالت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

دعا مقرر

بہر حال فرمایا کہ چھٹے ایک پکارنے والے کو سنا جو بندہ آواز سے پکار کر کہہ رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ اس دعوت کے جواب میں ہم نے کہا **قَالُوا آمَنَّا بِحَبْلِ إِبْرَاهِيمَ**۔ اور عرض کرتے ہیں کہ **يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ**۔ پھر وہ پکارا **إِنَّمَا سَأَلْتُمُوهُ**۔ فرمائیے۔ یہاں پر ذہب کا لفظ ہے اور جسے مراد بڑے بڑے گناہ ہیں جن سے معافی کی درخواست کی جا رہی ہے۔ **وَكُفِّرْنَا عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ** اور تمہارے ہم سے ہماری چھٹی چھوٹی کوتاہیاں۔ یعنی بڑے چھوٹے گناہ ہی گناہ معاف فرمائے۔ بلکہ دن کی سبائے پہاڑ و بحال میں نیکیاں درج فرمائے، جیسا کہ اللہ نے بعض مقامات پر ارشاد فرمایا۔ **فَأُولَٰئِكَ يَرْجُو اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ**۔ **مَحْسَنَاتٍ** اللہ تعالیٰ ان کی کوتاہیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ ہم بھی اسی ہی درخواست کرتے ہیں۔

فرمایا اے صاحب بصیرت لوگوں کی اگلی دعا یہ ہوتی ہے **وَقُولْنَا مَعَ الرَّبِّ** اے مولا کریم! ہمیں وفات بھی نیک لوگوں کے ساتھ ملے۔ مرنے سے پہلے اور بعد نیک لوگوں کی رفاقت اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ سودا گاروں میں فرمایا

بیوکاردن کی نفاقت

کہ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی فَأُولَٰئِكَ مَعَكَ لَذِئْنَ
 نَعْمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ
 وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيفًا اللہ کے انعام یافتہ لوگ منجانبوں
 صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ ہوں گے، اور یہ بہت اچھی رفاقت
 ہے جسے نصیب ہو جائے۔ یہ ایسی چیز ہے جس کے لیے انبیاء علیہم السلام
 بھی دعائیں مانگتے رہے جیسے یوسف علیہ السلام نے دعا کی فَأَطْرَافُ نَسْوَاتِ
 وَأَلْبَاسٍ قَدْ أَتَمَّ دَلِيلِي فِي الذَّنْبِ وَالْخَيْرِ لَوْ كُنْتُ مُسِيئًا وَآخِثِي بِالصِّغِيرِ
 مجھے اسلام پر موت دینا اور صالحین کی رفاقت نصیب کرنا میرا انجام نیک لوگوں
 کے ساتھ ہو۔

یہاں پر ائمہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو سب کی جمع ہے اور معنی نیچوکار
 یا نیچے صحت ہے۔ ایسے لوگ جو ہمیشہ نیکی پر توجہ رکھتے ہیں۔ نیچوکاروں کی صحبت
 یا اچھی موسیقی کی ضرورت اس زندگی میں بھی ہے، ایسے اور نیکی منے وہی لوگ جو
 جتنی ذہن اچھے ہیں اور جن کی تربیت اچھی ہوئی ہے۔ مقصود یہ ہونا چاہیئے کہ
 ایمان والے تقویٰ والے، طہارت والے اور صداقت والے لوگوں کی موسیقی
 نصیب ہو سکے آج ایسی مجلس کمال ملتی، ہر طرف دھوکے، فریب، فراڈ، شرک
 اور بدعت کا زور ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اخلاق ہمیشہ
 ماحول سے بچا جاتا ہے۔ جب ماحول ہی درست نہیں ہے۔ ہماری گلیوں
 اور بازاروں میں گالی گلوچ، لہو و لعب، عیاشی اور فحاشی کا دور زور ہے۔ بچے
 گلیوں میں آکر رہ پھر رہے ہیں، تو اچھی تربیت کیسے ہوگی اور اچھی موسیقی کہاں سے
 آئے گی، قرآن پاک کہتا ہے کہ مومن غافل نہیں ہو سکتا، وہ ماحول کو درست
 رکھنے کی کوشش کرے گا، وہ جانتا ہے کہ اگر ماحول خراب ہوگا تو معاشرہ بگڑ
 جائے گا، اور پھر اسے دانی نفس کی درستگی کا خواب بھی شرمندہ تعمیر نہ ہو سکے گا۔

مَا وَعَدْنَا عَلَىٰ رُسُلِنَا سِوَا مَا كُنتُمْ تَعْلَمُونَ! ہمیں وہ کچھ عطا کرنا ہے جس سے
 اپنے رسولوں کی زبان پر وعدہ کیا ہے اور وہ وعدہ یہ ہے اِنَّا لَنُنَصِّرُكَ الْمُسْلِمِينَ
 وَالْمُؤْمِنِينَ اَلَّذِينَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَوْنُهُمْ يَتَّقُونَ اَللّٰهَ شُهَدَاءُ ہم اپنے رسولوں
 اور اہل ایمان کی دنیا میں بھی مدد فرمائیں گے، انہیں فتح و نصرت اور غلبہ عطا کریں
 گے اور انہیں جنت میں بھی منت اور درجات عاید کا وعدہ ہے۔

اللہ کی مخلوق میں غور و فکر کرنے والے اہل خرد یہ بھی عرض کرتے ہیں۔ اے مہربان و
 فَآلَ تَحْزِنًا يَوْمَ اَلْقِيَامَةِ ہمیں قیامت کے دن سزا نہ کرنا، ہمیں یقین ہے
 اِنَّكَ لَا تَخْلُقُ اِلَّهًا يَصِيبُكَ دِيْكَاسٌ تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ حضرت مولانا شاہ
 اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ مہلتا ہے کارِ دوہی پائیں ہیں اور وہ یہ کہ انسان آخرت
 میں کامیابی کے مقام یعنی جنت میں پہنچ جائے اور خدا کے غضب کے مقام کو زبرد
 سے بچ جائے۔ اور یہ مقصود حاصل کرنے کے لیے صرف دہ چیزوں کی ضرورت
 ہے۔ اول یہ کہ انسان ایمان تو پیدا رکھے اور اعتقاد کرے کہ دوسرے کو ان
 معافی سے بچا رہے۔

ثَنِّ تَنَالُوا ۝

اِلٰی عَصْرٍ ۝

درس بخنادویک ۱۱

آیت ۱۹۵

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اِلٰی لَا اُضِيعَ عَمَلٌ مِّنْكُمْ
 مِّنْ ذِكْرِ اَوْ اُنْثٰىۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍۚ فَاَلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا
 وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْدُوْا فِيْ سَبِيْلِیْ وَقَتْلُوْا وَفُتِلُوْا
 لَا كُفْرٰنَ عَنْهُمْ سَبَیَاتِهِمْ وَلَا دُخْلَنَّهُمْ جَدَّتْ
 خُبْرٰی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ طَوَّلَ اللّٰهُ عِلَّةَ
 حَسَنِ الثَّوَابِ ۝ (۱۹۵)

ترجمہ : پس قبول کی اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے اُن کی دعا کہ بیشک میں ضائع نہیں
 کرتا عمل کرنے والے کے عمل کو تم میں سے مرد ہر یا عورت۔ بعض تمہارے
 بعض سے ہیں۔ پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اللہ وہ اپنے گھروں سے نکالے
 گئے اور میرے راستے میں لڑے گئے اور انہوں نے لڑائی کی اور شہید کئے گئے
 تو ہیں اُن کی بیویاں اُن سے ٹاڈوں گا۔ اور البتہ ضرور ہیں اُن کو بہشتوں میں داخل
 کروں گا جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے اور اللہ تعالیٰ
 کے پاس بہت اچھا بڑے ہے ۝ (۱۹۵)

یہ آیت بھی گذشتہ آیات کے ساتھ مربوط ہے۔ سابقہ دروس میں غفلتہ لوگوں
 کی صفات بیان ہوئی رہی ہیں کہ غفلتہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں
 میں غیور و فخر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اے پور و دگار! تو نے ہر سب
 چیزیں بیکار پیدا نہیں کیں۔ ہم تم پر کسبِ حیات کر رہے ہیں۔ پس تو ہمیں روزِ آخر کے
 عذاب سے محفوظ رکھ۔ اللہ تعالیٰ نے اہل عقل و خرد کی بعض علامات بھی بیان فرمیں

کہ وہ مٹتے، بیٹھتے، لیٹتے، ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور پھر چہنچہ رب کریم سے دعا میں بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں تیرا پیغمبر بنیچا۔ میں ایمان کی دعوت دی گئی جسے ہم نے قبول کر لیا۔ اس طرح انہوں نے عقلی و نقلی دونوں طرح سے ایمان سے خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کی۔ اور دماؤں میں مشغول ہو گئے۔

اعمال صالحہ کی قبولیت

آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ دعاؤں کی قبولیت کی خوشخبری دی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے فَأَسْجِبَابُ لَكُمْ مَوْرِبُكُمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان کی دعاؤں کو مستبول کر لیا۔ جب ان لوگوں نے خود و خیر کے بیچ میں مَوْرِبُكُمْ پر لبیک کہا، اللہ کا ذکر کیا اور اس کے سامنے گڑبگڑا حمد دیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا اور فرمایا فَإِنَّمَا أَصْنَعُ عَمَلُ عَامِلٍ مَنْ شَكَّ بِشَيْءٍ فِي عَمَلٍ كَرِهَ شَيْءٌ کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ مَنْ ذَكَرَ تَوَاضَعًا خواہ مرد ہو یا عورت عمل سے مرد ہیں یا پر نیک اعمال ہیں۔ برے اعمال مرد نہیں ہیں۔ کیونکہ ان سے توبہ پناہ ہو گئی ہے۔ اللہ کسی نیک عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ اور پھر نیک اعمال میں سرفہرست ایمان باللہ ہے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا۔ حضور یہ ارشاد فرمایا شَيْءٌ لَا عَمَلِيَّ أَفْضَلُ مَنْ زَادَهُ افضل رہے۔ ارشاد فرمایا ایمان باللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان زنا سب سے افضل عمل ہے۔ اس کے بعد دیگر اعمال منجھرا نماز، جہاد، والدین کی خدمت وغیرہ ہیں جن ہم تمام اعمال کی جڑ بنیاد ایمان ہی ہے۔ ہر حال فرمایا تو بھی نیک عمل کہے، مرد ہو یا عورت، ان کا عمل ضائع نہیں کرتا۔

ایمان پر مرد و زن کہ حاصل عہد پر ذکر کیا گیا ہے۔ کہ جو بھی نیک عمل کرے، بدر پائے گا۔ ام المؤمنین اہل بیت کی مذہبیت میں آتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضور نبی کریم کے کاموں میں مردوں کا ذکر تو کثرت سے آتا ہے مگر عورتوں کا ذکر اس کثرت سے نہیں آتا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق بعض عورتیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا حضور!

بہت سے اعمال صرف مردوں کے لیے مخصوص ہیں، جیسے، اذان، جہاد وغیرہ تو اس لحاظ سے مرد عورتوں سے اجزیں نہیں گئے۔ عورتوں کو تو بہت کم حصہ ملا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ایمانیہ ہے۔ بلکہ عورتوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ویسا ہی برابر ملے گا جیسا مردوں کو۔ اللہ کے قانون میں اس بارے میں کوئی تفریق نہیں۔ مرد و زن دونوں یکساں ہیں۔ البتہ ان کے عمل کی نوعیت مختلف ہے۔ مرد میدان جنگ میں جہاد کرتا ہے۔ اور عورت اس کی خدمت کرتی ہے۔ تو دونوں کو برابر بزرگوار کیا گیا۔ بعض مشقت طلب کام ہیں جو صرف مردوں کے ذمہ ہیں اور بعض کام صرف عورتوں کے سپرد ہیں۔ اور بعض کام تھان، روزہ، حج، زکوٰۃ، حج، ملوک حقوق العباد اور حقوق اللہ مرد و زن دونوں کے لیے یکساں ضروری ہیں۔ لہذا جس طرح مردوں کو اجڑنے کا اسی طرح عورتوں کو بھی ملے گا۔ بعض عورتوں نے جہاد میں شریک ہونے کی اجازت طلب کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: جہاد کن الصحیح تمنا حاج ہی جہاد کے برابر ہے محرم کے ساتھ حج کرو، یہ تمہارے لیے کافی ہے غرضیکہ عورت اور مرد میں سے کسی کا مکمل ضائع نہیں ہوگا۔

مرد و زن میں اگر کوئی تفریق ہے تو وہ دائرہ کار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے اپنے اپنے کام مقرر کر دیے ہیں جو وہ انجام دیں گے۔ اور اگر میان ایک دوسرے کے دائرہ کار میں مداخلت کریں گے۔ تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔ مثال کے طور پر جیسا کہ پیسے عمر میں کیا جانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو قوی بنایا ہے اور اس کے ذمہ کام بھی مشقت طلب لگائے ہیں۔ اسی طرح عورت بحیثیت صنعت، نازک، نچلا آسان کام کرنے کی اہل ہے۔ مرد عنایت و نرمی کرتا ہے، مشقت کرتا ہے اور گزشتہ اوقات کے لیے کام کرتا ہے۔ عورت اپنے گھر کی چار دیواری میں بچوں کی پرورش اور دیگر امداد خانہ داری کی ذمہ دار ہے اب فساد و طعن پیدا ہوتا ہے، جب مرد و زن ایک ہی دائرہ کار میں نظر کرنے لگتے ہیں۔ عورتوں کے حقوق کی آڑ میں انگریز نے جو پاپیگینڈا کیا ہے۔ اس سے

مشرقی ممالک بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ ہر مقام پر مرد و زن کے شانہ بشانہ پہننے کی وجہ سے معاشرہ میں خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ جس کا نتیجہ بے حیائی اور فحاشی کی صورت میں نکلے گا۔ اس غلط رجحان سے اذکار کو شیطان کی جڑوں کا گاہ بنادیا ہے۔ جب عورتیں، دفتروں، کارخانوں، فرج پولیس، بازاروں اور کھیل کے میدانوں میں مردوں کے دندش بدوش چلیں گی تو نتیجہ ظاہر ہے معاشرے میں فساد اُٹے گا۔ اسب تو عورتیں مجبور بھی بن رہی ہیں۔ اسبیلوں میں، بازاروں میں، مجالس شہوانی میں ہر معصوم پر ان کا حصہ مقرر ہو چکا ہے۔ اور پھر ایسے مقامات پر مردوں اور عورتوں کی جس طرح ملتے پڑتے ہیں، اس کی تفصیلات، اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔ عورتوں کا کام گھر کی دیکھ بھال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق بہت سے احکام سورۃ نساء، سورۃ طلاق، سورۃ تحریم وغیرہ میں بیان فرما دیے ہیں۔ جن سے ان کے دائرہ کار کا پتہ چلتا ہے، لہذا ان کی بھلائی اپنے دائرہ کار میں سنبھلنے سے ہی ہے۔ اُس سے تجاوز نہ کرو ورنہ کامیاب ہوگا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مرد و زن کے ذمہ بھی فرائض ہیں، ان کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ بھی عمل کرنے والے کے عمل کو منجھ نہیں کر سکتے۔

تقریباً نصف اُسے فرمایا **بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ** تمہارے بعض سے ہیں۔ مرد و عورتوں سے ہیں اور عورتیں مردوں سے ہیں۔ یعنی ایک دوسرے کی جنس سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ایک جنس انسانی سے پیدا فرمایا ہے۔ دونوں کا ایک ہی باپ اور ایک ہی سلسلہ نسب ہے۔ البتہ دونوں کی صفت میں تفریق پیدا کی ہے۔ ایک کو مرد اور دوسرے کو عورت بنادیا۔ دونوں کے دائرہ کار الگ الگ مقرر فرمائے اور پھر معاشرے کی تہذیب و تمدنی کا انحصار اپنے اپنے امور کی انجام دہی پر رکھ دیا۔ جب تک عورت اور مرد ملتے اپنے دائرہ کار میں رہ کر اپنے اپنے فرائض انجام نہیں دیں گے تمدن کی اصلاح نہیں ہو سکے گی۔ غرضیکہ مرد و زن کی جنس تو ایک ہے مگر ان کی صفت الگ الگ ہے۔ **بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ** کا یہی مطلب ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ بعض کام ایسے ہیں جنہیں صرف عورتیں

اسان طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہوتا ہے۔ نہ باندائی کا شکار پیدا ہو سکتا ہے۔ جب خواہش خردک میسر نہیں آتی، لہذا ہجرت کرنا بڑا اذیت ناک کام ہے۔ مگر مجبوراً کرنا پڑتا ہے۔ فرمایا وہ لوگ جنہوں نے خود ہجرت کی اور وہ بھی وَاٰخِرُ جَوْنُ مِنْكَ دیکھو جو اپنے گھروں سے نہ بد دوستی ٹکالے گئے۔ مال و اسباب پر قبضہ کر لیا گیا۔ پوری پچھل کو روک لیا گیا۔ کوئی تکلیف دہ صورت حال ہے۔ حضرت علیہ السلام کے صحابہ کرام کو یہ تمام تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ مدینہ جا کر آب و ہوا میسر نہ آئی، بیماریاں ہوئے، سفر کی تکالیف برداشت کیں، اسی لیے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے شأن الهجرة لشديد ہجرت کا معاملہ بڑا مشکل ہے۔ اور جو شخص اس میں ثابت قدم ہو کر نکلے امن کے لیے اجر بھی عظیم ہے۔ حضور علیہ السلام نے خود دعا فرمائی اللَّهُمَّ هَـٰذَا لا صغالی ہجر تھو اسے اللہ۔ میرے صحابہ کی ہجرت کو جاری فرما۔ اور چہرے پر کوئی شخص رو کر یہ مقام پر ہجرت کر لیتا ہے۔ تو اس کو واپس اپنے پہلے مقام پر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ جو لوگ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے، وہ حج کے لیے بھی مکہ آتے تھے اور حج کے بعد تین دن سے نہ مارا نہ ٹھہرنے کی اجازت نہ تھی، وجہ یہ ہے۔ کہ اس مقام پر فوت ہو کر دفن ہونا بھی ٹھیک نہیں۔ یہاں پر یہ باریک دامن ہو جانی چاہیے کہ ہجرت وہی مقبول ہے جو کلمہ استر کر بند کرنے کے لیے کی جائے۔ محض دنیا کے حصول کے لیے ہجرت شرعی ہجرت نہیں ہوگی جس کی اتنی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ صحیحین کی روایت میں حضرت عمرؓ کا خطبہ سے روایت ہے فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے۔ تو اس کی ہجرت درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوئی۔ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ لِمَا يَتَرَوْنَ جَهًا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ اور جو کئی کسی دنیاوی غرض کے لیے کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر مہاجر بنا۔ تو اس کی ہجرت اس کے مقابلہ

مقصود کے لیے ہوگی۔ اللہ کے ہاں اس کا کچھ اجر نہ ہوگا۔

افیتہ فی
سبیل اللہ

فرمایا وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکلتے ہوئے وَوَدُّوا
فی سبیل اللہ اور جنہیں میرے راستے میں تکلیف دی گئی، وہ کون سی تکلیف ہے
جو کہ فروں، بشر کوں اور اہل کتاب نے مسلمانوں کو نہیں پہنچی۔ انہیں اللہ کا لاش نہ
بنایا گیا، تپتی ہوئی ریت پر نہ لایا گیا، اہل نقصان پہنچایا گیا اور پھر سب سے بڑی دینی تکلیف
دی گئی۔ اسلام کو استعمار کا لاش نہ بنایا گیا۔ قرآن پاک کی تمجید کی گئی اور حضور نبی کریم
کی شان میں گستاخی کی گئی۔ یہ تکلیف جہانِ افیتہ سے بھی سوا ہے۔ اسی لیے کہ
حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ مُصِيبَتَنَا فِي دِينِنَا
وَاللَّهُمَّ! دین کے معاملے میں ہمیں اذیت نہ پہنچے۔ ہم شے پر داشت نہیں کر
سکتے۔ گنہگاروں میں گنہگار چکا ہے اہل ایمان! تمہیں مالوں اور جانوں کے
کے ذریعے آزمایا جائے گا اور تمہیں اہل کتاب اور مشرکین کی طعنت سے اذیت ناک
باتیں سننی پڑیں گی۔ اور اگر ان تکلیف پر صبر کر دے گے اور تقویٰ کا راستہ اختیار کر دے گے
تو یہ چیز دین میں مطلوب و مقصود ہے اور باعثِ فوز و قیام ہے۔ اور پھر سننا
کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں وَقَدْ كُنُوا جنہوں نے اللہ کے راستے میں جادو باسیف
کیا۔ جان کر پھیلی پر رکھ کر نہن بڑا شکل کام ہے۔ اور اس سے کوئی دنیاوی غرض نہ ہو
بَلَكُمُ التَّكْوِينُ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا اس لیے کہ اللہ کا کلمہ علیہ جو اس کا دین
غالب آئے اور قرآن پاک کا دستور جاری ہو۔ فرمایا جو لوگ کفن بردہ شش۔ نکلے
وَقَسَتْ مُؤَا اور شہید بھی کیے گئے۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں جان جیسی قیمتی سامان
قرآن کرہ دی۔ اس سے بڑی قربانی کیا ہو سکتی ہے۔

ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا لَا تَكْفُرُوا عَنْهُمْ سَبًّا وَتَسْفُحُوا
میں ان کی خطا میں کو ضرر و معاف کر دوں گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شہید کے
خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرے سے قبل اللہ تعالیٰ اس کے نام گناہ معاف فرما دیتا
ہے مسلم شریعت کی روایت میں آتا ہے۔ حضور نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا!

کہ اسلام ہجرت اور حج تین عمل ایسے ہیں کہ ان کے انجام دینے پر یہ قید مہاکان
 قَبْلُهَا اللہ تعالیٰ مبالغہ سائے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ البتہ ایک چیز پھر بھی اُس
 کے ذمہ رہتی ہے اور وہ حقوق العباد ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کو معاف فرمادیتا ہے
 مگر بندوں کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک صاحب حق خود
 نہ معاف کرے۔ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر میں خدا کی
 راہ میں اس طرح مال و عاقل و عقول لاؤں مگر بے غیر ایشیت پھرے بہادری کے
 ساتھ لڑوں اور پھر جان قربان کر دوں، تو کیا میرے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں
 گے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔ یہ سن کر وہ شخص اُس جانے لگا نہی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے پھر پایا اور ارشاد فرمایا کہ باقی گناہ کس لئے ہی معاف ہو جائیں گے اَللّٰہُ یَسْرِتُ
 قَرْضَہُ کے۔ یہ حقوق العباد ہیں سے ہے۔ آپ نے فرمایا جبرائیل نے ابھی حکم مجھے
 بتایا ہے کہ شہادت سے قرضہ معاف نہیں ہوگا۔

جنت میں
 داخل

فرمایا ایسے لوگوں کے گناہ معاف کر دوں گا وَلَیْسَ لَکُمْ جَنَّتٌ مَّجْمُوعَةٌ
 مِنْ تَحْتِهَا الْاَشْجَارُ اور میں اُن کو ایسے بشتوں میں داخل کروں گا۔ جن کے نیچے
 نہریں بہتی ہیں۔ جنت بڑی عزت کا مقام ہے۔ بڑی، عالی و درافعی جگہ ہے۔ جہاں
 نباتات، کوٹھیاں اور محلات ہوں گے، جن کی تفصیلات قرآن پاک میں مختلف
 مقامات پر ذکر ہوئی ہیں۔ فرمایا یہ سب چیزیں ثَوَابُ مَرْتَبَہِ عِنْدَ اللّٰہِ لِقَائِہِ
 کی طرف سے اجر و ثواب ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو ایمان لائے، اللہ کا ہر حالت
 میں ذکر کرے، اُدھائیں کرے مشقت کے کام انجام دے، جہاد میں حصہ لے۔
 دین کو قائم کرے، اس کا بدلہ ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ فرمایا وَاللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اَسْوَابُ
 جَنَّتِ اللّٰہِ کے لایں بہت ہی اچھا بدلہ ہے۔ ایسا بدلہ صرف اللہ تعالیٰ کے پاس
 ہی ہے لہذا اُس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنی چاہیئے۔ اور جیسا کہ اُس کی ہر بات
 پر پیش نظر رہنی چاہیئے۔

یسا قاتل ہے جو کبھی نہیں مرے گا۔ قاتل سے مراد موت ہے۔ جو کبھی اس سے جدا نہیں ہوگی اور وہ ہمیشہ ملکوت میں مبتلا رہے گا۔

لَا یُخْشٰی نَفْسًا فِیْ مِیْمَنَہٗ وَاحِدَہٗ ذَکَرٌ مَّا ضَرَّ اسْتَعْمَلَ کِیَا گِی ہے۔ کہیں آپ کو ^{ظہر خطاب} دھوکے میں نہ ڈالیں۔ وحی الہی کے مخاطب اہل تو حضور نبی کریم علیہ السلام ہیں اور اسی لحاظ سے یہ آپ کو خطاب کیا جا رہا ہے۔ کہ کہیں مخاطب کا شمار نہ ہو جائیں کہ کافر لوگ اللہ کے محبوب ہیں، ظاہر ہے۔ کہ نبی علیہ السلام کی ذات کے متعلق قریب گمان نہیں کیا جاسکتا کہ حضور علیہ السلام کو کبھی شک بھی گذر ہو کہ کافر اللہ کے محبوب ہیں۔ لہذا اس خطاب کا مطلب یہ ہے کہ یہ خطاب تو آپ ہی سے متعلق ہے مگر بات ساری امت بلکہ ساری انسانیت کو سمجھانی جا رہی ہے۔ کہ کفار کی ظاہری شان و شوکت دیکھ کر کہیں غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ وہ حق پر ہیں۔

اس قسم کا طرز سخن طب قرآن پاک کے مختلف مقامات پر آتا ہے۔ اکثر مقامات پر لفظ قُلْ کے ذریعے نبی علیہ السلام کو مخاطب کیا گیا ہے مگر مقصود تمام متعلقین کو سمجھانا ہوتا ہے۔ ایک مقام پر حضور سے خطاب ہے لَا یُخْشٰی نَفْسًا یعنی آپ کفار کی اہمیت نہ کریں۔ حالانکہ آپ کی ذات دلائل صفا سے متعلق تو دور کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا مگر مقصد یہ رہی ہم اہل ایمان کی ہدایت ہے۔ سورہ کوثر میں آتا ہے فَصِّلْ لِّیْ بَیِّنَاتٍ وَّاجْزِئْ لِّیْ سَیْمِیْرًا آپ اپنے رب کی نماز پڑھیں اور قرآنی کہیں۔ صیغہ واحد استعمال ہونے کی بنا پر کیا یہ حکم صرف آپ کی ذات کے لیے ہی ہے۔ نہیں، بلکہ ساری امت کو نماز اور قرآنی کا حکم دیا گیا ہے۔

اور اگر یہ خطاب حضور علیہ السلام کی ذات تک ہی محدود سمجھا جائے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کو یہ بات تاکید کے طور پر کہی جا رہی ہے کہ کافر کے متعلق کسی غلط فہمی میں نہ پڑے آپ کبھی مبتلا ہوتے ہیں اور نہ آئندہ ہوں۔ اس قسم کی تاکید بعض دوسرے مقامات پر بھی آتی ہے۔ مثلاً حضور علیہ السلام کو فرمایا۔

لَیْسَ اَشْوَکَیْتَ یَجْطَلْنَ عَصَاکَ اَبْ شَرِکَ نہ کریں اگر آپ نے جس شرک کا اقرار کیا تو آپ کے عمل بھی ضائع ہو جائیں گے۔ ائمہ کے نام نہ لیں تو شرک سے معصوم ہوتے ہیں۔ بنی کی ذلت سے تو شرک کا شائبہ ہمک میل ہے مگر تئید کے لئے پھر اس قسم کا خطاب کیا گیا ہے کہ آپ ہمیشہ شرک سے بیزار رہتے ہیں لہذا ائمہ بھی اس سے بچتے رہیں۔ جو سن مفسرین کہہ رہے ہیں کہ یہ خطاب عام ہے۔ اور سر اس منی طلب کے لیے ہے تو حق کا غلبہ کا رتبہ اور حقیقت تک پہنچنا چاہتا ہے گو یہ عام خطاب حق کو بات سمجھائی جا رہی ہے۔ کہ کافروں کی خوشامی دیکھ کر کتنی غمی میں مبتلا ہو جائیں۔

متعلق

فرمایا دنیا کا سارا دار و سامان جو اس زمین پر رہنے والے ایک ایک فرد کے پاس تو ہوتا ہے اور وہ خزانے جو پائونڈ کی تھونیت وجود ہیں اور وہ میرٹھ تھیت موتی جو مندرجہ میں پاسے ہوتے ہیں۔ ممکن کہ تھیلوں کو کریں بکار نہ لے لے جو ہر وقت معدیات عرضیہ دنیا کی ہر چیز ایک جگہ پر گھسی گھسی جائے تو پھر بھی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مٹا کر قلیل مٹا کر اسانفازد ہوتا ہے۔ یہ معمولی سامان ہے جو اللہ نے لوگوں کے استعمال کے لیے دے رکھا۔ حضور نبی علیہ السلام کے فرمان سے مطابق پوری دنیا کے مال و دولت کی مثال آخرت کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے کوئی شخص کمند میں انگلی ڈبو کر نکال دے۔ انسان جس مال و دولت کی موجودگی پر فخر کر رہا ہے اس کی حیثیت اتنی بھی نہیں جتنا پانی کسی انگلی کو گھسکتا ہے۔ سب اگر لوگوں کی عمریں چھوٹی ہو گئی ہیں اور اس جتنی طرے وقت ہیں۔ انسان کیا کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ پہلے لوگوں نے بڑی لمبی عمریں پائیں اور اس طرح انہوں نے مال و دولت بھی زیادہ اکٹھا کی۔ حضرت نوح علیہ السلام کو حضرت ادریس علیہ السلام کو نہایت بڑے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت تک لوگوں کی عمریں طویل تھیں یہ کہ میرے مشرور ہو گئیں۔ اس وقت لوگوں نے نہ بڑا پا بھی لازمی نہیں ہوتا تھا۔ اب بڑا پا آنے لگا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے لوگوں

کے بال بھی سفید نہیں ہوتے تھے۔ سب سے پہلے آپ ہی کے بالوں میں سفیدی آئی۔
 غرض! اب تو پوری دنیا پر بڑھا پامانی ہو گیا ہے۔ ابتدائے دنیا سے لے کر جتنا
 بھی مال و متاع ہے آخرت کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ لہذا آپ
 کافروں کی طرف دیکھ کر کسی مخالف سے نہ بڑھ جائیں کہ وہ منحرب خدا ہیں جو کچھ بھی ان
 کے پاس ہے بالکل حقیر چیز ہے۔ جو اس دنیا میں ختم ہو جائے گا۔ اور پھر جب وہ
 آخرت کی منزل میں قدم رکھیں گے ثُمَّ مَا وَدَّعُوا جَهَنَّمَ
أَن كَانُوا فِيهَا يَسْتَمِعُونَ الصَّوْتِ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے جس کی
 طرف جاتے ہیں۔

متیقن کے
 لیے انعام

فرمایا یہ تو کفار کا انجام ہو گا۔ اب تصویر کا دوسرا رخ دیکھیے لَكِنِ الَّذِينَ
اتَّقَوْا رَبَّهُمْ مگر وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ شرک و کفر سے
 محفوظ رہے۔ معافی سے پہنچتے ہیں ان کے دلوں میں خدا کا خوف جاگزیں رہے
 اور اسی خوف کی وجہ سے اللہ کی قائم کردہ حدود سے متجاہز نہیں کیا، دنیا میں عمل و سزا
 کا امتیاز کیا۔ نیکی اور بدی کو پہچانا، اپنے ایمان کی حفاظت کی، اسی چیز کا نام تقویٰ ہے
 چنانچہ جن لوگوں نے تقویٰ کا راستہ اختیار کیا فرمایا لَهُمْ جَزَاءٌ
مِّنْ فَضْلِهِ ان کے لیے باغات ہیں۔ جن کے سامنے نہریں
 بہتی ہیں۔

جنت کی نعمتوں کی جو تفصیلات، قرآن پاک نے مختلف مقامات پر بیان
 کی ہیں وہ ایسی چیزیں ہیں جو انسان عام طور پر اپنے تصور میں لاسکتا ہے۔ مثلاً دنیا میں
 آرام و آسائش کے لیے اچھا مکان، اچھی بڑی جہاز، اچھے اخلاق و اطوار کی حامل ہو
 قرآن پاک نے انہیں أَنْوَاعٌ مِّنْ فَضْلِهِ کا نام دیا ہے مَنْ يَكُنْ طَائِفًا
 یعنی پسندیدہ مکانوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اسی طرح اچھی رفاقت کا ذکر کیا ہے
 جیسے گزشتہ دور میں گزر چکا ہے صَحَابَةُ الْأَنْبِيَاءِ رگوں کی رفاقت کی
 رعایاں انبیاء علیہم السلام بھی گم نہ گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ان اچھا لباس بھی پسند

کہتا ہے، اس کی معرفت سے بہشت کے پاکیزہ لباس کا تذکرہ بھی آتا ہے
 تمدنی شریف کی رعایت میں آتا ہے کہ جنت کی حور کی اور مصلحت ذہنی
 خلیف من الدنيا وما فیہا اس پر مری دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے زیادہ
 قیمتی ہوگی۔ آخرت کامل و متاع اور آرام و سالت اس دنیا کے مقابلے میں گندہ
 ہوگا۔ اسی طرح مشرب لکھ، عمل مصطفیٰ و روح کی نبروں اور غیر آس پانی کا تذکرہ
 ملتا ہے۔ یہ سب چیزیں اہل جنت کو حاصل ہوں گی جن کا تسخیر تصور ہمہ اس وقت
 نہیں کر سکتے، تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام یافتہ بندوں کے لیے جن انعامات
 کا ذکر کیا ہے۔ وہ ایسی چیزیں ہیں جو کسی مذہب کے ہمارے تصور میں آ سکتی ہیں۔ اسی
 لیے فرمایا کہ متفقہ و گروں سے لیے باغات ہوں گے جن کے سامنے مصطفیٰ پانی
 کی نہریں بہتی رہتی۔ ان نہروں کا پانی کبھی خراب نہیں ہوگا اور انگریزی چاہیں گے
 تو یہ نہریں بغیر کسی رکاوٹ کے زمین کے اندر چلی رہی ہوں گی۔ فرمایا متفقہ اس
 جنت میں کسی محدود و محدود کے لیے نہیں جائیں گے بلکہ خلیلین و رفیق
 ہمیشہ ہمیشہ سکونت پذیر رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ و فریستہ کو وہاں سے نہیں
 لے سکیں۔ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے رستم و قہم و جلال و جلال کے ہر وہ
 میں ہمہ سب کچھ نامرسل نہیں رہتا۔

لکھنا
 سے ہمہ ناری

فرمایا یہ ساری جنتیں جس کا بقیہ عند اللہ اس کی طرف سے ہوتا ہے اور
 گی۔ نازل۔ اس ایسی سے اچھی چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جو وہاں کا آرام
 پر سب سے پہلے پیش کی جاتی ہے۔ ایسی نعمتوں کا اشارہ اگلی آیت کے لکھ حصے
 میں بھی آ رہا ہے ہر حال اللہ تعالیٰ کی ممانداری میں اعلیٰ ترین چیزیں پیش کی جائیں
 جن میں ہر نعمتوں کے علاوہ تقرب الہی و تہجیات الہی یعنی عظیم نعمتیں بھی
 شامل ہوں گی۔ نازل کو ممانداری کے معانی میں مد عربی بول چال میں بھی استعمال کیا
 جاتا ہے۔ وہ بہت دینی یک شہر نقل ہوتا ہے۔

وَلَمَّا دَا جَاءَ مَا لَجَنَ شِكْ فَهَذَا حَقْلُنَا لَقْنَا وَامْرُؤَهُمَا كَذَلِكَ نَزَلُوا

لہ ترجمہ ۲۵۵ و بخاری ۳۹۲ (فیاض)

اگر جبار لشکر سے کمر سار و ہمان جتا ہے رہا ہم اس کے لیے نیزے اور قاتل تلواریں
 معافی کے طور پر تیار رکھیں گے۔ مطلب یہ کہ ظالم شخص کا مستقبل ہم تلواروں اور
 نیزوں سے کمر تھے ہیں یہ شخص کے طور پر ہست کی گئی ہے۔ تو ہر حال نزل کا بھی خفا
 ہے۔ جو اللہ تعالیٰ جفتوں کے لیے پیش کریں گے۔ ظاہر ہے کہ جن خوش
 قسمت لوگوں کا میسران خود خدا ہو گا، اُن کو کتنی عزت اور کتنا شرف حاصل ہو گا۔

فرمایا: مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّالَّذِينَ اسْتَدْرَجُوا مِنْ دُونِ الْمَوْتِ اُولَٰئِكَ يَخْلَعُونَ
 کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں بستر میں نیکو کاروں کے لیے برابر کا لفظ پسند بھی گزر چکا ہے
 یہ بڑی جمع ہے اور مراد وہ نیک لوگ ہیں جن کی نگاہ ہمیشہ انجام پر رہتی ہے اور نیکی
 کرنے، اُن کا شعار ہوتا ہے۔ وہ ہر چھوٹے بڑے، اعلیٰ ادنیٰ کے ساتھ نیکی کرتے
 ہیں۔ بڑوں کا حق ادا کرتے ہیں۔ والد اور دیگر عزیز واقارب کے ساتھ شفقت
 سے پیش آتے ہیں۔ والدین کی خدمت کرتے ہیں۔ برہہ دلوں سے جن لوگ
 کہہ سکتے ہیں۔ دوست احباب و رشتہ داروں کے میں لڑپ لڑکتے ہیں، غریب
 مسکین کے ہاتھ پر بطور روکتے ہیں، غرض وہ لوگ ہر وقت اور ہر ایک کے
 ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں۔ فرمایا اللہ کے پاس جو نیکو نیت ہیں وہ ان نیکوں
 کے لیے بہتر جہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اُن کے گمراہ میں شامل ہونے
 کا مستحق بنائے۔

الْإِعْمَالِ

لَنْ تَنَالُوا

آیت ۱۹۹

درس ہفتاد و سترہ

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ
وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خَشِعِينَ لِلَّهِ ذَلَّا يَسْتُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ
ثَمًا قَلِيلًا أُولَئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِنَّ

اللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

ترجمہ: بیشک بعض اہل کتاب میں سے ایسے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور
اُس چیز پر جو ہماری طرف سے ان کی اور اُس چیز پر جو ان کی طرف سے ان کی ہے، وہ اللہ
کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں۔ وہ ہمیں اللہ کی آیتوں کے سامنے کم
بسی لوگ ہیں جن کے واسطے ان کے پورے دگر کے پاس بدلہ ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ

جلد حساب لینے والا ہے ﴿۱۹۹﴾

تلاوت

حمد ستہ درس میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا ذکر فرمایا کہ اے اہل ایمان! کفار کی طرح
و مسخرہ کا دوبارہ اعلیٰ ذریعہ آمد و رفت، اچھی خوراک اور اچھی رہائش کہیں تمہیں اس
مغالطے میں نہ ڈال دے کہ یہ لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔ فرمایا یہ تو دنیا میں استعمال کے
چیز انہیں تصور اسامیان دیا گیا ہے۔ اور پھر مرنے کے بعد ان کا ٹھکانا جہنم میں
ہوگا جو کہ بہت ہی بُری جگہ ہے۔ فرمایا البتہ عام متقین کے لیے ان کے رب
کے پاس بدلہ ہے۔ انہیں جنت میں داخل کیا جائیگا۔ وہ اللہ رب العزت سے
سے اعلیٰ نعم پائیں گے، اللہ تعالیٰ ان کی ممانعت کی کہیں گے۔ اب آج کے
درس میں اللہ تعالیٰ نے خاص متقین کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ اہل کتاب میں سے جو
لوگ ایمان لائیں گے ان کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے
اسی سورۃ میں اہل کتاب کے متعلق پہلے بھی تحریر چکا ہے یَسْمُوْا سَمَوَاتٍ

سورۃ آل
عمران

ماسے کے سلسلے اہل کتاب کو ایک جیسے نہیں۔ اگر لوگوں کی اکثریت قرآن پاک، نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے دشمن ہیں تو ان میں سے اچھے لوگ، بھی ہیں جو اسلام کی حقانیت کو سمجھتے ہیں۔ وہ تعصب اور بغاوت کو چھوڑ کر ایمان کو قبول کر لیتے ہیں، اگرچہ وہ تعداد میں قلیل ہیں۔ ایسے سمجھدار لوگ ہر زمانے میں پائے گئے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانے میں عبداللہ بن سلام یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے۔ مگر اللہ کی توفیق سے اسلام قبول کیا۔ ان کے ساتھ بہت سے دوسرے لوگ بھی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ تمیم دارقطنی مشہور عیسائی تھے۔ صہیب رضی کا تعلق بھی اسی مذہب سے تھا، سلمان فارسی جیسی عظیم المرتبت شخصیت کا پہلا دین عیسائیت تھا۔ ان سب نے اسلام قبول کیا اور مسلمانوں کی صفِ اول میں جگہ پائی۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ هَدَىٰ لَهُمُ الْأَحْزَابَ وَالْآيَاتِ اشارہ ہے کہ وہ سب برابر نہیں ہیں۔ ان میں کچھ اچھے لوگ بھی ہیں اور اس آیت إِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ نَصَارَىٰ مُرَاد ہیں یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلام کے متعلق حضرت علیہ السلام نے فرمایا عبد اللہ مثل عاشق عشیہ کہ وہ مشرہ و بشرہ کی طرح ہیں۔ یعنی وہ ان دس صحابہ کی طرح ہیں جنہیں حضور علیہ السلام نے بیک وقت جنت کی پٹری دے دی۔ ان میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی المرتضیٰؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ، سعیدؓ، ابو عبیدہؓ، عبد الرحمنؓ شامل ہیں۔ یعنی حضرت عبداللہ بن سلام ان دس صحابہ کی طرح جنت میں مسلم بشریعت اور تہذیبیعت کی روایت میں آئے۔ کہ عبداللہ بن سلامؓ نے خواب دیکھا اور حضور علیہ السلام کے پاس بیان کیا، تو آپ نے فرمایا إِنَّ لَكَ مَوْتَ عَلَى الْإِيمَانِ یعنی تمہارا خاتمہ ایمان سے ہوگا۔ آپ نے یہ بشارت اسی وقت سنائی تھی۔

پیشانی کا
قبول اسلام

اہم نصاب اور اہم میضادیں سے حضرت انسؓ سے روایت بیان کیا ہے۔ اور اہم ابن عمرؓ نے حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے کہ بخران کے چالیس عیسائی ایمان قبول کر چکے تھے۔ جوشہ میں بھی بیس خوش نصیب ایمان کی دولت سے

۱۰ سال ہوئے۔ مدینہ کے یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ مرفہرست تھے اور جیشہ کے بادشاہ سنجاشی ثروتمانی لے آئے۔ اہم لسانی فرمائے میں کہ مکہ سے ہجرت کر کے دو قافلے جیشہ پہنچے۔ پہلے قافلہ میں تو دماجرین کی تعداد کم تھی تاہم دوسرا سنی انزلو پر مشتمل تھا جس میں حضرت عثمانؓ بمع اپنی زوجہ اور حضور علیہ السلام کی دختر حضرت خیرہؓ شامل تھے۔ حضرت جیشہؓ بھی بمع اپنی زوجہ آگیا۔ اس کے ساتھ اسی قافلے کے ہمراہ گئے۔ فرمائے ہیں کہ سنجاشی نے حضرت عثمانؓ اور حضرت جیشہؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ اُسے حضور علیہ السلام کی ملاقات کا زیارت بھر شوق رہا۔ مگر اس کی یہ حسرت پوری نہ ہوئی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ ایک موقع پر سنجاشی نے تیس سالہ پسر مشرقل ایک وفد جس میں اُس کا اپنا بیٹا بھی تھا، حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا تھا۔ یہ وفد کبریٰ سعید کے دوران عسدری طوفان کی نذر ہو گیا، کشتی ڈوب گئی۔ دران میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکا۔ البتہ اس کے علاوہ ایک اور قافلہ وہاں سے مدینہ آیا اور ایمان قبول کیا۔ اس کا ذکر یہ تو ہیں پارسے کی ابتداء میں آئے۔

اہل کتاب کے لئے دہرا آج

ہر بخوشی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ سنجاشی کی وفات کے وقت دماجرین پر ایک بھی مسلمان موجود نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خدات جبریل علیہ السلام سے فرمایا حضور علیہ السلام کو خبر دی کہ آج سنجاشی فوت ہو گیا ہے۔ وہ سب ایمان بنا۔ نہ آپؐ کی نماز جنازہ ادا کریں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا امام اعلان فرمایا۔ لوگ باہر عید گاہ میں نکلے۔ درویشی پڑھی جھین نہیں اور سنجاشی کی غائبانہ جنازہ ادا کی گئی۔ اہم بخوشی فرماتے ہیں کہ حقیقت میں یہ جنازہ غائبانہ نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ اور جیشہ کے درمیان موجود تمام پرشے ہٹا دیے اور سنجاشی کی میت حضور علیہ السلام کو نظر آنے لگی اور اس طرح یہ جنازہ گریا حاضر میت پر ہی پڑھا گیا۔ یہ بالکل اسی طرح ہوا، جس طرح مشرکین کے بیت المقدس سے متعلق سوال کرنے پر اللہ تعالیٰ نے درمیانی تمام پرشے چاک کر کے بیت المقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکن کر دیا تھا اور آپؐ ہر سوال کا جواب بیت المقدس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دیتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کا نزول فرمایا تو اس پر بھی ایمان لے آئے۔ حدیث شریف میں آج
 ہے۔ کہ تین آدمی ایسے ہیں جو دوسرے اجر کے مستحق ہیں۔ پہلا شخص وہ مسلمان غلام ہے
 جو اللہ کا حق بھی ادا کرتا ہے، اُس کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے، اور پھر اپنے
 فریضہ آقا کا حق بھی ادا کرتا ہے۔ اس کی خدمت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا، فرمایا
 اس کے لیے اللہ کے ہاں دوسرا اجر ہے۔ اس اجر کا حقدار دوسرا وہ شخص ہے جو
 اپنی لونڈی کی اچھی تربیت کرتا ہے، پھر اُس کو آزاد کر کے اُس سے نکاح کر لیتا ہے
 اور تیسرا وہ شخص بھی دوسرے اجر کا مستحق ہے جو پہلے کسی درستی بنی اور دوسری کتاب
 پر ایمان رکھتا ہے اور پھر حضور علیہ السلام کا زمانہ پاکر آپ پر اور قرآن پاک پر ایمان
 لے آتا ہے آیت کے اگلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے لوگوں کی دو صفات بھی
 بیان فرمائی ہیں، اور پھر ان کے اجر کا ذکر کیا ہے۔

قریبی قریبی
 رسم

اس قسم کے لوگ ہر زمانہ میں موجود رہتے ہیں۔ بعض انصاف پسند لوگوں کو
 ہمیشہ دوسرا اجر حاصل ہوتا رہا ہے۔ ہمارے قریبی زمانہ انیسویں اور بیسویں صدی میں
 سیلے کی خوش نصیب ہمارے محلے میں۔ ڈاکٹر اقبال کے بڑے بھائی بھائی تھے، اللہ نے
 ایمان نصیب فرمایا۔ مولانا احمد علی لاہوری کے والد اولاد ہندو تھے، زندگی کا کام کرتے
 تھے، اللہ نے ایمان بخشا۔ اسی طرح مولانا عبد اللہ مسعودی تھے، دودھ و ایمان کی دولت
 سے لافاں ہوئے اور اعلیٰ مقام پایا۔ یہاں آپ کے شمع میں پروفیسر محبوب الہی بکھر رہے
 تھے، اللہ نے ایمان بخشا، اسلامیہ ہائی سکول کے ٹیچر ابراہیم صاحب کے والد اور
 مولانا احمد علی کے والد انھیں مسلمان ہوئے، امیران ہائیں سے واحد زندہ شخصیت
 مولانا عزیز گل کی بیوی انجیر زبختی، وہ بھی ایمان لائی اور تیس سال تک آپ کے ساتھ
 میں رہی۔ ابھی چند سال پہلے فوت ہوئی ہے، بڑی عبادت گزار خاتون تھیں۔ تحفۃ الہند
 کے مصنف ہندو تھے۔ پٹیا سے کے رہنے والے تھے۔ شاہ اسماعیل شہید کی جہات
 کے زمیوں سے متاثر ہو کر ایمان لائے۔ آپ نے اسلام کے حقائق اور شرک کی
 تردید میں بڑی اچھی کتاب لکھی ہے۔

آپ بھی ایک آدمی زندہ ہے جو یہودی تھا اور ترکوں کے دور میں آخری تھے
 میں مسلمان ہوا۔ اس وقت مصر، اردن اور شام کا دہشتہ کیے ساتھ رابطہ بریل قائم
 تھا۔ اردن میں تو اب بھی یہ بریل چلتی ہے، مگر سعودی عرب والا حصہ جنگ خطر میں ایسا
 تباہ ہوا جو آج تک بحال نہیں ہو سکا۔ بہر حال اس جرمن یہودی کا پہلا نام یو لپو لڈ تھا، مسلمان
 ہو کر محمد اسد کہلاوا۔ اس شخص نے مطالعہ اسلام کے لیے مصر سے بذریعہ بریل سفر کا آغاز کیا۔
 گاڑی میں فلسطین کے کچھ مسلمان بدو بھی ہم سفر تھے۔ دوران سفر ایک بدو کسی ٹین پر اُترا
 اور کھانے کے لیے درویشان بنے آیا۔ اس نے کھانسی میں شرکت کے لیے نیر نڈل
 کو بھی دعوت دی اور کہا بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰی ہدٰیۃ اللّٰہ تاول فرمائیں۔ اس نے
 معذرت چاہی مگر اس بدو نے اصرار کیا کہ ہم مسلمانوں کی وہی طریقہ ہے۔ یہ کہ ہم مہتممون
 کو بھی کھانے کی دعوت دیتے ہیں، وہ شخص اس پیشکش سے بہت متاثر ہوا۔
 اس شخص نے بدو کے سامنے اسلام پر یہ اعتراض پیش کیا۔ کہ تمہارے بھوکے
 اسلام ایک عالمگیر اور مستغاثہ دین ہے مگر اس کا یہ قانون عجیب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک
 مسلمان آدمی اہل کتاب عورت سے تو شادی کر سکتا ہے مگر ایک مسلمان عورت کسی یہودی
 یا عیسائی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ وہ بدو بخور تھا، قرآن مجید کی رائے سن کر ہیچ گیا اور
 اعتراض کی وضاحت یوں کی کہ مسلمان حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 پر سمیت تمام انبیاء کے حکام پر ایمان رکھتے ہیں لَا تُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ
 اور ان کی اسی طرح تکريم کرتے ہیں جس طرح نبی آخر الزمان علیہ السلام کی کرتے ہیں۔ اگر
 کوئی یہودی یا عیسائی عورت مسلمان کے گھر میں آجاتی ہے، تو وہ اس گھر میں رہنے نبی
 اور اس کی کتاب کے متعلق کوئی تکلیف وہ باہت نہیں بنے گی بلکہ رہنے ہی کا عزت و
 احترام دیکھے گی۔ برخلاف اس کے اگر مسلمان عورت کسی یہودی یا عیسائی کے گھر
 داخل ہوگی، تو وہ اپنے نبی آخر الزمان علیہ السلام کی تنظیم و تکريم کو محفوظ نہیں پائے گی۔
 جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ ذہنی گرفت میں مبتلا رہے گی۔ لہذا اسلام نے کسی مسلمان عورت
 کو غیر مسلم سے نکاح کی اجازت نہیں دی۔ اس بات نے بھی یو لپو لڈ پر اثر کیا۔ اور

اللہ تعالیٰ نے اس کا دل ایمان کے لئے کھولا دیا۔ اس شخص نے اسلام کی آئید میں بڑی
 نیک نیت سے جی میں جو نامہ ROAD TO MAKAN (شاہزادہ کا بڑی اچھی کوشش ہے،
 اور ISLAM AT THE CROSS ROAD (اسلام جو راستے پر) بھی اعلیٰ کتاب ہے۔ یہ
 شخص مسلمانوں کی زبانوں عالی کا بڑا شاکر ہے۔

دارالمذہب بھی عیسائی تھا۔ ترکی میں جاسوسی کرنے کی غرض سے گیا۔ اس دور کے
 شیخ الاسلام کی مجالس میں مولیت اختیار کی جس کا اثر یہ ہوا کہ عیسائیت چھوڑ کر اسلام
 میں داخل ہو گیا۔ شیخ ہالم میں پر فیئر غازی احمدی جی رزقہ سلامت وجود ہے جس نے
 غور اسلام قبول کیا۔ اس کا باپ سربند تھا۔ اسلام قبول کر کے بڑے مصائب کو
 شکار ہوا۔ والدین کی طرف سے سختیاں جیلیں اور آخر کار دل پر پتھر رکھ کر ہمیشہ کے
 لیے ان سے ملوہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے علم عسی نعمت عطا کی، اس نے بدایہ کا اردو ترجمہ
 بھی کیا ہے۔ حکم کٹوریہ کے زمانے میں شاہی خاندان کے فرد کو لیم نے اسلام قبول کیا۔
 اس نے قبول اسلام کا واقعہ خود لکھا ہے جسے نسطاوی نے ہر جی نے تفسیر الحجاب میں نقل
 کیا ہے۔ کو لیم تہ ملی آب و ہوا کے لیے اچھا رہ گیا، وہاں پر سکھانوں کے دستور کے
 طریقے سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ خود بیہوش تھا۔ اس کے ساتھ خاندان کے
 مرنے والے افراد نے ایمان قبول کیا۔ انھیں یوں نے اس پر عداوت میں مقدمہ درکار کیا۔
 جس نے اپنے مقدمہ کی خود بیہوشی کی اور انگریز نامہ لکھے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمام
 غیر مسلم یک سے نہیں ہوتے بلکہ ان میں بعض منصف مزاج بھی ہوتے ہیں۔ جو حق
 کو قبول کر سکتے ہیں اور ایسے لوگ ہر دور میں پائے جاتے ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی صفات بیان فرمائی ہیں۔ پہلی صفت۔

حقیقت الہی

یہ ہے کہ وہ خَشِيعِينَ لِلّٰہ اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہوتے ہیں۔

خشیت الہی یا اجابت اللہ اسلام کے چار اہم اصولوں میں سے ایک ہے۔ اور ہر
 اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرے
 حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اس امت سے جو چیز سب سے پہلے اٹھے گی وہ

اجابت ہے۔ فرمایا مسجد نمازیوں سے بھری ہوگی مگر پانچ سو آدمیوں میں سے کاتری
 غیبیہ خاصہ ایک بھی صاحب خرم و متوجہ نظر نہیں آئے گا، اجابت
 کا اس قدر قطع واقع ہو جائیگا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنا جزو ایمان ہے، جو
 شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے گا، وہ اپنے گرد و پیش والوں کے ساتھ بھی
 لازم سے پیش آئے گا۔ وہ کسی بات پر اکثر نہیں دیکھائے گا حضور علیہ السلام نے فرمایا
 لَا يَبْغِي بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ تَمَنَّى كَافٍ دُونَكَ كَافٍ دُونَكَ كَافٍ دُونَكَ كَافٍ
 مرتبہ پیش آئے، ہمیشہ انکاری اختیار کرے۔

فرمایا ایسے لوگوں کی دوسری صفت یہ ہے لَا يَشْتَرُونَ بِإِلَهٍ ثَمَنًا
 تَلِيًّا وَهُوَ اللّٰهُ كِي آیتوں کے بدلے دنیا کا حقیر مال نہیں خریدتے۔ گذشتہ دروس میں کئی
 روایات پر آچکا ہے۔ کہ اہل کتاب اللہ کی آیتوں کو تمسخری قیمت پر بیچ دیتے تھے۔
 یہاں فرمایا کہ بعض اچھے ہیں جو ایسا نہیں کرتے۔ یہ بہت بڑی بیماری ہے، جو اہل
 کتاب سے مسلمانوں میں بھی آگئی ہے دھوکے فریب کی کائی اسی پھیل رہی ہے۔
 غلط مال بنا کر اس کی فیس وصول کی جاتی ہے۔ یہ اللہ کی آیتوں کو بیچنے کے مترادف ہے۔

فرمایا أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرٌ قَسِيرٌ تَمَنَّى كَافٍ دُونَكَ كَافٍ دُونَكَ كَافٍ دُونَكَ
 پروردگار کے ہاں بہتر اجر ہے۔ بلکہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ دو ہزار
 عطا فرمائیں گے۔ وَنَالَهُ سَبْعُ مِائَاتٍ الْحَسَابِ اللّٰهُ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے
 قیامت قریب اور ہر شخص کا حساب جلدی شروع ہو رہا ہے۔ لہذا اُسے غافل نہیں
 رہنا چاہیئے۔ وہ پھر یہ بھی ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ حساب جلدی لینے والا ہے۔ تو
 اُس کا اجر بھی جلدی دیا جائے گا اس میں کسی قسم کی دیر نہیں ہوگی۔ اچھا یا برا یہ کہ جس کا کوئی
 شخص تھک رہا ہوگا۔ فوراً پاسے گا۔

حساب میں
 جلدی

آل عمران ۳

لَنْ تَنَالُوا

آیت ۲۰۰

درس چہارم و پانچواں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا قُتِلَ
وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۲۰۰﴾

ع

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر کرو اور صابر رہو۔ اور لگا رہو اور

اللہ سے ڈر کر رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ ﴿۲۰۰﴾

سورۃ آل عمران کی یہ آخری آیت ہے یہ لمبی اور عظیم سورتوں میں سے ہے سورۃ
نفسِ اقصیٰ پر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے خطاب کر کے اس سورۃ کے غلہ کے
طور پر پانچ اصول بیان فرمائے ہیں اور اس کے بعد چھٹی بات دشمنوں کے لیے فلاح و
کامیابی کا شروع ہے آج کی یہ آخری آیت پوری سورۃ کا باب اور ایک جامع
انصاف پر مشتمل ہے۔ درجہ لفظوں میں پوری سورۃ آل عمران اس آخری آیت میں
مکمل ہے۔

خلاصہ
پانچ اصول

ارشادِ ہر تبسے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا

پہلا اصول
ایمان

یہی ایمان والوں سے ہے۔ نشان کے لیے سب اہم مطلوبہ چیز ایمان ہے۔ اس
مخالف سے یہ ایمان والوں سے خطاب بھی ہے اور ایک اہم اصول بھی ہے۔ ایمان کی
صداقت، فلاح، نجات اور دنیا و آخرت میں کامیابی ایمان پر ہی موقوف ہے۔ اس
سورۃ کی ابتدا سے اختتام تک ایمان ہی کی بات سمجھائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ
اللہ تعالیٰ نے ہمیں سے زیادہ تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق فرمائی ہے اور واضح کر دیا
ہے کہ ہر طرح اللہ کی ذات میں کوئی شریک نہیں سی طرح ظہر ہی بھی اس کا کوئی
شریک نہیں۔ عینِ حق بھی وہی ہے اور عالم الغیب بھی وہ خود ہی ہے۔ کہیں محتاج نہیں ہو
تو کہ ذکرِ معین۔ اللہ تعالیٰ نے یہی بالوحیٰ امتداد فرمادیا ہے کہ ہر قسم کی عبادت جی ہر

یا اہل بیتؑ کسی کی فات کے لیے ہے۔ عبادت میں بھی اُس کا کوئی شریک نہیں
تمام کائنات کا صرف اور اختیار بھی اللہ جل جلالہ کے پاس ہے۔ اس میں بھی اُس
کا کوئی شریک نہیں۔ یہ تمام چیزیں ایمان کی بنیادیں ان بالوں کی نڈھی افروز شریک
بن جانے کے لیے کافی ہے۔

نذر و نیاز بھی اللہ کے سوا کسی کے لیے روا نہیں۔ اسی سورۃ میں حضرت مرثدہؑ کی دعا
کی دلدہ کی مذکر کا ذکر آچکا ہے رَبِّیْ نَدِّیْ لَكَ صَافِیْ بِطَرَفِیْ مَحْضُکَ مِنْ لَدُنِّیْ
مولاکمیم! جو کچھ میرے پیٹ میں ہے وہ تیری رضا کی خاطر وقت کر کے تیری نذر و نیاز میں
غیر نذر و نیاز بھی صرف اللہ تعالیٰ کے قرب کے لیے برقی چاہیے۔ غیر اللہ کے
قرب کی نذر و نیاز کبھی پہنچائے گی۔ اور یہ چیز ایمان کے منافی ہوگی۔ اس سورۃ میں
اللہ تعالیٰ نے اُن تمام امور کی نشاندہی فرمادی ہے۔ جو ایمان میں عمل کا باعث بن سکے
میں۔ شرک کی مختلف صورتوں کو بھی واضح کر دیا ہے۔ عرض ایمان تمام اصولوں کا بنیاد
احول ہے۔ اور اس نے بعد پانچ اصول بھی بیان کر دیے گئے ہیں۔

فرمایا اے ایمان والو! اصْبِرُوا صَبْرًا کَامِلًا۔ اس سورۃ میں کتنے ہی مقامات پر اہل ایمان
کی تہنیت اور ایذا دہانوں کا تذکرہ بیان ہوا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے ہر مقام پر صبر
کی تہنیت کی ہے۔ تہنیت کو برداشت کرنے کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اللہ کے پسے
انبیاء و حفراز اعلیٰ علیہ السلام، علیہ علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، زکریا علیہ السلام
اور پھر آخر میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر تہنیت برداشت کی ہے اور اُن پر
پر صبر و تحمل کا کیا شہرہ پھیل گیا۔ اس سورۃ میں غزوہ احد کی بہت ہی تفصیلات بیان ہوئی
ہیں جن سے ساریوں پر صبر کے پیمانہ کو سمجھنے کا کچھ بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اور پھر بھی
پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں صحابہ کرامؓ اور خیر و حضور علیہ السلام نے صبر کا کتنا بڑا
سہارا قائم کیا۔ سورۃ کے مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خطاب کر کے
فرمایا ہے وَ اَنْ تَصْبِرُوْا یعنی اگر صبر کر دے گے، تو کامیابی حاصل کرو گے، سورۃ بقرہ
میں بھی صبر کا اصول اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ یہ بات بھی

کا ایک نام مول سچاں بھی صبر کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ ایک جگہ فرمایا
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ الْإِيمَانَ وَالْوَصْبَ
 اور نماز کے ساتھ استقامت بہت کمزور۔ اطاعت کے لیے صبر بہت ضروری ہے
 نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسی اطاعتیں صبر کے بغیر ممکن نہیں، لہذا صبر بہت ضروری
 اصول ہے۔

صبر کا لغوی معنی روکنا یا ضبط کرنا ہے، لہذا صبر کی ایک دوسری صورت نفسِ انسانی
 خواہشات سے روکنا ہے۔ نفس ہمیشہ خواہشات کے پیچھے چلتا ہے۔ اور اس
 کو دلچسپ کام یا بندنا بھی صبر کی ایک قسم ہے۔ صبر کی ایک قسم یہ ہے کہ انسان پر دین
 کے مسئلہ میں جن قدر مشکلات آئیں، ان کو برداشت کرے۔ گویا صبر ان کی زندگی کے
 ہر موڑ پر کام آنے والا عمل ہے۔ کوئی نقصان ہو جائے، جان چلی جائے مقدمہ پیش
 آجائے، ہنگامہ ہو جائے، جنگ چھڑ جائے ہر معاملے میں صبر کی ضرورت پیش آتی
 ہے اور اس کے بغیر انسان کی کامیابی ممکن نہیں ہے!

اللہ تعالیٰ نے تیسرا اصول فرمایا وَصَابِرُوا فِي أَمْرِ مَطْلُوبِ فِي مَضْبُوطٍ۔

ظہر صبر
 تعلق صبر

پہلے فرمایا تھا ہر تکلیف پر خود صبر کر، اب فرمایا اور مقابلہ میں مضبوط رہو۔ اس کے علاوہ بھی
 قرآن کریم میں متعدد مقامات پر دوسریں کو صبر کی تلقین کر دیا حکم دیا گیا ہے۔ کہ

انہیں ترغیب دو کہ وہ مشکلات پر صبر کے ذریعے قبولیائیں سورۃ بقرہ میں

فَرَمَاوُا فَنُؤِ صَبْرًا بِالصَّبْرِ وَكُنُوا صَبْرًا بِالصَّبْرِ حَمِيمَةً

یعنی اُن لوگوں میں جو

چاہو جو ایک دوسرے کو صبر اور رحم کی تلقین کرتے ہیں سورۃ العصر میں بھی ایسا ہی آتا ہے

وَكُنُوا صَبْرًا بِالْحَقِّ وَكُنُوا صَبْرًا بِالْقَوِيَّةِ

یعنی خالصے سے محفوظ رہو اور قوت کے ساتھ

نے ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کی۔ گویا ایمان کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ

اور توہمی بالصبر بھی ضروری ہے۔ حق اور صبر کی تلقین ایک جیسی ضروری چیز ہے۔

میں یہ بات بھی اُلٹی کہ خود بھی ایمان پر قائم رہو اور دوسروں کو بھی قائم رہنے کی تلقین

کرتے رہو۔ غرضیکہ ایک اصول خود صبر کرنا ہے اور دوسرا اصول توہمی بالصبر

جو تھا اصول
 سبط

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چوتھے اصول کے متعلق فرمایا وَتَوَابِعُوا

نیکی اور طاعت کے کاموں میں تگے رہو۔ رابطہ واصل دشمن کی سرحد پر چھوڑنے سے
بندھنے کو کہتے ہیں۔ جہاں دو ملکوں کی سرحدیں ملتی ہیں وہاں سرحدوں کی حفاظت
کے لیے ہمہ وقت مستعد رہنا بھی اپنی معافی میں آتا ہے۔ اسلامی ملک کی سرحدوں
کی حفاظت کرنے والوں پر پیرہ پیرہ شیشے کی بڑی ضخیم کتی ہے۔ یہ اس لیے
ضروری ہے کہ کہیں دشمن حملہ کر کے اسلام کے پیرہ پیرہ میں خلل اندازی نہ کرے۔ لہذا
سرحدوں کی حفاظت اہل اسلام کے لیے فرض ہو جائے۔ حدیث شریف میں آتا ہے
رباط یوجز خسبہ عن صیام شہود قیامہ (مناہ) یعنی سرحد پر ایک رات
پیرہ دینا عیدہ بھر کی نفلی عبادت سے افضل ہے۔ ایک دوسری روایت میں مندرجہ
حَبِزٌ مِنَ الْفَتْحِ شَتَّى اَیْکَ ہِزْیَمِیْنِیْنَ کی نفلی عبادت افسس ہے اور جو شخص
سرحد کی حفاظت کے دوران فوت ہو گیا، تو اس کا یہ عمل قیامت تک کے لیے
لکھا جائے گا۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ یہ شخص قبر کے نعت سے
ناموں ہے گا۔

رباط کی دو صورتیں ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ ظاہری رباط کا بیان تو ہو
چکا۔ باطنی رباط یہ ہے کہ انسان شیطان کے مقابلے میں مستعد ہو جائے۔ اور اسے
خل اندازی نہ کرنے دے۔ جس طرح ظاہری دشمن کے مقابلے میں سرحدوں کی حفاظت
ضروری ہے اسی طرح باطنی دشمن شیطان کا مقابلہ کرنا بھی ضروری ہے تاکہ وہ دوسروں کی
نہ کر سکے۔ انسان جب تک نیکی میں لگا رہے گا شیطان دخل نہیں دے سکیگا جب
آدمی غفل ہو جاتا ہے تو شیطان کو دوسرا اندری کا موقع مل جاتا ہے۔ لہذا شیطان
کے مقابلے میں باطنی ضروری ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے۔
اَلَا اَدْعٰکُمْ عَلٰی مَا یَمْحُو اللّٰہُ بِہٖ لُحْطٰیَا وَیَرْفَعُ بِہٖ لُحْجَاتِ قُلُوْبِ
سَبٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ: سَبَّاحُ الْوُضُوْءِ عَلٰی الْمَکَارِہِ وَکَثْرَةُ لُحْطِ
رَیْ. اُمْسِلْ جِدَّیْ فَنَقَارُ اَنْفَعَلْنَا لَعَدَا لِمَصْلُوْفَةٍ فَکَرِہْکُمْ الرِّبَاطَ
آپ نے صبر کرنا کو فرمایا کیا میں نہیں وہ چیز دباؤں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ

خطاؤں کو مٹاتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا، حضور! کیوں نہیں فرمایا تکلیف برداشت کر کے کامل وضو بنا مسجد کی طرف کثرت سے قدم رکھنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہ تمہارا رباط ہے۔ یہ بات آپ نے تین دفعہ فرمائی

پانچواں قول

آگے فرمایا وَاتَّقُوا اللَّهَ سے ایمان والو! اللہ سے ڈر سنے رہو، یعنی تقویٰ اختیار کرو۔ اور یہ بھی اہم اصول ہے تقویٰ کا معنی اللہ تعالیٰ سے ڈر جانا اور ٹھوس سے بچ جانا اور اللہ کی حدود کو قائم کرنا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب الطائفت القدسیہ فرماتے ہیں ”تقویٰ محافظت است بحدود شرع“ یعنی شریعت کی حدود کی حفاظت کرنا تقویٰ کہلاتا ہے۔ اور تقویٰ میں عدل اور احسان اور شہادت اللہ کی تعظیم بھی شامل ہے شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے غیۃ الطالبین میں تقویٰ کی تشریح کرنے کے بعد یہ آیت نقل کی ہے إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْعَبَسِ اور نبیؐ کی تقویٰ میں عدل قائم کرنا، لوگوں کے ساتھ احسان کرنا، مکرخی بے حیائی اور بُری باتوں سے بچ جانا بھی شامل ہے۔ تقویٰ کا لفظی معنی ڈر اور بچنا ہے۔ جو شخص اپنے سے ڈر کر اس کی نافرمانی سے بچ جاتا ہے وہ تقویٰ کو پالیتا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں جگہ جگہ تقویٰ کی تعلیم دی گئی ہے۔ الغرض یہ پانچواں اصول ہے جو اس سورۃ میں بیان ہوا ہے۔

فرمایا خود صبر کرو، دوسروں کو صبر کی تلقین کرو اور اطاعت کے کاہل میں نہ رہو اور اللہ سے ڈر سنے رہو فَلْيُحْمَلُوا اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ منزل ملو گا یا لو گے۔

حضور علیہ السلام نے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کی بُری تفصیلت بیان کی ہے فرمایا تِي سَبَّحُ کے دن یہ دونوں سورتیں خیموں کی شکل میں آئیں گی۔ ان کے درمیان چمک ہوگی اور وہ اپنے پڑھنے والوں، عمل کرنے والوں اور ایمان رکھنے والوں پر سایہ فاشی ہوگی اور بندے کے حق میں منشاء رحمت کریں گی۔ ان سورتوں کو نہ ہزاروں

یعنی روز روشن سورتیں کماگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لمبی سورتوں میں بہت سے
 حقائق، معارف، بنیادی اصول اور مسائل بیان فرمائے ہیں۔ دینی شریعت کی تربیت
 میں آتا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۃ آل عمران کی تلاوت کر لیا، اس کے یہ
 فرشتے سارے دن دعاؤں کرتے رہیں گے۔ حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے۔
 واللہ اعلم بالصواب۔ وصلى الله على خير خلقه محمد وآله وصحبه وأزواجه ولقبائمه
 اجمعين۔ بِرَحْمَتِهِ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

حَمَلِ عَلَى الْفَلَاحِ

نماز مسنون کلال پر غیر مقلدین کے
 اعتراضات کے دندان شکن
 مسکت اور مدلل جوابات

تالیف

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی



ملنے کا پتہ

مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوہر النوالہ

مباحث کتاب الایمان مع تسہیل و توضیح

مقدمہ صحیح مسلم

مصنف

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ

صحیح مسلم شریف، ہم حدیث میں تین اہم ترین کتابوں میں ایک ہے اور صحیح بخاری کی طرح تمام صحیح اور حسان روایات پر مشتمل ہے۔ قرن سوم سے آج تک محدثین و معتمدین نے اس میں "کتب الایمان" کا ایک طویل اور اہم باب ہے جس کو ہر مسلم بیٹے سب سے پہلے درج کیا ہے۔ اس میں ایمانیات کے جملہ مسائل کا ذکر ہے اور بعض مباحث اس کے نہایت اہم اور قیمتی ہیں۔ اس مباحث کی تفسیر و تفسیر و تفسیر کی قیمت کے طریق پر اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے جس کو سمجھنے سے ایمان کے جملہ مسائل نہایت ہی عمدہ طریق پر حل ممکن ہو جاتے ہیں۔ اختلاف و مشکلات وغیرہ بخوبی حل ہو جاتے ہیں۔ نیز مقدمہ میں امام مسلم رحمہ اللہ نے ہم اسوں حدیث کے لیے اہم ترین مباحث ذکر کیے ہیں جو ہم فن حدیث میں بہت کارآمد ہیں۔ "موسم" امام شریف کی احادیث میں سب سے عمدہ و نفیس بخش ہیں۔ مقدمہ اپنی جہت کے اعتبار سے مشکل بھی ہے اس سے اس کی شہیں و توجیح مختصر طریق پر "در بہترین انداز میں کی گئی ہے علم حدیث کے طلب کاروں کے لیے بہت نافع ہوگی اور اس کے پڑھنے سے بہت سے لوگوں کو فائدہ ہوگا۔ عمدہ کتابت و مصحف ۲۰ صفحات پر مشتمل شیخ دوم کی قیمت ۳۵ روپے ہے۔

ملنے کا مکملہ درس القرآن فائدہ گنج گو عبدالوالہ پتہ

عمرہ پر جانے والے خواتین و حضرات کے لیے انمول تحفہ

احکام عمرہ

مع

زیارات مکہ المکرمہ و مدینۃ المنورہ

مرتب

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

مدرسہ نعرۃ العلوم گوجرانوالہ

اس رسالہ میں عمرہ کی تعریف، فضیلت، طریقہ، احکام و مسائل اور ہمت و اہم چیزوں کا نہایت اختصار کے ساتھ قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ذکر کیا گیا ہے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں موجودہ زیارات کا محل وقوع اور ان کا تاریخی پس منظر ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ طواف و سعی کا طریقہ نقشوں کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔ روضہ اطہر، جنت البقیع، ریاض الجنۃ کا نقشہ اور بعض دیگر اہم مقامات کا تذکرہ بطور خاص کیا گیا ہے۔ ۹۱ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ عمرہ کتابت و طباعت کے ساتھ صرف ۱۸ روپے میں دستیاب ہے۔

ملنے کا پتہ

مکتبہ مدرس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قرآن مجید مترجم

ترجمہ

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

بانی مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ

قرآن مجید کے صحیح ترجموں میں حضرت مولانا شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ، حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ، حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھیؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تراجم مشہور اور مقبول ہیں۔ حضرت صوفی صاحب مدظلہ نے بھی موجودہ دور کے مطابق جدید اردو زبان میں یہ ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلے حضرت صوفی صاحب مدظلہ کی تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن کی تیس جلدوں میں بھی شائع ہو چکا ہے اور حال ہی میں عمدہ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ ۷۴ صفحات پر مشتمل شائع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔ قیمت ۲۵۰ روپے۔

ناشر مکتبہ دروس القرآن فاروق سنچ گوجرانوالہ

حدیث کی مشہور ترین کتاب مسند امام احمد بن حنبلؒ کی تشریح

دروس الحدیث

افادات

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

مرتب

الحج لعل دین، ایم اے

مسند احمد کی منتخب احادیث کی مایہ ناز شرح اردو زبان میں پہلی مرتبہ چار جلدوں میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہے ان میں ہر موضوع پر احادیث رسول ﷺ کو سمجھنے کے لیے گراں قدر علمی ذخیرہ ہے، خصوصاً درس دینے والے اصحاب کے لیے تو یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے احادیث کے ضمن میں مسائل و احکام کی توضیح عام فہم اور سلیس اردو زبان میں ہونے کی وجہ سے معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی اس سے مکمل فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ۔ جلد اول صفحات ۳۳۲ قیمت ۷۵ روپے، جلد دوم صفحات ۳۰۸ قیمت ۹۰ روپے، جلد سوم صفحات ۳۹۲ قیمت ۹۰ روپے، جلد چہارم صفحات ۳۹۲ قیمت ۹۰ روپے۔

ناشر: مکتبہ دروس القرآن، فاروق کالج گوجرانوالہ

معالم العرفان - موسس القرآن

ملاحظات

مؤلف: مولانا صفی محمد امجد سواتی صاحب

دست لکھ

بلال احمد ناگی صاحب

مترجم

الحاج نعل دیں صاحب (پھر سے سوم بار)

ترجمہ

انجمن مجاہد اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

مستند

باجو غلام حیدر صاحب

مترجم

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ

محمد منیر صاحب 1943-29-1943

مکتبہ موسس القرآن گوجرانوالہ